گھر کے ہر فرد کے لئے

ماہنامہ

پاکیزہ

کراچی

سالگرہ نمبر

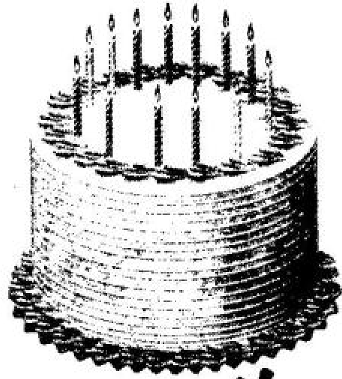
اپریل 2018

نگران اعلیٰ

معراج رسول

سحر ساجد، ثمینہ عظمت علی و ناہید فاطمہ حسنین کی خصوصی تحریریں

ہنستی مسکراتی رضوانہ پرنس سے خوشگوار ملاقات



Happy Birthday

سالگرہ مبارک

فوٹو گرافی :موسی رضا
میک اپ:روز بیوٹی پارلر
سرورق ماڈل:اریج خان

ماہنامہ

پاکیزہ

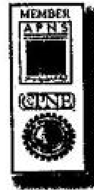
کراچی

نگرانِ اعلیٰ : معراج رسول

مدیرۂ اعلیٰ : عذرا رسول

مدیرہ : نزہت اصغر

معاون : آمنہ حماد



رکن آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی

منیجر اشتہارات

محمد شہزاد خان

0333-2256789

سرکولیشن منیجر

سید منیر حسین

0333-3285269

قیمت فی پرچا (پاکستان) 70 روپے

قیمت فی پرچا (سعودی عرب) 12 ریال یا مساوی متحدہ عرب امارات

زرِ سالانہ (اندرونِ ملک) 900 روپے...... جلد 46 ...شمارہ 01 ....اپریل 2018ء

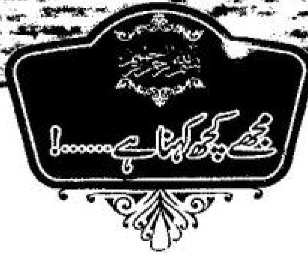


سالگرہ مبارک

Happy Birthday

پبلشر و پروپرائٹر: ذیشان رسول • مقامِ اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکس ٹینشن، ڈیفنس، مین کورنگی روڈ کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.
Postal Address: Box No. 662, G.P.O. , Karachi-74200
Phone: (021)35895313-35802552 , E-mail address: jdpgroup@hotmail.com



قارئین کرام......السلام علیکم!

آپ سب کو ماہنامہ پاکیزہ کی چھیالیسویں سالگرہ مبارک ہو۔ گزشتہ ساڑھے چار دہائیوں سے مسلسل شائع ہونے والا آپ سب کا ہر دل عزیز ماہنامہ اب ماشاءاللہ ''گولڈن جوبلی'' کی طرف گامزن ہے۔ یہ سب ہمارے باصلاحیت مصنفین اور باذوق قارئین کی بدولت ہی ممکن ہوا۔

قلم سے قرطاس کا رشتہ تو ازل سے ہے اور اس کی حُرمت کا پاس رکھنے والے ہی خلوصِ نیت سے اسے نبھاتے ہیں۔ کسی بھی رسالے کی کامیابی میں جہاں ان محنتی ہاتھوں اور روشن ذہنوں کا کمال ہوتا ہے جو اس کی بنیاد رکھتے ہیں وہیں اس کے صفحات پر شعور و آگہی بخشتی تحریروں کے تخلیق کاروں کا خونِ جگر بھی شامل ہوتا ہے۔

پراثر ادب وہی ہے جو معاشرے کے منفی طرزِ زندگی کے خلاف جدوجہد کا سلیقہ بتائے، تعمیری سوچ پروان چڑھائے اور مثبت اقدام کی طرف راغب کرے۔

ادارہ...... مصنفین اور قارئین گویا وہ تین جامع ''خطوط'' ہیں جو ایک تناسب سے مثلث کو جنم دیتے ہیں۔ کسی بھی ایک ''خط'' کے نہ ہونے سے مثلث ادھوری رہتی ہے اور الحمدللہ معراج رسول صاحب اور عذرا رسول صاحبہ نے اس مثلث کو بڑی کامیابی اور خوب صورتی سے سنوارے رکھا ہے۔

جہاں پروردگار کے فضل و کرم سے عزت و نام دینے والا ادارہ، شعور و آگہی دینے والے قلم کار اور ان اسباق کو پڑھ کر جذب کرنے والے ذی ہوش و باسمجھ قارئین ہوں تو وہاں کوئی رسالہ شہرت کی بلندیوں تک کیوں نہ پہنچے۔

آج ہمیں فخر ہے کہ ہمارے پاس نامور و گرانقدر مصنفین، پُراثر شاعری تخلیق کرتی شاعرات اور بے حد دقیق تبصرہ نگاران ہیں کہ جن کی تعمیری تنقید ہمارے حوصلے پست نہیں بلند کرتی ہے اور رسالے کی بہتری میں معاون ہے۔ اپنے رب کے حضور نذرانہ تشکر ادا کرتے ہوئے دعا گو ہیں کہ ہم آپ سب کے تعاون سے اپنے معاشرے میں اصلاح اور درستگی کا یہ عمل کامیابی سے انجام دیتے رہیں۔

نزہت اصغر

اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے، اور پرہیزگار بنتے تو ہم ضرور ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں (کے دروازے) کھول دیتے، لیکن انہوں نے جھٹلایا۔ پھر ہم نے انہیں اس چیز کی سزا میں پکڑ لیا جو وہ کمایا کرتے تھے۔(۹۶) پھر کیا بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہمارا عذاب ان پر رات کے وقت آ جائے جبکہ وہ سوتے ہوں۔(۹۷) کیا بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہو گئے کہ ہمارا عذاب ان پر دن چڑھے آ جائے جبکہ وہ کھیل رہے ہوں؟(۹۸) پھر کیا وہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے بے خوف ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے بے خوف نہیں ہوتے مگر نقصان اٹھانے والے لوگ ہی۔(۹۹) کیا اس نے ان لوگوں کو جو اس کے پہلے مالکوں کے بعد زمین کے وارث ہوتے ہیں، اس امر کی ہدایت نہیں کی کہ اگر ہم چاہتے تو ان کے گناہوں کے بدلے میں ان پر مصیبت ڈال دیتے۔ اور ہم ان کے دلوں پر (کفر کا) نشان چھاپ دیتے ہیں۔ پس وہ سنتے ہی نہیں ہیں۔(۱۰۰) یہ وہ بستیاں ہیں جن کی کچھ خبریں ہم (اے رسولؐ) تم سے بیان کرتے ہیں۔ اور یقیناً ان کے رسول ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے تھے۔ پس جن کو وہ پہلے سے جھٹلا چکے تھے ان پر وہ ایمان نہ لائے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر (کفر کا) نشان چھاپ دیتا ہے(۱۰۱) اور ہم نے ان میں سے بہتوں کو عہد کا پابند نہ پایا، اور ہم نے ان میں سے بہتوں کو نافرمان ہی پایا۔(۱۰۲) پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ کو اپنی آیتوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا۔ پس انہوں نے ان کے ساتھ ناانصافی کی، پس تم غور کرو کہ فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا؟(۱۰۳) اور موسیٰ نے کہا۔ اے فرعون! یقیناً میں سب جہانوں کے پروردگار کی طرف سے رسول ہوں۔(۱۰۴) مجھ پر بھی واجب ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے متعلق حق کے سوا کچھ نہ کہوں۔ بے شک میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے کھلی دلیلیں لے کر آیا ہوں پس تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔(۱۰۵) وہ بولا اگر تو کوئی معجزہ لے کر آیا ہے تو اسے پیش کر، اگر تو سچوں میں سے ہے۔(۱۰۶) پس اس (موسیٰ) نے اپنا سونٹا ڈال دیا تو وہ یکایک ایک ظاہر بظاہر اژدہا بن گیا اور اس نے اپنا ہاتھ نکالا تو وہ یکایک دیکھنے والوں کے لیے سفید (نورانی) ہو گیا۔(۱۰۸) فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا: یقیناً یہ بڑے علم والا جادوگر ہے۔(۱۰۹) یہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہاری زمین سے نکال باہر کرے۔ پس تم کیا مشورہ دیتے ہو۔(۱۱۰) وہ بولے اس کو اور اس کے بھائی کو مہلت دے اور اکٹھا کرنے والوں کو مدائن میں بھیج،(۱۱۱) وہ تیرے پاس ہر علم والے جادوگر کو لے آئیں۔(۱۱۲) اور جادوگر فرعون کے پاس آ کر کہنے لگے، یقیناً ہمارے لیے اجر ہوگا اگر ہم غالب آ گئے۔(۱۱۳) وہ بولا ہاں (ضرور اجر ملے گا) اور یقیناً تم میرے مقربوں میں سے بھی ہو جاؤ گے۔(۱۱۴) وہ بولے اے موسیٰ، یا تو تُو ڈال دے، اور یا ہم ہی ڈالنے والے ہو جائیں(۱۱۵)

(سورۂ اعراف ۷، پارہ ۸۔ آیات ۹۶ تا ۱۱۵)

آنحضرت ﷺ کے اسمائے گرامی

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاصَاحِبَ الْمِحْرَابِ وَالْعِزَّۃِ ط

سید کونین، ختم المرسلین، افضل الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الٰہی وصفاتی اسمائے مبارکہ میں سے ایک نام سیدنا عزیز صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہے۔ جس کا مفہوم سب پر غالب، پیارے، عزت والے کے ہیں۔

1۔القرآن (سب پر غالب) ترجمہ: وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اس (دین) کو تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ کافر ناخوش ہی ہوں۔ (آیت 33۔ سورۂ توبہ)

2۔عزت والے۔ ترجمہ: اور عزت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے اور مومنوں کے لیے ہے لیکن منافق نہیں جانتے۔

2۔الحدیث (غالب) 1۔سوید بن صامت جن کا لقب اپنی قوم میں کامل تھا۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوتِ اسلام دی۔ وہ بولا۔ شاید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس وہی کچھ ہے جو میرے پاس بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔ تمہارے پاس کیا ہے۔ وہ بولا۔ حکمتِ لقمان۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ بیان کرو۔ اس نے اپنے کچھ عمدہ اشعار سنائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ یہ اچھا کلام ہے لیکن میرے پاس قرآن ہے جو اس سے افضل تر ہے اور وہ ہدایت و نور ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے قرآن سنایا تو وہ بے تامل اسلام لے آیا۔ (طبری)

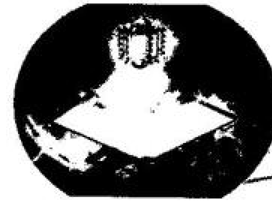
پیارے: 1۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت میں مجھ سے زیادہ محبت رکھنے والے افراد تو وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور یہ تمنا کریں گے کہ اپنا گھر بار اور مال سب قربان کر کے کسی طرح مجھ کو دیکھ پاتے۔ (مسلم)

2۔حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کی نظروں میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب و محترم نہ تھا۔ اس کے باوجود جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناپسند ہوتی ہے۔ (ترمذی)

عزت والے۔ 1۔انسان جس قدر زیادہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پاک سے مطلع ہوگا وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گزشتہ اور موجودہ انسانوں کی عقیدت مندی کے اسباب کو بھی پورے طور پر محسوس کر لے گا۔ لوگوں کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وجۂ الفت و محبت جان جائے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت اور قدر و منزلت سے بھی واقف ہو جائے گا۔ (میوجان)

الفضائل: 1۔جو کوئی اس بات کا خواہش مند ہو کہ اس کا دشمن مغلوب ہو جائے اور اسے کسی طرح کا نقصان نہ پہنچائے تو وہ ہر نماز کے بعد 94 مرتبہ چالیس یوم تک روزانہ یہ اسم مبارک سیدنا عزیزؐ پڑھے۔ انشاء اللہ اسے دشمن پر غلبہ حاصل ہو جائے گا۔

(قیصرہ حیات کی کتاب انوارِ اسماء النبی ﷺ سے اقتباس)







قرآن پاک سے عشق کی پُرنور داستان ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کے قلم سے

باب پانزدھم

سورۂ نحل 16 :

188۔ ''اللہ کی ذات پاک ہے اور بالاتر ہے لوگوں کے شرک سے۔'' (1)

189۔ ''اس نے آسمان زمین کو حکم سے پیدا کیا۔'' (3)

190۔ ''اس نے انسان کو نطفہ سے بنایا۔'' (4)

191۔ ''چوپائے بھی اس نے پیدا کیے۔'' (5)

192۔ ''اس نے گھوڑے، خچر، گدھے پیدا کیے تاکہ تم ان پر سوار ہو۔''

193۔ ''اس نے آسمان سے پانی برسایا جسے تم پیتے ہو۔'' (10)

194۔ ''پھل اگاتا ہے۔'' (11)

195۔ ''رات دن، سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے۔'' (12)

196۔ ''اس نے دریا کو تابع کر دیا تاکہ تم تازہ گوشت اس میں سے کھاؤ اور اس میں سے زیور نکالو۔'' (14)

197۔ ''زمین پر پہاڑ ڈال دیے۔'' (15)

198۔ ''لوگ ستاروں سے بھی راستہ معلوم کرتے ہیں۔'' (16)

199۔ ''متقین کے لیے جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں اس حالت میں کہ وہ پاک ہوتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں۔ ''السلام علیکم'' تم اپنے اعمال کے سبب جنت میں داخل ہو جاؤ۔'' (22)

200۔ ''تو پھر زمین میں ذرا چلو پھرو، پھر نظر ڈالو

کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔'' (26)

201۔ ''جب ہم کسی بات کا ارادہ کرتے ہیں تو ہماری بات یہی ہوتی ہے کہ ہم اس کو کہہ دیتے ہیں کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔'' (40)

202۔ ''اور جاندار تمام کے تمام جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور فرشتے بھی یہ سب اللہ کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور وہ غرور نہیں کرتے۔'' (49)

203۔ ''اور جب ان کو لڑکی پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا ہے۔'' (58)

204۔ ''اور بلاشبہ تمہارے لیے چار پایوں میں بھی عبرت ہے۔ ان کے پیٹ میں جو گوبر اور لہو ہے اس کے درمیان میں سے خالص دودھ تم کو پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے۔'' (66)

205۔ ''آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں جو لوگ عمارتیں بناتے ہیں تو ان میں گھر بنا۔'' (68)

206۔ ''پھر ہر قسم کے میوے کھا اور اپنے رب کے صاف رستوں پر چلی جا۔ اس کے پیٹ سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے مختلف رنگ ہیں کہ اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے اور سوچنے والوں کے لیے اس میں بڑی نشانی ہے۔'' (69)

207۔ ''اور اللہ تعالیٰ نے تم کو رزق میں بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔ وہ اپنا رزق اپنے مملوکوں کو اس طرح دینے والے نہیں ہیں کہ سب اس میں برابر ہو جائیں۔ کیا لوگ پھر بھی اللہ کی نعمتوں سے انکار کرتے ہیں؟'' (71)

208۔ ''بلاشبہ اللہ انصاف، نیکی اپنے قریبی رشتے داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور بڑے گناہوں اور سرکشی کے کام سے روکتا ہے۔'' (90)

209۔ ''اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب تم اس کو اپنے ذمے لو اور قسموں کو مت توڑا کرو ان کے استحکم کرنے کے بعد اور تم اللہ کو اپنا ضامن بنا چکے ہو۔'' (91)

210۔ ''اور نہ لو اللہ کے عہد پر معاوضہ تھوڑا۔ اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔'' (95)

211۔ ''جو نیک کام کرے گا مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو تو ہم اس کو اچھی زندگی دیں گے اور ان کے اچھے اعمال کا ان کو صلہ دیں گے۔'' (97)

212۔ ''تو جب قرآن پڑھا کرو تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو شیطان مردود سے۔'' (98)

213۔ ''جو چیزیں اللہ نے تم کو حلال اور پاک دی ہیں ان کو کھاؤ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر کرو اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔'' (114)

214۔ ''تم پر صرف مردار کو حرام کیا ہے اور خون کو اور سؤر کے گوشت کو اور اس چیز کو جس کو اللہ کے سوا کسی غیر کے نام کر دیا گیا ہو۔'' (115)

215۔ ''پھر آپ کا رب ایسے لوگوں کے لیے جنہوں نے جہالت کے سبب کوئی برا کام کیا پھر اس کے بعد توبہ کی اور اپنے آپ کو درست کر لیا تو آپ کا رب اس کے بعد بڑی مغفرت والا ہے، بڑی رحمت والا ہے۔'' (119)

216۔ ''اور اگر تم بدلہ لینے لگو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا کہ تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے، اور تم صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی اچھا ہوگا۔'' (126)

217۔ ''اور اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں، اور جو نیک کام کرتے ہیں۔'' (128)

سورۂ بنی اسرائیل 17 :

218۔ ''بے شک یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور مومنین کو جو نیک عمل کرتے ہیں خوشی کی خبر دیتا ہے کہ ان کے لیے اجر عظیم ہے۔'' (9)

219۔ ''اور قرآن یہ بھی بتاتا ہے کہ جو آخرت پر یقین نہیں لائے تو ہم نے ان کے لیے بڑا دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' (10)

220۔ ''انسان جلد باز ہے۔'' (11)

221۔ ''اور ہم نے ہر انسان کا عمل اس کے گلے کا ہار بنا کر رکھا ہے اور قیامت کے دن ہم اس کا اعمال

نامہ اس کے واسطے نکال کر اس کے سامنے کردیں گے جس کو وہ کھلا ہوا دیکھ لے گا۔''(13)

222۔''جو دنیا چاہتا ہے تو ہم اس کو دنیا میں جتنا چاہیں گے اور جس کے واسطے چاہیں گے دے دیں گے۔ پھر ہم اس کے لیے جہنم تجویز کریں گے کہ وہ اس میں بد حال راندۂ درگاہ ہو کر داخل ہوگا۔''(18)

223۔''اپنے ماں، باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا کرو۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تیرے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف تک نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکا کرو اور ان سے بڑے ادب سے بات کیا کرو۔''(23)

224۔''اور ان کے سامنے شفقت سے، انکساری کے ساتھ جھکے رہا کرو اور یوں دعا کرتے رہا کرو، اے میرے رب! تو ان پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا ہے۔''(24)

225۔''رشتے داروں، محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کیا کرو اور فضول خرچی نہ کیا کرو۔''(26)

226۔''فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔''(27)

227۔''اور تم اپنے ہاتھ کو نہ تو اتنا تنگ کرو کہ کچھ نہ دو اور نہ اتنا کشادہ کرو کہ کل کا کل دے ڈالو، ورنہ الزام خوردہ خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ رہو گے۔''(29)

228۔''اپنی اولاد کو غربت کے ڈر سے قتل نہ کرو۔''(31)

229۔''اور تم زنا کے قریب بھی نہ جایا کرو۔''(32)

230۔''ناحق قتل مت کرو۔''(33)

231۔''یتیم کے مال کے قریب مت جاؤ مگر احسن طریقے سے یہاں تک کہ وہ جوان ہو۔''(34)

232۔''اور پورا ناپو جب ناپ تول کرو۔''(35)

233۔''اور تو اس بات کے پیچھے نہ پڑا کر جس کو تو جانتا نہ ہو۔''(36)

234۔''تو زمین پر اکڑ کر نہ چل، تو زمین کو پھاڑ نہیں سکے گا اور نہ تو لمبا ہو کر پہاڑوں کی چوٹی تک پہنچ سکتا ہے۔''(37)

235۔''یہ آپ سے روح کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔''(85)

236۔''اگر تمام انسان اور جنات جمع ہو جائیں تو بھی اس جیسا قرآن نہیں بنا سکتے۔''(88)

سورۂ حج 22:

237۔''مومنو! رکوع کرتے رہو، سجدہ کرتے رہو، اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو اور نیک کام کیا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''(77)

238۔''اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو، جیسا کہ جہاد کا حق ہے۔''(78)

سورۂ مومنون 23:

239۔''ایمان والوں کی خصوصیات۔

1۔ جو اپنی نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں۔

2۔ بے ہودہ باتوں سے پرہیز کرنے والے۔

3۔ زکوٰۃ ادا کرنے والے۔

4۔ شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے۔

5۔ اپنی امانتوں کا اقرار اور لحاظ کرتے ہیں۔

6۔ نمازوں کی پابندی کرنے والے۔

7۔ ایسے لوگ وارث ہوں گے جنت الفردوس کے۔''(آیات 1تا11)

سورۂ نور 24۔

240۔''زنا کار عورت اور زنا کار مرد کو 100، 100 کوڑے مارنے کا حکم۔''(2)

241۔''جو لوگ پاک دامن عورت پر بدکاری کا عیب لگائیں اور چار گواہ نہ لائیں تو ان کو 80 کوڑے مارو اور ان کی شہادت بھی قبول نہ کرو۔''(4)

242۔''جو لوگ اپنی عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور ان کے لیے اپنے سوا کوئی گواہ نہ ہو تو ان کی شہادت یہ ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ بے شک میں سچا ہوں۔''(6)''اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں۔''(7)

243۔''اور عورت سے سزا کو یہ بات ٹال سکتی ہے کہ وہ چار بار قسم کھا کر کہے کہ بے شک یہ جھوٹا ہے۔''(8)''اور پانچویں بار یوں کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو اگر یہ سچا ہے۔''(9)

244۔''جو لوگ پسند کرتے ہیں کہ بے حیائی مومنوں میں خوب پھیلے تو ان کو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔''(19)

245۔''مومنو! شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلنا اور جو شیطان کے قدموں پر چلے گا تو وہ بے حیائی اور برے کام کی بتائے گا۔''(21)

246۔''اور جو پاک دامن، برے کاموں سے بے خبر مومن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی لعنت ہوگی اور ان کو سخت عذاب ہوگا۔''(23)

247۔''مومنو! تم اپنے گھر کے سوا دوسرے گھروں میں مت داخل ہو جب تک کہ اجازت نہ لو۔''(27)

248۔''اگر اجازت نہ ملے اور لوٹ جانے کو کہا جائے تو لوٹ جاؤ۔''(28)

249۔''مومن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔''(30)

250۔''آپ مومن عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو نہ ظاہر کریں مگر جو حصہ اس میں کھلا رہتا ہوا اپنے سینوں پر چادریں اوڑھے رہا کریں اور اپنی زینت کو نہ ظاہر کریں۔''(31)

251۔''اور تم میں جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو۔''(32)

252۔''اور جو غربت کے سبب شادی نہ کر سکتے ہوں وہ پاک دامنی پر قائم رہیں یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے۔''(33)

253۔''اللہ آسمانوں و زمین کا نور ہے۔''(35) (اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود کو ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے۔ اس میں قندیل کی مثال دی گئی ہے)

254۔''وہ قندیل ان گھروں میں ہے جہاں صبح و شام اللہ کی عبادت کی جاتی ہے۔''(36)

255۔''یعنی ان لوگوں کو عبادت کرنے کے لیے کوئی بہانہ بھی نہیں ہوتا۔''(مفہوم آیت)

256۔''ہر چلنے پھرنے والے جاندار کو اللہ نے پانی سے پیدا کیا۔''(45)

257۔''مومنو! تمہارے غلام، لونڈیاں اور جو بچے تم میں بلوغت کو نہیں پہنچے ہیں یہ لوگ تین اوقات میں تم سے اجازت لیا کریں۔

(1) صبح کی نماز سے پہلے۔

(2) گرمی کی دوپہر جب تم کپڑے اتار دیتے ہو۔

(3) عشاء کی نماز کے بعد۔''

258۔''اور جب تمہارے لڑکے بالغ ہو جائیں تو ان کو بھی اسی طرح اجازت لینی چاہیے۔''(59)

259۔''اور بڑی عمر کی عورتیں جن کو نکاح کی امید ختم ہوگئی ہو تو اس میں حرج نہیں کہ وہ اپنے اوپر کے کپڑے (دوپٹا وغیرہ) اتار لیا کریں شرط یہ ہے کہ زینت کی جگہ نہ ظاہر کریں اور اگر اس سے بھی بچیں تو زیادہ بہتر ہے۔''(60)

260۔''کھانا کھانے کی اجازت۔

(1) اپنے گھروں سے کھانا کھاؤ۔

(2) یا اپنے باپ کے گھر سے۔

(3) یا اپنی ماؤں کے گھر سے۔

(4) اپنے بھائیوں کے گھر سے۔

(5) بہنوں کے گھر سے۔

(6) چچاؤں کے گھر سے۔

(7) پھوپیوں کے گھر سے۔

(8) ماموؤں کے گھر سے۔

(9) خالاؤں کے گھر سے۔

(10) اپنے دوستوں کے گھر سے۔

(11) سب مل کر کھاؤ یا جدا، جدا۔

(12) پھر جب گھروں میں جاؤ تو اپنے گھر والوں کو سلام کیا کرو۔ یہ خدا کی طرف سے مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے۔(61)

(جاری ہے)

......یہ کہاں بچیں کہ دل ہے

رفعت سراج

بنی اسرائیل کا سونے کا بچھڑا آج ڈالر، پونڈ، یورو، درہم و دینار کی شکل اختیار کر چکا ہے۔
دل جذبات کا استعارہ ہے مگر اب وہ دل کہاں...
سونے کے بچھڑے میں دل بھی سونے کا ہے...
دل کو رویا جاتا ہے، جگر کو پیٹا جاتا ہے...
کبھی ناقدروں کے حوالے کر دیا جاتا ہے، یاریاں ٹوٹ جاتی ہیں۔
الزام تراشیوں کا ایک طوفان بدتمیزی برپا ہوجاتا ہے۔
دل سے دل کو راہ بھی ہوتی ہے...
آج کا انسان یہ راہ سٹیلائٹ کے ذریعے search کرنے کی کوشش کرتا ہے۔
دل اور سونے کا بچھڑا...
عبادات، معاملات...
جنت گم گشتہ کے بے دخل باسیوں کی ازلی کہانی...

رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا
غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے
غمِ عشق گر نہ ہوتا، غمِ روزگار ہوتا
ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

قسط: 21

زلزلہ آ کر گزر گیا تھا... مگر ''آفٹر شاکس'' کا سلسلہ جاری تھا۔

کافی دیر اعصاب ہلتے رہے......معاً اسے یاد آ گیا کہ یہ سب اس کا اپنا ہی کیا دھرا ہے......اسی نے تو فائل میں اپنی ''ممتک بندی......'' زارا کے نام لکھ کر تاجور کو چونکایا تھا اور پھر انجان بن گیا تھا......اگرچہ کئی دن اسے نوکری سے ہاتھ دھونے کا خوف لاحق رہا تھا مگر تاجور نے بڑی اعلیٰ ظرفی سے اس کی خوفناک قسم کی جرأت سے صرفِ نظر کیا تھا ان کی جگہ پر کوئی مرد باس ہوتا تو اسی وقت دھکے دے کر آفس سے نکال دیتا۔

اب حیرت سے بیٹھا سوچ رہا تھا کہ تاجور نے کیوں جانے دیا......؟ کیوں نہ اس کی گرفت کی؟

☆☆☆

تاجور خود کو پُرسکون کرنے کی نیت سے اپنے پسندیدہ spa چلی آئی تھیں۔ مساج سے بہت سکون مل رہا تھا...... ذہن مسلسل ساحل کے گرد ہی گھوم رہا تھا۔

انہیں خاصی حیرت تھی...... ان کا خیال تھا ساحل ان کی بات سن کر خوشی سے اچھل پڑے گا...... خود پر قابو نہ رکھ سکے گا...... بے یقینی کی کیفیت اسے کافی دیر جکڑے رکھے گی۔

وہ بھولی نہیں تھیں کہ ساحل نے زارا کے حوالے سے انہیں چونکا کر رکھ دیا تھا۔ اس وقت تو ان کو بے اختیار غصہ آیا تھا مگر کئی دن غور و خوض کرنے کے بعد وہ یوں پُرسکون ہو گئی تھیں جیسے کامیاب سرمایہ دار اپنے کیپٹل کی وجہ سے بہت اطمینان سے مالیاتی فیصلے کر رہا ہوتا ہے۔

اسی دن سے انہوں نے ساحل کو کیپٹل کے طور پر محفوظ کر لیا تھا کہ زارا کی حرکات و سکنات انہیں بری طرح کھٹکنے لگی تھیں...... اور وہ بہت سنجیدگی سے اس کی شادی کے بارے میں سوچنے لگی تھیں۔

اصل وجہ صرف اور صرف یہ تھی کہ اس بزنس اور عزت کی خاطر انہوں نے اپنی ساری جوانی مشین بن کر گزاری تھی۔ زارا ہر مقام پر انہیں چیلنج کرتی نظر آنے لگی...... اور وہ اپنی عمر بھر کی کمائی کو خطرے میں ڈالنے کے لیے تیار نہیں تھیں۔

ان کی طبیعت میں قدرتاً بہت صبر و ٹھہراؤ تھا...... مگر ساحل سے بات کرنے کے بعد انہیں بے صبری اور بے چینی سی لاحق ہو رہی تھی اور اس کی وجہ ساحل کی گہری خاموشی تھی جو بالکل خلافِ توقع تھی۔

اس وقت وہ انتہائی فیصلہ کُن موڈ میں آ چکی تھیں، زارا کی تو پرواہی نہیں کر رہی تھیں یا یہ کہ انہیں زارا سے کسی عقل مندی کی سرے سے کوئی امید ہی نہیں تھی۔

یہاں تک سوچ بیٹھی تھیں کہ زارا نے ان کے فیصلے کے خلاف مزاحمت کی تو وہ حقیقت کھول دیں گی...... مگر اپنی عمر بھر کی محنت پر کوئی سمجھوتا نہیں کریں گی، وہ بھی اس وقت جبکہ سفینہ شہر کے ایک معزز گھرانے میں بیاہنے جا رہی ہے۔

انہوں نے جھوٹے بھرم نہیں بنائے تھے...... وہ خود ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتی تھیں...... ھٰذا من فضل ربی کے ساتھ، ساتھ اللہ نے ان کے خاندان کو بے پناہ عزت سے نوازا تھا۔

زارا ماضی کا ایک جذباتی فیصلہ تھی مگر نباہنا تو تھا...... گھر سے تو نہیں نکال سکتی تھیں۔

وہ بہت بے صبری سے ساحل کے ردِعمل کی منتظر تھیں اور شاید بے صبری کے ذائقے سے پہلی بار آشنا ہو رہی تھیں۔

☆☆☆

ساحل نے گھر آ کر ابھی تک لباس تبدیل نہیں کیا تھا، کوٹ اور ٹائی اتار کر جیسے بیڈ پر گر پڑا تھا۔

آنکھوں کے سامنے تاجور کا عالیشان گھر تھا...... جس کا لان ہی اتنا خوب صورت تھا کہ وہیں پھولوں کے کنج میں بیٹھ کر زندگی گزارنے کو من مچل، مچل جائے۔

دیسی بدیسی پھولوں کے قطعے، انار، ناریل، کھجور، آم، امرود، جامن کے درخت، انگور کی بیلیں، دیواروں پر بوگن ویلیا، مارننگ گلوری کی بیلیں، سرخ و سبز چھتریوں تلے پڑی سفید میز کرسیاں...... شام ہوتے ہی روشنیوں کے نظاروں کا اہتمام......

یہ خوابوں کا گھر...... حقیقت میں اس کی ملکیت بن سکتا تھا۔ مگر کتنی عجیب بات تھی...... وہ خوش نہیں تھا۔

تاجور کی طرح اسے بھی یاد تھا کہ لالچ، طمع، بے صبری کی وجہ سے اس نے جو ایک جذباتی لغزش کی تھی...... غزل کے نیچے "زارا نام کے پتھر کے نام" لکھ دیا تھا۔ وہی لغزش اب گلے پڑ رہی تھی...... اس وقت اسے حیرت تھی



کہ تاجور نے اس بات پر اس کی گرفت کیوں نہیں کی...... حالانکہ وہ تو تُلا بیٹھا تھا کہ وہ اس کو جھاڑ پلائیں...... ذلیل کر کے رکھ دیں اور وہ کسی عاشقِ صادق کی طرح یہ سب ذلتیں برداشت کرنے کے بعد بھی یہی کہے کہ "میم آپ میرے ٹکڑے کر دیں...... مگر میں کیا کروں، میرا دل بس زارا میں اٹک کر رہ گیا ہے۔ یہ دل کا معاملہ ہے میرا کوئی اختیار نہیں ہے۔"

جواب میں تاجور پہلے سے زیادہ اسے ذلیل کرتیں اسے آفس سے نکال دیتیں مگر وہ انہیں ایک سوچ...... شدید، اور تپتی ہوئی سوچ دے کر تو چلا جاتا...... اس کے جانے کے بعد وہ اسے یاد کرتی رہتیں۔ وہ ان کی سوچ کا حصہ بن جاتا...... نادیدہ ہر پل ان کے ساتھ ہوتا...... پھر شاید وہ اس پر رحم کھانے کا بھی سوچ لیتیں...... اس کے عشق کی قدر دان بھی بن سکتی تھیں...... کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

خواہشات کی شدتوں نے اسے مکاری کے راستوں پر تو لگا دیا تھا...... ایک مجرمانہ جرأت تو پیدا کر دی تھی...... درحقیقت اس نے بڑا بلکہ بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔

مگر تاجور نے جس طرح اس "حادثے" کو یکسر نظر انداز کیا تھا وہ آج تک شکر منا رہا تھا...... سفینہ سے ملنے کے بعد تو گویا شہر کی ساری لڑکیاں ہی مر گئی تھیں...... بس سفینہ ہی بچی تھی۔

آنے والے دنوں میں اسے یقینِ واثق ہو چلا تھا کہ تاجور نے وہ فائل کھولی ہی نہیں تھی ورنہ وہ کبھی اس پر اتنی

مہربان نہ ہوتیں، اسے پروموٹ نہ کرتیں......
پل، پل شکر کرتا تھا کہ اس کی اعلیٰ درجے کی احمقانہ حرکت کے باوجود اس کی بچت ہوگئی تھی۔

اس وقت سب سے بڑا دھچکا تو اس خبر سے پہنچا تھا کہ سفینہ "engaged" ہے۔ ''کون ہے وہ خوش نصیب......؟'' دل سے گویا ہوک سی اٹھی تھی۔ سفینہ سامنے ہوگی تو زارا کیسے دل میں اترے گی؟

وہ یوں انکار میں سر ہلا رہا تھا گویا تاجور سے معذرت کر رہا ہو...... یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ ''مری بھیڑ'' خواجہ کے در پر...... وہ سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

تاجور، ساحل کی طرف سے کوئی جواب ملنے سے پہلے زارا سے بات کرنے کا سوچ ہی نہیں سکتی تھیں...... کیونکہ وہ ٹھان چکی تھیں کہ ساحل اگر ان کا پروپوزل قبول کر لیتا ہے تو وہ زارا کو قائل کرنے کے لیے سب کچھ کریں گی...... کہ بہرحال کہیں تو اس کی بھی شادی کرنی ہے۔

امید تو پوری تھی...... ''زارا نام کے پتھر کے نام'' یہ الفاظ ان کے ذہن پر یوں نقش تھے گویا پتھر پر نشان......

اس دن کے بعد سے وہ بہت چوکس ہوگئی تھیں...... ساحل ''واچ لسٹ'' میں آچکا تھا۔ انہوں نے ایک کمزور لمحے کی گرفت سے خود کو چھڑا لیا تھا۔ زارا کو وہ غیر محسوس طریقے سے چیک کر چکی تھیں اس کی طرف سے مطمئن تھیں کہ اسے ساحل سے مطلق دلچسپی نہیں، اس کے باوجود کہ ساحل نظر انداز کیے جانے کے قابل نہیں۔

ان کے حساب سے مرد کی سب سے خاص خوبی اس کا ان تھک ہونا اور خوب سے خوب تر کے لیے دوڑنا...... احساسِ ذمے داری ہوتی ہے، اس حوالے سے ساحل نے انہیں مایوس نہیں کیا تھا۔ وہ جان مار کر بھی اس کے کام میں کوئی سقم یا غلطی نہیں نکال پائی تھیں اور ایک اہم عہدہ دینے کا مقصد بھی اس کی صلاحیتوں کا کھوج لگانا تھا۔ ایک طرح سے انہوں نے رسک ہی لیا تھا...... مگر وہ آہستہ، آہستہ اپنی انتظامی قابلیت کا لوہا بھی منوا رہا تھا۔

اور وہ رات تو کبھی فراموش ہی نہیں کر سکتی تھیں جب ساحل نے مشکل ترین صورتِ حال میں ان کی غیر موجودگی میں نہایت حساس معاملہ سنبھالا تھا۔ اس کے مضبوط اعصاب، صبر، ہمت، جرأت نے گویا قائل کر ہی لیا تھا۔ البتہ یہ بات ان کی سمجھ سے بالاتر تھی کہ ساحل جیسے سنجیدہ، ذمے دار نوجوان کو زارا کی کس خوبی نے متوجہ کیا ہوگا...... جبکہ اس کا رویہ ساحل کے ساتھ بہت ناروا اور تحقیر آمیز تھا۔

''میرا خیال ہے ساحل یہ غیر متوقع خوشی سنبھال نہیں پا رہا...... کچھ وقت لگے گا...... تمہارے قلم سے ایک بے ساختگی سرزد ہوئی تھی ساحل...... کوشش کے باوجود میں بھلا نہیں پائی...... کیا دیکھا تم نے اس لڑکی میں؟ خوب صورت ہے؟ خوب صورت لڑکیاں تو تم نے بہت دیکھی ہوں گی......''

''زارا نام کے پتھر کے نام......'' تاجور پھر اس جملے کے گرد چکرانے لگیں۔ ''ٹھیک ہے میں انتظار کروں گی کہ تم اس پتھر سے سر پھوڑنے کے لیے تیار ہو یا ہمت جواب دے گئی ہے؟''

خیالات کی یلغار کے باوجود وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھیں جیسے سچ مچ دونوں لڑکیوں کے فرائض سے سبک دوش ہوگئی ہوں۔

ان کا جی چاہا آج کاروبار کو پسِ پشت ڈال کر کسی دیرینہ دوست سے ملنے جائیں...... اس کے ساتھ چائے پئیں...... عام عورتوں کی طرح باتیں کریں...... کچھ دیر کے لیے بھلا دیں کہ وہ ساحل سے کچھ کہہ بیٹھی ہیں...... آرام کرسی سے اٹھ کر وہ لباس کا انتخاب کرنے لگیں۔

☆☆☆

''زارا کو منزل کیوں بنا لیا جائے؟ کیوں نہ ایک سنگِ میل سمجھ کر اس سے گزر جائیں...... یوں بھی سفینہ کو پانے کا احساس تو دیوانے کا خواب ہی ہو سکتا تھا...... جس لڑکی میں اتنی خوبیاں ہوں...... اس کو قدم، قدم پر چاہنے والے ملیں گے...... ساحل کیا بیچتا ہے اس کے سامنے......؟''

ساحل درحقیقت بالکل بے عمل ہو کر رہ گیا تھا...... رئیسوں میں شمار ہونے کے سپنے دیکھتا تھا...... آج سپنے حقیقت بن سکتے تھے...... مگر وہ الجھ رہا تھا۔

زارا اسے قبول کر لے گی؟

کیسے قبول کر سکتی ہے؟

اتنی مغرور، اسٹیٹس کانشس، اس کی عقل آہستہ، آہستہ کام کرنا چھوڑ رہی تھی۔

''میم نے کتنے اعتماد سے بات کی......''

معاً اسے ایک اطالوی کہاوت یاد آئی......

''سڑک کنارے باداموں سے لدا درخت...... اس کا مطلب ہے کہ بادام کڑوے ہیں۔''

اس خیال کے آتے ہی وہ یک دم چونک پڑا۔

''کہیں ایسا تو نہیں کہ زارا سے کوئی بھول ہوگئی ہو...... اور وہ اسے میرے گلے ڈال رہی ہوں......''

پڑھی گئی کہانیاں، دیکھی ہوئی فلمیں روشنی کی رفتار سے ذہن کے پردے پر چمکنے لگیں۔

''اوہ...... اگر ایسا ہے تو پھر تو کمال ہی ہوگیا...... تھوڑی دیر کے لیے زارا کا شوہر بننے میں حرج ہی کیا ہے...... اوہ...... مائی گاڈ...... زارا ضرور guilty ہے...... ورنہ تو وہ کسی بھی صورت مجھے اپنانے کے لیے تیار نہیں ہو سکتی۔''

اب ساحل کو شیطان نے ایک نئی راہ پر ڈال دیا...... اور اس کا دماغ شیطان کے دماغ کی طرح کام کرنے لگا۔

''impossible زارا خودکشی کر سکتی ہے مگر میری کلاس کے کسی بندے کو لائف پارٹنر نہیں بنا سکتی...... جس کو میرا ڈریس امپریس کرتا ہے نہ پرفیوم...... نہ شکل صورت نہ ہیئر اسٹائل کس قدر پراؤڈ ہے...... کتنی حقارت ہوتی ہے اس کی آنکھوں میں...... پرنس ڈیانا میں بھی سادگی و عاجزی محسوس ہوتی تھی...... مگر یہ تو جیسے اس سے بھی اوپر کوئی شے ہے۔ گڑبڑ تو ہے...... اور گڑبڑ کیا ہے...... اس کا پتا ہر صورت لگانا ہے......'' ساحل سوچتے، سوچتے، تجزیہ کرتے، کرتے آخر کار ایک جگہ رک گیا۔

''اتنی آزاد لڑکی...... جس کی کار ڈاکو بہت آرام سے چھین کر لے جاتے ہیں...... یہ الٹرا ماڈرن یورپ کی پرستار لڑکیاں...... ان پر بھروسا تو نہیں کیا جا سکتا......'' اس نے گالوں پر بہت نرمی سے ہاتھ پھیرا۔

''میں شکل سے بغیر داڑھی کا ملا دو پیازہ لگتا ہوں؟ میم آپ نے مجھے کیا سمجھ لیا......؟''

وہ اپنے زانوؤں پر زور سے ہاتھ مار کر اٹھ کھڑا ہوا اتنے زوردار جھٹکے سے کہ پلاسٹک کی سستی والی کرسی ایک طرف لڑھک گئی جسے اس نے ٹھوکر سے سائڈ میں کر دیا بجائے اس کے کہ جھک کر سیدھی کر دیتا۔

ایک برق سی رگ، رگ میں اترنے لگی...... دیر سے جمی ہوئی برف پگھلنے لگی...... ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ کوئی بھی انسان ہو جس پر نفس یا مادے کا غلبہ ہو...... اس کی ذہنیت ہمیشہ تاجرانہ ہوتی ہے۔ تاجرانہ ذہنیت کا حامل انسان بہت خود غرض ہوتا ہے...... اسے کسی سے محبت بھی اسی صورت ہو سکتی ہے جب اسے اس محبت کے وسیلے سے اپنے کسی مفاد یا مفادات کا تحفظ مل رہا ہو۔

سفینہ اگر صرف خوب صورت و باوقار ہوتی تو اس میں ساحل کے لیے ایسی کوئی کشش نہ ہوتی کہ وہ اس کے

ساتھ زندگی گزارنے کا سوچنے لگتا......سفینہ کو دیکھتے ہوئے اس نے اپنی آنے والی زندگی کو دنیا کی آنکھ سے دیکھا......ایک خوب صورت دولت مند، باوقار لڑکی، عالیشان گھر، شاندار کار، جما ہوا ذاتی کاروبار......

جس کے پاس یہ سب کچھ ہو دنیا اس کے آگے بچھی، بچھی جاتی ہے۔ لوگوں کی آنکھوں میں رشک و حسرت جھلکتی ہے......ایسے انسان کو دیوتا سمجھ کر عزت دی جاتی ہے......بے شمار لوگ اس کے موڈ کے محتاج ہوتے ہیں...... اس کی اپنی شرائط پر تعلقات استوار ہوتے ہیں......کسی کو اس کے معاملات اور نیند میں دخل در معقولات کی جرأت نہیں ہوتی......اس کے مسکرانے سے پہلے کوئی نہیں مسکراتا، یہ تھی اس کی آئیڈیل زندگی......

وہ زندگی جس کے خواب دیکھتے، دیکھتے یہاں تک پہنچ گیا تھا۔ ان خوابوں کا سحر اتنا طاقتور تھا کہ کسی عامل، کامل کے پاس اس کا توڑ نہیں تھا۔

یہ خواب نہیں گویا تقدیر سے جنگ کا مرحلہ تھا......ان خوابوں پر کوئی سمجھوتا کرنا اس کے اختیار میں نہیں تھا۔

''ٹھیک ہے۔ پھر زارا سے گزر جاتے ہیں......اگر اسے کسی مجبوری کی وجہ سے مجھ سے شادی کرنی پڑ رہی ہے تو وہ خود ہی کسی بھی وقت میرے دائرے سے نکل جائے گی......جب بھی وہ دور ہوگی......مجھے قریب لانے کی ٹینشن نہیں ہوگی اور دولت مند تو کئی، کئی شادیاں کرتے ہیں، یہ بھی تو اسٹیٹس سمبل ہے۔ لیکن یہ پتا چلانا بھی تو سب سے زیادہ ضروری ہے کہ زارا جیسی لڑکی ساحل سے شادی کرنے پر آخر کیوں رضامند ہو سکتی ہے؟'' اب پہلے کے مقابلے میں وہ بہت پُرسکون تھا۔ بزنس ٹائیکون فیملی......اور وہ اس فیملی کا اہم ترین ممبر......مادے کی جولانیاں جذبات کو ایندھن مہیا کرنے لگیں اس نے بالکنی میں آکر باہر کا جائزہ لیا......ٹوٹی پھوٹی سڑک پر اچھلتا کودتا ٹریفک......زیادہ تر آٹو رکشا، موٹر بائیکس، پرانی شور مچاتی کوچز......اندر سے فل بھری ہوئیں......چھت پر بیٹھے مسافر جو ٹھنڈی ہوا میں یوں مسرور سے بیٹھے دکھائی دیے گویا نیاگرا آبشار کی سرد چھینٹوں کے مزے لے رہے ہوں۔

پوش ایریاز میں کتنا سکون ہوتا ہے......نہ رکشوں کی پھٹ، پھٹ، نہ بسوں، ٹرکوں کے ہارن......نہ شب برات پر بچوں کے پٹاخوں کی صبح دم تک کان پھوڑ آوازیں......بیچارے غریب لوگ......گھروں میں بھی چیخ پکار......باہر بھی شور شرابا......اس وقت وہ غربت پر یوں ترس کھا رہا تھا جیسے کچھ دیر بعد اپنے ذاتی ہوائی جہاز پر سوار ہونے جا رہا ہو......ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

''بہت ذلیل کیا تم نے شاید قدرت حساب برابر کرنے کا موقع دے رہی ہے۔''

☆☆☆

سلمان گرفتار ہو چکا تھا۔

صندل کو آخر کار غیبی مدد میسر آگئی تھی۔ معاشرے میں جب جس کی لاٹھی اس کی بھینس والی صورتِ حال ہو تو صندل جیسے لوگوں کو پشت پر بااثر تعاون ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ SSP زوار حسین اس کی قدم، قدم پر رہنمائی کر رہے تھے مگر صندل پھر بھی بہت خوفزدہ تھی۔

وہ یہ سوچ رہی تھی کہ سلمان جب بھی لاک اپ سے باہر آئے گا پہلے سے زیادہ خطرناک ہو جائے گا۔

پولیس، ثوبان کو ماں کے حوالے کر چکی تھی......ثوبان کو سینے سے لگا کر اس نے اپنا کلیجا ٹھنڈا کر لیا تھا......مگر شدید ترین خوف اسے مسلسل مضطرب کیے ہوئے تھا۔

زوار حسین سے وہ سوال جواب کرنے کی ہمت نہیں کر پا رہی تھی......جو اسے کورٹ میں پیش ہونے کے لیے ابتدائی مراحل سے آگاہی دے رہے تھے۔ لیڈی صوفیہ کی خاص ہدایات کے باعث اسے وہی ''پروٹوکول'' دے رہے تھے جو وہ لیڈی صوفیہ کو دے سکتے تھے۔

''وہ کیا......آپ میری پرنس شہپر سے بات کرا سکتے ہیں؟'' صندل نے بہت ہمت کر کے زوار حسین سے بات کی......ثوبان، ماں کی بغل میں گھسا ہوا بہت غور سے پولیس آفیسر کو دیکھ رہا تھا......جو اس وقت اس کے حساب سے ''سپر ہیرو'' ہی تھا۔

''آئی ایم سوری......'' زوار حسین نے بہت مہذبانہ انداز میں معذرت کی۔

صندل نے چونک کر سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''دراصل وہ مجھ سے خود کانٹیکٹ کریں گے......ان سے کانٹیکٹ کرنے کے لیے میرے پاس بہت solid reason ہونا چاہیے۔ آپ مجھ سے شیئر کر سکتی ہیں......لیڈی صاحبہ نے جو ذمے داری مجھے دی ہے وہ مجھے آخر تک نبھانی ہے۔ کل انشاء اللہ کورٹ proceeding شروع ہو جائے گی، آپ ریلیکس کریں......کریمنل بہت بزدل ہوتے ہیں......جب تک armed (مسلح) ہوتے ہیں شیر بنتے ہیں۔ آپ کے پیروں میں گر کر معافی مانگے گا وہ......'' زوار حسین نے بہت وثوق سے تسلی دی۔

''لیکن......آفیسر......اس کا الٹ بھی تو ہو سکتا ہے......وہ پہلے سے زیادہ خطرناک ہو سکتا ہے......مجھے اپنی نہیں اپنے بچے کی فکر ہے۔'' صندل نے ثوبان کو اپنے ساتھ لگا کر اس کے سر پر بوسہ دیا......اس وقت اس کے روئیں، روئیں سے لیڈی صوفیہ کے لیے دعائیں نکل رہی تھیں......جن کو وسیلہ بنا کر اللہ نے اس کی ممتا کو سکون دیا تھا۔

''ابھی ہم اسے باہر آنے نہیں دیں گے......اس پر کئی سولڈ کیس بن سکتے ہیں۔ ویسے بھی جو ریوالور ہمارے ہاتھ لگا ہے، اس کا لائسنس سلمان کے پاس نہیں ہے۔ آپ بالکل آرام سے اپنے گھر جائیں۔''

''اپنے گھر......؟'' صندل نئے سرے سے خوفزدہ ہوگئی۔

''جی...... جب تک آپ کو خلع کی ڈگری نہیں ملتی' وہ گھر آپ کا گھر ہے۔'' صندل کا جی چاہا کہ پوچھے کہ پھر اس کے بعد...... مگر وہ سوال کرنے کی ہمت نہیں کر سکی۔

زوار حسین اپنی سیٹ سے اٹھے اور ثوبان کے قریب آکر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے گویا ہوئے۔

''یہ صبح اسکول جائے گا...... چھٹی نہیں ہونی چاہیے۔''

پھر ثوبان کے سامنے ہاتھ پھیلا کر مسکرائے۔

''پرامس......؟ چھٹی نہیں ہوگی ناں......؟''

ثوبان نے جھجکتے ہوئے زوار حسین کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور سر ہلا کر گویا پرامس کر لیا۔

''اوکے...... باہر لیڈی صاحبہ کا ڈرائیور آپ کا wait کر رہا ہے۔'' انہوں نے صندل کو یاد دلایا کہ اب اسے چلے جانا چاہیے۔ صندل ہڑبڑا کر کھڑی ہوگئی۔

''یہ میرا کارڈ......'' زوار حسین نے دراز سے وزیٹنگ کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

''میرا سیل کبھی آف نہیں ہوتا...... جب ضرورت محسوس کریں رابطہ کر سکتی ہیں۔''

صندل نے کارڈ لے کر شکریہ ادا کیا...... اور ثوبان کو دیکھا...... جو ماں سے چپکا کھڑا تھا۔

دونوں ماں، بیٹا باہر کی طرف چل پڑے...... زوار حسین سوچتی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆

سفینہ کے حواس پر برف سی پڑی ہوئی تھی۔ رات ہوگئی مگر پرنس کا فون نہ آیا۔

ایک عجیب سے خالی پن کا احساس ہو رہا تھا...... یوں...... گویا جیسے وہ پہلے کی طرح تنہا ہو...... کسی خواب سے جاگ گئی ہو۔

اس بری طرح سے دل ٹوٹا تھا کہ کوئی نیا خیال ذہن میں جم کر ہی نہیں دے رہا تھا۔

اداسی، بے چینی، بے سکونی......

جیسے بازار سے کھلونا خریدا اور گھر پہنچنے سے پہلے ٹوٹ گیا...... پہلی بار حسین رومانی لمحات کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا...... وہ پرنس کی گمبھیر سی اثر انگیز آواز کے سحر میں تھی...... جی چاہ رہا تھا وقت تھم جائے اور ساحل کسی عفریت کی صورت نمودار ہوا...... اور سارے رومانس کا حسن چاٹ گیا۔

رات گئے تک اسے پرنس کی کال آنے کی آس رہی...... یہاں تک سوچ لیا کہ ماہین سے چھپ کر بالکنی میں جا کر پرنس کی انوکھی باتیں سنے گی پھر اگلے رابطے تک حسین الفاظ کے سحر میں کھو کر صبح سے شام کرے گی۔

''ادھوری بات کا مجھے اتنا ملال ہے۔ پرنس کو کوئی فرق نہیں پڑا۔ جو بے کلی اِدھر ہے...... وہ اُدھر کیوں نہیں؟'' راہداری میں دور تک سناٹا اترا ہوا تھا...... کمرے میں ماہین گہری نیند سو رہی تھی۔

اس نے سلیپر اتار کر کمرے کے دروازے کے قریب ہی رکھ چھوڑے تھے تاکہ اس کے قدموں کی چاپ نہ ابھرے اور وہ بس ٹہلتی رہے...... کیونکہ لیٹے' بیٹھے تو چین نہیں مل رہا تھا۔

''اب آپ کا فون آیا تو میں اٹینڈ ہی نہیں کروں گی اور دیکھوں گی کہ پھر کیا ہوتا ہے؟''

اس کے ارادے میں محبوبانہ غرور و اعتماد تھا...... کہ چاہنے والے کو آزمانے کا اپنا مزہ ہے...... یہ مزہ وہی جانے جو کسی کا محبوب بنے......

☆☆☆

صبح معمول کے مطابق وہ اذانِ فجر سے پہلے بیدار ہوا...... بیس منٹ مراقبہ کیا۔ پہلی اذان کی آواز اس کا

الارم ہوتی تھی اور وہ مراقبہ ختم کر دیتا تھا...... سانس کی مشق اور مراقبے کے بعد وہ یکسر مستعد و چوکس ہو جاتا تھا اور کچھ کرنے کے لیے اپنے وجود میں برق دوڑتی ہوئی محسوس کرتا تھا۔

مراقبے کے دوران کچھ تمثیلات سامنے آتی تھیں جو ایسا نشہ طاری کرتی تھیں جو پُر فضا مقام کی سیر کرنے والے کسی سیاح کے تصور میں بھی نہیں آسکتی تھیں۔ مگر آج مراقبے کے دوران اس کی کیفیت ہنوز رہی، لطف نہیں آیا...... ذہن بار، بار سفینہ کی طرف متوجہ ہوتا رہا۔

سفینہ اس کی زندگی میں بے ساختگی سے در آنے والی الوہی مسرت تھی......

''میں بہت مصروف تھا سفینہ...... بکھرے ہوئے ذہن کے ساتھ میں تمہیں وقت نہیں دے سکتا...... جو وقت تمہارا ہو اس میں کسی کی بھی مداخلت نہیں ہونی چاہیے۔ سچے موتی جیسی لڑکی...... ہر طرح کے complexes سے پاک...... کم بولتی ہے مگر خالص بولتی ہے۔ ہم بھی بہت ساری باتیں نہیں کریں گے بس ایک دوسرے کو محسوس کریں گے، محبت کو کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہوتی...... الفاظ کی کثرت زنجیریں پہنا دیتی ہے...... وعدوں کے بوجھ ڈال دیتی ہے، آنے والے پل کا نہیں پتا...... کل کی باتیں آج کیوں کریں......؟ محبت ہے تو آج میں جئیں...... ہم فطری کشش سے ایک دوسرے کی طرف کھنچ رہے ہیں...... محبت نے ہمیں بے بس کر دیا ہے۔ عزائم نہ مقاصد، کوئی خوف نہ اندیشے...... دور تک...... جہاں تک چاند سورج کی روشنی پھیل رہی ہے...... وہاں تک صرف اور صرف محبت ہے...... محبت کے ضمن میں بھی بہت سے کام نکل آتے ہیں...... ثوبان اپنے گھر میں ماں کے ساتھ محفوظ ہو جائے تو میں عظیم روحانی مسرت کے ساتھ بہت جلد تم سے ملوں گا...... جتنی دیر ہم ساتھ رہیں گے ایک، ایک پل پوری ایمانداری سے تمہارے نام ہوگا۔''

پرنس نے نماز کے بعد اجالوں کا استقبال، سفینہ کے جاں فزا تصور کے ساتھ کیا...... اور ملازمہ کو گھنٹی بجا کر طلب کیا تاکہ گھر میں موجود مہمانوں کا حال احوال لے سکے۔

☆☆☆

صندل رات کو واپس آئی تو خیال تھا کہ پرنس سے ضرور ملاقات ہوگی۔ وہ خاص طور پر ثوبان سے ضرور ملنا چاہے گا۔

گیسٹ روم میں پہنچتے ہی ملازمہ کھانے کی ٹرالی لے کر حاضر ہوگئی تھی۔ اس نے ثوبان کو اپنے ہاتھ سے کھانا کھلایا...... ماں کو سکون مل گیا تھا...... بار، بار ثوبان کو گلے لگا کر گویا خود کو یقین دلاتی تھی کہ ثوبان اس کے پاس ہے...... وہ کوئی خواب نہیں دیکھ رہی۔

ملازمہ کھانا پیش کر کے واپس چلی گئی تھی...... اور اس نے یوں جلدی، جلدی خود بھی کھانا کھایا تھا گویا پختہ یقین ہو کہ پرنس دونوں کی خیریت پتا کرنے کسی بھی لمحے آموجود ہوگا۔

مگر رات دو بجے جب وہ نیند کے غلبے سے بے بس ہو رہی تھی اور ثوبان اس کے سینے سے لگ کر سو چکا تھا۔

آخری سوچ حیرت پر منتج ہوئی تھی...... کہ پرنس ماں، بیٹے سے ملنے نہیں آیا۔

اس کا خیال تھا کہ گھر پہنچتے ہی پرنس اس سے ملے گا...... کارروائی کی تفصیلات پوچھے گا...... ثوبان کو تسلی دے گا...... آئندہ کے بارے میں کوئی تجویز سجھائے گا یا رہنمائی کرے گا۔

جس حیرت کی انتہا پر آنکھ لگی تھی...... صبح آنکھ کھلتے ہی پھر اسی کیفیت نے آلیا۔

یہ رجحان عام ہے کہ ہمدردی کرنے والے سے لامحدود توقعات وابستہ ہو جاتی ہیں مگر توقع کے خلاف جو کچھ سامنے تھا، وہ حیران پریشان کرنے کے لیے کافی تھا......

احساسِ کمتری کی ماری ہوئی صندل کو تو یوں محسوس ہوا جیسے پرنس نے خاموشی کی زبان میں کہہ دیا ہو کہ بس بہت ہوگئی ہمدردی......اب اپنے گھر جاؤ۔

رات دیر سے سونے اور تھکن سے چور ہونے کی وجہ سے صبح دیر سے نیند ٹوٹی تھی۔ نماز قضا پڑھی...... ثوبان بے سُدھ انداز میں سو رہا تھا۔ اس نے ممتا بھری نظروں سے محبت نچھاور کی اور لیڈی صوفیہ سے ملنے کا سوچنے لگی۔

لیڈی صوفیہ کے ہوتے ہوئے، ان کے گھر میں ہی رہتے ہوئے، وہ ان کو نظر انداز کر کے پرنس سے کس طرح اپنے معاملات پر بات کر سکتی تھی؟ بلکہ پرنس کے یک دم منظر سے غائب ہونے پر تو وہ اچھی خاصی شرمندگی محسوس کر رہی تھی۔

اس نے انٹرکام پر ملازمہ سے رابطہ کیا اور اپنے بیدار ہونے کی اطلاع دی۔

ملازمہ یوں حاضر ہوئی جیسے وہ بلائے جانے کا ہی انتظار کر رہی تھی بہت ادب سے سلام کیا اور ناشتے کے بارے میں پوچھا کہ ناشتا ابھی کرے گی یا ثوبان کے جاگنے تک انتظار کرے گی؟

''رات کافی لیٹ کھانا کھایا تھا......اس لیے ناشتا لیٹ کروں گی......اور ویسے بھی ابھی ثوبان سو رہا ہے۔'' صندل نے جواب عجلت بھرے انداز میں دیا جیسے کوئی بوجھ اتار رہا ہو۔

''میں لیڈی صاحبہ سے ملنا چاہتی ہوں۔'' اس نے ملازمہ کی طرف اب غور سے دیکھا جیسے گھر کے مکینوں کے خیالات اس کی آنکھوں سے کھوج رہی ہو کہ مشکل حالات میں گھرا انسان بے حد حساس ہو جاتا ہے۔

''اوکے میم......! میں لیڈی صوفیہ سے پتا کر کے آپ کو بتاتی ہوں......ایکچوئیلی وہ ناشتے کے بعد اپنے روم میں چلی جاتی ہیں اور جب تک وہ خود کال نہ کریں کوئی ان کے روم میں نہیں جا سکتا......آپ کو تھوڑا ویٹ کرنا ہوگا میم......'' ملازمہ نے مؤدبانہ عرض کی۔

''اوہ......ویٹ (انتظار) پھر تو ٹائم کا اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا......'' صندل کو عجیب سی مایوسی نے گھیر لیا۔

اتنے زور شور سے ہمدردی دکھانے والے دادی، پوتا اسے گھر میں پرانے سامان کی طرح رکھ کر بھول گئے تھے......اس کی نظریں سوئے ہوئے بیٹے پر جا ٹکیں۔ اس نے تمام تر ہمت یکجا کر کے......درحقیقت دل کڑا کر کے پرنس کے بارے میں دریافت کیا۔

''کل سے پرنس نظر نہیں آئے......شاید بہت مصروف ہیں......؟'' اس کے انداز میں بے پناہ جھجک تھی...... جیسے کوئی مہم سر کر رہی ہو۔

"sorry to say...I don't know" ملازمہ نے بڑے شائستہ انداز میں لاعلمی ظاہر کی......پھر چند ثانیے صندل کی طرف سے مزید کچھ کہے جانے کا انتظار کیا اور اسے خاموش پا کر خاموشی سے ایڑیوں پر گھوم گئی۔

صندل کی نظریں اس کی پشت پر تھیں اور ذہن آنے والے وقت کا قیاس کر رہا تھا۔

☆☆☆

''آج میں اٹھ نہیں پا رہی تھی......مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں لائف اسٹریم کھو رہی ہوں......'' لیڈی صوفیہ، انجیلا کے ہمراہ اسٹوڈیو میں داخل ہوئیں۔ پرنس ناشتے کے بعد اسٹوڈیو چلا آیا تھا۔ انجیلا نے اسے بتا دیا تھا کہ آج ناشتے پر لیڈی صاحبہ نہیں ہوں گی۔

یہ کوئی چونکا دینے والی خبر نہیں تھی بھی، کبھی ایسا بھی ہوتا تھا......بقول لیڈی صوفیہ کے کہ ''جب رات بہت

ریسٹ لیس (بے آرام) ہوتی ہوں تو صبح بیڈ سے اٹھ نہیں پاتی۔''

اب جبکہ دن چڑھ آیا تھا......چمکیلی دھوپ چہار اطراف پھیلی ہوئی تھی۔ اسٹوڈیو کے اطالوی طرز کے دریچوں کے بلائنڈز سمٹے ہوئے تھے۔ قدرتی روشنی میں ہر شے واضح تھی......پرنس کی پیشانی پر اندرونی تفکر کی غماز لکیروں سمیت...... وہ تصویر کشی کے موڈ میں ہرگز نہیں تھا......وہ تو اپنی مخصوص نشست پر جھولتے ہوئے گرما گرم کافی سے لطف اندوز ہونا چاہتا تھا......کافی کے گھونٹ ذہن کے بند دریچوں کو وا کرتے تھے......دریچے سے کوئی خیال جھانک کر مسکرا، مسکرا کر بند گرہیں کھولنے میں اس کی مدد کرتا تھا۔

''جی......مجھے پتا ہے......اسی لیے میں ناشتے کے بعد اسٹوڈیو آ گیا تھا۔ ویسے آپ کی طبیعت کیسی ہے......کیا محسوس کر رہی ہیں؟'' پرنس اپنی نشست سے کھڑا ہو کر دادی کو پیار سے تھامتے ہوئے گویا ہوا۔

"just fine" انہوں نے مسکرا کر پرنس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر اس کی پیشانی پر مُہرِ محبت ثبت کی۔

''ایکچوئیلی......میں رات بھر صندل کی وجہ سے بہت ڈسٹرب رہی۔'' وہ اپنی کھڑکی کے ساتھ لگی مخصوص نشست کی طرف پلٹتے ہوئے گویا ہوئیں۔

پرنس نے چونکنے کے بجائے خاموشی سے سر جھکا دیا......کیونکہ اس کے ساتھ بھی معاملہ کچھ مختلف نہ تھا۔

''میرا خیال ہے اسے اب اپنے گھر میں ہونا چاہیے۔'' وہ بولتے ہوئے نشست پر بیٹھ رہی تھیں۔

اب پرنس درحقیقت چونک پڑا۔

''وہ......گرینڈ مام......وہ گھر تو اس کے شوہر کا ہے......کیا اسے رسک لینا چاہیے؟'' اس نے ہچکچاتے ہوئے سوال کیا۔

"oh..yes...ofcourse" لیڈی صوفیہ نے برجستہ جواب دیا اور اپنی چمکیلی آنکھیں سکیڑ کر پرنس کے چہرے پر جما دیں......حیرت و الجھن کے تاثرات نمایاں تھے۔

''میرا خیال ہے وہ چند گھنٹے میں ہی straight ہو گیا ہوگا......مجھے امید ہے وہ اپنی بیوی سے معافی مانگے گا......ایسے لوگ بہت بزدل ہوتے ہیں......جو کمزور کو نشانہ بناتا ہے وہ دراصل اپنے بزدل ہونے کا اعلان کرتا ہے۔'' لیڈی صوفیہ کو اپنے تجزیے پر اعتماد تھا جو اُن کے لہجے سے جھلک رہا تھا۔

''لیکن آپ ہی نے تو advise کی تھی کہ صندل کو فی الحال انجیلا کے کاٹیج میں accomodate کر دیتے ہیں۔ فی الحال انجیلا کو اس کی ضرورت نہیں......میں اس میں مزید add کرنا چاہوں گا کہ ہم انجیلا کو اس کا rent ضرور پے کر دیں گے۔'' پرنس کو یقین واثق تھا کہ دادی کہہ کر بھول چکی ہیں......اس نے بڑے زور شور سے یاددہانی کرائی۔

"oh... thanks" لیڈی صوفیہ بے ساختہ مسکرائیں۔

''میں تو بھول ہی گئی تھی my beloved son'' پھر محبت پاش نظروں سے پرنس کی طرف دیکھا۔

''but اگر وہ اپنے گھر میں رہتی ہے تو حرج کیا ہے؟ ہم اس کے husband کی bail (ضمانت) نہیں ہونے دیں گے۔ جب تک وہ ensure نہیں کراتا۔'' لیڈی صوفیہ نے بڑی معصومیت سے کہا تھا......جس سے ثابت ہوتا تھا کہ درحقیقت اس وقت وہ دوبارہ شیر خواری کے عہد میں مراجعت کر چکی ہیں۔

''آپ ہی تو حضرت علیؓ کا قول اکثر quote کرتی ہیں......کہ ''عادت بدلی جا سکتی ہے فطرت نہیں۔'' ہم تو سلمان کو نہیں جانتے......ہمیں نہیں معلوم اس کے کس رویے کو ہم عادت سمجھیں اور کس کو فطرت......ظلم اس کے DNA میں ہے یا حالات نے اس کو ایسا بنا دیا ہے۔'' پرنس کی ہچکچاہٹ کی وجہ صرف یہ تھی کہ جو کچھ اس نے دیکھا تھا

وہ لیڈی صوفیہ نے نہیں دیکھا تھا، وہ خطرہ مول لینے پر قائل نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"oh you are wise" (تم دانش مند ہو) لیڈی صوفیہ بچوں کی طرح خوش ہو گئیں...... پوتا بہت دور کی کوڑی لایا تھا...... اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ان کا پسندیدہ قول یاد دلایا تھا۔

''مجھے اپنے فیصلوں پر اعتماد نہیں۔'' وہ اب الجھن میں نظر آنے لگیں۔

''مگر میں تم پر ہر طرح سے اعتماد کر سکتی ہوں۔ میں میموری loss کرتی جا رہی ہوں...... کیا تم مجھے مزید کچھ یاد دلانا پسند کرو گے؟'' لیڈی صوفیہ اب پریشان نظر آئیں۔

''نہیں...... ہمارے درمیان بس یہی بات ہوئی تھی۔'' پرنس نے ان کو فوراً مطمئن کیا...... اس سے قبل ان کی رو کسی اور طرف بہہ نکلتی۔

''اوکے...... تو پھر تم آج ہی اسے انجیلا کے کاٹیج میں پہنچانے کا بندوبست کرو۔ یونو...... میں اضافی ذمے داریاں برداشت کرنے کی ہمت نہیں رکھتی۔ گیسٹ کو ٹائم دینا ہوتا ہے...... اور میں اتنی bounding برداشت نہیں کر سکتی...... بیمار ہو جاتی ہوں۔ مگر ہم اس کا خیال رکھیں گے...... as a human being یہ ہماری ڈیوٹی ہے۔''

وہ اب مسکرا کر ٹکٹکی باندھ کر پرنس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''آپ نے جو کچھ کیا ہے وہ maximum ہے...... میری مشکل اس وقت تک تھی جب تک آپ سے سب کچھ share نہیں کیا تھا۔ میں سب سنبھال لوں گا گرینڈ مام...... اور آپ کو اپ ڈیٹ کرتا رہوں گا...... آپ ریلیکس کریں......'' پرنس نے دادی کو بھرپور انداز میں تسلی دی۔

''کیا مجھے صندل سے ملنا چاہیے؟ لیکن میں اس سے باتیں کیا کروں گی؟ نہ اس کو حسین خواب دکھا سکتی ہوں...... نہ مزید کوئی کمٹ منٹ کر سکتی ہوں۔''

لیڈی صوفیہ کو الجھنیں تنگ کرنے لگیں۔

''سیکنڈ ورلڈ وار کی eye witness ہوں...... میرا خیال ہے اب سب ہی لوگوں کو مجھ پر رحم کرنا چاہیے۔'' یک دم لیڈی صوفیہ کی آنکھوں میں شعلے لپکنے لگے۔

''تم اس لڑکی کو اچھی طرح سمجھا دینا۔'' ان کی آواز بلند ہونے کے باعث کانپنے لگی۔

''اس کو بتانا میری گرینڈ مام جنات کی قوم سے نہیں ہیں...... جب وہ خون، لاشیں، اپنے پیاروں کی میتیں دیکھ کر بھی نہیں مریں تو تم کیسے مر سکتی ہو؟ ساری زندگی کسی ظالم پر نچھاور کرنے کی ضرورت نہیں...... گھن آتی ہے مجھے مظلوم شکلوں پر...... اسے کہو اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جائے...... فیس کرے...... اس کو جان بچانے کا موقع قدرت نے دیا ہے...... اب ہمارے گھر میں رونے دھونے کی ضرورت نہیں......'' لیڈی صوفیہ کانپتی ہوئی اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔ ''اسے ابھی اسی وقت کاٹیج شفٹ کراؤ...... میں اسٹریس لے رہی ہوں......'' انہوں نے چکراتا ہوا سر تھام کر کہا۔

''اس گھر میں سفینہ کے علاوہ کوئی تھرڈ پرسن برداشت نہیں کر سکتی......'' پرنس کو دادی کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس نے گھنٹی بجا کر انجیلا کو طلب کیا اور دادی کو بہت پیار سے اپنے بازو کے گھیرے میں لے کر سینے سے لگا لیا...... سر پر پیار بھرا بوسہ دیا۔

''گرینڈ مام آپ ریلیکس کریں...... سمجھیں اب آپ پر کوئی ذمے داری نہیں......''

وہ نڈھال ہو چکی تھیں بولنے کی قوت یوں ساتھ چھوڑ رہی تھی جیسے چٹان سے کوئی چیونٹی بار، بار پھسل رہی ہو

جواب میں انہوں نے کچھ کہنا چاہا مگر کہہ نہ سکیں......

ناتواں انداز میں سر پرنس کے سینے سے یوں ٹکا دیا جیسے شیر خوار سیراب ہونے کے بعد ماں کے سینے پر سر رکھ کر نیند کی وادی میں سیر کناں ہو جاتا ہے۔ انجیلا کے آنے تک وہ آنکھیں موند کر مکمل بے حواس ہو چکی تھیں۔

☆☆☆

اسے خود سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ ماہین سے کیوں چھپتی پھر رہی ہے...... علی الصباح وہ شاور لے کر یونیورسٹی جانے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ جیسے ہی ماہین نے بیڈ چھوڑا اس نے روم چھوڑ دیا...... ماہین کیونکہ گہری نیند سے جاگی تھی...... حاضر دماغی مفقود تھی اس وقت تو اسے کچھ سمجھ نہیں آئی مگر فرسٹ پیریڈ ختم ہوتے ہی اس نے سفینہ کو جا لیا تھا۔

''تم رات کو کہاں غائب ہو گئی تھیں؟'' اس نے کلاس سے باہر آتے ہی سفینہ کا بازو دبوچ لیا۔

''کہیں نہیں...... بس ویسے ہی اوپن ائر انجوائے کرنے کا موڈ بن گیا تھا۔'' اس نے جان چھڑانے والے انداز میں جواب دیا...... اور نظر چرا لی۔

''ہوں...... بے وقوف مت بناؤ...... میں سمجھ گئی پرنس سے باتیں کرنے کا موڈ بن گیا ہوگا...... ویسے بھی نئے، نئے رومانس میں سب سے پہلے نیند کا ہی ستیاناس ہوتا ہے۔''

ماہین اس کے ساتھ تیز، تیز چلتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''جی...... نہیں...... ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔'' سفینہ کی رفتار مزید تیز ہو گئی۔

''تم اتنی تیز کیوں چل رہی ہو؟'' ماہین حیران پریشان نظر آئی۔

''میں سیکنڈ پیریڈ نہیں لوں گی...... ہاسٹل جا رہی ہوں۔'' سفینہ ہنوز ماہین کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی جبکہ ماہین کی نظریں مسلسل سفینہ کی طرف تھیں۔

''کیوں، پیریڈ کیوں نہیں لو گی؟ آج تو monday ہے...... اور......''

''یہ سنڈے منڈے چھوڑو...... بس میری طبیعت ٹھیک نہیں، کراچی میں بھی ریسٹ کرنے کا ٹائم نہیں ملا......'' سفینہ نے ماہین کی بات کاٹ کر قدرے جھنجلا کر کہا۔

''کمال ہو گیا، میں تو سوچ رہی تھی کہ تم بہت فریش اور energatic ہو کر واپس آؤ گی...... تم تو یوں تھکی ہوئی لگ رہی ہو جیسے کراچی سے پیدل آئی ہو۔'' ماہین کی معصومانہ حیرت دیدنی تھی۔

''بتایا ناں ریسٹ نہیں کیا...... تھوڑا سو کر اٹھوں گی تو فریش ہو جاؤں گی، پلیز تم جاؤ...... پیریڈ شروع ہونے والا ہے۔'' سفینہ کو ماہین کی قربت بوجھ لگ رہی تھی...... اندر چھپی ہوئی غم و غصے کی کیفیت کو قابو کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

''اوکے...... واقعی تم بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہو...... ٹھیک ہے تمہیں ریسٹ کرنا چاہیے۔'' ماہین کو اس کی بیزاری واضح طور پر محسوس ہو رہی تھی۔ اسے لگا کہ وہ سفینہ کو درحقیقت تنگ کر رہی ہے۔ ماہین کے لیے یہ نیا تجربہ تھا...... سفینہ کم گو ضرور تھی مگر مسکراتی رہتی تھی، اس کی مسکراہٹ ہمیشہ الفاظ کا نعم البدل محسوس ہوتی تھی مگر اس وقت تو وہ چڑچڑی اور بیزار نظر آ رہی تھی۔

ماہین کو یقین کرنا پڑا کہ وہ تھکی ہوئی ہے...... حالانکہ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ سفینہ بہت اچھے موڈ میں لاہور واپس آئی تھی...... جب وہ ٹینس کھیلنے نکلی تو وہ سونے کے لیے لیٹ چکی تھی...... جب وہ واپس آئی تو اسے گہری نیند سوتا پایا...... ڈنر کے وقت بھی وہ سو رہی تھی ماہین نے احتیاطاً کچھ اسنیکس اس کے لیے لا کر روم میں رکھ دیے تھے تاکہ رات کو وہ اٹھے تو کھانے کے لیے کچھ نہ کچھ موجود ہو...... لیکن رات دو بجے جب وہ گہری نیند سے جاگ کر واش روم گئی تو سفینہ کا بیڈ خالی تھا...... پہلے تو وہ یہی سمجھی کہ وہ واش روم میں ہو گی مگر جب سوئچ کی طرف دیکھا تو پتا

چلا کہ آف ہے یعنی واش روم میں کوئی نہیں ہے۔ پھر اس نے دروازے کی طرف دیکھا وہ بھی مقفل نہیں تھا...... صبح اٹھی تو سفینہ کو پھر کمرے سے غائب پایا...... یہ بہت غیر معمولی تھا...... اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا...... اگر سفینہ کو کسی وجہ سے روم سے باہر جانا ہوتا تھا تو وہ اسے سوتے سے جگا کر بتا کر جاتی تھی۔

مگر اب تو جیسے وہ رات سے اسے تلاش کرنے میں ہی لگی ہوئی تھی۔ وہ رک گئی تھی...... سفینہ آنکھوں کے سامنے چلتی چلی جا رہی تھی۔ چال بھی معمول کے خلاف تھی۔

یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی بھاگ کر چھپنا چاہ رہا ہو......

☆☆☆

پرنس نے خود گیسٹ روم میں جانے کے بجائے صندل اور ثوبان کو بلوا لیا تھا۔

صندل، ثوبان کا ہاتھ تھامے لاؤنج میں داخل ہوئی تو پرنس کو وائٹ لیدر کے صوفے پر منتظر پایا۔

ثوبان جو بہت سہما اور خاموش سا تھا پرنس کو دیکھتے ہی پھول کی طرح کھل اٹھا اور بھاگ کر پرنس سے لپٹ گیا...... یہ بڑی بے ساختہ سی حرکت تھی جس پر اس کی ماں کو بھی خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

''السلام علیکم......!'' پرنس نے صندل کو سلام کرنے میں سبقت حاصل کی۔

''جی...... وعلیکم السلام......'' صندل نے بہت محتاط انداز میں پرنس کی طرف دیکھا...... جو اس وقت بلیک جینز اور سی گرین ٹی شرٹ میں ملبوس تھا...... صندل نے اسے ابھی تک کرتے پاجامے اور شلوار قمیص پہنے ہی دیکھا تھا۔

جدید عہد کا ملبوس اس کے قد و قامت کو بہت نمایاں کر رہا تھا۔ نظر اٹھانے کا محتاط انداز تو اس کی شخصیت کا جادو تھا...... شاید غیر معمولی حالات میں پرورش پانے والے لوگ کچھ زیادہ ہی محتاط اور حساس ہوتے ہیں۔

جس دادی کی سرپرستی میں زندگی گزر رہی تھی، وہ اس کی دادی نہیں پردادی تھی...... ایک تاریخ تھی...... تجربے کا کمال تھی۔ صرف ''جنریشن گیپ'' نہیں تھا...... "ٹرپل جنریشن گیپ" تھا بچپن میں تصوراتی دیو مالائی کہانیاں نہیں سنی تھیں ''تاریخ'' سنی تھی۔

وہ دادی کی تمام تر توجہ کا محور و مرکز تھا...... اس کی تربیت اس طرح کی گئی تھی جیسے عسکری ادارے میں رنگروٹ کی درگت بنتی ہے...... اس کی پیدائشی ذہانت پڑدادی کے فلسفے کا گہرا رنگ تھا...... اس پائیدار و دیرینہ رفاقت کی وجہ سے ہی اس کی زندگی غیر معمولی تھی، وہ صرف آٹھ سال کا تھا تو اسے مراقبے کا شعور بھی مل چکا تھا۔ لیڈی صوفیہ، یوگا، مراقبہ، مطالعہ کی شائق تھیں...... شاید اسی روحانی مزاج کے باعث اعصاب میں وہ قوت موجود رہی جس نے مشکل ترین حالات میں انہیں گرنے نہیں دیا۔

پوتے کے تنہا ہو جانے کے خیال نے زندگی کے لیے حریص بنا دیا لیکن ستر سال کی عمر میں بائی پاس ہوا تو ان کے معمولات خود بخود تبدیل ہو گئے۔

نفسیات میں انقلاب پیدا ہو گیا...... وہ خود پر ترس کھانے لگیں اور پرنس کو بار بار یاد دلاتیں کہ ''تمہارے گرینڈ فادر کے عشق نے میرے دل کا یہ حال کر دیا...... سلا ہوا کپڑا ادھیڑ کر دوبارہ سلا ہے...... اور جب کپڑا ادھیڑ کر دوبارہ سیا جاتا ہے تو کبھی پرانے ٹانکے پر نیا ٹانکا نہیں آتا...... آگے پیچھے ہو جاتا ہے...... اور اب میں بغیر منڈیر کی چھت پر بالکل کنارے پر کھڑی ہوں۔''

اسی لیے صندل پہلی ملاقات سے لے کر آج تک دریائے حیرت میں غوطہ زن تھی...... پرنس اس کی سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا...... اس لیے کہ ہر نوجوان کو نوے برس کی پردادی نہیں ملتی......

اس کا دل پرنس کی طرف یوں کھنچ رہا تھا کہ وہ اپنے احساسات سے خوفزدہ ہو گئی...... وہ ایک ستم گر شوہر کے

ساتھ بہت ایمانداری سے زندگی گزار رہی تھی...... جتنے بھی مرد نگاہوں سے گزرے تھے وہ سلمان سے کچھ کم یا ملتے جلتے ہی محسوس ہوئے تھے۔

سلمان کو اپنی تقدیر جان کر وہ اپنے بچے کے باپ سے مکمل وفادار تھی۔ آدم کا بیٹا جو سر سے پاؤں تک نفس ہی نفس تھا...... حلق تک بھر کر کماتا تھا...... سیر ہو کر سوتا تھا...... اپنی وحشتوں کو پیار کا نام دیتا تھا وہ اسی سے بہل جاتی تھی۔

''آپ کے لیے فی الحال ایک چھوٹے سے گھر کا بندوبست کر دیا گیا ہے۔ جب تک آپ کے husband کے ساتھ معاملات کلیئر نہیں ہوتے آپ وہیں رہیں...... ثوبان کو اسکول بھیجیں...... اب اس کی کوئی چھٹی نہیں ہونی چاہیے۔'' پرنس نے ثوبان کے گال چھو کر ٹو دی پوائنٹ بات کی۔

''لیکن...... وہ گھر کہاں ہے......؟'' صندل کو اس غیبی مدد سے روحانی مسرت کا احساس تو ہوا مگر کچھ الجھنیں بھی تنگ کرنے لگیں۔

''اس جگہ سے تقریباً چالیس منٹ کی ڈرائیو پر ہے...... مگر ثوبان کے pick n drop کا بندوبست ہو جائے گا اس کی آپ فکر نہیں کریں۔''

پرنس، ثوبان کی طرف اپنی توجہ کر کے صندل سے مخاطب تھا۔ صندل جو اپنے ہی احساسات سے خوفزدہ و پریشان تھی۔ اب اس صورت حال سے فوراً باہر نکلنا چاہتی تھی...... غیر ارادی طور پر نظر پرنس پر جا پڑ رہی تھی اس کے ارادے کا کوئی عمل دخل نہیں تھا...... مگر یہ زندگی کا دل دہلا دینے والا تجربہ تھا...... کہ دل یوں بھی کھنچتے ہیں۔

سلمان سے اس کی محبت کی شادی نہیں تھی...... اس کے سرپرست اس کے سگے چچا تھے، سلمان نے کسی پارٹی میں اسے دیکھ کر پرپوزل بھیجا تھا...... اور شادی ہو گئی تھی۔ چچا، چچی کو اپنی اکلوتی بیٹی جو امریکا میں مقیم تھی کے پاس بقیہ عمر گزارنے کی جلدی تھی...... انہوں نے گویا سر سے بوجھ اتارا اور چلتے بنے، یہ الگ بات کہ صندل کی شادی کے دو سال بعد ہی ان کا انتقال ہو گیا تھا...... اور یوں صندل کی back بالکل ہی ختم ہو گئی...... سلمان نے اسے زرخرید کی طرح استعمال کیا جیسا کہ ہلکے اور کمزور شخصیت کے حامل لوگ کیا ہی کرتے ہیں۔

''انجیلا آپ کو ہر طرح سے گائیڈ کرنے کے لیے موجود ہے۔''

''اور وہ جو سلمان والا مسئلہ ہے؟ مجھے تو سمجھ نہیں آ رہی کہ آگے کیا ہونے جا رہا ہے۔'' صندل کو لگا کہ اگلے ہی پل پرنس وہاں سے چلا جائے گا جو سوال اسے رات سے تنگ کر رہا تھا یک دم زبان سے پھسل گیا...... ثوبان نے بھی باپ کا نام سن کر گھبرا کر پرنس کی طرف دیکھا تھا۔

''آپ بالکل بھی پریشان نہ ہوں...... ہمارا ہاؤس منیجر، انجیلا، زوار حسین آپ کو ہر طرح سے comfortable رکھیں گے۔'' یہ کہہ کر پرنس نے جھک کر ثوبان کے سر پر بوسہ دیا اور جانے کے لیے قدم بڑھا دیے...... صندل کو یوں لگا جیسے جی کی جی ہی میں رہ گئی...... وہ اپنی تسلی کے لیے سوال پر سوال کرنے کے لیے کمربستہ تھی مگر پرنس کا محتاط انداز گفتگو اسے خاموش رہنے کی تنبیہ کر رہا تھا۔

پرنس جا چکا تھا اور وہ یوں کھڑی تھی گویا گھنے جنگل سے گزرتے ہوئے سواری نے دھوکا دے دیا ہو۔

ثوبان گم صم کھڑی ماں کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

''کوئی بھی ماں وہ ان پڑھ ہو یا تعلیم یافتہ کبھی بھی اپنی بیٹی کا تماشا بنانا پسند نہیں کرے گی۔ آپ کی اس حرکت کو میں نے اس لیے اگنور کیا تھا کہ میرا اگنور کرنا ہی آپ کے لیے سخت سزا تھی...... میں اپنی بیٹی کو ڈسکس نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن جب door-knock کرتے ہیں آواز تو پیدا ہوتی ہے۔'' تاجور نے معاشرے کی روایات کے برخلاف

سالگرہ ہے آج تمہاری ...... شمع تفسیر کا کراچی سے خصوصی تحفہ

اے پاکیزہ میری جان
تجھ پر جان و دل قربان
نزہت اصغر کے دلارے ہو
انجم انصار کے پیارے ہو
عذرا آپی کی تم ہو جان
اے پاکیزہ میری جان
عذرا رسول کی آن ہو تم
ذیشان رسول کی شان ہو تم
معراج رسول کا تم ارمان
اے پاکیزہ میری جان
ڈاکٹر ذکیہ کی دعائیں ہیں
رفعت کی قلمی ادائیں ہیں
سب میں شامل ہو ہر آن
اے پاکیزہ میری جان
کتنے پیارے لگتے ہو
جب تم چھپ کر آتے ہو

لفظ لفظ شایانِ شان
اے پاکیزہ میری جان
عقیلہ حق کے خوابوں میں
شیریں حیدر کے خیالوں میں
بن کر رہتے ہو مہمان
اے پاکیزہ میری جان
ناہید سلطانہ کی فکر ہو تم
یمنیٰ احمد کے جگر ہو تم
غزالہ رشید کی تم ہو جان
اے پاکیزہ میری جان
اختر شجاعت کی سوچ ہو تم
ممتاز ضیا کے دوست ہو تم
قاری بہنوں کی پہچان
اے پاکیزہ میری جان
آمنہ حماد کا ہنر ہو تم
شائستہ زریں کا فخر ہو تم

امینہ کے جینے کا سامان
اے پاکیزہ میری جان
عظمیٰ آفاق کی ہنسی ہو تم
رضوانہ پرنس کی خوشی ہو تم
سلمیٰ غزل تم پر نازاں
اے پاکیزہ میری جان
شگفتہ شفیق کی غزلوں میں
فریدہ فری کی نظموں میں
تم سے تم تک سارا بیان
اے پاکیزہ میری جان
صغریٰ زیدی کا ذوق ہو تم
عالیہ حرا کا شوق ہو تم
رخ چوہدری کے دل و جان
اے پاکیزہ میری جان
صائمہ اکرم کو بنانے میں
سعدیہ ہما کو بڑھانے میں
تیرا حصہ میری جان

اے پاکیزہ میری جان
فریدہ افتخار کے تبصروں میں
نزہت جبیں کے لفظوں میں
حرف، حرف میں تم پر مان
اے پاکیزہ میری جان
رفاقت جاوید، نگہت غفار
ہما بیگ اور صبیحہ شاہ
سب کا تعارف سب کی شان
اے پاکیزہ میری جان
افسر سلطانہ جانتی ہیں
فریدہ فضل بھی مانتی ہیں
پرچے ہو تم عالی شان
اے پاکیزہ میری جان
نگہت (اعظمی) کے خالص لفظوں میں
نگہت (سیما) کے جادو حرفوں میں
اور سیما مناف کا زورِ بیان
اے پاکیزہ میری جان

فریدہ خانم کا مان ہو تم
شہلا نواز کی جان ہو تم
محکمہ ڈاک پہ ہو احسان
اے پاکیزہ میری جان
نگینہ ضیا، پروین افضل
آسیہ عامر، صفیہ بیگم
سب کو دی تو نے پہچان
اے پاکیزہ میری جان
معراج رسول نے پالا ہے
عذرا باجی نے سنوارا ہے
نزہت اصغر بھی ہیں کوشاں
اے پاکیزہ میری جان
دعا ہے میری اللہ سے
معراج رسول کو صحت دے
ہیں عذرا کی آن و بان
اے پاکیزہ میری جان
سالگرہ ہے آج تمہاری

خوش ہیں قاری بہنیں ساری
پھولوں پھلو تم ہر اک آن
اے پاکیزہ میری جان
یاد ہیں ہم کو وہ دن بھی
ایوارڈوں کی شام بھلی
لوٹ کے وہ دن آئیں یاں
اے پاکیزہ میری جان
یوں تو رسالے اور بھی ہیں
اور خاصے قابلِ غور بھی ہیں
پر تم ہو سب سے ذی شان
اے پاکیزہ میری جان
میری کہانی شائع کی
ہرگز نہ تم نے ضائع کی
شمع تفسیر بھی ہے شاداں
اے پاکیزہ میری جان
تجھ پر جان و دل قربان

ایک قدم اٹھا تو لیا تھا مگر اس کے بعد سے ایک نامعلوم سی بے کلی لاحق ہوگئی تھی...... اب ان کی انا کا سوال تھا۔

انہوں نے چند ضروری کام نپٹا کر ساحل کو اپنے آفس میں طلب کر لیا تھا اور یہ جتانا ضروری سمجھا تھا کہ پہل ساحل کی طرف سے ہوئی تھی اور وہ اسے مسلسل چیک کر رہی تھیں۔

ساحل دل ہی دل میں خود کو کوس رہا تھا...... گویا اپنے بچھائے جال میں خود ہی پھنس رہا تھا۔ کاش اس روز زارا کے بجائے سفینہ کا نام لکھ دیتا...... البتہ جتانے کے بعد تاجور کی انا کو قرار مل گیا تھا۔

زارا کی وجہ سے جو کچھ انہیں مجبوراً کرنا پڑ رہا تھا...... اس مجبوری کا تو وہ پہلے کبھی تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں...... وہ بہت ٹھنڈے دماغ سے زارا کے معمولات، اس کی حرکات وسکنات چیک کر رہی تھیں۔ جس کا حاصل یہی نکلا کہ ہم پلہ لوگوں میں اس کی شادی کرنے کا مطلب تھا کہ وہ آئے دن بے عزت ہوتی رہیں...... اس کی غلطیوں کی وضاحتیں پیش کرتی رہیں۔

''جی...... میم...... میں مانتا ہوں کہ مجھ سے غلطی ہوئی تھی...... جس پر آج تک مجھے بہت شرمندگی محسوس ہوتی ہے۔'' ساحل کے پاس درحقیقت غلطی ماننے کے سوا چارہ نہیں تھا...... سر جھکائے نادم ہونے کی اداکاری کر رہا تھا۔

''وہ غلطی......؟'' تاجور بھونچکی سی رہ گئیں۔

''جی بس...... غلطی ہی سمجھیں...... اتنی ہائی پروفائل فیملی کی لڑکی کو اپروچ کرنے کی کوشش کرنا...... غلطی ہی تو ہے...... انسان کو اپنی اوقات میں رہنا چاہیے۔''

ساحل نمبر بنانے کا کوئی موقع ہاتھ سے کیسے جانے دیتا...... انتہائی شریف النفس نوجوان کا بہروپ بنا کر تاجور کو بے بس کر رہا تھا۔

''اوہ......'' تاجور کو اس کی حقیقت پسندی نے گویا خرید ہی لیا...... ''یہ نوجوان کسی صورت ان کی دولت کو برباد نہیں کرے گا...... بہت میچور انداز میں سوچتا ہے......'' ان کے دل کو اس کی ندامت وحقیقت پسندی سے مزید تقویت پہنچی۔

''میں آپ کے لائق نہیں ہوں...... میرے پاس تو رہنے کے لیے کوئی ڈھنگ کا ٹھکانا بھی نہیں......''

ساحل کو یہ جاننے کی جلدی تھی کہ زارا کو اپنانے کی صورت میں اسے فوری حاصل ہونے والے فائدے کیا، کیا ہیں...... وہ ہاں کرنے سے پہلے تاجور کو کسی پختہ عہد کے ساتھ باندھنا چاہتا تھا۔

یہ تو طے ہو گیا تھا کہ زارا جیسی احمق لڑکی سے اس جیسے ''دانشور'' کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا۔

''گھر، گاڑی، نوکر یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہوں گے...... مگر مجھے شادی جلدی کرنی ہے...... آپ کو پتا ہی ہے کہ نیا آفس اسپین میں بن رہا ہے...... مجھے سال میں چھ مہینے تو ملک سے باہر رہنا ہوگا...... یعنی دو مہینے پاکستان میں تو ایک مہینہ اسپین میں...... سفینہ کی شادی ہو جائے گی تو باہر کا سیٹ اپ اس کے ہینڈ اوور کر دوں گی...... اس کو MBA کرانے کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ بزنس سنبھالے...... اور میں کچھ ریسٹ کروں......'' تاجور شاید ساحل کے سامنے پہلی بار اپنائیت بھرے انداز میں مسکرائی تھیں...... ساحل فضا میں محوِ پرواز ہو گیا...... البتہ سفینہ کے ذکر پر دل کچھ ملول سا ضرور ہوا تھا۔

''کیا شاندار لڑکی ہے...... مگر...... ہائے قسمت...... کوئی اچک کر لے گیا۔ خیر کوئی بات نہیں...... رئیس کہلانے کا خواب تو پورا ہونے جا رہا ہے۔'' دل میں سوچا۔ اس نے پوشیدہ خفت مٹانے کی کوشش کی۔ جیسے واقعی سفینہ نے کھلے عام اس کا پرپوزل ٹھکرایا ہو۔

''میم، کل سے ایک بات کرنے کی ہمت کر رہا ہوں مگر بات نہیں کر پا رہا......'' ساحل نے ہچکچاتے ہوئے گویا کچھ کہنے کی اجازت چاہی۔

''ارے...... جب میں آپ سے کھل کر بات کر رہی ہوں تو آپ کا بھی حق ہے کہ مجھ سے سب کچھ شیئر کریں۔''

''وہ...... بات یہ ہے میم...... کہ مس زارا...... attitude دکھاتی ہیں، مجھے صاف محسوس ہوتا ہے کہ وہ مجھے پسند نہیں کرتیں...... شادی کی بات تو بہت بڑی بات ہے۔'' ساحل نے نادیدہ کانٹا نکال پھینکا...... اور ساتھ ہی تاجور کے تاثرات گہری نگاہ سے ملاحظہ کرنے لگا۔

تاجور ایک لمحے کے لیے درحقیقت چکرائی ضرور تھیں مگر فوراً ہی خود کو مرتب کر لیا تھا...... مسکرا کر گویا ہوئیں۔

''انیس سال عمر ہے اس کی...... آپ اس سے کسی قسم کی میچورٹی کی امید نہ رکھیں...... یہ میرا مسئلہ ہے کہ وہ مانتی ہے یا نہیں...... فرض کریں وہ کسی کاؤ بوائے کو لا کر میرے سامنے کھڑا کر دے اور کہے کہ میں اس سے شادی کروں گی تو کیا میں اس کی حماقت میں اس کا ساتھ دوں گی۔ وہ مجھ پر ہی ڈیپنڈ کرتی ہے، اس عمر میں فیصلے پیرنٹس ہی کرتے ہیں کیونکہ یہ دل کا موسم ہوتا ہے...... دلیل کا نہیں...... اس عمر میں تو ہر چمکتی چیز سونا لگتی ہے۔''

تاجور کے الفاظ سے اس کے وجود میں سنسناہٹ پیدا ہونے لگی...... اس کے تمام پوشیدہ سوالات کے جواب ایک ساتھ مل گئے تھے۔

''میم ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں۔'' اس نے سوچا۔

''وہ تو صرف ایک زوردار آواز سے ہی زیر ہو سکتی ہے...... پارے کی طرح بے قرار انسان کی کسی سوچ میں استحکام نہیں ہوتا۔ شکر ہے میرے خدشات غلط نکلے...... میم تو میرے لکھے کو پکڑے بیٹھی ہیں۔ بقول ان کے کہ وہ کافی عرصے سے اس کے بارے میں غور و فکر فرما رہی تھیں۔ خوب صورت، اسمارٹ، تعلیم یافتہ، محنتی...... خود اعتماد، خود اعتماد تو خیر میں اتنا ہوں کہ نامکمل کاغذات کے ساتھ ہیتھرو ائرپورٹ یا پیرس ائرپورٹ پر اتر کر آرام سے باہر آ سکتا ہوں۔''

ساحل کی خوش فہمی نے فراست کے تمام راستے بند کر دیے۔ ایسا ہی ہوتا ہے۔ غیر ضروری خود اعتمادی، دانائی کی آنکھوں میں مرچیں جھونک دیتی ہے۔

اسے ''تکبر'' کا عنوان بھی دیا جا سکتا ہے۔ جو صریحاً لفظ ''دھوکے'' سے ترجمہ ہوتا ہے...... اور یہ دھوکا انسان اپنے آپ کو دیتا ہے۔ منتخب ہونے کا اعزاز ہمیشہ سے تکبر کو بڑھاوا دیتا ہے...... اگر فطرت نے تخلیقی عناصر میں پہلے سے اس کا بیج بویا ہوا ہو۔

''تکبر'' زرخیزی و تخلیقی عمل کے لیے زہر ہلاہل ہے...... جمود کا استعارہ اور ایک مقام پر ٹھہر جانے کا نام ہے۔ جبکہ اس کائنات میں انسان جتنا کچھ جان چکا ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ اس کی موت تک پوشیدہ رہتا ہے۔

مردانہ انا کو اتنی تقویت پہنچی کہ طبیعت سرشار ہو گئی...... ''شکر ہے زارا اماں کے مکمل کنٹرول میں ہے۔ ویسے بھی تاجور جیسی خاتون کی بیٹی حدود نہیں پھلانگ سکتی...... ٹھیک سے ساتھ چلتی ہے تو ٹھیک ہے...... ورنہ......''

اندر براجمان شیطان ورنہ کے بعد معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔

''میم...... میں آپا کو بلا لیتا ہوں...... آپ ان سے ملاقات کے بعد جو بہتر سمجھیں فیصلہ کر لیں...... آپ نے مجھے بہت عزت دی...... شاید میں تو اتنی عزت افزائی ڈیزرو ہی نہیں کرتا...... میں تو عزت سے زندگی گزارنے کے لیے سخت محنت کو اپنا نصب العین بنا چکا ہوں...... دولت مند بننے کے خواب بھی نہیں دیکھے...... ہم نے تو یہی پڑھا ہے کہ محنت میں عظمت ہے......'' ساحل نے وہ اداکاری کی کہ دلیپ کمار اپنی پہلی فلم میں کرتا تو فلم کبھی فلاپ نہ ہوتی۔

اس قدر زور آزمائی کی وجہ وہ خوف تھا جو کامیابی کی چوٹی پر عموماً لاحق ہو جاتا ہے...... اور کامیابی کی شدید خواہش ضمانت چاہتی ہے۔ تاجور تو اس کی بات سن کر سر سے پاؤں تک سیراب ہو گئیں...... قیمتی پتھر کی قدر جوہری ہی جانتا ہے۔

انہوں نے اپنے حسن انتخاب کی داد دی...... آخر ''پرنس ٹائیکون......'' ہیں...... وہ نہیں پہچانیں گی تو بھٹیار میں بیٹھی ماسی جیراں پہچانے گی؟

''ٹھیک ہے...... میں اکاؤنٹ میں کہہ دیتی ہوں کہ وہ آپ کی سسٹر کے ریٹرن ٹکٹ کا انتظام کر دیں...... تفصیلات آپ شیئر کر لیں۔'' ساحل کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانا نہ رہا۔

D.A...T.A کا بندوبست بھی ہو رہا تھا۔

''کیا یاد کریں گی آپا...... بھائی کی وجہ سے پلین کو پہلی بار اندر سے بھی دیکھیں گی...... وہ تو ڈائیوو میں بیٹھ کر ہی پھولی نہیں سماتیں...... شروع ہی سے خرچہ بچ رہا ہے۔ زارا! میں تمہاری بدتمیزیاں برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں۔'' وہ اٹھتے ہوئے سرشاری کی کیفیت میں سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

دو بیڈ روم، وسیع و عریض لاؤنج چھوٹا سا ڈرائنگ روم...... ماڈرن امریکن کچن...... مکمل فرنشڈ (آراستہ) ڈرائیور اور ایک ملازمہ نور، صندل کے ہمراہ تھی۔

نیاز بریومیٹر لگژری اپارٹمنٹ دیکھ کر صندل کو درحقیقت بہت خوشی ہو رہی تھی۔ ثوبان بھی بہت دلچسپی سے ایک، ایک شے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''انجیلا یہاں نہیں رہتیں...... مگر کتنا صاف ستھرا ہے......'' اس نے پلٹ کر نور کی طرف دیکھا۔

''جی میم...... مگر ان کا بیٹا یہاں رہتا ہے۔'' نور نے صندل کو چونکا دیا۔

''ب...... بیٹا؟''

''جی میم ان کا بیٹا اسکاٹ لینڈ میں پڑھ رہا ہے...... چھٹیوں میں آتا ہے۔ اسکاٹ لینڈ جانے سے پہلے وہ یہیں رہتا تھا۔'' نور نے اسے مزید معلومات بہم پہنچائیں۔

''اچھا...... مگر دیکھنے میں تو لگتا ہے یہاں کبھی کوئی رہا ہی نہیں۔'' صندل نے حیران نظریں چاروں طرف دوڑائیں۔

''جی...... انجیلا بہت مین ٹین رکھتی ہیں......'' نور نے مؤدبانہ جواب دیا۔

''واہ، پرنس کے نوکروں کے بچے بھی اسکاٹ لینڈ میں پڑھتے ہیں۔'' وہ بہت متاثر ہوئی تھی۔

''یہ بیڈ روم روبن کا ہے...... locked ہے...... اور یہ انجیلا کا...... آپ انجیلا کا بیڈ روم یوز کریں گی۔ نور نے برابر برابر بنے دونوں بیڈ روم کی طرف اشارہ کیا...... اور آگے بڑھ کر انجیلا کا بیڈ روم کھول دیا...... سادہ سا بیڈ روم...... ایک ڈبل بیڈ، دو لیدر کی سیٹیں، ایک شیشے کی بڑی سی گول میز...... چھوٹی، چھوٹی سائڈ ٹیبلوں پر ٹیبل لیمپ رکھے ہوئے تھے۔

بیڈ اور واش روم کے درمیانی راستے پر گہرا سرمئی rug...... بس یہ کمرے کی کل آرائش تھی۔

نور نے واش روم کا دروازہ کھولا...... واش روم بہت بڑا تھا...... واش روم کے اندر ہی ڈریسنگ ایریا تھا...... دیوار گیر وارڈروب تھی۔ جس کے چھ پٹ باہر سے ہی نظر آ رہے تھے...... اور ڈریسنگ کا آئینہ بھی شاور کیبن، ٹاول ریک...... سلیپر......

روشن صاف ستھرا واش روم دیکھ کر طبیعت مطمئن ہو گئی......

''وارڈروب کے صرف دو ڈور locked ہیں۔ باقی خالی ہیں آپ use کر سکتی ہیں۔'' نور نے پلٹ کر صندل کی طرف دیکھا۔ ثوبان کو ان تفصیلات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ دروازہ کھول کر بالکنی میں چلا گیا۔

''میرے پاس تو ابھی کچھ بھی نہیں ہے۔'' صندل کے منہ سے بلا ارادہ ہی نکل گیا تھا...... مگر نور طرح دے گئی...... کہ ملازمہ کو پرسنل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔

نور کی خاموشی پر صندل کو عجیب سی شرمندگی ہوئی...... بھلا یہ بات نور سے کرنے والی تھی؟ اس نے خود کو ملامت کی......

''آج لنچ ڈرائیور گھر سے لے آئے گا...... مجھے یہی بتایا گیا ہے۔''

''کوئی مسئلہ نہیں...... میں اپنا اور ثوبان کا کھانا خود بناؤں گی...... روٹین میں بھی بناتی ہوں۔'' صندل نے کہا۔

''جی...... لیڈی صوفیہ سے آپ شیئر کر سکتی ہیں...... میں اب اجازت چاہتی ہوں۔'' نور نے روبوٹ کے انداز میں کہا اور اسی انداز میں سر جھکا کر کمرے سے باہر چلی گئی...... نیچے پارکنگ میں ڈرائیور اس کا منتظر تھا۔

''اس کے باہر جاتے ہی صندل آڑی ترچھی بیڈ پر جیسے ڈھے گئی......

''کیا میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں؟'' اپنی بدنصیبی کا اتنا یقین تھا جیسا کہ اس بات پر کہ اس کے مرحوم باپ کا نام سلطان احمد صدیقی ہے۔

پھر کیسے یقین آجاتا کہ رات ختم...... دن طلوع ہو چکا ہے۔

☆☆☆

زارا پتھر کے مجسمے کی طرح ایک ٹک تاجور کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''ایک اصولی بات ہے آج کے دور میں اگر کوئی لڑکی کسی کیریئر میں دلچسپی نہیں رکھتی...... جیسا کہ آج کل ہر تیسری لڑکی پڑھ لکھ کر کچھ کرنے کے خواب دیکھتی ہے...... تو پھر لڑکی کا شادی شدہ ہونا بہتر ہوتا ہے...... کیونکہ شوہر اور بچوں کے ساتھ زندگی گزارنا بھی بالکل نیچرل ہے۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے تمہاری شادی کر دینی چاہیے۔'' تاجور اس کی غیر معمولی کیفیت کو نوٹ کرنے کے باوجود انجان بن کر اپنی بات کر رہی تھیں...... فیصلے صادر کر رہی تھیں۔

''ام...... اماں...... میری اسٹڈی ابھی incomplete ہے۔'' اس کے حلق سے بہ مشکل آواز نکلی تھی۔

''آرٹس کالج میں ہو...... یہ تو تمہارے لیے انٹرٹینمنٹ ہے...... شادی کے بعد بھی کمپلیٹ کر سکتی ہو...... نو ایشوز......'' تاجور نے یوں جواب دیا جیسے وہ اس پر واضح کر رہی ہوں کہ فیصلہ ہو چکا ہے۔

''اماں...... its a very personal میری شادی کا فیصلہ آپ کیوں کریں گی؟'' اب اس کی فطری خودسری عود کر آئی۔

''جب میں تمہاری غلطیوں اور حماقتوں کی ذمے دار ہوں...... جب میں تمہیں ہر طرح سے facilitate کرنے کی ذمے دار ہوں جب میں تمہارے کیے ہوئے ہر نقصان کی ذمے دار ہوں تو تمہاری حماقتوں سے بچنے، محفوظ ہونے کا اپنا حق بھی محفوظ رکھتی ہوں۔'' تاجور نے اب اس انداز میں بات کی جس طرح وہ اپنے employ سے اس وقت بات کرتی تھیں جب وہ اپنے فرائض میں کوتاہی کرتے ہوئے صاف پکڑا جاتا تھا۔

''امپاسبل......'' زارا نے بدتمیزی سے کہا اور کھڑی ہو گئی۔

''ٹھیک ہے، اگر تم میرے سلیکشن پر شک کرتی ہو تو میں کھلے دل سے تمہارے سلیکشن کو قبول کر لوں گی...... کیونکہ میں تمہاری شادی کرنا چاہتی ہوں۔'' تاجور نے بہت اعتماد سے آفر کی کیونکہ اتنا تو ان کو یقین تھا

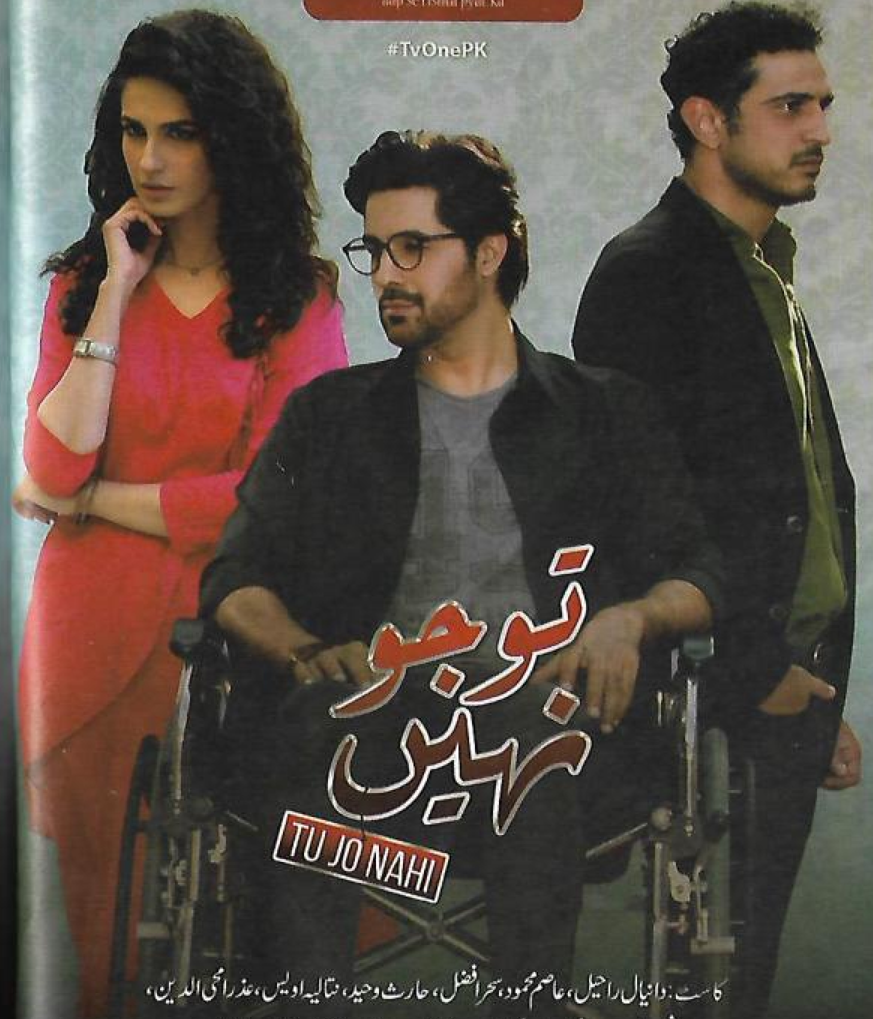
قربتوں کو فاصلوں میں بدلتی محبت کی کہانی

یہ کہانی بنیادی طور پر نشاء کے گرد گھومتی ہے۔ نشاء کی والدہ کے انتقال کے بعد اس کے والد نے دوسری شادی کر لی اور اپنی نئی بیوی کے ساتھ نشاء کو لے کر بیرون ملک جانے لگے تو نہایت شفیق تائی اور تایا نے مناسب سمجھا کہ سوتیلی ماں کے رحم و کرم پر چھوڑنے کے بجائے بھتیجی کو اپنے پاس رکھ کر پیار سے اُس کی پرورش کریں۔ نشاء کے خود پسند اور لاپروا باپ اور سوتیلی ماں نے تائی کی یہ پیشکش فوراً قبول کر لی۔ تائی اور تایا کے دو بیٹے احسن اور محسن ہیں جو نشاء سے بڑے ہیں۔ تینوں بچپن کے ساتھی ہیں ایک دن چھت پر کھیل کے دوران نشاء کی گڑیا واپس دلوانے کے لیے احسن محسن سے چھینا جھپٹی کرتا ہے اور اسکے دھکے سے محسن چھت سے گر کر معذور ہو جاتا ہے۔ اب اسکی زندگی ڈیل چیئر کی محتاج ہے۔ تینوں جوان ہوتے ہیں۔ نشاء اپنی سادگی، معصومیت اور پیاری عادتوں کی وجہ سے گھر بھر کی چہیتی ہے۔ وہ محسن کا بے حد خیال رکھتی ہے۔ سایہ بن کر ساتھ رہتی ہے۔ محسن اسے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی، اچھے مستقبل کی امید اور اپنے وجود کا لازمی حصہ سمجھنے لگتا ہے۔ وہ یک طرفہ طور پر نشاء سے محبت کرتا ہے مگر کبھی کھل کر اظہار نہیں کرتا اور تنہائی میں اپنے دل کی کیفیت کاغذوں پر منتقل کرتا رہتا ہے۔ نشاء محسن کو اپنا بہترین دوست سمجھتی ہے۔ احسن اور نشاء ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں مگر گھریلو ماحول کی وجہ سے بے حد محتاط ہیں۔ محسن اس بات سے بے خبر ہے جبکہ صرف تائی اس بارے میں جانتی ہیں۔ اس موقع پر کہانی میں ایک نئے کردار سمیر کا اضافہ ہوتا ہے جو نشاء کا ماموں زاد ہے مگر دونوں ایک دوسرے کے صورت آشنا بھی نہیں۔ نشاء کے ننھیال والوں کے اُس کے والد سے شدید اختلافات تھے جو ترک تعلق کا سبب بنے۔ نشاء کے نانا نے مرتے ہوئے اُس کے ماموں کو نصیحت کی کہ اُن کی نواسی کو ڈھونڈ کر جائیداد میں اُس کا حصہ اُس کے حوالے کیا جائے۔ یہی خواہش نشاء کے ماموں کو کراچی لے آتی ہے۔ اُن کی بیوی اور بیٹا سمیر نشاء تک ورثہ پہنچانے کے سخت مخالف ہیں۔ سمیر کی نشاء سے پہلی ملاقات ایک ناخوشگوار حادثے کی صورت میں ہوتی ہے جہاں نشاء سمیر کی بدتمیزی اور اکڑ پر اُس کی بُری طرح بے عزتی کر دیتی ہے۔ سرکش سمیر اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیتا ہے اور نشاء کو ہر قیمت پر حاصل کرنے کا تہیہ کر کے سازشوں کے جال بننے لگتا ہے۔ کہانی میں اُس وقت اہم موڑ آتا ہے جب احسن اتفاقاً اپنے والدین کی گفتگو سن لیتا ہے جس میں اُس کے والد جلال احمد اپنی بیوی عطیہ سے فیصلہ کن انداز میں کہتے ہیں کہ نشاء کی شادی محسن سے ہوگی کیونکہ احسن کے لیے لڑکیوں کی کمی نہیں صرف نشاء ہی محسن کی بچپن کی ساتھی ہے، اُسے اچھی طرح سمجھتی ہے اور اُس کا بے حد خیال رکھتی ہے۔ اس موقع پر بیوی کے احتجاج کو وہ بالکل خاطر میں نہیں لاتے۔ احسن جو خود کو محسن کی معذوری کا ذمہ دار سمجھتا ہے، یہ جاننے کے بعد کہ محسن بھی نشاء سے محبت کرتا ہے اور اُسے اپنی دُلہن بنانے کا خواب دیکھ رہا ہے احسن پیچھے ہٹ جاتا ہے وہ بھائی کی خاطر قربانی دینے کا فیصلہ کرتا ہے اور محض نشاء کو بدگمان کرنے کے لیے بیرون ملک سے آئی ہوئی اُس کی سوتیلی بہن تانیہ کی طرف مائل ہونے لگتا ہے جو پہلی نظر میں احسن پر مرمٹی ہے۔ اچانک نشاء کے ذہن و دل پر دو بجلیاں گرتی ہیں۔ احسن کی بے وفائی، بے رخی اور پھر یہ خبر کہ اُسے محسن کے پلّے باندھنے کے منصوبے بن رہے ہیں۔ یہ صورتحال نشاء کے دل پر طوفان برپا کر دیتی ہے اور پھر شبنم کی طرح نرم و لطیف نشاء شعلہ بن جاتی ہے اور یہیں سے کہانی ایک سنسنی خیز اختتام کی طرف بڑھتی ہے۔

نشاء کے نصیب میں کون لکھا ہے۔۔۔ احسن، محسن یا سمیر؟

#TvOnePK

Monday 8:00pm



کہ زارا کی فی الوقت کوئی چانس نہیں......اور ایسی غیر ذمے دار کھلنڈری لڑکیوں کے ساتھ لڑکے سیریس ہوتے بھی نہیں ہیں، خاص طور پر قابل، سنجیدہ اور پُرعزم لڑکے......جو روشن مستقبل کی خاطر وقت ضائع کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے......کم کھاتے اور زیادہ جاگتے ہیں......اپنے منٹس کا نہیں سیکنڈز کا آڈٹ بھی خود ہی کرتے ہیں۔

''اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو میں آپ کو خود بتا دیتی......'' زارا نے غم و غصے کی کیفیت دباتے ہوئے بمشکل کہا۔

''I know اسی لیے میں بہت کانفیڈنس سے بات کر رہی ہوں۔'' تاجور نے اسے بیٹھنے کا اشارہ بھی ساتھ، ساتھ کیا۔

وہ طوعاً و کرہاً کنارے پر ٹک گئی۔

''کس نے پروپوز کیا ہے مجھے......جو آپ اتنا سیریس لے رہی ہیں؟'' تاجور کے مستحکم انداز پر بالآخر فطری سوال ذہن میں پیدا ہوا تھا۔ تاجور اس کا سوال سن کر یکلخت خاموش ہو گئیں......وہ سوچ رہی تھیں کہ ساحل کے بارے میں بات کا آغاز کس طرح ہونا چاہیے۔

زارا کو اب اپنے سوال کا جواب پانے کی بے چینی لاحق تھی وہ بہت غور سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

آج بہت کچھ غیر معمولی ہوا تھا۔

تاجور وقت سے پہلے گھر آ گئی تھیں......اس کے ساتھ لنچ کیا تھا۔ اس کی کالج کی مصروفیات کے بارے میں پوچھ پڑتال کی تھی۔ اور جبکہ وہ حلق تک بھر کر خمار گندم میں مست ہو کر سونے۔ کے موڈ میں تھی تو تاجور نے اسے اپنے بیڈ روم میں طلب کر لیا تھا۔ وہ کسی نئی حماقت کے لیے اسے کوئی space دینے کو تیار نہیں تھیں۔ سفینہ کو خوش قسمتی سے ایک نہایت معزز خاندان نے قبول کیا تھا، وہ شہر میں مزید معزز اور نمایاں ہو رہی تھیں......اب کوئی رسک لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

دوسرے فطرت کو شکست دینا کسی انسان کے بس میں ہی نہیں سفینہ ان کی حقیقی اکلوتی اولاد تھی......اور زارا لے پالک......

''ساحل بہت اچھا، شریف اور محنتی لڑکا ہے......تمہیں یاد ہوگا کچھ دن پہلے ہمارے ہمسائے میں شادی ہوئی تھی۔ حمزہ صاحب نے اپنی حسین و جمیل بیٹی کی شادی جس لڑکے سے کی وہ دیکھنے میں لڑکی کا ملازم لگتا ہے......اس کی خوبی یہ ہے کہ وہ کاروں کا بہت بڑا ایکسپورٹر ہے......اور بس......ساحل خوب صورت، ہینڈسم، کوالیفائڈ، اور......''

''ا......ام......اماں......ساحل......سا......ساحل تو ہمارا ملازم ہے......'' زارا کی آنکھیں پھٹی جاتی تھیں۔

''ہمارا نہیں میرا......'' تاجور نے تصحیح کی......وہ اب زارا کی حیرت ملاحظہ کرنے سے گریز کر رہی تھیں۔

''وہ......وہ......''مڈل کلاسیا......'' اس کا تو کوئی اسٹیٹس نہیں ہے اس نے مجھے پروپوز کیا......؟ اس کی اتنی ہمت کیسے ہوئی؟ آپ نے اس کی بات سن کیسے لی......؟ دھکے دے کر آفس سے کیوں نہیں نکالا......؟'' زارا بدتمیزی سے چلانے لگی......اور جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں اس کا منہ نوچ لوں گی......آپ اسے اسی وقت فارغ کریں......آج کے بعد وہ ہماری کمپنی میں کام نہیں کرے گا۔'' زارا غصے کی شدت کنٹرول کرنے کی کوشش میں بار، بار اپنی مٹھیاں بھینچ رہی تھی۔

''اس نے تمہیں پروپوز نہیں کیا۔ تمہارے لیے وہ میرا اسلیکشن ہے......اب آرام سے بیٹھ کر میری بات سنو......''

تاجور نے شٹ اپ......یا اسٹاپ کہنے کے بجائے پہلے وہ سب کچھ تحمل سے سنا جو زارا نے کہنا چاہا......ان کو

حقیقت میں دلچسپی تھی کہ وہ ساحل کے بارے میں کیسے خیالات رکھتی ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ انکار کرنے کی کیا دلیل دے سکتی ہے؟

تاجور کی بات پر وہ یوں ٹھٹک کر ساکت ہوئی جیسے برفباری کے موسم میں بادل سے ٹپکنے والا پانی زمین پر گرنے سے پہلے ہی برف کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

تاجور نے نظر نہیں چرائی وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں...... ان کی آنکھوں میں چھپا جلال و اعتماد اتنا پُراثر تھا کہ زارا پلکیں جھپکنے پر مجبور ہو گئی۔

''اماں...... آپ میری شادی کرنا چاہتی ہیں یا سزا دینا چاہتی ہیں؟'' اس نے صدمے کی کیفیت میں سوال کیا تھا۔

''سزا دینا چاہتی تو کسی نکمے فضول سے لڑکے سے تمہاری شادی کر دیتی صرف ساحل جیسا میچور لڑکا ہی تمہیں سنبھال سکتا ہے...... ورنہ تم کسی کے بس کی نہیں ہو...... تمہاری زبان کنٹرول میں نہیں ہے اور جس لڑکی کی زبان کنٹرول میں نہ ہو اس کی شادی شدہ زندگی بہت جلدی damage ہو جاتی ہے۔ بیٹی کی فلاپ شادی پیرینٹس کو ذلیل اور شرمندہ کر دیتی ہے اور میں نے شوہر کی ڈیتھ کے بعد اتنی محنت، ذلت کمانے کے لیے نہیں کی......'' تاجور نے گویا جتا دیا کہ فیصلہ ہو چکا ہے۔

''واہ اماں...... کیا انصاف کیا ہے...... ایک بیٹی کے لیے پرنس...... دوسری بیٹی کے لیے پرنس کا نوکر......'' اس کی آنکھوں میں تاجور کے لیے بیزاری اور زبان میں زہر ابلنے لگا...... تاجور ہر طرح کے ردِعمل کے لیے ذہنی طور پر خود کو تیار کر چکی تھیں۔ کیونکہ وہ اپنے فیصلے سے ہٹنے کا تصور بھی نہیں کر رہی تھیں۔

''پرنس نے سفینہ کو خود پرپوز کیا ہے...... میں نے بیٹی کے رشتے کے لیے اخبار میں ایڈ نہیں دیا تھا۔ پرپوزل تو تمہارے بھی بہت اچھے آئے...... مگر وہ میرے بہت اچھے دوست ہیں...... میں اپنی دوستیاں تباہ نہیں کرنا چاہتی اس لیے کہ مجھے اچھی طرح پتا ہے کہ تم فیملی لائف چلانے کی اہلیت نہیں رکھتیں۔ کوئی ایسا تمہارے ساتھ ہو جو تمہیں چلائے...... اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے۔''

''آپ کون ہوتی ہیں میرے فیصلے کرنے والی......'' زارا احساسِ توہین سے دیوانگی کا شکار ہو گئی...... احساسِ برتری پر ضرب کاری لگنے کی وجہ سے اس کے ذہن نے کام کرنا بند کر دیا۔

ساری عمر کی محنت کا صلہ......

آخری اور انتہائی درجے کی بدتمیزی......

تاجور انسان ہی تھیں...... احساسِ توہین کی شدت نے وجود میں بارود بھر دیا...... ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئیں...... زارا ان کا انداز دیکھ کر قدرے ڈر کر دو قدم پیچھے ہو گئی۔

تاجور کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

''میں ہی تو سب کچھ ہوتی ہوں تمہاری...... اس لیے کہ تمہاری خوش نصیب ماں تمہیں جنم دے کر اللہ کو پیاری ہو گئی تھی۔ اور تمہارے باپ نے اپنی دوسری بیوی کی خوشی کی خاطر اخبار میں اشتہار چھپوا دیا تھا کہ بے اولاد جوڑے رجوع کریں۔'' یہاں تک تاجور کی کیفیت بے اختیاری تھی...... پھر انہوں نے خود کو سنبھالا...... اور قدرے رسانیت سے گویا ہوئیں۔

''تمہارا باپ ہماری کمپنی میں key post پر کام کرتا تھا۔'' زارا کو یوں لگ رہا تھا کہ بس وہ بے ہوش ہو کر گر ہی جائے گی۔

(جاری ہے)



پڑھی لکھی

ثمینہ عظمت علی

سمیعہ کو کچن میں کام کرتے ہوئے ذرا چکر آ گیا تھا۔ وہ قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گئی، آج کل اس کی طبیعت اچھی نہیں تھی۔ مسالا وغیرہ بھوننے میں اسے ابکائی سی آ جاتی تھی لیکن اپنی دونوں جیٹھانیوں سے اسے کسی تعاون کی امید نہیں تھی گو کہ اُن کے آپس کے تعلقات برے نہیں تھے لیکن دونوں کو کام کے وقت معصوم بن کر ایسا جان چھڑانا آتا تھا کہ سمیعہ حیران رہ جاتی۔ اس نے جار سے ذرا سی سونف نکالی اور منہ میں ڈال کر چبانے لگی۔ اسی

وقت بڑی جیٹھانی (بھابی نعیمہ) کتاب ہاتھ میں لے کر کچن میں داخل ہوئیں اور ان کے پیچھے اُن کی بیٹی بھی جو نائنتھ کی اسٹوڈنٹ تھی۔

”سمیعہ ذرا اسے کیمسٹری تو سمجھا دو۔“

”یا اللہ......!“سمیعہ کا سر گھوم گیا۔ ایک تو ویسے ہی طبیعت خراب اوپر سے کیمسٹری......

”بھابی......!“ وہ منمنائی۔

”ہاں اسے ذرا یہ فارمولے سمجھ نہیں آرہے۔ ویسے تو میری بیٹی بڑی ذہین ہے۔“ انہوں نے پیار سے اپنی بیٹی مسکان کی طرف دیکھا۔ جس کا سارا دھیان ہاتھ میں پکڑے موبائل کی طرف تھا۔

”بھابی! میں نے پہلے بھی آپ کو بتایا تھا کہ میں نے آرٹس پڑھی ہے، سائنس کے سبجیکٹس مجھے مشکل لگتے تھے۔ کیمسٹری تو خاص طور پر......“ اس نے وضاحت کی۔

”لو پھر یہ سولہ جماعتیں کس کام کی۔“ بھابی نے طنزیہ کہا۔

”سولہ ہوں یا اٹھارہ...... جو مضمون میں نے نہیں پڑھا وہ کیسے پڑھا سکتی ہوں۔ مجھے شروع سے ہی لٹریچر سے زیادہ دلچسپی تھی۔“

”اچھا ہم تو سمجھتے تھے کہ پڑھے لکھے لوگوں کو ہر بات آتی ہے، یہ آج نئی بات معلوم ہوئی کہ اس میں دلچسپی تھی، اس میں نہیں تھی، میں نے خود تمہارے گھر میں دیکھا، کتابیں ہی کتابیں بھری پڑی تھیں، اب تم ہمارے بچوں کو فائدہ نہ پہنچانا چاہو تو اور بات۔“ بھابی نے گویا برا مان کر کہا۔

”بھابی......“ سمیعہ کو وضاحت دینا مشکل ہو گیا۔

”میرے ابا خود استاد تھے اور میرے اور بہن بھائی بھی تو ہیں سب کی الگ پسند...... میرا بھائی انجینئرنگ پڑھ رہا ہے، ایک بہن میڈیکل میں ہے لیکن میں نے آرٹس کے مضامین پڑھے ہیں۔“

”کیا ہوا بھئی کیا بحث ہو رہی ہے......؟“ ان دونوں کی ساس نے اندر آتے ہوئے پوچھا...... دراصل وہ کچن کا جائزہ لینے آئی تھیں۔

”امی......“ بھابی شکایتاً بولیں۔ ”یہ ذرا سمیعہ سے کہا تھا کہ بچی کو ذرا اسکول کا کام کروا دے لیکن یہ تو پتا نہیں کہاں کی کہانیاں سنا رہی ہے۔“ یہ سن کر ساس نے یوں افسوس سے سمیعہ کی طرف دیکھا جیسے وہ اُن کی بہو نہیں کوئی نالائق ٹیچر یا ٹیوٹر ہو۔

”بھئی مجھے ہی شوق تھا پڑھی لکھی بہو لانے کا۔“ سمیعہ کا دل چاہ رہا تھا کہ کہے پڑھی لکھی بہو لانے کا شوق تھا یا کیمسٹری کی ٹیچر...... لیکن برا ہو اسی پڑھا لکھا ہونے کا......

”امی......! میں دراصل بھابی کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی کہ جو مضمون......“

”ارے رہنے دو...... یہ بتاؤ کھانے میں کتنی دیر ہے اور نعیمہ تم حسن سے کہہ کر ٹیوشن لگوا دو مسکان کو۔“

”یہی ٹھیک ہے امی...... میں تو سمجھی تھی کہ یہ پڑھی لکھی ہے تو......“

”آہ......“ سمیعہ نے لمبی سانس کھینچی...... یہ لفظ اس کے گلے کا طوق بن کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

شکیلہ بیگم کے دو بیٹے کم پڑھے لکھے تھے۔ ان کی اکلوتی بیٹی نے بھی ابتدائی کلاسز سے ہی اسکول جانا چھوڑ دیا تھا۔ ان کے خاندان میں زیادہ پڑھنے لکھنے کا رواج نہیں تھا۔ مرد کاروبار کرتے تھے اور عورتیں گھر سنبھالا کرتی تھیں۔ لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ان کے تیسرے بیٹے سعود کی دوستی ایک ایسے لڑکے سے ہو گئی جس کا تعلق ایک نہایت پڑھے لکھے گھرانے سے تھا اور وہ خود بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہتا تھا۔ سعود پر اس کی صحبت کا ایسا اثر ہوا کہ وہ بھی اس کے ساتھ، ساتھ تعلیمی مدارج طے کرتا ہوا انجینئر بن گیا۔ سعود کا انجینئر بن جانا سارے گھر کے لیے ایک دھماکا خیز بات تھی۔ ایک دم سے ہی وہ سب کا ہیرو بن گیا۔ اب شکیلہ بیگم کو پڑھی لکھی اور تعلیم یافتہ بہو لانے کا شوق ہوا۔ ان کے بڑے بیٹے حسن کی بیوی نعیمہ، ان پڑھ تھی اور ان ہی کے خاندان سے تھی۔ دوسرے بیٹے آصف کی منگیتر نائلہ بھی معمولی پڑھی لکھی تھی۔ اب سعود کی اپنی بھی یہ

خواہش تھی کہ اس کی جیون ساتھی ویل ایجوکیٹڈ ہو۔ جلد ہی ان کو اپنی پسند کی لڑکی مل گئی۔ سمیعہ کا تعلق ایک تعلیم یافتہ اور مڈل کلاس گھرانے سے تھا اور اس کی دو بہنیں اور ایک بھائی تھا۔ اس کے والد ایک کالج میں پرنسپل تھے۔ ان کے والدین نے ان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی تھی۔

شکیلہ بیگم کی تو دلی مراد پوری ہو گئی۔ سمیعہ نہ صرف تعلیم یافتہ بلکہ خوش شکل اور سلیقہ شعار بھی تھی۔ یوں آصف اور نائلہ اور سعود اور سمیعہ کی شادی ایک ساتھ انجام پائی۔

☆☆☆

زندگی معمول پر آ گئی، سمیعہ، سعود کے ساتھ خوش تھی۔ باقی گھر والے بھی ٹھیک تھے بس اسے یہ محسوس ہوتا تھا کہ تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے اسے ایک الگ نظریے سے دیکھا جاتا تھا۔ ایک دن اس کی نند شائستہ آئی ہوئی تھیں۔ انہوں نے باتوں کے دوران کہا۔

”سمیعہ......! تمہارے شادی کے کپڑے بہت سادہ ہیں زیادہ تر کاٹن کے ہیں۔ تم نے ریشمی اور بھاری ملبوسات نہیں بنوائے۔“

”نہیں آپا...... چند ایک تو ہیں لیکن واقعی زیادہ تر اتنے بھاری نہیں ہیں، پہنے نہیں جاتے ناں رکھے، رکھے ضائع ہو جاتے ہیں اور خود مجھے بھی ریشمی اور زیادہ کام والے کپڑے پسند نہیں۔“

”لیکن اب تم شادی شدہ ہو اور ہمارا خاندان بہت بڑا ہے اور سب پیسے والے ہیں اور بری والے کپڑے بھی تم زیادہ نہیں پہنتیں۔“

سمیعہ ان سے کیا کہتی، وہ تیز رنگوں کے بھاری آؤٹ آف فیشن ٹائپ کے کپڑے...... خود سمیعہ کے کپڑے بظاہر سادہ سہی لیکن قیمتی اور برانڈڈ تھے۔

”آپا ویسے کپڑے آج کل کم ہی پہنے جاتے تھا۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”تو تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ ہمیں فیشن کا علم نہیں...... مانا کہ تم پڑھی لکھی ہو لیکن ہم بھی ایسے جاہل نہیں۔“

سمیعہ حیران رہ گئی، وہ بات کو کہاں سے کہاں لے جا رہی تھیں۔

”نہیں آپا، میرا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ...... میں تو یہ کہنا چاہ رہی تھی۔“

”بس کرو سمیعہ......“ نعیمہ بول پڑیں۔ ”اتنی پڑھی لکھی ہو کہ تم نے آپا سے بحث شروع کر دی ہے، ہم نے ان کے آگے کبھی زبان نہیں کھولی۔“ وہ کہہ کر تائیدی نظروں سے نند کی جانب دیکھنے لگیں۔

”ہاں اور کیا؟“ نائلہ نے بھی تائید کی۔ وہ سب ایک ہی خاندان کی تھیں۔

”میں نے ایسی کوئی بدتمیزی یا غلط بات تو نہیں کی۔“ سمیعہ کو بھی تھوڑا سا غصہ آ گیا۔

”سمیعہ، تمہیں بڑی نند اور جیٹھانیوں سے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے...... یہ سیکھا ہے تم نے تعلیم سے۔“ اب ساس بھی آ کر بولی تھیں۔

”نہیں امی، آپا کہہ رہی تھیں۔“

”ہاں، ہاں تو کیا ہوا اگر اس نے کچھ کہا بھی...... وہ تو بیچاری ان پڑھ ہے اور یہ دونوں بھی...... انہیں کیا خبر کہ پڑھی لکھی لڑکی سے کیا کہنا ہے اور کیا نہیں، تم ہی چپ کر جاؤ، تم ہی سکھا دو کچھ انہیں۔“ سمیعہ چپ سی ہو گئی۔

☆☆☆

صبح بچوں کے اسکول اور مردوں کے کام پر جانے کے بعد خواتین اپنے معمول کے کام نمٹانے لگیں...... نعیمہ بھابی کام والی کے ساتھ صفائی کروا رہی تھیں۔ نائلہ سر درد کا کہہ کر دوبارہ جا کر لیٹ گئی تھی۔ سمیعہ ساس کے ساتھ لاؤنج میں موجود تھی۔ ساس، سمیعہ اور نعیمہ دونوں سے مخاطب تھیں۔

”بہت اچھی دعوت ہونی چاہیے جتنی چیزیں انہوں نے بنائی تھیں ان سے زیادہ ہونی چاہئیں، کام آپس میں بانٹ لینا۔“

دراصل کچھ دن پہلے سعود کے ایک کزن کی شادی ہوئی تھی۔ جب سعود اور آصف کی شادی ہوئی تھی تو ان لوگوں نے ان سب لوگوں کی بہت شاندار دعوت کی تھی، اب وہاں شادی ہوئی تو یہاں والوں پر بھی دعوت لازم ٹھہری...... سب اسی فکر میں مبتلا تھے کہ دعوت ان سے

زیادہ اچھی ہونی چاہیے۔ آپا شائستہ بھی سارے منصوبوں میں شامل تھیں اور ان پر بازی لے جانے کی خواہش میں وہ سب سے آگے تھیں۔

اسی وقت دروازے پر بیل ہوئی، کام والی نے جا کر دیکھا اور واپس آ کر بتایا۔

''کوئی آدمی ہے، سمیعہ باجی کو پوچھ رہا ہے۔''

''ہیں......'' ساس اور نعیمہ منہ پھاڑ کر دیکھنے لگیں۔

''کوئی سمیعہ کو آ کر کیوں پوچھے گا۔ سمیعہ کا بھائی ہے کیا؟'' ساس نے پوچھا۔

''نہیں جی، وہ ہے جو موٹر سائیکل پر ڈبے لے کر آتا ہے۔''

''کوریئر والا ہوگا۔'' سمیعہ دروازے پر دوڑی، شادی سے پہلے جو وہ رسائل، ڈائجسٹ اور مختلف کتابیں منگواتی تھی ان کے لیے اس نے نیا ایڈریس دیا تھا۔ وہ خوشی، خوشی پارسل لے کر اندر آئی اور کھول کر دیکھنے لگی۔

''میری کتابیں ہیں امی......'' اس نے ساس کو وضاحت دی جو مسلسل اسے دیکھے جا رہی تھیں۔

''عجیب ہی بات ہوگئی آج تو......'' انہوں نے کہا۔ ''اب یہاں عورتوں کے نام پر لوگ آ کر پوچھیں گے اور پارسل لائیں گے؟''

''تو کیا ہوگیا امی...... کتابیں ہی تو ہیں، آج کل تو لوگ کپڑے جوتے ہر چیز آن لائن منگواتے ہیں۔'' اس نے آرام سے بتایا۔

''تو وہ تمہارے گھر کا رواج ہوگا۔ لوحد ہوگئی جو چیز چاہیے اپنے مرد کو بتاؤ وہ لا دے گا...... عید تہوار پر ہم خود بھی بازار چلے جاتے ہیں کوئی اتنے دقیانوسی نہیں ہیں۔ لیکن یوں دروازے پر آ کر نام لیا جائے...... اور کتابیں......؟ اب کیا کتابیں پڑھنا بھئی، شادی شدہ عورتیں گھر سنبھالتی ہیں یا یہ رسالے پڑھتی ہیں۔''

سمیعہ حیران پریشان ان کی صورت دیکھنے لگی۔ نعیمہ بھابی کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا جیسے کوئی بہت انہونی بات ہوگئی ہو۔

رات کو اس نے سعود سے ذکر کیا تو اس نے کہا۔

''مجھے کہہ دیتیں، میں لا دیتا، آن لائن آرڈر وہ بھی اپنے نام سے کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''اس سے کیا ہوتا ہے؟ کتابیں بھی نہ منگواؤں......''

''کتابیں یا کچھ اور...... مجھ سے کہہ دیا ہوتا یہاں ایسا ماحول نہیں ہے سمیعہ...... تم سمجھا کرو...... پڑھی لکھی ہو۔''

''پڑھی لکھی......؟'' اس کے ماتھے پر سلوٹ پڑ گئی تھی۔

☆☆☆

دعوت کی تیاری ہو رہی تھی۔ آپا شائستہ نے کھانے گنوا دیے تھے اور ازراہ کرم ایک ڈش اپنی طرف سے بھی بنانے کا اعلان کیا تھا۔ نعیمہ نے آ کر سمیعہ سے کہا۔

''سمیعہ تم نئی دلہن بھی ہو اور اچھی سمجھدار پڑھی لکھی بھی ہو، تم اپنے حصے کا کام کر لو بلکہ ایسا کرو اس وقت جو عین وقت پر کرنے کا کام ہوگا، وہ میں اور نائلہ مل کر کریں گے۔ تم ان کے ساتھ بیٹھنا...... صاف بات ہے بھئی، ہم میں بات کرنے کا طریقہ کہاں...... اور وہ لوگ بھی ہم لوگوں کی دیکھا دیکھی بی اے پاس بہو لائے ہیں، اس کے ساتھ تو تم ہی گفتگو کرنا۔ باقی بڑوں کے لیے تو اماں اور آپا اور مردوں کے ساتھ مرد......''

''ہاں ٹھیک ہے کیا حرج ہے؟'' سمیعہ نے سوچا اسے ویسے بھی مہمانوں کے آ جانے کے بعد کرنے والے کام برے لگتے تھے۔ بندہ پہلے ہی کام کر کے صاف ستھرا فریش ہو کر بیٹھ جائے۔

اس کا پورا دن کچن میں گزرا...... درمیان میں لنچ بھی اس کی ذمے داری ٹھہری...... دونوں بھابیاں سلاد کاٹنے تک کچن میں نہیں آئیں۔ بریانی کا قورمہ تیار کیا...... کباب کا مسالا بنا کر ٹکیاں بنا دیں، مچھلی کو مسالا لگا دیا۔ چکن فرائی کرنے کے لیے میری نیٹ کر کے رکھا۔ سلاد، رائتے، چٹنی تیار کی۔ مٹن کڑاہی وغیرہ، وغیرہ، نعیمہ اور نائلہ نے آ کر کچن کا جائزہ لیا۔

''ٹھیک ہے کچھ کام تو تم نے کر لیا ہے، باقی ہم دیکھ لیں گے، کباب اور مچھلی میں فرائی کر لوں گی اور نائلہ بریانی کو دم لگا دے گی۔ اب تم ریسٹ کر لو۔'' سمیعہ اپنے کمرے میں گئی اور کپڑوں کا جائزہ لینے لگی کہ شام کو کون سے کپڑے پہنے...... اسی وقت آپا شائستہ کا فون آیا، لہجے

میں مٹھاس لیے وہ بولیں۔

''سمیعہ، میری جان میں نے سویٹ ڈش کا کہا تھا لیکن اچانک ہی طبیعت ایسی ہوئی ہے کہ اٹھا ہی نہیں جا رہا۔ اب ان کا مزاج تو تم جانتی ہو، کہوں گی تو سو سو سنائیں گی۔ نعیمہ اور نائلہ سے تو مجھے کوئی امید نہیں، کہاں جاہل ان پڑھ اور کہاں تم تعلیم یافتہ، عقل سمجھ والی پلیز کوئی آسان سی میٹھی چیز بنا لو، تم تو کمپیوٹر سے ترکیبیں نکالتی ہو ناں......''

سمیعہ کو کمپیوٹر سے ترکیبیں نکالنے پر ہنسی آ گئی۔ ایک دن اس نے وہائٹ ہانڈی بنائی تھی۔ آپا کے ترکیب پوچھنے پر اس نے بتایا تھا کہ نیٹ سے ریسپی دیکھی تھی۔ اس دن کے بعد سے یہ کمپیوٹر سے ترکیب نکالنے والی اصطلاح وجود میں آئی تھی۔

سمیعہ تھکن سے چور تھی لیکن وہ آپا کو انکار کر کے اپنی تعلیم کے بارے میں فرمودات سننے کے موڈ میں نہیں تھی، وہ ایک بار پھر کچن میں گئی اور سچ مچ نیٹ سے دیکھ کر ایک کوئیک قسم کا میٹھا تیار کیا اور اپنے کمرے میں آ گئی۔ ذرا آرام کرنے کو لیٹی اور سو گئی۔ پھر مسعود کے جگانے پر ہی اٹھی۔

''کیا ہوا بھئی اتنی دیر تک سو رہی ہو...... مہمان گھر سے نکل چکے ہیں ادھر آنے کے لیے۔''

''اوہ......'' وہ گڑبڑا گئی جلدی سے کپڑے تبدیل کیے، ہلکی سی جیولری پہنی...... لپ اسٹک اور مسکارا لگایا یہی دو چیزیں اس کا کل میک اپ تھیں۔ بالوں میں جلدی، جلدی برش پھیر کر وہ باہر آئی تو مہمان آ ہی چکے تھے۔ اس کی ساس نے اسے تنقیدی نظروں سے گھورا۔ وہ گھبرا کر سب سے ملنے لگی۔

دونوں بھابیاں مستعدی سے کچن میں جا کر کھڑی ہوگئیں۔ گھر کی سیٹنگ ایسی تھی کہ جہاں مہمان بیٹھے تھے وہاں سامنے کچن کی بڑی سی کھڑکی تھی اور وہاں کا منظر بخوبی دکھائی دیتا تھا۔ اس نے چاہا کہ وہ جا کر اپنی بنائی چیزوں کا جائزہ لے اور سرونگ میں مدد کرے لیکن آپا نے اس سے کہا۔

''تم بیٹھ کر نئی دلہن کو کمپنی دو...... وہ دیکھ لیں گی۔''

وہ وہیں بیٹھ گئی اور سب باتیں کرنے لگے، کچن سے اشتہا انگیز خوشبوئیں اور ہلکا، ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا۔ سمیعہ کو ایک دم سے عجیب احساس ہوا۔ اس نے یہ منظر ایک مہمان کی نظر سے دیکھا۔ سمیعہ بنی سنوری فریش مہمانوں کے ساتھ بیٹھی ہے اور باقی دو بہوئیں انہی صبح والے کپڑوں میں کچن میں کام کر رہی ہیں...... حتیٰ کہ بڑی بھابی تو کباب تلتے ہوئے بار، بار کھڑکی سے ان کی طرف یوں دیکھ رہی تھیں جیسے یہاں آنے کو دل مچل رہا ہو اور مجبور ہوں۔ نائلہ مچھلی تل رہی تھی۔ وہ ساری اس کی محنت تھی لیکن اب یوں لگ رہا تھا جیسے سارا کام ان لوگوں نے کیا ہو۔

کھانے کی بہت تعریف ہوئی، سمیعہ نے سوچا کہ شاید کسی ایک ڈش پر اس کی ساس یا نند اس کا نام لے لیں لیکن امی نے کہا۔ ''سب نے مل کر بنایا ہے۔''

شائستہ، نعیمہ، نائلہ سب اپنے رویے اور حلیے سے بہت کام کا تاثر دیتی رہیں۔ مہمانوں کے جانے کے بعد نائلہ نے کہا۔

''سمیعہ تم تو یوں تیار ہوئیں جیسے ہم نے کہیں جانا تھا۔'' سمیعہ کو بہت عجیب لگا کہ محض صاف کپڑے بدلنے اور لپ اسٹک لگانے سے وہ اتنا تیار ہوگئی۔

''ہم تو سارا دن اتنا مصروف رہے۔'' نعیمہ کہنے لگی۔ ''ہمیں تو ہوش ہی نہیں رہا۔'' سمیعہ اس کی مصروفیت پر غور کرتی رہ گئی۔

''وہ پڑھی لکھی ہے۔'' آپا نے کہا۔ ''تم لوگوں کی طرح نہیں کہ مہمانوں کے آگے سر جھاڑ منہ پھاڑ......'' شاید سویٹ ڈش کا اثر ابھی باقی تھا۔

''ہاں تو ہمیں بھی بتا دیتی، ہمیں کیا پتا۔''

''اُف......'' سمیعہ اتنا چڑی کہ رات کو اس نے سعود سے بھی اس بات کا ذکر کر دیا اور سارے دن کی کارگزاری سنائی۔

''کوئی بات نہیں سمیعہ......'' وہ دھیرے سے بولا۔

''سب کو معلوم ہے کہ کام تم نے کیا تھا۔ وہ دونوں غیر تعلیم یافتہ ہیں گھریلو تربیت بھی کچھ خاص نہیں تو نمایاں ہونے کے لیے بھی کر سکتی تھیں۔ تم پڑھی لکھی ہو، اگنور کرو۔''

''یوٹو بروٹس...... وہ سعود کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

”آج تم لوگ شام کو تیار رہنا، ظہیر بھائی اور ان کی ساری فیملی عمرہ کر کے لوٹی ہے، مبارک باد دینے کے لیے جانا ہے۔“ ان کی ساس نے تینوں کو مطلع کیا۔

”مجھے تو لٹریچر فیسٹول میں جانا ہے۔“ سمیعہ نے بے ساختہ کہا۔ یوں تو وہ خاصی فرمانبردار قسم کی بہو تھی اور ان کے مزاج کو بھی کافی حد تک سمجھ گئی تھی لیکن فیسٹول کے لیے وہ اتنی بے تاب تھی کہ اپنی زبان نہ روک سکی۔ اس کی ساری دوستیں، بہن، بھائی ابا کے ساتھ ہو آئے تھے اس کی خواہش تھی کہ وہ بھی ابا کے ساتھ جاتی لیکن سعود نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے لے جائے گا۔ اور آج تو فیسٹول کا آخری دن تھا۔ آج نہ جانے کا مطلب تھا پھر پورے سال کا انتظار اس لیے وہ کہے بغیر رہ نہ سکی۔

”ہائیں...... کہاں؟“ اس کی ساس نے تعجب سے پوچھا۔

”لٹریچر...... فیسٹول...... امی ادبی میلا......“

”یہ کون سا میلا ہے، اب تم میلوں ٹھیلوں میں گھوموگی؟“

”ویسا میلا نہیں امی......“ سمیعہ نے وضاحت دینا چاہی۔

”ادبی میلا...... مطلب یہاں ادیب آتے ہیں، مصنف، شاعر، کتابوں کے اسٹال لگتے ہیں۔ کتابوں پر باتیں ہوتی ہیں اور......“

”ہاں ہوتے ہوں گے...... بھلے ہوں لیکن ہمارا یہ طریقہ نہیں ہے کہ بہوئیں، بیٹیاں میلوں میں گھومتی پھریں۔ کس چیز کی کمی ہے تم کو یہاں، اچھا کھانا، اچھا پہننا، ٹی وی۔ اے سی، زیور، کپڑا اور وہ جو تمہارے پاس ہے۔ ہاتھ میں لے کر چلانے والا (ٹیبلیٹ)“

”امی......“ سمیعہ نے ہمت کر کے کہا۔ ”آپ ہمیشہ کہتی ہیں کہ آپ کو پڑھی لکھی بہو کی خواہش تھی تو پھر پڑھی لکھی عورت کی خواہشیں بھی ہوتی ہیں اور وہ ذرا مختلف ہوسکتی ہیں۔“

”پڑھی لکھی یا ان پڑھ...... ایک گھر، شوہر اور بچے کے علاوہ عورت کی کیا خواہشیں ہونی چاہئیں۔ تم کو گھر، اچھا شوہر ملا ہے، ماں تم بننے والی ہو اور اس حالت میں تمہاری خواہش ہے کہ کتابوں کے میلوں میں گھومو، لکھنے والوں سے ملو...... بیکار کے رسالے پڑھو، یہ سکھایا ہے تم کو تمہاری تعلیم نے کہ ماں جیسی ساس کچھ کہے تو اسے منہ در منہ جواب دو۔“

سمیعہ نے خاموشی سے سر جھکالیا۔ سعود الٹا اسی پر برس پڑا۔

”کیا ضرورت تھی امی کے آگے کہنے کی...... جب میں تمہیں لے جارہا تھا کیا فائدہ ایسی تعلیم کا جب تم یہ نہ سمجھ سکیں کہ کہاں کیا کہنا ہے۔“

”امی...... چچا کے گھر چلنے کا کہہ رہی تھیں اس لیے......“ سمیعہ نے کہنا چاہا۔

”کچھ اور کہہ دیتیں، فیسٹول کا کہنے کی کیا ضرورت تھی۔“ سعود نے جھلا کر کہا۔

”لیکن اس میں کیا برائی ہے؟“ سمیعہ نے احتجاج کیا۔

”ایک تو تمہاری یہ بات مجھے بہت بری لگتی ہے، بحث شروع کردیتی ہو، خود مجھے عجیب لگ رہا تھا، تمہیں فیسٹول میں لے جانا لیکن تمہاری خاطر برداشت کرلیا۔ امی کو بتا کر اوپر سے کہہ رہی ہو کہ کیا غلط کیا۔ تمہارا فرض ہے کہ اب اپنے گھر، شوہر اور آنے والے بچے پر دھیان دو۔ پڑھی لکھی ہو تمہیں اتنا سمجھ نہیں آتا۔“

”ایسی ہی بیوی چاہیے تھی تو اپنے خاندان کی کسی لڑکی سے شادی کرلیتے۔ میری پسند ناپسند، دلچسپیاں، خواب توڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ پڑھی لکھی عورت سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ سارے فرائض ادا کرے جو ایک عام عورت کی سمجھ میں نہیں آتے لیکن یہ نہیں سوچتے کہ پھر تعلیم یافتہ عورت کے حقوق بھی کچھ الگ ہوں گے۔ فرائض اور طرح کے اور حقوق کے نام پر وہی گھر، کھانا، پینا، پہننا، اوڑھنا وہ خود کیا چاہتی ہے یہ اس سے نہیں پوچھا جاتا۔“

سمیعہ نے یہ سب سوچا ضرور لیکن کہا کچھ نہیں...... کچھ کہنے کے لیے لب کھولے اور پھر بند کرلیے۔ کیونکہ وہ پڑھی لکھی تھی۔

◆●◆

وہی ہے رکھتا سماعتیں بھی

قانتہ رابعہ



ندیم احمد نے بالآخر اپنا پندرہ سالہ پرانا اصول اپنی چھوٹی صاحبزادی کی خاطر توڑ ڈالا...... جس نے سنا اچنبھے سے انگلیاں منہ میں ڈالیں۔ منہ سے حیرت کا اظہار کیا۔

”ارے نہ ڈاکٹر بیٹی کے لیے، نہ لیکچرر کے لیے بدلا تو کس کی خاطر جو محض بی اے پاس ہے وہ بھی سیکنڈ ڈویژن میں......“ ندیم احمد کی پانچوں اولادوں میں سب سے چھوٹی سب سے کم عقل اور غبی......

جب پندرہ سولہ سال قبل ندیم احمد کی بڑی بیٹی فائزہ ندیم میڈیکل کے دوسرے سال میں تھی تو ان

کے بھائی کے جاننے والوں نے پیغام بھیجا کہ ”آپ کی صاحبزادی کی بہت تعریف سنی ہے، ہم اپنے بیٹے کے لیے رشتہ ڈھونڈ رہے ہیں سوچا کل یا پرسوں آپ کی طرف بھی چکر لگا لیں۔“

گورنمنٹ اسلامیہ کالج کے شعبۂ علوم اسلامیہ کے لیکچرر جناب ندیم احمد صاحب نے دوٹوک لہجے میں جواب دیا۔

”ضرور آیئے مگر دن، وقت طے کر لیجیے، یہ ہم... دونوں کے لیے آسانی کا باعث بنے گا۔“

”کل...... نہیں پرسوں جمعرات کو سہ پہر تین بجے ہم لوگ آئیں گے...... میں، میری بیٹی، اہلیہ اور چھوٹا بیٹا۔“

”ٹھیک ہے۔“ ندیم صاحب نے اِدھر اُدھر کی دو ایک باتیں کر کے خدا حافظ کہا۔

جمعرات کو تین بجے فائزہ کی کلاس فیلو نمرہ اپنے والدین اور بھائی کے ساتھ بہت اہتمام کے ساتھ موجود تھی۔ دس منٹ، پندرہ منٹ گزر گئے مگر کوئی چائے آئی نہ دیگر لوازمات...... سخت گرمی کا موسم تھا آتے ہی شربت پلایا گیا تھا۔ بس اور کچھ بھی نہیں...... گھنٹا بھر بیٹھنے کے بعد جب رشتہ دیکھنے کے لیے آنے والے لوگ واپس جانے کے لیے دروازے تک پہنچے تو ندیم صاحب نے لڑکے کے باپ کے کندھے پر ہاتھ رکھا...... انہوں نے جونہی مڑ کے دیکھا تو ندیم صاحب کے ہونٹوں پر پُراسراری مسکراہٹ آئی۔

”آپ نے ہمیں اپنے ہاں آنے کی دعوت نہیں دی، اس کا مطلب ہے کہ آپ کو ہم لوگ پسند نہیں آئے اور یہ میرے گمان کے عین مطابق ہے۔ ہم نے آپ کے سامنے چائے کے ساتھ بیس بائیس لوازمات سے بھری ٹرالی نہیں پیش کی، لڑکے والا سمجھ کے فل پروٹوکول نہیں دیا...... آپ سے گھنٹا بھر کی بات چیت کے دوران اپنی بیٹی کی موجود اور غیر موجود صفات کو کوہِ ہمالیہ کی شکل میں پیش نہیں کیا...... آپ بھلا ہمیں دعوت دیں گے بھی کیوں؟“

نمرہ کے والد صاحب کے چہرے پر پہلے تو کئی رنگ آئے جو چند سیکنڈ میں ہی کھسیانی سی صورت میں بدل گئے۔ بالآخر انہوں نے کہا۔

”نہیں، نہیں ایسی بات نہیں ہمیں گھر جا کے مشورہ کر کے ہی آپ کو مطلع کرنا تھا۔“

”میں لڑکے اور لڑکی میں کوئی فرق نہیں رکھتا۔“ ندیم صاحب نے طنزیہ انداز میں دیکھ کر کہا۔ ”میری بیٹیاں بازار میں برائے فروخت نہیں ہیں کہ میں پُرکشش معاوضے یا چاپلوسی اور خاطر تواضع سے بازار میں گاہکوں کا دل جیتوں...... یہ تو میرے رب کا انمول تحفہ ہیں، رحمت ہیں، برکت ہیں جن کو اپنے آنگن کی رونق بنانا ہے وہ پانی کے گلاس پر بھی لے جائیں گے...... نہیں لے کے جانا تو میرے ستر لوازمات سے بھری ٹرالی بھی بیکار ہے۔ ہاں رشتہ طے ہو جائے تو میں اپنے گھر کا فرد تصور کروں گا اور حق میزبانی ادا کرنے کی بھرپور کوشش کروں گا...... آگے آنے والوں کی مرضی۔“

”انشاء اللہ فائزہ ہمارے ہی گھر کی رونق بنے گی...... مجھے آپ کے خیالات بہت پسند آئے میں بھی اپنی دونوں بیٹیوں کے لیے یہی اصول بناؤں گا جب ایک کے ساتھ دوسرا مل جائے تو گیارہ بن جاتے ہیں۔ شاید اسی طرح میرے ساتھ تیسرا مل جائے تو ایک سو گیارہ ہو جائیں۔“ نمرہ کے والد صاحب نے جھکا سر اٹھایا کر بولے پھر سب نے دیکھا اس کے بعد بھرپور طریقے سے دونوں نے مصافحہ اور معانقہ کیا اور دو ہفتوں کے بعد فائزہ کی بات نمرہ کے میجر بھائی سے طے ہو گئی۔

ندیم صاحب نے دوسری بیٹی نفیسہ کے لیے بھی یہی اصول سامنے رکھا۔ لیکن اس کی قسمت فائزہ سے مختلف تھی۔ کئی رشتے آئے کئی گئے مگر بات پھپھو زاد بھائی سے ہی طے ہوئی...... یہ بات نہیں کہ بیٹیوں کے لیے جو اصول طے کیا اس پر تو کاربند رہے مگر دونوں صاحبزادوں کی مرتبہ جب رشتہ ڈھونڈنے نکلے تو سب

کچھ بھول بھلا گئے؟ نہ، نہ، نہ قطعی نہیں...... کبھی کسی نے دیکھا نہ سنا۔ دونوں بیٹوں کے لیے جہاں بھی رشتہ دیکھنے گئے، روزہ رکھ کے گئے اور ایک دن قبل آگاہ کر دیتے تھے کہ ”چائے، پانی کا تکلف کرنے کی ضرورت نہیں...... جمعرات اور پیر کو عموماً روزہ رکھتا ہوں۔“

دونوں بیٹے برسرِ روزگار تھے ایک پائلٹ اور دوسرا انجینئر مگر سب سے چھوٹی بیٹی عامرہ خدا جانے کس پر گئی...... بچپن میں بگڑے ٹائیفائیڈ نے اثر دکھایا یا فطری طور پر کمزور قوتِ مدافعت رکھتی تھی کہ رو پیٹ کے بی اے کیا...... پڑھنے کا شوق بہت تھا۔ محنت بھی اپنی حد تک بہت کرتی تھی مگر یہ کہاں لکھا ہے کہ دنیا میں محنت اور شوق کے نتیجے میں کامیابی بھی ملتی ہے۔

سو عامرہ کو بھی دن رات کی محنت کے بعد سیکنڈ ڈویژن میں بی اے کی ڈگری ملی، انگریزی میں تو مر مر کے ہی پاس ہوئی۔ بہرطور پاس ہو گئی یہی غنیمت تھا۔ بی اے کے بعد پڑھنا لکھنا ٹھپ...... ہاں ووکیشنل انسٹی ٹیوٹ میں چھ ماہ کے دوران سلائی کڑھائی کے ڈپلومے حاصل کیے...... اپنا سیکھا ہوا ہنر اب سارے خاندان میں منہ بولتا شاہکار تھا۔ ہر پیدا ہونے والے بچے کی فراک سل رہی ہے، نت نئی ڈیزائننگ کر کے رامپر تیار ہو رہے ہیں، سلیپنگ بیگ تک بچوں کے خود سلائی کرتی اور خوش رہتی جب انیس سال کی عمر ہوئی تو کوئی رشتہ نہ آیا۔ گھر والے حیران ہوئے فائزہ اور نفیسہ کے ساتھ تو ایسے نہیں ہوا تھا۔ جب عامرہ بیس سال کی ہوئی تو امی اور فائزہ کے سمجھانے پر ابا نے اپنے اصولوں میں تھوڑی سی لچک پیدا کی اور رشتے کی غرض سے آنے والوں کے لیے موسم سرما میں چائے کے ساتھ ایک دو نمکین اور میٹھی اشیا پیش ہونے لگیں۔ وہاں موسم گرما میں جوسز اور آئس کریم کافی رہتے۔ اگلا سال بھی گزر گیا تو طریقۂ کار بدلا...... کھانے کا وقت نہ بھی ہوتا تو پُرتکلف ظہرانے، عشائیے کا بندوبست ہونے لگا...... ”یہ سب عامرہ نے بنایا ہے......“ کا لیبل بھی لگا دیا جاتا مگر نتیجہ صفر کا صفر...... اس سے اگلے سال یعنی جب فائزہ کی بیٹی بھی سات آٹھ سال کی ہو چکی تھی، ندیم صاحب نے رشتہ دیکھنے کے لیے آنے والوں کو جہیز کے نام پر...... ”حسبِ توفیق ماں، باپ تو دیتے ہی ہیں، اب تو پلاٹ، گاڑی کے علاوہ بھی بہت کچھ دیتے ہیں۔“ کا چوگا ڈالنا شروع کر دیا...... مگر قدرت نے شاید ابھی مزید امتحان لینا تھا...... اگلے چار چھ سال حالتِ امتحان میں گزر گئے۔

عامرہ کی والدہ تو خاموش رہتیں یا سارا زور وظیفے و وظائف پر رکھتیں مگر ندیم صاحب بہت پریشان رہتے۔ ہر ملنے والے سے ”بیٹی کے لیے پریشان رہتا ہوں“ کہہ کر دل کا بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش میں مزید بوجھل ہو جاتے...... پھر اگلے دو تین سال ”اللہ بس عامرہ کے فرض سے فارغ کر کے بھلے اگلے دن لے جائے......“ کی دعا کی تلقین کرتے۔ دعا کرنے کی تلقین بھی بہت ہے اور فضیلت بھی مگر دعا کب قبول ہو گی اس سے ہر بندہ بے خبر ہے...... عامرہ تیس سال کی ہو گئی...... اس نے اپنے آپ کو سلائی سینٹر میں مصروف کر لیا تھا۔ گھر کا بڑا سا کمرا اس کا سلائی سینٹر پلس بوتیک تھا...... جو صاحبِ استطاعت تھیں وہ فیس ادا کر کے اس کے خداداد ہنر سے فیضیاب ہو رہی تھیں اور جو غریب غربا وہ اس کے ہمدرد اور وسیع ہاتھ سے فیضیاب ہو رہی تھیں۔ ندیم صاحب اسے دیکھتے تو ٹھنڈی آہ بھر کے منہ دوسری طرف کر لیتے...... والدہ صاحبہ اب اکثر بیمار رہنے لگیں۔ رشتے آتے تو تھے چار بچوں کا باپ...... جسمانی معذور یا چٹا ان پڑھ دیہاتی......

ان کی بیٹی نہ تو معذور تھی نہ نیم پاگل...... بس پڑھائی میں باقی بہن، بھائیوں کے برابر نہ تھی لیکن اس کی کمی اس نے اپنی دیگر صلاحیتوں کو پروان چڑھا کے پوری کر دی تھی۔ دور، دور تک اس کی سلائی کڑھائی کا چرچا تھا۔ وہ بہت ملنسار تھی، خوش اخلاق تھی، دردِ دل رکھنے والی، نرم مزاج مگر مقدر میں ہی رشتہ طے ہونا نہ

لکھا ہوتو اولیا کی بیٹیاں بھی باپ کے گھر کی دہلیز پار نہیں کرسکتیں......

ندیم احمد خاموش ہوگئے کسی سے دعا کا کہتے نہ کچھ بولتے۔ ویران اور بنجر آنکھوں سے دنیا کے میلے میں خاموش تماش بین بن گئے، کوئی ہنس کے بات کرلیتا تو فوراً آس بندھ جاتی کہ شاید عامرہ کے رشتے کے لیے آئے ہیں.....اب وہ پرانے محلے سے بہت مہنگی ہاؤسنگ سوسائٹی میں منتقل ہوگئے......گھر ہی نہ بدلا۔ فرنیچر، برتن سب کچھ بدل ڈالا......یہ سوچ بھی غلط ثابت ہوئی کہ رہائش اچھی ہوتو رشتے لپک، لپک کر آتے ہیں، ان کی تمام امیدوں پر پانی پھیرتا ہوا سالِ رواں بھی سالِ گزشتہ میں بدل گیا......ان کے سجدے لمبے ہوتے گئے۔ آہِ سحر گاہی کا دورانیہ بھی طویل تر ہوتا گیا......فائزہ اور نفیسہ کے بچے اسکول جانے کی عمر میں داخل ہوگئے......ان سب بچوں کی جان عامرہ خالہ کے ہاتھ کے بنے مزے، مزے کے کھانوں اور تیار کیے کپڑوں میں تھی۔ لوگ رک، رک کر'' فراکیں کس بوتیک سے لیں'' کا پوچھتے پائے جاتے......

ندیم صاحب کی طبیعت پچھلے دنوں خاصی مضمحل رہی، مائرہ نے سلائی سینٹر عارضی طور پر بند کیا ہوا تھا۔ اس کے اس بوتیک اور سلائی سینٹر میں کافی سیکھنے والی لڑکیاں تھیں......زینب، عالیہ، طاہرہ، سب اچھے گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ ندیم صاحب کچھ ٹھیک ہوئے تو عامرہ نے فون کر کے سب لڑکیوں کو بتایا کہ'' آج سے سینٹر کھل رہا ہے آپ آجائیے۔'' عالیہ اور زینب کے ساتھ ان کی کوئی عزیزہ بھی تھیں......دو چار منٹ کی گفتگو کے بعد عالیہ اور زینب کو چھوڑ کے وہ رخصت ہوگئیں۔ سب لڑکیاں ہفتہ دس دن کی غیر حاضری کے بعد پُرجوش تھیں......چھٹی کا وقت ہوا......سب لڑکیاں سامان سمیٹ کے رخصت ہوگئیں......سوائے عالیہ اور زینب کے، انہیں لینے کے لیے ان کے بھائی نے آنا تھا......دس بارہ منٹ کے انتظار کے بعد وہی خاتون جو اُن کی عزیزہ ہونے کی دعویدار تھیں کیک اور پھلوں کے بڑے سے ٹوکرے کے ساتھ حاضر ہوئیں۔ ندیم صاحب گھر میں ہی تھے، اندر والے پورشن میں چند منٹ کی ملاقات میں انہوں نے عالیہ کے رشتے کی درخواست پیش کی۔

''مگر برخوردار ہیں کون؟ آپ کا ان سے کیا رشتہ ہے؟'' فائزہ بھی اتفاق سے آئی ہوئی تھی۔

''میرے ماموں زاد بھائی ہیں......صادق آباد ڈی ایچ کیو میں کارڈیالوجسٹ ہوں۔ پانچ وقت کے نمازی، ممانی بھی وہاں گورنمنٹ کالج میں کیمسٹری کی پروفیسر ہیں۔ عالیہ، زینب کی میں بڑی آپی ہوں، یہ روز گھر جا کے عامرہ کی بہت تعریف کرتی تھیں، ممانی جان نے رشتہ ڈھونڈنا شروع کیا تو میں نے عامرہ کا ذکر کیا......انہوں نے مجھے کہا کہ اگر وہ پسند کریں تو میرے بیٹے سے ملاقات کے لیے صادق آباد آجائیں یا میں بیٹے سے کہتی ہوں رحیم یار خان کا چکر لگائے گا۔'' خاتون نے ماجرہ تفصیل سے بیان کیا۔

''مگر پہلے آپ کی ممانی دیکھ لیتیں، لڑکے کو دیکھنے کی باری تو بعد میں آنی ہے۔'' فائزہ نے کہا۔

خاتون مسکرائیں، فائزہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور بہت محبت سے بولیں۔

''ممانی سے کہا تھا ان کا نظریہ ہے کہ گھروں کا سکون اور خوشی رنگ و روپ، قد، بت میں نہیں سیرت اور اخلاق میں ہے، جب ہم نے لڑکی کی سیرت کی تعریف سنی ہے، دیکھنے سے کیا ہوگا......جہیز لینے سے بھی قطعی مخالفت کی ہے، بس آپ ان کے بیٹے کو دیکھ لیجیے۔''

''آپ ڈاکٹر ولید بیگ صاحب کی بات کررہی ہیں؟'' ندیم صاحب چونکے۔

''جی، جی آپ جانتے ہی ہوں گے بہت اچھے ڈاکٹر ہیں۔'' خاتون خوش ہو کے بولیں۔

''ان کی عمر تو کم از کم سینتیس، اڑتیس سال ہے، انہوں نے اب تک شادی کیوں نہیں کی۔'' ندیم صاحب نے سوال کرنے کا حق استعمال کیا۔

''بالکل ان کی عمر تقریباً اتنی ہی ہے سال ایک کم یا زیادہ بھی ہوسکتی ہے اب تک شادی نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ماموں پچھلے دس سال سے پیرالائزڈ تھے، ہلنے جلنے بولنے سے معذور......ماموں کے بڑے صاحبزادے کاروباری شخصیت ہیں۔ دن میں ماموں کی تیمارداری اور سنبھالنے کا کام وہ کرتے تھے اور شام بلکہ رات میں ولید بھائی......ماموں کو ایسے رکھا ان دونوں نے جیسے ہتھیلی کا چھالا ہو، روزانہ کپڑے چینج کرنا۔ بستر کی چادر بدلنا، ان کو کھلانا پلانا، کروٹ بدلوانا، وھیل چیئر پر بٹھا کر دن میں کم از کم گھنٹا بھر کے لیے باہر لے جانا تاکہ ماموں ایک ہی جگہ پر لیٹے، لیٹے ذہنی مریض نہ بن جائیں۔ عام طور پر مریضوں سے جیسی اسمیل آتی ہے ماموں کو انہوں نے اتنے اچھے طریقے سے رکھا تھا کہ لگتا تھا کہ ابھی باہر سے آکے لیٹے ہوں۔ کئی مرتبہ ممانی لوگوں نے ولید بھائی کے رشتے کی بات کی مگر وہ ہمیشہ یہی جواب دیتے رہے کہ ابو کی خدمت میرا فرض ہے۔ میری بیوی کا نہیں......آنے والی کی خواہشات اور ضروریات کے لیے میں پورا وقت نہیں دے سکوں گا۔ یہ اس سے ناانصافی ہوگی اور اگر دیتا ہوں تو ابا سے......آپ اللہ سے دعا کریں اللہ آسانیاں پیدا کرے اور ہماری کوشش قبول کرے۔ پورے دس سال اور ڈیڑھ ماہ کے بعد ماموں اللہ کو پیارے ہوئے تو ممانی فوری طور پر اب اس کی شادی کے فرض سے فارغ ہونا چاہتی ہیں۔''

''ولید میرا دیکھا بھالا اسٹوڈنٹ ہے......میں اس کا مریض اور اس کے حسنِ اخلاق کا گرویدہ بھی ہوں......اسے دیکھنے کی مزید کیا ضرورت ہے۔'' ندیم صاحب نے سکون کی لمبی سانس لی......اور مسکرائے۔

''تو پھر بسم اللہ کریں، آیئے، فائزہ یہ انگوٹھی آپ پہنا دیں گی یا میں یہ شرف حاصل کروں۔'' انہوں نے ہینڈ بیگ سے ہیرے کی جگر، جگر چمکتی انگوٹھی نکالی اور فائزہ کو دی۔

کمرے میں موجود عالیہ، زینب، ندیم صاحب، ان کی اہلیہ ملازمہ سب ہکا بکا دیکھ رہی تھیں......گنگ، اتنی جلدی......بالآخر فائزہ نے اپنے حواسوں پر قابو پایا۔

''جلدی، اگر آپ راضی ہیں تو آج یا کل دوپہر میں نکاح اور رخصتی کا پروگرام بھی رکھ لیتے ہیں......'' بڑے اطمینان سے انہوں نے کہا۔

''کل نکاح......'' ندیم صاحب کو جھٹکا لگا۔

''تو اور کیا...... دس چکر آپ کے گھر کے لگا کے، جہیز کے نام پر وہ چیزیں جمع کرنے میں دو ماہ لگا کے جو پہلے ہی اُن کے گھر میں موجود ہیں کس کا فائدہ ہے۔ بس آپ سادگی سے نکاح کردیں۔ ولیمہ وہ جب دل چاہے ہفتہ دس یا دو ہفتوں میں اپنی حیثیت کے مطابق کرلیں گے......یہی وہ آسانیاں ہیں جن کو پیدا کرنے کی ہم سب سے دعا کرتے ہیں اور جب وہ موقع دیتا ہے تو اپنے ہاتھوں اسے مشکل ترین بنا دیتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے، جیتی رہو، خوش رہو۔'' ندیم صاحب کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی ٹوٹ کے گر رہی تھی۔

سب دم بخود تھے۔

بس عامرہ شرمارہی تھی دل ہی دل میں حساب کتاب...لگا رہی تھی کہ اللہ میرے باپ کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کی دعا تو وہ روز کرتی تھی ہر نماز کے بعد کرتی تھی۔ ان لوگوں کو کیسے پتا چلا اس دعا کا کیا واقعی......؟ واقعی اللہ دلوں کے بھید اس حد تک جانتا ہے۔

اس کا سر جھکا ہوا، آنکھوں میں مسکراہٹ مگر دل میں رب کے رحیم و کریم ہونے کے ساتھ، ساتھ مجیب الدعوات ہونے پر ایمان کروڑ گنا بڑھ گیا تھا۔



ناولٹ

پانچواں حصہ

محبت لفظ ہے لیکن ......

”ماں باپ کے سامنے بہت سوچ سمجھ کے بولا کرو کیونکہ کبھی کبھی ان کے سامنے بولا گیا کوئی بھی برا یا اچھا کلام ہماری پوری قسمت پہ حاوی ہوجاتا ہے۔“

خوب صورت جذبوں کی باریکیاں بیان کرتی **حیا بخاری** کی ایک دل نشیں تحریر

”باری...... رکو!“ وہ آفس سے نکلتا لفٹ میں سوار ہونے لگا تھا کہ امن کی تیز پکار پہ رک کر مڑ کر دیکھنے لگا...... وہ اس کے پاس سے گزرتی لفٹ کے اندر چلی گئی۔ وہ یونہی کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

”آجاؤ ناں......“ اس نے کہا۔ پھر اس کے اندر آتے ہی اس نے گراؤنڈ فلور کا بٹن پش کردیا تھا۔

”آج کسی اچھے سے ہوٹل میں لنچ کرتے ہیں۔“ ایک جذب سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

موبائل پہ کچھ چیک کرتا باریال چونکا۔
''آج......؟'' وہ متذبذب تھا۔
''ہاں......ابھی کی بات کر رہی ہوں۔'' وہ منہ بنا گئی۔
''لیکن مجھے کچھ کام ہے۔'' اس نے ٹالنا چاہا۔
''پلیز......'' وہ ملتجی ہوئی۔
''ایکسٹریملی سوری......'' اس نے پھر بھی معذرت کرلی۔ مایوس ہو کر امن موبائل پر مصروف ہوگئی۔ باریال نے ایک گہری سانس لے کر خود کو ہلکا سا محسوس کیا تھا۔ جب سے دیدے نے امن کے حوالے سے اس سے بات کی تھی۔ وہ محتاط ہوگیا تھا۔

امن اچھی لڑکی تھی۔ باریال اسے پسند بھی کرتا تھا۔ لیکن صرف ایک دوست کی حد تک ورنہ اس کے اور امن کے لائف اسٹائل میں بہت فرق تھا۔ اتنے عرصہ شہر میں رہنے اور پڑھے لکھنے کے باوجود وہ روایتی سادگی پسند پٹھان تھا۔ اسے عورتوں میں بھی وہی نسوانی مشرقی سادگی پسند تھی۔ جیسے ان کی دیدے تھیں۔ باوقار سی......امن ذرا مختلف تھی۔ وہ کچھ زیادہ ہی آزاد خیال تھی۔ بلا جھجک ہی سب مردوں سے مصافحہ کرلیتی تھی جبکہ باریال مرد ہوتے ہوئے بھی کئی بار ایسے مواقع میں جب بزنس پارٹنر غیر ملکی ہوتے اور ہوتی بھی کوئی عورت تو صرف سر ہلاتے پہ ہی اکتفا کرلیتا۔

امن لباس بھی مغربی ہی پسند کرتی۔ کھلے گلے والی شرٹس، سلیولیس اور ٹائٹ جینز اس کا فیورٹ لباس تھا۔ کئی بار وہ اس قدر بھڑکیلے اور فٹ لباس پہن لیتی کہ باریال اس سے بات کرتے وقت بھی نگاہ نیچی رکھتا۔ اور مارے حیا کے پسینہ، پسینہ ہوتا رہتا جیسے امن نے نہیں اس نے کچھ غلط پہن لیا ہو۔

امن سے لاکھ دوستی سہی......اسی فرق کی وجہ سے بہرحال وہ سب کچھ مشکل تھا جو دیدے سوچ رہی تھیں اور بقول دیدے کے امن بھی سوچ رہی تھی۔ باریال کو اب واقعی محسوس ہونے لگا تھا امن اس میں دلچسپی لے رہی تھی۔ اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ مزید اس آگ کو شہہ دے۔ تبھی اس نے خود کو مزید ریزرو کرلیا تھا لیکن اسے قطعاً اندازہ نہیں تھا کہ امن یہ سب نہ صرف بخوبی سمجھ رہی تھی بلکہ اندر سے بے چین بھی ہوگئی تھی۔

اس وقت بھی وہ پہلے باریال کو معمولی سا جواب دے کر بظاہر فون پہ مصروف ہوگئی تھی لیکن اس نے بھی طے کرلیا تھا کہ باریال ولی خان نے کھانا اس کے ساتھ ہی کھانا تھا۔ وہ فون ہاتھ میں تھامے لفٹ سے اس کے ساتھ باہر آئی تھی۔

''گھر جاؤ گے؟'' پارکنگ ایریا میں آتے ہی اس نے پوچھا۔ باریال نے صرف سر ہلانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔ آفس سے اسے گاڑی بھی مل چکی تھی۔ وہ گاڑی کی طرف بڑھا۔ امن نہ جانے کیوں بے چینی سے اس کے ہاتھ میں تھامے سیل کو دیکھ رہی تھی۔ باریال گاڑی میں سوار ہوچکا تھا۔ مایوس سی ہو کر وہ بھی اپنی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ اور اس سے پہلے کہ وہ اگنیشن میں چابی گھماتی۔ اس کی نظر بیک ویو مرر میں باریال پر پڑی تھی۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالے فون پر بزی تھا اور اس کے چہرے کے بدلتے زاویے امن کے چہرے پر مسکان بکھیرنے کے لیے کافی تھے۔ اس نے لفٹ میں ہی پاپا کو میسج کردیا تھا کہ کسی طرح بھی باریال کو اس کے ساتھ سائٹ کا کام دے دیں۔ باریال نے اسے لنچ کے لیے منع کیا تھا اور امن سکندر کو فی الحال کوئی منع کرنے والا پیدا نہ ہوا تھا۔

اس نے باریال کو گاڑی لاک کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس نے نہایت پھرتی سے چابی اگنیشن میں گھمادی تھی۔ اور ہلکا سا ٹرن لے کر نکلنے لگی تھی۔ جب اس نے باریال کو اپنی طرف ہاتھ ہلاتا دیکھا تھا۔ اس نے گاڑی روک دی۔ باریال اس کی گاڑی کی دوسری سائڈ سے آیا۔ امن نے اس کے لیے دروازہ کھول دیا تھا۔

''سوری! ایکچویلی سر نے ابھی کہا ہے کہ ہمیں نہر کے ساتھ والی مل کا وزٹ کرلینا چاہیے۔ انہیں بلڈنگ میٹریل کے متعلق کچھ غلط انفارمیشن ملی ہے۔'' اس نے اندر بیٹھتے ہوئے امن کو تفصیل بتائی۔

''اوہ......نو پرابلم......'' وہ کھل کر مسکرائی۔
''میں ویسے بھی فارغ ہی تھی۔'' باریال اس بار خاموش رہا تھا۔ گاڑی مین روڈ پر آچکی تھی۔ امن نے دھیمی آواز میں میوزک آن کردیا۔ ایک نظر خاموشی سے بیٹھے باریال پر ڈالی۔ پھر مسکراتے ہوئے سیل پر تھینک یو مین ٹائپ کیا اور پاپا کے نمبر پر سینڈ کردیا۔ دوسرے لمحے ہی ان کا قہقہہ موصول ہوا تھا۔ وہ مسکرا کے گنگنانے لگی تھی۔

☆☆☆

''دوران خان! ضیا اکیلے مری گیا اور تمہیں خبر ہی نہیں۔'' ضیا سے بات کے دوران بے شک سہراب علی خان خاموش ہوگئے تھے لیکن اسی وقت دوران کو فون کیا تھا۔ اس کی تو گویا جان پر بن آئی تھی۔
''خان، ام نے بہت کہا۔ لیکن چھوٹے خان جی نے کہا کہ اگر انہیں ام، امارے آدمی یا اماری جیپ دکھائی دی تو وہ کچھ بھی کر بیٹھیں گے۔'' مؤدب لہجے میں کہتا وہ سچ بتانے لگا۔
''تم نے مجھے بتایا دوران؟'' سہراب علی خان کا لہجہ مزید کڑا ہوگیا۔
''وہ......خا......خان......'' وہ بول نہ پایا۔
''تم لوگ ابھی نکل جاؤ۔ ٹھیک صبح چھ بجے تک تم مجھے مری سے کال کروگے، میں انتظار کروں گا۔'' سخت لہجے میں حکم سنایا گیا۔
''جی خان......'' وہ مستعد ہوا۔
''اور ہاں، ابراہیم کو یہاں بھیج دینا۔ بچیوں کو شہر جانا ہے۔ اور اس کے ساتھ گارڈز لازمی بھیجنا۔'' وہ مزید ہدایت دینے لگے۔
''حکم خان۔'' اس نے مؤدب لہجے میں کہا۔ سہراب علی خان نے کال بند کردی۔ پیشانی پر البتہ فکر کی سلوٹیں گہری تھیں۔

☆☆☆

مری کے کہساروں پر اترنے والی اگلی صبح چمکدار تھی۔ بارش کے بعد نہ صرف مطلع صاف ہوگیا تھا بلکہ دھوپ بھی کافی تیز اور جاندار تھی۔ چیڑ، سفیدے، شاہ بلوط اور پائن کے درخت عجیب ڈھنگ سے نکھرے تھے۔ کہیں، کہیں پتوں پر چمکتے بارش کے قطرے تو کہیں برف کی ننھی، ننھی ڈلیاں، ہر منظر جنت کی تصویر پیش کررہا تھا۔ برف سے ڈھکی ایک طرف پہاڑیاں اور ان کی ڈھلوانوں پر بنے خوب صورت منقش گھر، صاف ستھری دھلی، دھلی سی گیلی سڑک اور دوسری طرف دل دہلاتی اندھی کھائیاں، قدرت نے کس فراخی سے صناعی بکھیری تھی کہ دل اش اش کر اٹھتا تھا۔

صبح کی پہلی کرنوں نے، بادلوں کے دھوئیں سے نجات پا ہی لی تھی۔ شفاف سی روشنی نے برف سے ڈھکے سبزہ زاروں کو عجیب سا نور بخش دیا تھا۔ صبح ہوتے ہی سب لوگ گروپس کی شکل میں اِدھر اُدھر نکل گئے تھے۔ نمرہ اور لالہ بھی چہل قدمی کے لیے پہاڑی پر اوپر کی طرف جانے والی کچی پگڈنڈی پر آگئیں۔ لالہ کے ہاتھ میں پاپ کارن کا بڑا سا پیکٹ تھا۔ جسے کبھی وہ خود کھاتی کبھی درختوں کی طرف اچھال دیتی۔
''پھینک کیوں رہی ہو؟'' نمرہ نے اسے ٹوکا۔
''پھینک نہیں رہی۔ گفٹ کر رہی ہوں۔'' وہ مسکرائی۔
''گفٹ کسے؟'' نمرہ نے حیرت سے اُدھر اُدھر دیکھ کے پوچھا۔
''گلہریوں کو۔'' اس نے سرگوشی کی۔
''میں نے سنا ہے۔ اس موسم میں گلہریاں اپنے بل سے باہر نہیں آتیں۔ خوراک کی ضرورت بھی ہو تو بل کے دروازے سے ہی جھانک کے پیچھے بھاگ لیتی ہیں۔ کیا پتا یہ چند دانے ان کے کام آجائیں۔'' اس نے وجہ بتائی۔
''ماں صدقے۔'' نمرہ اس کے واری صدقے جانے لگی اور دونوں کی کھلکھلاہٹیں ان سرد وادیوں میں گونج اٹھیں۔ یونہی چلتے، قہقہے لگاتے وہ کافی آگے نکل آئی تھیں۔ یہ جگہ نسبتاً کھلی تھی اور صاف کرکے چھپر نما ہوٹل بنا دیا گیا تھا۔ جہاں گرما گرم دیسی کھانوں کی خوشبو سے ان دونوں کی بھوک یکلخت جاگ اٹھی تھی۔

یہاں لوگوں کا رش بھی کافی کم تھا اور کافی آگے جا کر دو تین مزید پگڈنڈیاں نکل رہی تھیں جو نیچے وادی میں اترتی دکھائی دے رہی تھیں۔

''کھانا کھاتے ہیں؟'' نمرہ نے کہا۔

''پیک کروالو۔ نیچے کہیں کھالیں گے۔'' لالہ نے تجویز دی۔ نمرہ تائید میں سر ہلاتی ایک طرف بڑھ گئی۔ لالہ سنبھل، سنبھل کر پیر رکھتی نیچے اترنے لگی۔ اس نے ایک نگاہ نیچے وادی میں ڈالی۔ جگہ، جگہ سے پھٹی کٹی چٹانوں کے درمیان کہیں پانی کے کٹاؤ نے راستے سے بنا دیے تھے تو کہیں، کہیں موجود گھر لوگوں کے باہمت ہونے کا پتا دے رہے تھے۔ وہ تو ایک دن نہ رہے ان سنگلاخ پہاڑوں کی سفاک گود میں۔ اسے ہمیشہ سے لگتا تھا پہاڑ جس قدر خوب صورت ہوتے ہیں اسی قدر بدصورت اور ظالم بھی ہوتے ہیں۔ تبھی اسے ہمیشہ پہاڑوں سے خوف آتا تھا لیکن آج...... آج وہ ان کے سحر میں جکڑی سی گئی تھی...... وہ بے خود تھی۔

قدرت کی ایسی صناعی، وہ بار بار دل میں سورۂ رحمٰن کا ورد کیے جا رہی تھی (اور تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے)

''اوئے ہوئے۔'' چیختی آواز پر وہ بری طرح چونکی تھی۔

''سنا تو تھا پہاڑوں پر پریاں اترتی ہیں۔ آج دیکھ بھی لیا۔'' اپنی ہی دُھن میں منظروں، نظاروں کو کھوجتی لالہ کو ایک دم ہی احساس ہوا تھا وہ کافی دور نکل آئی تھی۔ یہاں سوائے اس کے اور ان دو اوباش لڑکوں کے اور کوئی نہیں تھا جو وہاں جیپ میں آئے تھے اور موج مستی میں مصروف تھے اور جن پر لالہ کی نگاہ نہیں پڑی تھی۔

''سچ میں یار! اس دفعہ تو مری لگتا ہے مہربان ہو گیا ہے۔'' دوسرے لڑکے نے پیلے دانت دکھائے۔ لالہ کو گھن سی آئی۔ وہ بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔ مدد کے لیے بے اختیار اوپر دیکھا تھا لیکن وہ زیادہ نیچے آچکی تھی۔ اوپر ٹیڑھی میڑھی پگڈنڈی کے علاوہ غرور سے تنا پہاڑ تھا، اس کی روح تک کپکپا گئی اور جب عورت کو ایک دم سے احساس ہو کہ وہ غلط مردوں کے نرغے میں آگئی ہے تو بالکل ویسا ہی خوف اسے لپیٹ لیتا ہے جیسا کبھی بڑے بوڑھے آسیب کے متعلق بتایا کرتے تھے۔ ہاتھ کام کرتے ہیں نہ پاؤں۔ ایک انچ بھی قدم نہیں ہلایا جاتا۔ یہی اس وقت لالہ کی حالت تھی۔ وہ دانت نکالتے آدم خور بھیڑیوں کی طرح منہ کھولے اس کی طرف بڑھ رہے تھے اور لالہ، اس کے قدم جیسے پکی زمین میں دھنس سے گئے تھے۔ اس قدر بھاری ہو گئے تھے کہ وہ اٹھا ہی نہیں پا رہی تھی۔

''لالہ۔'' تبھی دور سے نمرہ نے اسے پکارا تھا۔ وہ لڑکے ایک دم رکے تھے۔ لالہ کی جان میں جان آئی تھی۔ اس نے تیزی سے نمرہ کو اپنی طرف آتے دیکھا تھا لیکن وہ اکیلی نہ تھی۔ ضیا علی خان بھی اس کے ساتھ تھا۔ وہ دونوں لالہ کے قریب آکے رکے تھے۔ دونوں لڑکے جیپ پر سوار ہو کے نو دو گیارہ ہو گئے تھے۔

''تم ٹھیک ہو؟'' نمرہ نے پوچھا تو لالہ ... بے اختیاری اس کے گلے سے لگ گئی اور پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی۔ ضیا علی خان کی آنکھوں نے دور تک جیپ کا تعاقب کیا تھا۔ دائیں ہاتھ کی مٹھی مضبوطی سے بند کرتے اس نے اپنے ضبط کی طنابیں کھینچی تھیں۔

☆☆☆

اس واقعے نے اسے بری طرح خوف زدہ کر دیا تھا۔ شام تک وہ کمرے میں بیٹھی روتی رہی تھی۔ نمرہ اسے سمجھا، سمجھا کر خود پاگل ہو گئی تھی۔

''تمہاری غلطی تھی لالہ...... اکیلے اتنے نیچے جانے کی کیا ضرورت تھی؟'' آخر اسے غصہ آنے لگا۔

''وہاں رش کافی تھا۔ تبھی مجھے کھانا پیک کروانے میں دیر ہو گئی۔ وہ تو بھلا ہو ضیا کا... جو ہمیں ڈھونڈتا وہاں آگیا اور تمہیں نہ دیکھ کر اس کے ساتھ میں بھی واقعی میں پریشان ہو گئی۔'' اس کی بات پر لالہ نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔

''ویسے سچ کہوں، ضیا اتنا برا بھی نہیں ہے جتنا تم

سمجھتی ہو۔'' ہمیشہ کی طرح وہ ایک مرتبہ پھر اپنے پسندیدہ موضوع پر آچکی تھی۔ لالہ چڑ گئی۔

''اس کا ہمارے پیچھے آنا ہی برا ہے، لڑکیوں کا پیچھا کرنا اچھی بات ہے؟'' وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی، منفی پہلو تلاش کر ہی لیتی تھی۔

''اچھی بات ہی ہے۔ ورنہ آج نہ جانے کیا ہو جاتا۔'' نمرہ کو پھر سے واقعہ یاد آگیا۔

''میں آنٹی کو کیا منہ دکھاتی۔'' فکرمندی سے کہتے اس نے کھانا بھی شروع کر دیا تھا۔ لالہ اسے گھورنے لگی۔

''ہاں تو اتنی ٹینشن میں بھوک تو لگتی ہے پھر اس وقت تو کھا ہی نہیں سکی تھی۔'' نمرہ نے اس کے گھورنے کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ لالہ اس کے معصوم انداز پر بے اختیار ہنس دی تھی۔

☆☆☆

گیلی سڑک پر گاڑیوں کے ٹائر پھسل، پھسل کے کئی بار گاڑی پیچھے کی طرف چلی جاتی تھی۔ ایسے موسم میں اس جیپ کی اسپیڈ کافی زیادہ تھی۔ ڈرائیور نہ صرف اپنی زندگی سے بیزار لگ رہا تھا بلکہ باقی لوگوں کی بھی جان کے درپے تھا۔ ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا دوسرا نوجوان بھی شاید نشے میں تھا۔ بار، بار کھڑا ہو جاتا، چلاتا، مفلر ہوا میں لہراتا اور اِدھر اُدھر جھولتا پھر سے سیٹ پر گر جاتا۔ اردگرد گزرتی گاڑیاں اور ان کے سوار بھی ان کی وجہ سے بے طرح ڈسٹرب ہو رہی تھیں۔ تبھی ایک بلیک پراڈو ان کے مدِمقابل آئی تھی۔ اس گاڑی کے شیشے مکمل طور پر کالے تھے۔ اندر بیٹھے سوار کے بارے میں اندازہ لگانا مشکل تھا۔ سامنے موڑ تھا۔ لیکن نہ پراڈو والا پیچھے ہونے کو تیار تھا نہ جیپ والے۔ تبھی پراڈو نے ہلکا سا کٹ دیا تھا۔ جیپ بری طرح لڑکھڑائی تھی اور پراڈو تیزی سے راستہ نکالتی آگے نکل گئی تھی۔ مری کی خوب صورت فضا اس وقت ان کے ٹائروں کے بے ہنگم شور سے گونج اٹھی تھی۔ اوپر پہاڑی پر برف کھیلتے لڑکے لڑکیاں رک کر یہ تماشا دیکھنے لگے تھے۔ سڑک کے اوپری طرف قطاریں لگنے لگی تھیں۔

''اے پاگل ہو گیا ہے کیا؟'' دوسری بار پراڈو نے کٹ لگاتے ہوئے اسے دوبارہ پیچھے چھوڑا تھا تو وہ چلاّ اٹھا تھا۔ کافی بلندی پر بنی ڈھلوانی سڑک کے کنارے نمرہ کے ساتھ بیٹھی لالہ کی نگاہ اس وقت ان دو گاڑیوں پر پڑی تھی اور وہ چونک گئی تھی۔ جیپ میں وہی دو نوجوان تھے جو اسے چھیڑ رہے تھے۔

''پاگل ہیں یار دونوں۔'' نمرہ نے کھڑے ہوتے ہوئے دونوں ڈرائیورز کے لیے کمنٹ پاس کیا تھا۔

''یہ دونوں وہی ہیں۔'' لالہ نے بتایا۔ اس کی آواز میں خود بخود خوف سمٹ آیا تھا۔ تبھی پراڈو سلو ہوئی تھی۔ جیپ آگے نکل گئی۔ پراڈو کی فرنٹ سیٹ کا دروازہ دھیرے سے کھلا تھا اور کسی کی مسکراتی آنکھیں دیکھ کر لالہ کی سانس وہیں رک گئی تھی۔ وہ بے ساختہ روڈ پر آگے کی طرف بھاگی تھی۔ نیچے روڈ پر پراڈو ایک مرتبہ پھر جیپ کے قریب پہنچ چکی تھی۔ آگے اندھا موڑ تھا۔ وہ وہیں جم گئی تھی۔ پراڈو ایک دم سے جیپ کے برابر آئی تھی۔ لالہ کی سانسیں تھمنے لگی تھیں اور پھر لالہ سمیت سب نے دیکھا تھا، پراڈو آگے نکل گئی تھی اور جیپ...... نیچے گہری کھائی میں گرتی چلی گئی۔ جیپ میں سوار دونوں لڑکے چھلانگ لگا چکے تھے۔ لیکن پیچھے سے آنے والی گاڑیوں سے ٹکر کھا کے شدید زخمی ہو چکے تھے۔ انہیں اسپتال پہنچانے کی کوششیں جاری تھیں۔ البتہ بلیک پراڈو کسی جن کی طرح غائب ہو گئی تھی۔ سب لڑکے لڑکیاں اب روڈ پر جمع ہو کر نیچے گری جیپ کو دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہجوم سا جمع ہونے لگا تھا روڈ پر... نمرہ، لالہ کا ہاتھ کھینچتی سے بھی نیچے آنے کا کہنے لگی۔ لالہ نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑا لیا۔ وہ اسے وہیں چھوڑتی نیچے بھاگ گئی۔ لالہ وہیں ایک سائڈ سیٹ پر ڈھے سی گئی۔ خوف سے اس موسم میں بھی اسے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ اس نے صاف دیکھا تھا وہ مسکراتی، اس کی طرف دیکھتی آنکھیں ضیا کی ہی تھیں۔ تبھی اس نے کالے بوٹوں کی بھاری آواز سنی تھی اور پھر کالے بوٹوں میں مقید پیر اس کی نظروں کے سامنے

تھے۔ اس نے نظر اٹھا کر سامنے دیکھا۔ بلیک شلوار قمیص میں ملبوس چہرے پر ہمیشہ کی طرح دوستانہ مسکراہٹ سجائے وہ ضیا علی خان ہی تھا۔ وہ دھیرے، دھیرے چلتے اس کے قریب آیا۔ لالہ جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کون ہو تم ضیا علی خان......؟" اس نے جرأت کر ہی لی تھی مخاطب کرنے کی۔ ضیا اس یاقوتی دہانے کو دیکھے گیا جو اسے ہمیشہ دم بخود کر دیا کرتا تھا۔

"ان کا گناہ اتنا بڑا تو نہیں تھا۔" اس کے خاموشی سے خود کو تکتا دیکھ کر وہ مزید چڑ گئی۔

"اگر میں نہ آتا تو وہ بڑا گناہ کر بھی سکتے تھے۔" ضیا کے لہجے میں غصہ بھرنے لگا۔

"تو......؟ تم سے مطلب......؟" وہ بھی غصے سے بولی تھی۔

اس بار ضیا کچھ نہیں بولا تھا لیکن اس کی گہری آنکھوں میں تاسف نمایاں تھا۔

"میں نہ تو تمہیں جانتی ہوں، نہ جاننا چاہتی ہوں۔ سو آئندہ مجھ سے سو گز دور رہ کر چلنا اور میرے کسی معاملے میں انٹرفیئر مت کرنا، سمجھے۔" وہ اس کی آنکھوں میں بلاخوف جھانکتے ہوئے بولی۔ اُدھر شان بے نیازی سے بایاں بازو جس پر ڈارک براؤن کلر کا گنڈھا دھاگا بندھا تھا، اٹھا کر جیسے مکھی اڑائی گئی تھی، لالہ کا تو منہ کھل گیا۔

"میں تمہیں جانتا ہوں۔ میرے لیے اتنا کافی ہے۔ باقی رہا تمہارا کوئی معاملہ......تو ضیا علی خان جو چاہتا ہے کر لیتا ہے۔ سوائے اللہ پاک کے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔" غصے پر ایک دم دوستانہ مسکراہٹ غالب آنے لگی تھی۔ لالہ نے ایک تیکھی نگاہ اس کے وجود پر ڈالی۔ پھر پیر پٹختی نیچے نمرہ کی طرف چلی گئی۔

"کسی روز بتاؤں گا تمہیں لالہ......تم میری محبت سے خوف زدہ ہو کر بھاگ رہی ہو اور میں تم سے کس قدر شدید نفرت کرتا ہوں۔" ضیا کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔

☆☆☆

کیبن میں لگے بلب کی روشنی میں اس کا ہاتھ تھامے اس بار وہ اس کے چہرے پر رقم گھبراہٹ بخوبی پڑھ سکتا تھا۔ انہیں ایک ساتھ وقت بتائے کافی عرصہ ہو چلا تھا لیکن وہ ہمیشہ پُراعتماد رہی تھی۔ اس بار مگر وہ اعتماد اس کی شخصیت سے مفقود تھا۔

"اقرا! مجھے کیوں لگ رہا ہے میں تمہیں زبردستی لایا ہوں یہاں۔" وہ بدمزہ سا ہوا۔ اقرا نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ کچھ لمحے خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"آغا، مجھے ڈر لگنے لگا ہے۔"

"میرے ساتھ رہنے سے؟" وہ ناراض لہجے میں بولا۔ اقرا کی نظریں جھک گئیں۔

"تمہارے ساتھ رہنے سے مجھے کبھی خوف نہیں آیا آغا۔ تم جانتے ہو میں تم پر خود سے زیادہ اعتبار کرتی ہوں۔" وہ سادہ لہجے میں بولی، سچائی اس کے لہجے میں عیاں تھی۔

"تو......؟" وہ سیٹ کی پشت پر گرنے کے سے انداز میں ٹیک لگا گیا۔

"جب سے لالہ نے یوں اچانک ہمیں ایک ساتھ دیکھا ہے۔ مجھے ڈر لگنے لگا ہے۔ کہیں بھائی یا کوئی اور......" وہ اپنے اندر کے خوف بتانے لگی۔

"کم آن اقرا۔" آغا نے آگے بڑھ کر بیٹھتے ہوئے اس کے ہاتھ تھام لیے۔ "تم تو مجھے ڈرپوک کہا کرتی تھیں۔ اب خود ڈرنے لگی ہو۔" محبت سے وہ اس کا کومل سا روپ نظروں میں جذب کرتے ہوئے بولا تھا۔

"ڈرپوک نہیں ہوں میں، بس تمہیں کھونے سے ڈرتی ہوں۔ اسی لیے کہتی ہوں خالہ کو بھیج دو اماں کے پاس۔" وہ اس کی نظروں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"اچھا، آج ہی اماں سے بات کرتا ہوں بس۔ اب تم پلیز موڈ تو ٹھیک کرو۔" اس نے منت کی۔ اقرا اس کے انداز پر مسکرا دی۔

"ارے حمزہ......تم......؟" اگلے ہی پل اس کے لب تیزی سے سکڑے تھے۔ دل بے قابو سا ہوا تھا۔ اس نے دعا کی وہ کوئی اور حمزہ ہو۔

"بہت دن ہو گئے۔ سوچا آج تمہاری طرف

چکر لگا ہی لوں۔" اور وہ علی حمزہ کی ہی آواز تھی۔ اقرا کو لگا اس کے کان کے پردے پھٹنے لگے تھے خوف سے۔ خود آغا بھی حمزہ کی آواز پہچان کر ساکت رہ گیا تھا، کیبن کے سامنے بنے کھلے پارٹ میں ہی وہ شاید کرسیاں سنبھال چکے تھے۔

"کیسا چل رہا ہے تمہارا کاروبار؟" حمزہ نے اسے چائے کا کہتے ہوئے پوچھا۔

"اللہ سلامت رکھے بیٹا، طوطوں کی جوڑیوں کو۔ کالج گرلز اور بوائز نے کافی رونق لگا رکھی ہے۔" جواب میں کیفے کا مالک جو شاید علی حمزہ کا پرانا دوست تھا، خباثت سے کہتے ہوئے ہنسنے لگا تھا۔ اقرا نے لب کاٹ لیے تھے۔

"ہم......" حمزہ کی متنفر آواز سنائی دی تھی۔

"بے پروا ماں باپ کی بے غیرت اولاد۔" اس کے لہجے میں کس قدر تنفر تھا۔ اقرا کا سر شرمندگی سے جھکا تھا۔ آنکھیں خود بخود نم ہوئیں۔

"پلیز۔" آغا اسے روتا دیکھ کر بے تاب سا ہوا۔ اقرا نے اٹھتے ہوئے ہاتھ کی پشت سے سختی سے آنکھیں رگڑی تھیں اور نقاب کرنے لگی تھی۔

"کہاں جا رہی ہو؟" وہ پریشان ہو کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"سوری آغا، میں اب تم سے اس وقت تک نہیں ملوں گی جب تک تم ہمارے تعلق کو کوئی معنی نہیں دے دیتے۔" اس نے بہت دھیمی آواز میں قطعی نظروں سے دیکھتے ہوئے آغا کو کہا اور خود کو مکمل ڈھانپتی تیزی سے باہر نکل گئی۔ آغا وہیں رک سا گیا تھا کیبن کے پردے سے باہر آتے ہی اقرا نے سامنے ہی کرسی پر حمزہ کو دیکھ لیا تھا۔ اس طرف اس کی پشت تھی۔ پھر بھی وہ بھائی کو ہزاروں میں پہچان سکتی تھی۔ اس کی آنکھیں ایک مرتبہ پھر دھندلا رہی تھیں وہ تیزی سے ایک طرف سے نکلتی چلی گئی۔

☆☆☆

سب لڑکے، لڑکیاں مال روڈ پر لگے اسٹالز سے شاپنگ کرنے میں مصروف تھے۔ یہ مختلف علاقوں کے روایتی ملبوسات اور دیگر ہینڈی کرافٹ کے اسٹال تھے جو دور دراز علاقوں کے غریب مگر قابل ورکرز کے کام کو ہائی سوسائٹی تک پہنچانے کے لیے مختلف این جی اوز نے حکومت کے تعاون سے لگائے تھے۔ اس سے نہ صرف ان کے کام کے لیے قدردان اور سپلائر سامنے آتے تھے بلکہ سیاح ہاتھوں ہاتھ دوسرے علاقوں کی چیزیں لے لیتے اور اچھی خاصی آمدنی ان تک پہنچائی جا سکتی تھی۔

سب سے زیادہ رش ملبوسات کے اسٹال پر تھا۔ ان کے گروپ کی سبھی لڑکیاں بشمول نمرہ رنگ برنگے خوب صورت ملبوسات پر ٹوٹ پڑی تھیں۔ لالہ ہمیشہ کی طرح ان پر مسکراتی نظر ڈالتی روڈ پر چہل قدمی کرنے لگی اور ایک طرف جاتی نسبتاً چھوٹی سڑک پر آ گئی۔ یہاں ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ یہ رہائشی علاقوں کی طرف جانے والی سڑک تھی شاید۔ سڑک کے دونوں طرف لگے درختوں نے سڑک کو دونوں طرف سے چھت کی طرح سایہ دے رکھا تھا۔ صبح ہونے والی بارش سے ہر چیز ابھی نم تھی۔ آج بھی دن صاف نہیں تھا۔

مری کی گیلی شفاف سڑک پر چلتے ہوئے اسے اچانک ہی کچھ احساس ہوا تھا۔ اس نے ایک طرف پائن کے درختوں کے قریب دیکھا۔ کیمرے کا رخ اس کی طرف کیے وہ بلاشبہ ضیا علی خان ہی تھا۔

وہ غصے سے پیر پٹختی اس کے پاس آئی۔

"تم پھر میرے پیچھے آ گئے؟ چاہتے کیا ہو آخر مجھ سے؟" وہ غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔

"ایک کپ کافی پیو گی میرے ساتھ۔" مسکراتے ہوئے ہمیشہ کی طرح فرمائش کی گئی تھی۔

لالہ کا دل کیا اسے نیچے کھائی میں گرا دے...... اور گرا بھی دیتی اگر اسے جیل کا خوف نہ ہوتا......

"یہ قانون بھی ناں......بس ہم نیک لوگ ہی اس سے خوف کھاتے ہیں۔ ضیا جیسے لوگ تو سینہ تان کے پھرتے ہیں۔" اس نے کڑھ کے سوچا تھا۔

''میں کبھی واقعی میں تمہاری جان لے لوں گی ضیا۔'' وہ لب کچلتی اسے بے حد خوب صورت لگی۔ پکی لال پٹھانی (کاش لالہ سن لیتی)۔

''پہ ماخہ دے خہ۔'' (اللہ تمہارا حامی وناصر ہو) مسکراتے ہوئے وہ پشتو کا مشہور لوک سانگ گنگنایا تھا۔ لالہ نے ایک غصیلی نگاہ اس پر ڈالی اور واپسی کے لیے مڑی تھی۔

☆☆☆

''خان۔'' مؤدب پکار پر سہراب علی خان نے جھٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ وہ ابھی، ابھی اوزگل اور گل بینہ کو الوداع کہہ کے آئے تھے۔ ابراہیم وقت پر پہنچ گیا تھا۔ بچپن سے وہ ان کا نمک کھا رہا تھا۔ ان کے لیے قابلِ اعتبار تھا۔ تبھی ان کے جانے کے بعد وہ اطمینان سے لان میں بچھے تخت پر آرام کررہے تھے کہ شاہ سوار کی آواز نے انہیں اٹھنے پر مجبور کردیا۔

''خان! چھوٹی بیبیوں کے جاتے ہی آپ کے حکم کی تعمیل کردی گئی ہے۔ تہ خانے کا ایک اور کمرا صاف کروادیا ہے۔'' ان کی آنکھیں کھلتے دیکھتے ہی وہ سر جھکائے بولا۔

''مکین بھی پہنچا دیا یا نہیں۔'' انہوں نے اٹھتے ہوئے سگار جلاتے ہوئے پوچھا۔

''پہنچا دیا خان۔''

''کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا۔'' خان کی گہری نظریں اس پر جمی تھیں۔

''بہت شور مچایا خان۔ اب بھی کافی شور مچا رکھا ہے۔'' اس کے لہجے میں بیزاری جاگی۔ سہراب علی خان اٹھ کھڑے ہوئے اور تیز قدم اٹھاتے حویلی کے دائیں طرف بنے چھوٹے سے دالان سے ہوتے کچی دیوار کے اس طرف بنے کھنڈر نما حصے میں آگئے جہاں چرند پرند بھی پر مارنے سے خوف کھاتے تھے۔ یہ جگہ کافی بڑی تھی۔ تین اطراف چھوٹی، چھوٹی کوٹھڑیاں بنی تھیں جو سب چھوٹے سے دروازے سے ایک دوسرے سے جڑی تھیں۔ وہ ایک کوٹھڑی میں داخل ہوئے۔ یہاں دروازے کے بالکل قریب سیڑھیاں نیچے جارہی تھیں۔ سہراب علی خان نیچے اترنے لگے۔ شاہ سوار بھی ان کے پیچھے تھا۔ نیچے اندھیرا بڑھتا جارہا تھا اور سیلن کی بُو بھی۔ سہراب خان نے رومال جیب سے نکال کر چہرے پر باندھ لیا تھا۔ شاہ سوار نے نیچے اترتے ہی لائٹ آن کردی تھی۔ لائٹ آن کرتے ہی کسی کی زخمی چیخ سناٹے کا گلا چیر گئی تھی۔

اردگرد کئی سلاخوں کے دروازے لگے تنگ کمرے تھے جن میں ہر عمر کے افراد نڈھال سے پڑے تھے۔ ان میں مرد بھی تھے عورتیں بھی۔ لیکن کسی نے بھی اٹھ کر نہ تو اس کا استقبال کیا تھا نہ ہی اس کی آمد کا نوٹس لیا تھا۔ سب کے سب جیسے بے جان پڑے تھے۔ بس ایک وجود تھا جو اچھل کر چیخ مارتا سلاخوں سے آلگا تھا۔ سیلن کی بُو تیز ہونے لگی تھی، ٹھنڈی...... غلیظ......

''تیری پکڑ ہوگئی...... اور اسے تو سلاخوں کے پیچھے نہیں ڈال سکتا۔'' وہ کمزور سا وجود یوں سلاخوں سے ٹکرایا تھا جیسے ابھی انہیں ڈھا دے گا۔ رومال کے پیچھے چھپے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

''کون پکڑے گا مجھے...... کون......؟'' وہ اس کے قریب آکر کروفر سے بولے۔

وہ قہقہے لگانے لگی اور پھر اس نے اچانک جھپٹا سا مارا تھا اور سہراب کے چہرے سے نقاب کھینچ لیا تھا۔ وہ گھبرا کے فوراً پیچھے ہوگئے تھے۔

''ہاہا...... ہا...... ہاہا...... ہا۔'' وہ قہقہے لگانے لگی۔ تالیاں بجانے لگی۔ سہراب کے چہرے کے زاویے بگڑنے لگے۔

''دیکھ...... کیسے ڈر گیا تو......'' وہ ہنستے، ہنستے کہنے لگی۔

''ایسے ہی روئے گا...... گھبرائے گا۔'' وہ تالیاں بجائے گئی۔

''تیری پکڑ ہوگئی...... تیری پکڑ ہوگئی۔'' وہ زیادہ شور کرنے لگی تھی۔ سہراب تیزی سے واپس مڑے تھے۔ شاہ سوار نے ان کی تقلید کی تھی۔

☆☆☆

پتھریلی سڑک سے کشادہ صاف ستھرے مین روڈ پہ چڑھتے ہی گاڑی دوڑنے لگی تھی۔ سفر آرام دہ ہوتے ہی اوزگل اور گل بینہ نے سکھ کی سانس لی تھا۔ اوزگل اب مطمئن ہوکر اشتیاق سے باہر بھاگتے مناظر میں کھو گئی۔ وہ زندگی میں پہلی بار حویلی سے باہر نکلی تھی، وہ بھی اتنے لمبے سفر پر ہر اک منظر اس کے لیے واقعی نیا اور حیران کن تھا۔

تقریباً سنسان روڈ پہ بلیک ہائی لکس فراٹے بھرتی جارہی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ ابراہیم حیات نے سنبھال رکھی تھی۔ چاروں بدرگے (باڈی گارڈز) گاڑی کے پچھلے کھلے حصے میں بیٹھ گئے۔

اوزگل کا سارا دھیان باہر کے مناظر پر تھا اور گل بینہ...... وہ تو اس قدر خوش تھی کہ کچھ بھی اس کی توجہ حاصل نہیں کر پا رہا تھا۔

''سنو......'' اس نے اچانک پکارا تو اوزگل چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ ابراہیم ...... اپنی دُھن میں مگن گاڑی چلائے جارہا تھا۔

''اے ڈرائیور......'' اب کی بار وہ تیز لہجے میں بولی اور اس بار ابراہیم بھی چونک پڑا تھا۔

''میوزک آن کرو۔'' شہزادیوں کی طرح حکم جاری کیا گیا۔ ڈرائیور اتنا حیران ہوا تھا کہ گاڑی کی اسپیڈ ایک دم کم ہوگئی تھی۔ لیکن بہرحال اس نے بیک ویو مرر میں نظر اٹھا کر شہزادی کو دیکھنے سے اجتناب برتا تھا۔ اوزگل نے البتہ اس شہزادی کے پہلو میں کہنی ضرور دے ماری تھی جس پر وہ بری طرح اچھلی تھی۔

''کیا مصیبت ہے؟'' وہ پہلو مسلتی اوزگل کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے بولی۔ چادر بھی چہرے سے ہٹ چکی تھی۔

''مصیبت مجھے ہے یا تمہیں......'' وہ اس کا بازو دبوچتی اس کے کان میں سرگوشی کرگئی۔

''باء جی کو خبر بھی ہوئی ناں تو جان لے لیں گے تمہاری......'' اس کے لہجے میں خوف تھا، ڈرائیور نے اسپیڈ بڑھادی تھی۔ میوزک البتہ ابھی آن نہیں کیا تھا۔

''اور چہرہ چھپاؤ اپنا...... پاگل ہوگئی ہو کیا؟'' اوزگل نے زبردستی اسے نقاب کرانا چاہا۔ اس نے تیزی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

''بابا جی کو کون خبر دے گا تم یا یہ ڈرائیور......'' وہ تیز لہجے میں بولی۔ ڈرائیور کے لب بھینچ گئے تھے۔

''مینے......'' اوزگل بے بسی سے اسے دیکھ کے رہ گئی۔

''تم نے سنا نہیں میوزک آن کرو......'' وہ اب پھر ڈرائیور سے مخاطب تھی۔ اس بار اس نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے پلیئر آن کر دیا تھا۔ گل مینہ بے فکری سے سر دھننے لگی تھی۔ اوزگل اس پر بے بسی سے نظر ڈالتے باہر دیکھنے لگی تھی۔ گاڑی ہوا کے دوش پر گویا محوسفر تھی۔

یونہی بے فکری سے اِدھر اُدھر دیکھتی گل مینہ کی نگاہ اچانک ہی سامنے شیشے میں نظر آتے اس چہرے پر پڑی تھی۔

وہ مکمل طور پر ڈرائیونگ کی طرف متوجہ تھا۔ اٹھی نظریں سامنے راستے پہ جمی تھیں۔ لیکن اس کی آنکھوں سے چھلکتی حیا...... وہ کتنے ہی سمے اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی...... لیکن...... ڈرائیور (ابرہیم حیات) اس نے ایک دفعہ بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

''مرد ہو...... اکیلا ہو...... اور پھر خان زادیوں کا ساتھ...... پھر بھی مارے تجسس کے نگاہ نہ اٹھائے۔'' اسے دیکھتے ذرا سا آگے ہو کر بیٹھتے ہوئے گل مینہ نے سوچا۔

''سنو......'' بلا ارادہ ہی اس کے منہ سے پھسلا تھا۔ اور بے اختیار ہی نظریں اٹھی تھیں۔ اور گل مینہ کی نظروں سے نظریں ٹکراتے ہی اس نے کسی الھڑ دوشیزہ کی طرح نظریں پھیر لی تھیں لیکن گل مینہ......

گل مینہ نظریں نہ پھیر سکی تھی۔

چار سو کچھ سنہرا سا چمکتا محسوس ہونے لگا تھا۔

محبت کی پری نے جادوئی چھڑی گھما دی تھی۔

لیکن اس دفعہ شہزادے نے نہیں، سنڈریلا نے اپنے محبوب کو تلاش لیا تھا۔ گل مینہ کے لبوں پر محبت، سنہری مسکان کی صورت چمک رہی تھی...... روشنی دے رہی تھی۔

☆☆☆

وہ کون تھا......؟ کہاں کا تھا......؟ یہ سب باتیں اس کے لیے بے معنی سہی لیکن وہ اتنا ضرور جان چکی تھی۔ ضیا علی خان کا اس کی زندگی میں آنا بے مقصد نہیں تھا۔

اس نے دلدل کا راستہ خود چنا تھا...... وہ بھی صرف غصے اور ضد میں آکر...... ورنہ وہ دل و جان سے صرف اپنے عبدل کو چاہتی تھی...... تبھی شاید خدا نے اسے ایک گناہِ کبیرہ سے بچا کر سزا کے طور پر گناہوں کی دلدل میں لا پھینکا تھا۔ اور یہاں آکر اس پر آشکار ہوا تھا۔ عورت کے لیے چادر اور چار دیواری کتنی بڑی نعمت ہے۔

اس سیلن زدہ ماحول میں وہ لحہ، لحہ انگاروں پر لوٹی تھی...... ایک، ایک پل اس نے خوف کے پل صراط کو عبور کرتے گزارہ تھا۔ اور اسی اللہ سے پناہ مانگتی رہی تھی جس کے احکامات کو پس پشت ڈال کر اس نے خود اس ذلالت کو چنا تھا۔ وہ کم عقل تھی...... راہ بھٹک گئی تھی۔

لیکن وہ وقت سے پہلے سنبھل بھی گئی تھی...... تائب ہوئی تھی۔ اور تبھی مایوسی کے، گناہ کے دلدلی اندھیرے میں ضیا روشنی بن کر آیا تھا۔

''اللہ کے بعد اگر میں کسی کو مدد کے لیے پکاروں گی تو بلاشبہ وہ تم ہو ضیا علی خان......'' ہاتھ میں پکڑے اس ننھے موبائل پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے اس نے خود کلامی کی تھی۔ جو ضیا نے جاتے وقت اس کے سپرد کیا تھا تاکہ وہ اس سے رابطے میں رہے۔

☆☆☆

سہ پہر ہونے کو تھی لیکن مری کی خوب صورت وادیوں میں صبح سے شروع ہونے والی اس مدھر کن من نے جیسے نہ رکنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ ایسے موسم میں بھی لوگ باہر انجوائے کر رہے تھے۔ نمرہ بھی کچھ دیر تو اسے ساتھ چلنے کا کہتی رہی۔ پھر اس کے مسلسل انکار پر اسے وہیں چھوڑ کر گروپ کے ساتھ گھومنے چلی گئی۔

لالہ نے سڑک کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے

پردے ہٹائے اور کھڑکی کے دونوں پٹ وا کیے۔ تازہ نم ہوا کے جھونکے نے روح تک میں سرشاری سی بھر دی تھی۔ وہ ڈھلی ڈھلائی سڑک کے پار دور تک پھیلے سبزہ زاروں کو دیکھنے لگی۔ ہر طرف لڑکے، لڑکیاں گروپس کی صورت بکھرے نظر آرہے تھے۔ کچھ لوگ فیملی کے ساتھ تھے۔ وہ بھی خوب انجوائے کر رہے تھے موسم کو...... لالہ اداسی سے مسکرا دی۔

پچھلے دو دن سے وہ اپنے کمرے میں بند تھی۔ میم تبسم خود اسے پوچھنے بھی آئی تھیں لیکن اس نے سر درد اور فلو کا بہانہ گھڑ کر مزید کہیں بھی گھومنے سے انکار کر دیا تھا۔ خود نمرہ اس کی منتیں کر، کر کے تھک چکی تھی لیکن اسے روم سے باہر آنا تھا نہ آئی۔

دو دن پہلے ہونے والا حادثہ کسی آسیب کی طرح اس کے دل و دماغ سے چمٹ کر رہ گیا تھا۔

ضیا علی خان کون تھا؟ اس سے کیا چاہتا تھا؟ وہ یہ سب نہیں جانتی تھی، نہ ہی وہ ضیا علی خان کو جانتی تھی۔ لیکن...... یہ ایک حقیقت تھی کہ ضیا علی خان کی آنکھوں میں نظر آنے والی گہری شناسائی اسے اندر تک دہلا کر رکھ دیتی تھی۔ کبھی، کبھی اسے یوں لگتا تھا جیسے وہ صرف اسی کے لیے ہی آیا ہے۔

اس کا ہر وقت لالہ پر نظر رکھنا...... اس کے پل، پل کی خبر رکھنا، اس کی ذات سے تمام تر آگاہی رکھنا...... یہ محض اتفاق تو ہرگز نہیں تھا اور نہ ہی یہ کوئی جنونی محبت کا عکاس تھا۔ بھلے ہی اس نے ضیا علی خان کی آنکھوں میں اپنے لیے کچھ خاص رنگ دیکھے تھے...... لیکن اس نے ایک دم ہی ان رنگوں پہ کئی دوسرے رنگوں کو غالب آتے بھی دیکھا تھا...... جو تلخی اور درشتی کے تھے، کسی تلخ یاد کے یا شاید کسی درد کے......

لیکن اس کا ضیا علی خان کی زندگی، اس کی کسی یاد یا درد سے کیا واسطہ؟ وہ سوچ، سوچ کر پاگل ہونے لگی تھی۔ لیکن اس پہیلی کا سرا نہ ڈھونڈ پائی تھی۔

''مجھے جلد از جلد اس بارے میں کسی سے بات کرنا ہوگی۔'' اس نے جیسے ایک دم سے فیصلہ کیا تھا۔

''شاویز سے......'' اس نے سوچا۔

''لیکن وہ بہت جذباتی ہے، الٹا بات بگاڑ کے رکھ دے گا۔ سیدھا مارا ماری پر اتر آتا ہے وہ تو......'' اس نے خود ہی نفی بھی کر دی تھی۔

''تو پھر حمزہ......؟'' کسک سی اٹھی تھی دل میں...... کتنے تلخ حوالے جڑے تھے اس شخص سے...... تنہائی میں اسے تحفظ کے، عزت کے خواب دکھانے والا سب کے سامنے کس طرح بھیگی بلی بن جاتا تھا، وہ بھلا بھول سکتی تھی۔

''نہیں، میں ایسا بھی نہیں کر سکتی...... میں اپنے ہاتھوں سے انہیں اپنے کردار پہ آواز اٹھانے کی ہمت نہیں دے سکتی۔'' اس بار بھی اس نے خود کو جیسے منع کیا تھا۔

''جو بھی ہو ضیا علی خان...... تم لالہ کے کردار سے نہیں جیت پاؤ گے۔ کیونکہ میرے پاس سوائے عزت کے کچھ بھی نہیں...... ہاں کچھ بھی نہیں......'' اس نے خود کو مضبوط کرتے ہوئے، اندر کے خلفشار کو دھوئیں کے مرغولے کی صورت ہوا کے سپرد کیا تھا۔ تبھی اس کے موبائل پر میسج ٹون بجی تھی۔ اس نے کوٹ کی جیب سے موبائل نکال کر چیک کیا...... نا معلوم نمبر سے پیغام تھا...... اس نے پیغام اوپن کر دیا۔

''ہائے گارجیئس......! ایک کپ کافی ہوجائے۔'' جگمگاتے حروف کے سامنے مسکراتا آئی کون بنا تھا۔ لالہ کو اپنے ہاتھ شل ہوتے محسوس ہوئے تھے۔ اس نے یونہی نگاہ نیچے سڑک کے کنارے بنے کیفے پر ڈالی...... برآمدے کے ستون سے ٹیک لگائے، دوستانہ انداز میں ہاتھ ہلاتا وہ ضیا علی خان ہی تھا۔ وہ نظریں نہ ہٹا پائی تھی۔

☆☆☆

''شاویز......'' وہ چائے لے کر اس کے کمرے میں آئیں تو وہ پریشان سا بالوں میں انگلیاں دیے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ وہ اس قدر پریشان تھا کہ ان کی آواز بھی نہ سن سکا تھا۔ سبین نے چائے کا کپ میز پر رکھا اور اس کے قریب چلی آئیں۔

''شاویز......!'' ان کے کندھا ہلانے پر وہ بری طرح چونکا۔

''امی آپ...کوئی کام تھا آپ کو......؟'' وہ پریشان سے لہجے میں بولا تھا۔ سبین اگرچہ اس کی ممانی تھیں مگر وہ انہیں امی ہی کہتا تھا، بچپن سے انہوں نے جو پالا تھا اسے۔

''کیوں؟'' سبین مسکرا دیں۔

''تمہارے کمرے میں، میں بنا کام کے نہیں آسکتی کیا؟'' انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''نہیں امی...... میرا مطلب تھا......'' وہ بات نہیں بنا پایا تھا۔

''ایک بات کہوں شاویز......'' انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے ممتا کی ڈھارس سی دی تھی اسے......وہ گم صم نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔

''میرے خیال میں تمہیں نوکری کے لیے اس قدر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔'' دھیمے لہجے میں وہ اسے سمجھانے لگیں۔ ''اچھا بھلا گزارہ چل رہا ہے، تم سکون سے ہر جگہ اپلائی کرتے رہو......جلد یا بدیر اللہ پاک کرم کر ہی دیں گے۔''

''سکون کیسے آئے امی......؟'' وہ تڑپ کے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''آپ جانتی ہیں میں شروع سے ہمیشہ ٹاپر رہا ہوں۔ باریال اور میرے دوسرے دوست تو بہت پیچھے تھے مجھ سے......لیکن آج وہ اتنی اچھی جگہ جاب پر ہیں اور میں......گولڈ میڈلسٹ شاویز زیدی دَر دَر کی ٹھوکریں کھا رہا ہوں۔'' اس کے لہجے میں غصہ تھا لیکن کچھ اور بھی......جس نے سبین زیدی کو چونکا دیا تھا۔ وہ اٹھ کر اس کے قریب آئیں۔ ان کی آنکھوں میں دکھ سا تھا۔

''حق تو یہ تھا کہ میں آج کسی اونچی پوسٹ پر کام کر رہا ہوتا اور باریال جیسے لوگ تو میرے انڈر کام کرنے کے بھی قابل نہیں تھے۔ ہمیشہ نوٹس تک میں میرے محتاج رہتے تھے اور آج آفس کی شاندار گاڑیوں میں اڑتے پھر رہے ہیں۔'' اس کا لہجہ تلخ تھا۔

''تم حسد کر رہے ہو شاویز......؟ وہ بھی اپنے دوست باریال سے۔'' انہیں تاسف نے گھیرا۔

''ہاہ......آج کل کے دور میں کوئی کسی کا دوست نہیں ہوتا امی...... اور یہ جو باریال ہر دوسرے روز یہاں آجاتا ہے تو آپ کا کیا خیال ہے میری دوستی میں۔'' وہ ایک، ایک لفظ چبا کر بول رہا تھا اور سبین کے اندر دکھ سا بھرتا جا رہا تھا۔

''نہیں امی نہیں...... وہ تو یہ سب مراعات دکھانے آتا ہے، میرا دل جلانے......صرف اور صرف میرا دل جلانے......''

''تم غلط سوچ رہے ہو شاویز......'' سبین نے اسے سمجھانا چاہا۔ تبھی باہر گیٹ پر زوردار دستک ہوئی تھی۔ شاویز سر جھٹکتا باہر نکل گیا۔ سبین اس کے رویے کو ہی سوچتی رہ گئیں۔

☆☆☆

اسے بالکل امید نہیں تھی کہ گیٹ کھلنے پر اسے اس ہستی کا سامنا کرنا پڑے گا جس سے وہ آج تک شدید نفرت کرتا آرہا تھا۔

وہ صرف چند برس کا تھا جب اپنی محبوب بیوی کی وجہ سے وہ اسے ہمیشہ کے لیے اس در پر پھینک کر چلے گئے تھے۔ اور کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ لیکن نہ جانے کیا بات تھی کہ وہ چہرہ آج تک شاویز کے دل و دماغ سے محو نہیں ہو پایا تھا۔ شاید یہ اس نفرت کی شدت تھی جو وہ اپنے دل میں ان کے لیے محسوس کرتا تھا۔ اب بھی انہیں اپنے سامنے دیکھ کر وہ جھٹ سے دروازہ بند کرنے لگا تھا۔ جب انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اسے ایسا کرنے سے روک دیا۔

''صرف چند باتیں کرنی ہیں تم سے۔'' ان کی آنکھوں سے چھلکتی پیاس ان کے لبوں پر آپہنچی تھی......لیکن شاویز کو اب جیسے کسی جذبے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

''آپ کو لگتا ہے کہ آپ نے کچھ بھی کہنے کا حق چھوڑا ہے اپنے پاس......؟'' وہ طنزیہ لہجے میں کہتے ہوئے زخمی سا مسکرایا۔

''بالکل......تم ٹھیک کہہ رہے ہو شاویز......میں ہر حق کھو چکا ہوں......'' انہوں نے بھیگتے لہجے میں فوراً اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ شاویز نے نظریں پھیر لیں۔

''لیکن تمہارے پاس وقت ہے شاویز......تم میری والی غلطی نہ دُہراؤ......اپنے حقوق نہ گنواؤ میرے بچے......'' وہ منت پر اتر آئے تھے۔

''بس صرف ایک بار آرام سے بیٹھ کر میری بات سن لو......'' شاویز نے ایک بے بس سی نظر ان کے تھکے، تھکے وجود پر ڈالی اور پھر اندر آکے بیٹھک کا دروازہ کھول دیا۔

''جلدی بات ختم کریں، میرے پاس زیادہ وقت نہیں۔'' ان کے بیٹھتے ہی شاویز نے بنا کسی لحاظ کے کہا تھا۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھے گئے تھے۔

وہ ہو بہو ان کی شکل و شبہات چرا کر لایا تھا۔ دراز قد، چوڑے شانے، بے حد پتلی ٹانگیں جو عجیب سی لگنے کے بجائے اس کی شخصیت کو مزید نکھار سا دیتی تھیں۔

اور ان کی طرح ہی ڈارک براؤن چمکدار آنکھیں، بلاشبہ وہ ان کی کاپی تھا۔ اللہ نے کس قدر بڑی نعمت سے انہیں نوازا تھا اور انہوں نے خود ٹھوکر مار کر اسے خود سے کس قدر دور کر دیا تھا۔

''کبھی، کبھی میں سوچتا ہوں شاویز......مجھ سے زیادہ بدبخت اس دنیا میں شاید ہی کوئی اور ہوگا۔'' نظریں جھکاتے ہوئے انہوں نے بولنا شروع کیا تھا۔ شاویز لب کاٹنے لگا۔

''صرف اپنی محبت، اپنا گھر بچانے کے لیے اپنی متاعِ حیات تک لٹانے پر اتر آیا میں۔'' ان کی آنکھوں میں ندامت آنسو بن کر نکلنے لگی تھی۔

''میں چاہتا تو کوئی درمیانی راستہ نکال سکتا تھا لیکن اس وقت مجھے صرف ریشم عزیز تھی۔ اس کی بات، اس کا حکم میرے لیے اٹل تھا......'' ان کا لہجہ کمزور پڑ رہا تھا۔ اعترافِ جرم کہاں آسان ہوتا ہے، چاہے کسی

اولاد ہی سامنے کیوں نہ ہو۔

''میں سمجھتا تھا تمہاری ماں اور تمہارے بعد میری زندگی ریشم کے ساتھ ہی مکمل تھی۔'' وہ ذرا دیر رکے۔

''لیکن دیکھو......اس خدا نے ہم دونوں سے کتنا زبردست انتقام لیا۔ لاکھ دوا دارو کے باوجود ہم اولاد کے لیے ترستے رہے۔ کافی عرصے بعد ہر طرف سے مایوس ہونے کے بعد ریشم نے مجھے کہا کہ میں تمہیں ہی واپس لے آؤں۔ لیکن میں اس وقت خود کو شاید اتنا کمزور نہیں سمجھتا تھا کہ مجھے کسی سہارے کی ضرورت تھی۔ پھر میں یہ بھی جانتا تھا کہ تم کبھی میرے ساتھ واپس نہیں آؤ گے۔ کیونکہ ابھی تم کم عمر تھے اور میرے لگائے ہوئے زخم تازہ......لیکن......آج ریشم کے جانے کے بعد پہلی بار مجھے لگا...... میں نے زندگی میں تمہیں نہیں، اپنی زندگی ہاری ہے۔'' ان کا سر جھکا تھا اور شاویز کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ آٹھہری تھی۔

''صاف لفظوں میں کہیں ناں......ایک بوڑھے تنہا آدمی کو سہارے کی ضرورت آن پڑی ہے۔'' اس کا لہجہ تلخ تھا۔

''بالکل......لیکن مجھ سے بھی زیادہ میرے بزنس کو تمہاری ضرورت ہے۔'' انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''میرا سب کچھ تمہارا ہے۔ اور اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ چلو تاکہ میں تمہارا حق تمہیں لوٹا سکوں......'' اب کی بار بات کرتے ہوئے ان کا لہجہ صاف تھا۔ اعتراف اور اقرار نے دل پر دھرے بوجھ کافی ہلکے کر دیے تھے۔

''آپ کو کیا لگتا ہے۔ میں آپ کے یوں لوٹ آنے پر آپ کے ساتھ چل دوں گا۔'' وہ ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تیز لہجے میں بولا۔

''تمہیں چلنا چاہیے۔'' وہ مسکرائے۔

''کیونکہ تم میرے بیٹے ہو......اور میری ہر چیز پر تمہارا حق ہے...... مجھے سزا دینے کے لیے تمہارا اپنے حق سے دستبردار ہونا مناسب نہیں۔'' انہوں نے اس

کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ وہ تیزی سے ایک طرف ہو گیا۔ وہ مسکرا دیے۔

"اور پھر تمہیں یوں در، در چھوٹی موٹی نوکریاں ڈھونڈنے کی بھی ضرورت نہیں...... ایک روشن مستقبل تمہارا منتظر ہے بیٹا۔"

"آپ جا سکتے ہیں۔" شاہ ویز کافی بدلحاظ تھا۔ وہ اسے دیکھتے رہ گئے۔

"میں تمہارا انتظار کروں گا۔" کافی دیر بعد انہوں نے اسے تکتے ہوئے کہا اور بیٹھک سے باہر نکل گئے۔ شاویز نے زوردار لات سامنے پڑے صوفے کو رسید کی اور پھر وہیں ڈھے سا گیا۔

☆☆☆

"خدا کے لیے لالہ نکل آؤ اپنی خوش فہمی سے۔" صبح سے ضیا علی خان کے خلاف اس کے لیکچر سنتی نمرہ نے تنگ آ کے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ اس کی تو گویا زبان تالو سے چپک گئی۔

"اب ایسا بھی خونخوار بندہ نہیں ہے کہ سامنے آتے ہی تمہیں نگل جائے گا۔" وہ سخت غصے میں تھی۔ لالہ بے بسی سے اسے دیکھے گئی۔

"خدا کی پناہ! تم نے تو سر پر سوار کر لیا ہے اس ضیا کو......" اس کا بس نہیں چل رہا تھا کچھ اٹھا کر اس کے سر پر نہیں تو دیوار پر ہی دے مارے۔

"اتنے اچھے موسم میں سیر و تفریح کے اتنے اچھے چانس کو مس کر رہی ہو تم۔" وہ بری طرح خفا تھی۔

"تمہیں کیا فرق پڑتا ہے۔" لالہ بھی آخر تپ ہی گئی۔

"جاؤ ناں...... تم کرو سیر...... تمہیں کب منع کیا ہے میں نے۔" وہ اس سے بھی تیز آواز میں چلائی۔

"تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔" نمرہ نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

"اچھا......" لالہ تو تڑپ کے اٹھی۔

"تو اب خبردار جو مجھ سے بات کرنے کی کوشش کی۔" وہ اٹھ کر تیزی سے اپنا بیگ پیک کرنے لگی تھی۔ اسے اب جا کر کسی اور دوست کے ساتھ روم شیئر کرنا تھا۔ نمرہ کے ساتھ ہرگز نہیں...... اس نے سوچ لیا تھا۔

"جاؤ، جاؤ یہاں کون مرا جا رہا ہے تم سے بات کرنے کے لیے۔" نمرہ نے بھی اس بار مکھی اڑاتے ہوئے بے فکری سے کہا تھا۔ اور اس کی یہ ادا لالہ کو مزید تپا گئی تھی۔ وہ جھٹکے سے بیگ اٹھاتی، پیر پٹختی کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔ نمرہ نے تکیہ اٹھا کر دیوار پر دے مارا تھا۔

☆☆☆

"گل......" گل مینہ نے نیند کی وادیوں میں اترتی اوزگل کو دھیرے سے پکارا تھا۔ لیکن وہ اس قدر گہری نیند میں تھی کہ کوئی رسپانس نہ دیا...... گل مینہ نے ایک بے بس سی نگاہ بے فکر سوتی اوزگل پر ڈالی تھی۔ پھر اٹھ کر کھڑکی کے پاس آ ٹھہری تھی۔ یہ پشاور میں ان کی پہلی رات تھی۔

اس نے کھڑکی کھول کر پردے ہٹا دیے۔ پورے چاند کی رات بے حد حسین تھی یا پھر یہ اس کے اندر کی روشنی تھی جو ہر شے کو سنہری پن عطا کیے جا رہی تھی۔

آسمان صاف تھا۔ پورا چاند ستاروں کے جھرمٹ میں پورے فخر سے چمک رہا تھا۔ وہ کچھ دیر یونہی چاند کو تکتی رہی۔

"مینے......" اوزگل کی پکار پر وہ بری طرح چونکی۔

"اتنی رات کو یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو؟" دوپٹا اچھی طرح اپنے گرد جماتے اس نے حیرانی سے اس سے پوچھا۔

"پتا نہیں گل......" اس نے چند لمحے اوزگل کو خاموشی سے تکنے کے بعد دوبارہ کھڑکی کے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

"آج جیسے ساری دنیا بدل گئی ہے۔"

"ظاہر ہے، ہم پہلی مرتبہ گاؤں سے اتنی دور آئے ہیں پھر ضیا بھی نہیں ہے، ورنہ ہمیں اتنی اجنبیت محسوس نہ ہوتی۔" اوزگل جمائی لیتے ہوئے دوبارہ بستر پر لیٹتے ہوئے بولی۔

"یہی تو مسئلہ ہے گل......" وہ دھیرے، دھیرے چلتی اس کے قریب آ گئی۔ اوزگل نے سائڈ ٹیبل پہ دھرا ٹیبل لیمپ آن کر دیا تھا۔ روشنی سی پھیلی تھی کمرے میں......

"مجھے اجنبیت نہیں سب کچھ اپنا، اپنا سا لگ رہا ہے۔ ایسا احساس کبھی نہیں ہوا مجھے۔" وہ اوزگل کی طرف دیکھتے ہوئے کھوئے، کھوئے لہجے میں بولی تھی۔

"کیسا احساس......؟" اوزگل نے ناسمجھی سے پوچھا۔

"خود کو کھو دینے کا احساس گل......" وہ مزید اس کے قریب ہوئی تھی۔

"مجھے لگتا ہے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔" اس کی آنکھوں میں چمکتے رنگوں کو سمیٹتے ہوئے بھی نہ جانے کیوں اوزگل نے نظریں چراتے ہوئے کہا تھا۔ اور دل ہی دل میں اپنے خدشے کے جھوٹے ہونے کی دعا بھی کی تھی۔

"اب آرام سے سو جاؤ اور مجھے بھی سونے دو...... شاباش......" اسے ساتھ ہی لٹاتے ہوئے اس نے ٹیبل لیمپ آف کرتے ہوئے کہا تھا۔ اور خود بھی پلکیں موند گئی تھی۔

"وہ کتنا خوب صورت ہے ناں اوزگل......" اور اوزگل کو لگا اس سے بھیانک سپنا وہ ساری زندگی نہیں دیکھ پائے گی اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دی تھیں۔

"اس کی آنکھ میں حیا کتنا جچتی ہے اس پر......" وہ جیسے کسی سحر میں گرفتار بولے جا رہی تھی۔

"وہ کتنا جدا ہے ناں سب سے۔" اس کے لہجے اس کے انداز میں صرف محبت بول رہی تھی...... سچی محبت......

"اس نے تو خان زادیوں پر نگاہ تک نہ ڈالی...... کتنا حیادار ہے ناں وہ......"

"کون......؟" اوزگل کو اپنی آواز کسی گہری کھائی سے آتی سنائی دی تھی۔

"وہی ناں......" وہ اس کی طرف رخ کر کے لیٹ گئی۔

"جس کے ساتھ آج ہم یہاں سفر کر کے آئے ہیں۔" اس کے لہجے میں جوش تھا۔

"ابراہیم حیات......!"

اوزگل بول نہ سکی تھی۔ دل ہی دل میں اپنی پیاری بہن کے لیے دعائیں کی تھیں جو اس کے خیال میں موت کے راستے پر قدم دھر چکی تھی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی۔ خان زادی اگر کبھی محبت کے راستے پر قدم دھرتی ہے تو اس کی منزل صرف موت ہوتی ہے۔ وہ بھی ذلت کی موت...... رسوائی کی موت......

☆☆☆

"یہ اب کیوں آیا تھا......؟" نانو کے سوال پر شاویز کو حیرت کا شدید جھٹکا سا لگا تھا۔

یہ بڑے بزرگ بھی ناں آہٹ سے پہچان لیتے ہیں نئے پرانے سب رشتوں کو نہ جانے کیوں شاویز کو ان کی آنکھیں بھیگی، بھیگی سی محسوس ہوئیں۔

"میری سوئی محبت جاگ اٹھی ہے نانی...... یا پھر یوں کہیں کہ میری ضرورت آن پڑی ہے انہیں......" وہ تلخی سے بتانے لگا۔

"ہم...... م......" نانو اداسی سے زمین کو تکنے لگیں۔

"آپ کو اب بھی امی کا دکھ ستاتا ہے ناں نانو...... شکر کریں کہ ان جیسے مطلبی شخص سے جان چھوٹی ان کی۔" نانو کو اداس دیکھ کر اسے بے حد برا لگا تھا۔

"پاگل......" نانو نے پیار سے اس کی پیشانی چوم لی۔

"مرنے والوں کا کیا دکھ......" ان کی ضعیف آنکھوں میں پانی تیرنے لگا۔

"دکھ تو زندوں کا ہوتا ہے۔ مجھے تو ساری عمر بس تیرا غم کھاتا رہا...... ماں، باپ کے ہوتے ہوئے یتیموں......"

"نانو......" اس نے ان کے تھرتھراتے لبوں پر ہاتھ رکھ کر بات مکمل کرنے سے روک دیا۔

"مجھے جن رشتوں کا احساس ساری عمر نہیں ہونے دیا...... اب کیوں کروانا چاہتی ہیں، یقین کریں میں ان کے بغیر ہی زیادہ خوش ہوں۔" مضبوط لہجے میں کہتا وہ بازو ان کے گرد حمائل کر گیا تھا۔ نانو نے بھی مسکراتے ہوئے اسے ساتھ لگا لیا تھا۔

☆☆☆

وہ مزید دو دن مری رکے تھے......اور ان دو دنوں میں ان میں سے ایک نے بھی لچک دکھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ لالہ کو نمرہ پر جس قدر غصہ تھا، نمرہ بھی اس مرتبہ اسی قدر ناراض تھی اور کسی حد تک اس کی بات تھی بھی صحیح......وہ یہاں گھومنے پھرنے موج منانے آئی تھی......اور لالہ نے نہ صرف سارا مزہ کرکرا کر دیا تھا بلکہ الٹا ناراض بھی وہی ہوتی ... رہی تھی۔ اور دونوں نے ہی ناراضی میں یہ سوچا تک نہیں تھا کہ کوئی تیسرا تھا جو نہ صرف ان کی ناراضی سے واقف تھا بلکہ ایسے کسی موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش میں بھی......

آج ان کو واپسی کے لیے نکلنا تھا۔ صبح نو بجے سب کو یونیورسٹی بس میں سوار ہو جانے کی ہدایت ملی تھی۔ لالہ اپنا سامان رکھوا کے باقی کچھ لڑکیوں کے ساتھ فریش ہونے کے لیے دوبارہ کمرے میں گئی تھی۔

باقی لڑکیاں وقت پر ہی بس پہ واپس پہنچ گئی تھیں لیکن ان میں سے کسی کو بھی لالہ کا خیال نہیں آیا تھا۔ بالکل سامنے والی سیٹ پر بیٹھی نمرہ کو بھی نہیں، وہ لالہ سے سخت ناراض تھی۔ اور ویسے بھی بقول لالہ کے وہ اپنا خیال زیادہ اچھے سے کر سکتی تھی۔ سو اسے کیوں پروا کرنی چاہیے تھی۔ بس نے روانہ ہوتے ہی اسپیڈ پکڑ لی تھی۔ نمرہ نے ہینڈز فری کانوں میں اڑسے اور باہر کے مناظر دیکھنے لگی۔

اس بات سے بے خبر کہ ہوٹل کے کمرے کے واش روم میں بند لالہ کس قدر خوفزدہ انداز میں دروازہ دھڑ دھڑائے جا رہی تھی......کسی نے اسے واش روم میں لاک کر دیا تھا۔

☆☆☆

کافی سفر طے کر لینے کے بعد اچانک ہی کسی لڑکی کو لالہ کی غیر موجودگی کا احساس ہوا۔ وہ بری طرح چلائی تھی۔ سب اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

''میم......لالہ نہیں ہے ہمارے ساتھ۔'' سب کے چہروں پر عجیب سے تاثرات دیکھ کر نمرہ بھی متوجہ ہوئی اور اصل بات سن کر صحیح معنوں میں اس کے ہوش اڑ گئے تھے۔

''میم، ضیا بھی نہیں ہے۔'' شاہد نے توجہ دلائی۔

''ہاں، وہ تو اپنی گاڑی میں واپس آئے گا لیکن لالہ......'' وہ بے حد پریشان ہو گئی تھیں۔ نمرہ کا تو دل ڈوبنے لگا تھا۔ اسے خود پر غصہ آنے لگا۔

''ہم، ضیا کو فون کریں۔ کیا پتا لالہ اس کے ساتھ ہو۔'' ایک لڑکی نے تجویز دی۔

''بالکل نہیں میم...... لالہ، ضیا کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ وہ تو اس سے بے حد چڑتی ہے۔'' نمرہ تڑپ کر بولی۔ ''پلیز میم واپس چلتے ہیں۔'' اس نے تبسم سے ریکوئسٹ کی۔

''مجھے ضیا سے پوچھنے دو۔ کیا پتا وہ ابھی نہ نکلا ہو۔ اگر ایسا ہے تو وہ لالہ کو ساتھ لے، لے گا۔'' انہوں نے موبائل پر ضیا کا نمبر ڈائل کرتے ہوئے اسے تسلی دی تھی۔ دوسری بیل پر ہی ضیا نے کال ریسیو کر لی۔

''ضیا تم کہاں ہو؟'' میم نے فوراً پوچھا۔ اسپیکر آن کرتے ہوئے۔

''میم نکل رہا ہوں بس میں بھی۔'' اس نے جواب دیا۔ ''کیوں......خیریت میم......؟''

''اصل میں لالہ بس میں نہیں ہے تم اگر......''

''لالہ میرے ساتھ ہے......'' ضیا نے ان کی بات کاٹتے ہوئے جواب دیا تھا۔ اور نمرہ کو لگا کسی نے پگھلا ہوا سیسہ اس کے کانوں میں ڈال دیا تھا۔

''لیکن......'' میم تبسم مطمئن تو ہوئیں لیکن پھر بھی پوچھے بنا نہ رہ سکیں۔

''میم میں وہاں آ کر آپ کو تفصیل بتا دوں گا۔ ابھی راستے میں ہوں اور یہاں کافی رش ہے۔'' ضیا نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

''اوکے، اوکے......اللہ حافظ......'' انہوں نے فوراً کال بند کر دی تھی۔ سب کی جان میں جان آئی تھی۔ لیکن نمرہ......اسے ایک مرتبہ پھر اپنی سادگی پر بے انتہا غصہ آ رہا تھا۔

(باقی آئندہ)



اللہ مالک

ہما علی

سوچوں میں گم آمنہ اپنی ٹیلی فون ڈائری کے اوراق پلٹ رہی تھیں، ڈھونڈ رہی تھیں کوئی ایسا نمبر جسے کافی دنوں سے فون نہ کیا ہو پھر ایک صفحے پر ایک اجنبی نام کے ساتھ ایک نمبر لکھا ہوا تھا۔

وہ سوچنے لگیں کہ یہ نمبر کس نے دیا تھا؟ کوئی حوالہ یاد نہیں آ رہا تھا۔ ''چلو خیر نمبر ملا کر دیکھتی ہوں۔'' نمبر کسی مسز طارق کا تھا جو فی سبیل اللہ بچیوں کے رشتے کروائی تھیں۔

بسم اللہ پڑھ کر آمنہ نے نمبر ملائے اور دوسری طرف سے فون اٹینڈ کرنے کا انتظار کرنے لگیں۔ گھنٹی مسلسل بج رہی تھی آخر پانچویں گھنٹی کے بعد ایک نرم سی آواز نے ہیلو کہا تو آمنہ کا حوصلہ بڑھ گیا۔

''السلام علیکم! جی میں آمنہ بول رہی ہوں۔ مسز طارق سے بات کرنی تھی۔''

''جی، جی بول رہی ہوں، کہیے کیسے یاد کیا؟''

دوسری طرف سے مسز طارق نے جواب دیا۔ آمنہ اب خود کو سنبھال رہی تھیں کہ بات کہاں سے شروع کریں یوں تو اب کہانی سناتے، سناتے ازبر ہو چکی تھی مگر آج وہ

شاید کچھ زیادہ ہی مایوس تھیں۔

''میں اپنی بیٹی کے رشتے کے سلسلے میں بات کرنا چاہ رہی تھی۔''

''اچھا بتائیے کیا پڑھا ہے آپ کی بیٹی نے؟''

''وہ میری بیٹی نے ماسٹرز کیا ہے بس کوئی اچھی فیملی ہو تو بتائیں۔''

''جی، آمنہ بہن رشتے تو ہر طرح کے ہیں، آپ اپنی بیٹی کے بارے میں بتائیں رنگ، عمر، قد جسامت وغیرہ......'' بولتے، بولتے مسز طارق ذرا دیر کو رکیں۔''برا نہ مانیے گا آمنہ یہ سب تو لڑکے والے پوچھتے ہیں ورنہ لڑکیاں تو سب کی ہی پیاری ہوتی ہیں۔'' مسز طارق نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

''جی، میں سمجھ سکتی ہوں۔'' پھر آمنہ نے پوری تفصیل سے مسز طارق کو آگاہ کیا پھر بات کو ذرا آگے بڑھاتے ہوئے بولیں۔''مسز طارق بات دراصل یہ ہے کہ ہم نے بیٹی کا نکاح کیا تھا جو ڈیڑھ ماہ رہا لڑکا باہر تھا مگر وہ لوگ بہت ہی demanding تھے یوں رخصتی سے پہلے ہی طلاق ہو گئی۔''

''ارے بالکل پریشان نہ ہوں آمنہ، آج کل تو یہ بڑی عام سی بات ہو گئی ہے کہ نکاح ہوا اور طلاق ہو گئی، یقین کریں میرے پاس ایسی چھ لڑکیوں کے کیسز ہیں، شکر کریں اللہ نے آپ کو برے لوگوں سے بچا لیا۔ آپ بالکل پریشان نہ ہوں میں انشاء اللہ بہت اچھا رشتہ بتاؤں گی۔ آپ کے معیار کے مطابق بس آپ ایسا کریں میرے اسی نمبر پر بیٹی کی تصویر اور تمام تفصیلات سینڈ کر دیں۔ ویسے آپ کی ڈیمانڈ کیا ہے؟'' مسز طارق نے پوچھا۔

''بس فیملی بھی پڑھی لکھی ہو شریف لوگ ہوں، لڑکا ایجوکیٹڈ ہو اور سیٹلڈ...... ہاں لڑکے کی تعلیم پر میں کمپرومائز نہیں کروں گی۔''

''چلیں ٹھیک ہے جیسے ہی کوئی فیملی آپ کے معیار کے مطابق ملے گی تو ضرور آپ سے رابطہ کروں گی ویسے میری ایک جاننے والی ہیں وہ بھی match maker ہیں مگر وہ پیسے لیتی ہیں۔''

''مجھے آپ ان کا نمبر دے دیں۔'' آمنہ نے لپک کر کہا۔ دل میں سوچا کہ چلو چند ہزار میں بھی اگر ایک اچھا گھر، اچھا بر مل جائے تو برا نہیں...... مسز طارق فون پر ان خاتون کا نمبر لکھوانے لگیں۔ وہ بتا رہی تھیں۔

''یہ مسز قاضی ہیں آپ انہیں میرا حوالہ دے کر بات کر لیجئے انشاء اللہ آپ کا کام ہو جائے گا۔''

''جی بہت شکریہ آپ کا میں ابھی فون کرتی ہوں ویسے آپ بھی نظر میں رکھیے گا۔''

''ہاں جی کیوں نہیں...... اللہ حافظ......'' کہہ کر آمنہ نے فون بند کر دیا۔

ایک نیا نمبر ایک نئی امید بن گیا آمنہ میں جیسے جان پڑ گئی۔''شاید ان کے پاس کوئی اچھا رشتہ مل جائے۔'' نئے حوصلے اور ہمت سے فون ملایا۔ رنگ ٹون پر کسی گانے کی دھن لگی تھی سننے میں تو بھلی لگ رہی تھی مگر آمنہ کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ جلدی سے فون اٹھا لیں۔ آخر کافی دیر کے بعد ہیلو کی آواز آئی اور ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کچھ کھاتے ہوئے بول رہی ہیں۔

''ہیلو...... السلام علیکم مسز قاضی بول رہی ہیں؟''

''ہاں جی بول رہی ہوں آپ کون؟''

''جی میں آمنہ بات کر رہی ہوں۔''

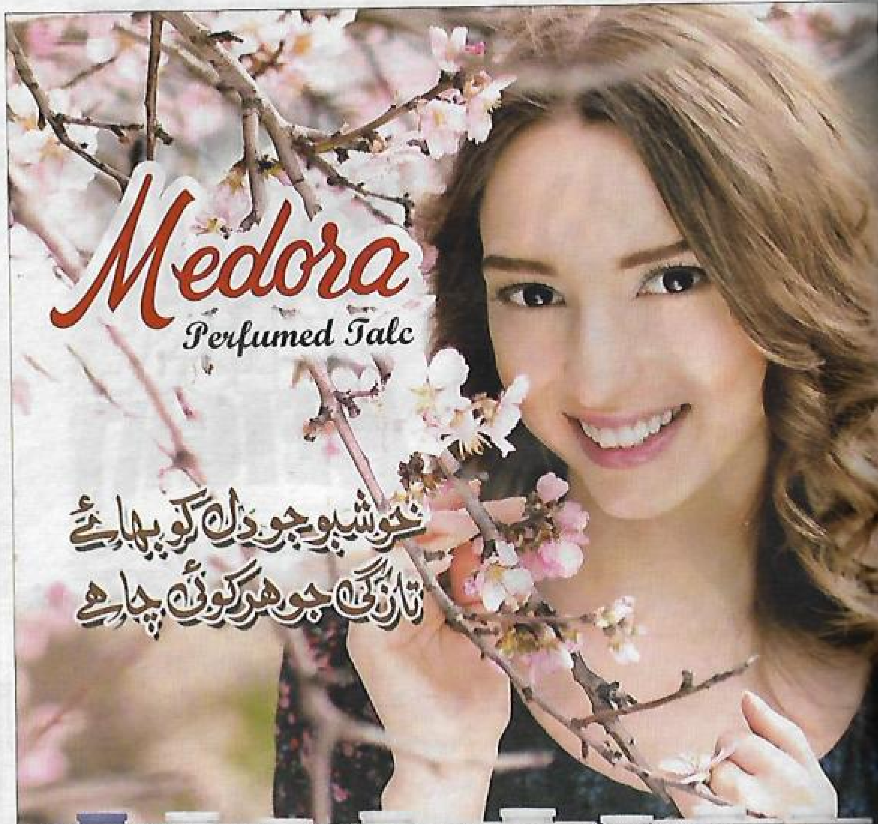
''اچھا ٹھیک ہے آمنہ فرمائیں۔'' لہجہ کافی کاروباری سا تھا۔

''مجھے آپ کا نمبر مسز طارق نے دیا تھا، دراصل مجھے اپنی بیٹی کے لیے مناسب رشتہ چاہیے، مسز طارق بتا رہی تھیں کہ آپ کی کچھ فیس بھی ہے۔''

''ہاں جی بالکل ہے، اب دیکھیں ناں اتنے فون کرنے ہوتے ہیں پھر ٹیکسی پر آنا، جانا خرچہ تو ہوتا ہے، ایڈوانس میں لیتی ہوں، پانچ ہزار، تیس ہزار رشتہ طے ہو جانے پر۔ آپ بتائیں آپ کو کیسا رشتہ چاہیے؟ پہلے اپنی بیٹی کے متعلق بتائیں۔''

آمنہ نے رٹا ہوا سبق فر فر دہرا دیا۔

''اچھا ٹھیک ہے اب یہ بتائیں آپ اردو


Medora
Perfumed Talc
خوشبو جو دل کو بھائے
تازگی جو ہر کوئی چاہے

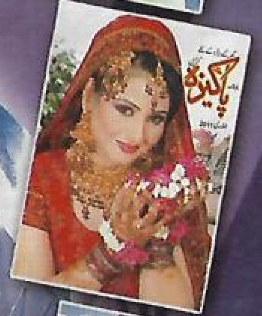

Medora
Perfumed Talc
Season
Pleasure
Cherish
Joy
Passion
Greetings
Dignity
Salute




JASOOSI DIGEST
PUBLICATIONS






پاکیزہ



اسپیکنگ ہیں یا پنجابی، سندھی اور ہاں اپنی کاسٹ بھی بتادیں۔''

''ویسے تو ہم لوگ اردو اسپیکنگ ہیں مگر ہم سب پاکستانی ہیں دوسری کمیونٹی بھی ہو کوئی بات نہیں، بس لوگ پڑھے لکھے ہوں، لالچی نہ ہوں۔ دولت کی ہمیں کوئی لالچ نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے آپ اسی نمبر پر لڑکی کی تصویر مع ساری تفصیل مجھے واٹس ایپ کردیں۔''

''جی وہ تو میں سینڈ کردوں گی' ابھی آپ کے پاس جو رشتے ہیں آپ ان کے متعلق بھی کچھ بتائیں۔'' آمنہ نے بڑی دھیمی آواز سے پوچھا۔

''اوہو وہ تو میں بتادوں گی مگر پہلے لڑکی تو دیکھ لوں۔ پھر اس کے مطابق ہی بتاؤں گی ناں...... ویسے طلاق کیوں ہوئی؟'' سوال ایسے کیا تھا جیسے پتھر مارا ہو۔

''جی، میں نے آپ کو بتایا تو ہے کہ وہ لوگ بہت لالچی تھے۔''

''اچھا، اچھا دو لڑکوں کے رشتے ہیں۔'' مسز قاضی نے اپنی پٹاری کھولنی شروع کی۔

''ایک تو سعودیہ میں ہوتا ہے، پانچ سال شادی رہی، بچہ وچہ کچھ نہیں بڑے پیسے والا ہے، دوسری شادی کرنا چاہتا ہے۔ آپ راضی ہوں تو بات کروں، عمر بھی زیادہ نہیں صرف چالیس کا ہے۔'' آمنہ تو سن ہی ہوگئیں۔ گھبرا کر بولیں۔

''نہیں، نہیں بھئی ایسے رشتے تو نہ بتائیں، میری بچی کنواری ہے پھر عمر بھی زیادہ نہیں ہے، کوئی جوڑ بھی تو ہو آخر۔''

''اچھا آپ ایسا کریں میری سہیلی ہے اس سے رابطہ کریں، اس کے پاس پڑھے لکھے رشتے ہیں۔'' آمنہ نے ٹوٹے، تھکے لہجے میں نمبر مانگا اور شکریہ کہہ کر فون بند کردیا تھا۔

''غضب خدا کا کیسے منہ پھاڑ کر پیسے مانگتی ہیں اور شتہ کیا بتا رہی تھیں، خیر اللہ مالک ہے۔''

مسز قاضی سے لیا ہوا نمبر ملایا، رابطہ ہوتے ہی پوچھا۔

حسین ''پاکیزہ'' کے نام

چاند سا اک چمکتا چہرہ ہو
دل پہ ہر دم خوشی کا پہرہ ہو
آسمانوں پہ نیلے بادل ہوں
من کا موسم سدا سنہرا ہو
سرد رُت میں ہوا بھٹکتی ہو
ہر طرف خوشیوں کا ڈیرا ہو
ہر سُو چھم، چھم برستا ساون ہو
رنگ مہتاب سا سویرا ہو
کوک کوئل کی کانوں میں اترے
سامنے میرے تیرا چہرہ ہو

کلام: نگہت غفار، کراچی

''آپ سعدیہ بول رہی ہیں؟

''ہاں بات کر رہی ہوں۔'' کافی پھٹی ہوئی آواز تھی اپنی سہیلی سے بھی برا لہجہ تھا۔ آمنہ نے اپنا تعارف کروایا مسز قاضی کے ریفرنس سے سعدیہ نے بھی وہ ہی فرمائش کی کہ اپنی فیملی کے متعلق بتائیں۔ سارا قصہ پھر دُہرایا تو سن کر فرمانے لگیں۔

''ایک تو آپ کی بیٹی کی عمر زیادہ ہے پھر طلاق بھی ہے، میری بہن لوگ تو تئیس، چوبیس سال کی لڑکی مانگتے ہیں۔ اب کنوارے رشتے تو ملنے سے رہے۔''

''مگر بیٹی تو میری کنواری ہی ہے۔ رخصتی تو نہیں ہوئی تھی ناں۔'' آمنہ نے تھوڑا سا احتجاج کیا۔

''اوہو یہ تو آپ کہہ رہی ہیں ناں۔'' یہ جملہ سن کر آمنہ کے دل پر چوٹ لگی مگر سہہ گئیں اور بات جاری رکھتے ہوئے بولیں۔

''یہ بات صرف میں ہی نہیں کہہ رہی بات تو سارے خاندان تو کیا جہاں ہم رہتے ہیں سب کو پتا ہے۔ آپ بے شک پوچھ لیں کسی سے بھی۔'' آمنہ کا بی پی

...لگتا تھا بڑھنے لگا ہے، جبھی تو آواز بھی ذرا اونچی ہوگئی تھی۔ دوسری طرف سے ناراضی کا اظہار ہوا۔

”آپ مجھ پر خفا کیوں ہورہی ہیں، میں تو حقیقت بتارہی ہوں۔“

آمنہ کو احساس ہوا کہ وہ کچھ زیادہ ہی بول گئیں اور وہ بھی ترش لہجے میں لہٰذا معذرت کرنے لگیں۔

”میرا مطلب آپ کو غلط سمجھنے کا نہیں تھا۔ ہاں، آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں لڑکے والوں کے دماغ بہت اونچے ہوتے ہیں بس میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ کوئی suitable match ہو تو ضرور خیال رکھیے گا۔“

”ہاں جی آپ فکر ہی نہیں کریں۔ بس آپ نے مجھے کہہ دیا کام کرنے کو تو سمجھیں آپ کا کام ہوگیا۔“ لہجہ پھر کاروباری ہوگیا تھا۔

”ابھی پچھلے دنوں دو رشتے کروائے ہیں میں نے ویسے آپ بیگم بخاری کو جانتی ہیں؟“

”نہیں، میں تو نہیں جانتی یہ کہاں ہوتی ہیں؟ ان کا نمبر دے سکتی ہیں آپ؟“ آمنہ نے پوچھا اس آس پر کہ شاید یہاں ہی بات بن جائے۔ سعدیہ نے نمبر دے دیا اور ساتھ ہی تاکید بھی کردی کہ میرے اسی نمبر پر اپنی بیٹی کی تصویر ضرور سینڈ کردیں۔

شکریہ کہہ کر فون بند ہی کیا تھا اور نمبر ملانے کا ارادہ کر ہی رہی تھیں کہ ظہر کی اذان سن کر ارادہ بدل دیا کہ پہلے اپنے رب کے حضور سجدہ کرلیں پھر دنیا کے نہ ختم ہونے والے کام نمٹائیں گی۔

نماز سے فارغ ہوکر دعا کرنے بیٹھیں تو پتا ہی نہیں چلا کہ کب آنسو بہہ نکلے، ہونٹ ہل رہے تھے صرف اپنے رب سے مانگ رہی تھیں۔ کوئی شکوہ، زبان پر نہیں تھا۔

”میرے اللہ میں تیری رضا میں راضی ہوں تو نے پیدا کیا ہے تو ہی سب کا نصیب لکھنے والا ہے۔ تو ستر ماؤں سے زیادہ اپنی مخلوق سے پیار کرتا ہے تو نے یقیناً میری بیٹی کا نصیب بھی بہت اچھا لکھا ہوگا۔ نہ میرے اعمال ایسے کہ تجھے ان کا واسطہ دوں، نہ میری عبادتیں ایسی...... ہاں ایک بھروسا ہے تجھ پر جو بلا کسی جبر کے کرتی ہوں، بس اسی بھروسے کے صدقے میں میرے رب العزت میری دعائیں قبول کرلے تو، تو ہر چیز پر قادر ہے، تیرے خزانے میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے جو میری بیٹی کا نصیب ہے اسے گھر بھیج دے، میرے مالک ہماری آزمائشوں کو ختم کردے۔ میرے ان خالی ہاتھوں کو اپنے لطف وکرم سے بھردے۔ یا اللہ میری بیٹی کے دکھوں، غموں اور آنسوؤں کو دائمی خوشیوں میں بدل دے۔ آمین ثم آمین......“

اپنے اللہ سے باتیں کرکے دل جیسے ٹھہر گیا ایک سکون سا محسوس ہونے لگا سوچا۔ ”یہ تو سب اللہ کے کرنے کے کام ہیں زندگی دینا، زندگی لینا، اولاد جیسی نعمت کا عطا کرنا اور جوڑے بھی تو آسمانوں پر اسی نے بنائے ہیں، جب میں اس قادرِ مطلق پر بھروسا کرتی ہوں تو پریشانی کیسی؟“ پھر خود ہی سے ہم کلامی کرتی رہیں...... ”لیکن اللہ نے یہ بھی تو کہا ہے کہ پہلے کوشش کرو پھر توکل بھی کرو۔ ہاں کوشش کرنا فرض ہے۔“ یہ سوچ کر پھر فون اٹھایا اور نمبر ڈائل کیا دوسری طرف سے رابطہ ہوتے ہی پوچھا۔

”بیگم بخاری سے بات ہوسکتی ہے؟“

”جی بات کررہی ہوں لیکن معذرت چاہتی ہوں ابھی بات نہیں کرسکتی دراصل میرے سسر کی حالت بہت خراب ہے، میں انہیں اسپتال لے کر جارہی ہوں پھر بات ہوگی۔“

”جی اچھا کوئی بات نہیں......“ آمنہ نے مایوسی سے کہا اور فون ہاتھ میں لے کر کچھ سوچنے لگیں۔

اچانک سامنے میز پر رکھے اخبار پر نظر پڑی آج تو لگتا تھا جیسے آمنہ رشتہ ڈھونڈ کر ہی دم لیں۔ ضرورتِ رشتہ کا کالم نکالا، ایک ایک کرکے پڑھنے شروع کیے زیادہ تر رشتے لڑکیوں ہی کے تھے۔

ایک رشتہ دل کو لگا سوچا اور اس کو ٹرائی کرتی ہوں، لڑکا MBA ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب، دو مہینے شادی رہی اور ختم ہوگئی۔ نمبر ملایا دوسری طرف سے کسی مرد نے اٹھایا۔

”ہیلو، جی یہ آپ کا ایڈ دیکھا تھا اخبار میں۔“

”ہاں جی ہم نے دیا ہے۔“

”اچھا یہ آپ کے بیٹے ہیں یا بھائی کچھ بتائیں ان کے بارے میں۔“ آمنہ نے بات شروع کی۔

”جی میں خود ہوں، میری شادی ہوئی دو مہینے رہی پر شادی کے بعد پتا چلا کہ لڑکی کو پاگل پن کے دورے پڑتے ہیں، اب آپ ہی بتائیں طلاق نہ دیتا تو کیا کرتا؟“

”بڑا افسوس ہوا۔“ آمنہ بولیں۔

”ویسے آپ کی عمر کیا ہے؟“

”میں جی چالیس کا ابھی ہوا ہوں، بڑی اچھی میری جاب ہے، گاڑی ہے، اپنا گھر ہے، آپ بتائیں اپنے بارے میں۔“ مرد نے پوچھا۔ آمنہ نے بغیر کچھ کہے فون بند کردیا اور دل میں سوچا بھلا ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ لڑکی پاگل ہو اور پتا نہ چلے ایک ضرورتِ رشتہ کا اشتہار الگ سے دیا ہوا تھا، لڑکا انجینئر لکھا تھا، شادی ہونے سے پہلے ہی طلاق ہوگئی تھی، آمنہ نے سوچا یہ تو ہمارا والا ہی کیس ہے چلو دیکھتی ہوں۔ ڈیمانڈ بھی کوئی خاص نہ تھی بس شریف لوگ اور گھریلو لڑکی مانگی تھی۔ جلدی سے نمبر ملایا مگر انگیج جارہا تھا، دوسری دفعہ بھی رابطہ نہ ہوا۔ تیسری دفعہ کہیں جاکر فون ملا۔

”السلام علیکم میں آپ کا اشتہار دیکھ رہی تھی کچھ بتائیں گی کہ شادی کیوں نہ ہوسکی۔“ آمنہ نے اس دفعہ ڈائریکٹ ہی پوچھا۔ دوسری طرف کوئی خاتون تھیں بولیں۔

”بہن کیا بتاؤں بڑے لالچی لوگ تھے۔“

”لڑکی والے لالچی......؟ بڑے اچنبھے کی بات ہے میرا تو خیال تھا کہ صرف لڑکے والے لالچی ہوتے ہیں؟“ آمنہ بیچ میں بول پڑیں۔

”نہیں جی، ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں، جب رشتہ کیا تو ہم سے کہنے لگے کہ لڑکی کے نام ہزار گز کا پلاٹ ہے اور جب شادی ہونے لگی تو مکر گئے۔ میرے بیٹے کو تو بڑا غصہ آیا کہ اتنے جھوٹے اور لالچی لوگ بس اسی بات پر رشتہ ختم ہوگیا۔ میرا بیٹا جھوٹ برداشت نہیں کرسکتا۔ بہن آپ اپنے بارے میں کچھ بتائیں۔“ آمنہ تو بالکل سناٹے میں تھیں۔

”وہ میں نے تو ویسے ہی فون ملایا تھا۔“

”خواہ مخواہ آپ نے میرا ٹائم برباد کیا۔“ خاتون نے غصے سے فون پٹخ دیا۔

آمنہ سخت شش و پنج میں تھیں۔ ابھی تک فون ہاتھ میں لیے بیٹھی تھیں۔ آج اتوار کا دن تھا اور ان کی بیٹی عنایہ بھی گھر پر تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ کافی گھنٹوں سے ماں نے p.c.o کھول رکھا ہے۔

عنایہ، ماں کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ ماں کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر چوما، اپنے چہرے سے لگایا وہ ماں کی کیفیت سمجھتی تھی اس لیے ناراض ہوئے بغیر بولی۔

”اللہ کے واسطے امی مجھے اشتہار بنا کر بانٹنا بند کردیں۔ میں کیا آپ پر بوجھ ہوں؟ آپ اور بابا نے مجھے اس قابل کیا کہ میں اپنے قدموں پر کھڑی ہوں، اچھی جاب ہے، کسی چیز کی کمی ہے؟ آپ اب تک کتنے ہزاروں روپے مختلف عورتوں کو دے چکی ہیں اور شاید آدھے پاکستان کو میری تصویر بھیج چکی ہیں اور میری داستان سنا چکی ہیں۔ پلیز امی، اب بس کردیں جو میرا نصیب ہوگا وہ مجھے مل جائے گا۔ میری خودداری کو ٹھیس نہ پہنچائیں۔ اللہ کے واسطے میری کہانی سنانا بند کردیں۔“ عنایہ کی آنکھوں میں التجائیں بھی تھیں اور آنسو بھی۔

”میں نے اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا ہے آپ بھی اسی پر بھروسا رکھیں، میں بھی انتظار کروں گی اس کی رحمت کا اور آپ بھی کریں۔“

ہلکی، ہلکی سسکیوں میں عنایہ کا سارا بدن لرز رہا تھا۔

آمنہ تو جیسے بالکل گنگ ہوگئی تھیں۔ بیٹی کو سینے سے لگایا اور دیر تک سسکتی رہیں، دونوں کی آنکھوں سے لگتا تھا آنسو نہیں بلکہ سب دکھ، درد بہہ نکلے تھے، آمنہ کو لگا جیسے ان کا دل دھڑک نہیں رہا بلکہ ورد کررہا ہو حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل ۝ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْر ۝





ناولٹ

راضی بہ رضا

ناہید سلطانہ اختر

شادی ہر نارمل لڑکی کی طرح کبھی اس کی بھی خواہش، تمنا اور دلی آرزو ہوا کرتی تھی پھر برسوں یہ لفظ اس کی گویا چڑ بنا رہا۔ جسے دیکھو بس ایک ہی سوال......
''شادی ہوگئی؟'' جیسے شادی اور وہ بھی صرف اسی کی اس دنیائے رنگ و بو کا سب سے بڑا مسئلہ ہی تو تھی۔

اس سوال کا جواب وہ نفی میں دیتی تو اس ایک سوال کی کوکھ سے یکے بعد دیگرے ان گنت سوالات جنم لینے لگتے۔

کیوں نہیں ہوئی؟ کوئی جوڑ کا نہیں ملا کیا؟ اپنوں میں کوئی رشتہ نہیں تھا؟ اچھی بھلی شکل صورت ہے پھر کیوں نہیں ہوئی بھلا؟ معیار اونچا تو نہیں؟ گھر والوں کو کوئی فکر نہیں ہے کیا؟ وغیرہ، وغیرہ......

ایسے سوالوں سے جان چھڑانے کو اس نے بارہا اس ایک سوال کا جواب اثبات میں بھی دیا تھا مگر وہاں بھی عمرو عیار کی زنبیل منتظر پائی۔ کب ہوئی شادی؟ اپنے ہیں یا غیر؟ میاں کیا کرتے ہیں؟ سسرال میں کون، کون ہے؟ سسرالیوں کے ساتھ رہتی ہو یا علیحدہ؟ بچے کتنے ہیں؟ بچہ اب تک کیوں نہیں؟ کسی ڈاکٹر کو دکھایا؟ کوئی علاج کرایا؟

لاحول ولا قوۃ ایک جھوٹ نبھانے کو کتنے جھوٹ

بولنے پڑ جاتے...... چھوٹی خالہ کے چاروں بچے اسی اسکول میں پڑھتے تھے جہاں وہ ٹیچر تھی۔ خالو بچوں کو اسکول چھوڑتے ہوئے دفتر جاتے، خالہ انہیں واپسی پر لینے آجاتیں۔ جس روز خالہ کو کچھ مصروفیت ہوتی وہ چاروں بچوں کو چھٹی کے بعد گھر واپس پہنچانے کی ذمّے داری اسے تفویض کر دیتیں۔ اسکول وین والا کہتا'

''مس جی ایک دو بچے ہوں تو کوئی بات نہیں چار کو میں نہیں بٹھا سکتا۔'' چنانچہ اسے رکشا، ٹیکسی یا پبلک بس میں بچوں کو لے کر جانا پڑتا۔ اس روز بھی خالہ کو کچھ کام تھا۔ چھٹی کے بعد وہ چاروں بچوں کے ساتھ بس میں سفر کر رہی تھی۔ دو اس کی گود میں ٹکے ہوئے تھے۔ ایک ڈرائیور کی سیٹ پکڑے کھڑا تھا دوسرا کھڑکی سے لگا باہر نظارہ کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ بیٹھی بڑی بی نے ذاتیات میں مداخلت شروع کر دی۔

''کہیں کام کرتی ہو؟''

''جی......''

''کہاں؟''

''اسکول میں پڑھاتی ہوں۔''

''یہ بچے تمہارے ہیں؟''

''جی......''

''میاں کیا کرتے ہیں؟''

''بزنس......''

''ماشاءاللہ! کاہے کا بزنس ہے۔''

''کپڑوں کا۔''

''آمدنی اچھی ہے؟''

''اللہ کا شکر ہے۔''

''کتنے سال ہو گئے شادی ہوئے؟''

''پانچ۔''

''ہیں! پانچ تو کیا یہ تمہاری دوسری شادی ہے؟''

''نن...... نہیں۔'' اسے بڑی بی کی ذہنی حالت مشکوک لگی۔

''پانچ سال شادی کو ہوئے مگر یہ تمہارا بڑا والا تو نو دس سال کا لگ رہا ہے۔'' بڑی بی نے ڈرائیور کی سیٹ سے لگے بچے کو دیکھا۔

''برے پھنسے!'' وہ سٹپٹا گئی۔

''ان کی دوسری شادی ہے...... میری تو پہلی......''

''وہی تو میں کہوں۔'' بڑی بی کی بے چین اور متجسس روح کو جیسے قرار آ گیا۔

''اللہ جانے لوگوں بالخصوص خواتین کو اتنا شوق کیوں ہوتا ہے دوسروں کے ذاتی معاملات کھنگالنے کا۔

☆☆☆

یونیورسٹی کے آخری دنوں میں اس کی کلاس فیلوز اور سینئرز کے رشتے طے ہونا اور بعض کی شادیاں بھی انجام پانا شروع ہو گئی تھیں۔ خاندان میں اس کی ہم عمر بلکہ بعض کم عمر کزنز کے رشتے ناتوں اور شادیوں کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے آگے پیچھے سب نمٹتی چلی جا رہی تھیں۔ کوئی اپنے ہی خاندان میں کسی لڑکے سے بیاہ کرتی تو کوئی خاندان سے باہر شادی رچا کر کسی کی ارینجڈ میرج تو کسی کی لو میرج...... کسی نے یونیورسٹی ہی میں چکر چلا کر رشتہ ڈھونڈ لیا تھا تو کوئی یونیورسٹی سے باہر کسی سے منسوب ہو گئی تھی۔ نہایت حیرت انگیز کیس تو عروہ کا تھا۔ چھوٹا سا قد، ہیبت انگیز حد تک فربہ جسم، آنکھوں پر نظر کی عینک اور بھدے سے نین نقش مگر لہجہ مٹھاس میں ڈوبا! بات کرتی تو آنکھیں بند کر کے سنتے ہی رہنے کو جی چاہتا۔ لہجے کی اسی مٹھاس سے اس نے اپنے بھائی کے ایک دوست کو اپنا ایسا گرویدہ کر لیا کہ اس نے اپنے گھر والوں سے کہہ دیا شادی کرے گا تو اسی لڑکی سے ورنہ کسی سے نہیں اور ساری زندگی نہیں...... گھر والے لاکھ چیخے دہاڑے مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوا۔ آخر کو گھر والوں نے شرط رکھی کہ لڑکی دبلی ہو جائے۔ عروہ نے ڈائٹنگ کی۔ جم جوائن کیا اور چار پانچ ماہ میں فٹ فاٹ ہو گئی۔ نظر کی عینک کی جگہ کانٹیکٹ لینز لگانے لگی۔ بیوٹی پارلر سے نین نقش ابھارنے اور سنوارنے کا فن بھی سیکھ لیا۔ اسی لڑکے سے نکاح ہوا اور دو ماہ بعد رخصتی انجام پائی۔ اب سسرال میں ٹھاٹھ کر رہی تھی۔

اماں جب اپنی بیٹیوں کی عمر کی کسی لڑکی کی منگنی، نکاح، شادی اور رخصتی کی خبر سنتیں، ٹھنڈی سانس بھر کر کہتیں۔ ''ہماری بچیوں کے نصیب اللہ جانے کس بھاری سل تلے دبے ہوئے ہیں، کھل کر ہی نہیں دیتے۔''

یہ نہیں کہ رشتے نہیں آتے تھے، آتے تو تھے مگر کہیں نہ کہیں بات اٹک جاتی۔ ہوتا کام رک جاتا۔ اماں کو مایوسی کے دورے پڑنے لگتے۔ ہاتھ مل مل کر کہتیں۔ ''اللہ جانے کیا بات ہے، ہوتی بات ختم ہو جاتی ہے۔''

''آپا مجھے لگتا ہے کسی نے بندش کروا رکھی ہے۔'' خالہ قیاس ظاہر کرتیں۔

''ارے زاہدہ ہماری کس سے ایسی دشمنی ہے جو بچیوں کے لیے بندش کروائے گا۔''

''تمہاری نندیں ہیں ناں۔'' خالہ کہتیں۔

''وہ بھلا کیوں کروائیں گی۔ ہماری بیٹیاں ان کے اپنے بھائی کی بیٹیاں بھی تو ہیں۔''

''آپا بندش کروانے والے یہ کب سوچتے ہیں۔'' بیٹیاں بھی تو ایک دو نہیں پوری پانچ تھیں۔ برس، سوا برس، ڈیڑھ برس کے فرق سے۔ ایک ساتھ بھی ایک دوسرے کے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑی ہو گئی تھیں۔ سب کی سب خوش قامت، خوش شکل اور پڑھی لکھی۔

ابا کہتے پہلے بڑی کی کریں گے پھر ترتیب وار ایک کے بعد دوسری...... یونیورسٹی سے فارغ ہونے کے بعد سب سے بڑی انیقہ شادی کے انتظار میں دو ڈھائی برس گھر ہی میں بیٹھی رہی۔ امی کا حکم تھا دوسرے گھر جانا ہے گھر داری سیکھو۔ دو ڈھائی سال وہ گھر داری ہی میں لگی رہی۔ رشتے آئے مگر کہیں بات نہیں بنی۔ رشتے والوں کے سامنے چائے کی ٹرے لے جا لے جا کر وہ ایسی دل برداشتہ ہوئی کہ اس نے اعلان کر دیا کہ وہ مزید گھر نہیں بیٹھ سکتی۔ ملازمت کرے گی۔ امی نے ابا کو یہ بات بتائی۔

''کوئی ضرورت نہیں، ہمارے خاندان میں پہلے کسی لڑکی نے کی ہے ملازمت جو یہ کرے گی؟'' ابا نے کہا۔

''آپ کی بھانجیاں کر تو رہی ہیں۔'' امی بولیں۔

''میں اپنے خاندان کی بات کر رہا ہوں۔'' ابا نے پہلو بدلا۔

''گھر بیٹھ کر کیا کرے وہ۔ اب تو عائشہ بھی یونیورسٹی سے فارغ ہونے کو آ گئی۔''

''گھر بیٹھ کر کیا کرے۔'' ابا نے تیوری چڑھا کر اماں کو دیکھا۔ ''کیا کرتی ہیں لڑکیاں گھر بیٹھ کر...... گھر داری کرے، تمہارا ہاتھ بٹائے، دوسرے گھر جانے کی تیاری کرے۔''

''دوسرے گھر جانے کی کوئی امید تو بنے...... اس کے ساتھ کی تقریباً ساری ہی لڑکیوں کی شادی ہو گئی۔ بعض کی گود میں تو بچہ بھی آ گیا۔''

''ہو جائے گی...... ہو جائے گی...... اس کی بھی ہو جائے گی۔'' تسلی دینے میں ابا کا جواب نہیں تھا۔

''جب تک نہیں ہو رہی تب تک تو کر لے۔''

''کیا......؟'' پتا نہیں ابا جان بوجھ کر انجان بنے تھے یا واقعی نہ سمجھ پائے تھے۔

''نوکری اور کیا۔''

''کہہ دیا ناں...... ایک دفعہ کی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔'' برس اور گزر گیا۔ عائشہ بھی اب یونیورسٹی سے فارغ ہو کر گھر بیٹھ چکی تھی۔

''خدا جانے کہاں جاسوئی ہے ہماری بچیوں کی قسمت۔'' اماں نہایت تفکر سے کہتیں۔

''کہیں نہیں جاسوئی ہے، جو وقت اللہ نے لکھ دیا ہے اسی وقت پر ہو گی اور جب وقت آئے گا تو ہم تم دیکھتے رہ جائیں گے۔'' ابا فرماتے۔

''مجھے تو خفقان ہونے لگتا ہے۔ ایک نہیں پانچ برابر کی کھڑی ہیں۔'' اماں پریشانی ظاہر کرتیں۔

''اللہ پر بھروسا رکھو۔'' ابا تسلی دیتے۔

''کسی نے بندش تو نہیں کروا رکھی۔'' خالہ کا پھونکا ہوا صُور اب اماں کی زبان سے بھی ادا ہونے لگا تھا۔

''ہماری کسی سے دشمنی چل رہی ہے...؟'' ابا سوال کرتے۔

''اللہ نہ کرے۔''

''تو پھر ایسی فضول باتوں سے فائدہ!''

☆☆☆

بالآخر ابا کو اسے ملازمت کی اجازت دینا ہی پڑی مگر صرف اسکول، کالج کی حد تک۔ اس نے ایک اسکول میں ملازمت شروع کردی۔ گھر سے باہر نکلنے کے بعد پتا چلا گھر میں تو بہت عافیت تھی۔ صبح سے دوپہر تک بچوں کے ساتھ مغز کھپائی ذرا سی سہو پر انتظامیہ کی جانب سے جواب طلبی...... والدین کو اپنی کارکردگی سے مطمئن کرنا۔ پرائیویٹ اسکول تھا جو والدین مٹھی بھر فیسیں ادا کرتے۔ ذرا سی بات پر اسکول آپہنچتے، ٹیچر کی ذرا سی غلطی کو آسمانوں اچھالتے، پڑھانے والیوں کو پھونک، پھونک کر قدم رکھنا پڑتا۔ صد شکر کہ انیقہ کو بچوں، والدین اور انتظامیہ کی گڈ بکس میں آنے میں زیادہ وقت نہیں لگا اور اس کی بنیادی وجہ اس کا اپنے کام میں انہماک اور بچوں کے ساتھ دوستانہ رویّہ تھا۔ وہ بچوں کو ٹیچر کی روایتی سختی سے قابو میں رکھنے کے بجائے انہیں نرمی، محبت اور خلوص سے مرعوب رکھتی۔ والدین اور انتظامیہ کے ساتھ بھی اس کا رویّہ نہایت متاثر کن تھا جلد ہی وہ اسکول میں بچوں اور ان کے والدین کی پسندیدہ ترین ٹیچر بن گئی۔ اسے درس و تدریس میں مزہ آنے لگا۔

شادی کا مسئلہ جوں کا توں اٹکا ہوا تھا۔ اسکول میں شروع شروع کے دنوں میں اس کی ساتھیوں نے شادی کے بارے میں استفسار کیا پھر سب ٹھنڈے ہوکر بیٹھ گئے۔ ''کوئی رشتہ آیا؟'' تاہم کبھی کبھار یہ ضرور پوچھا جاتا۔

''آتے رہتے ہیں۔'' وہ ٹالنے والے انداز میں کہتی۔

''آتے رہتے ہیں تو شادی ہوتی کیوں نہیں؟''

''جب ہونا ہوگی ہوجائے گی۔'' وہ بظاہر بہت بے پروائی سے کہتی مگر سچ یہ تھا کہ جوں، جوں وقت گزر رہا تھا وہ خود بھی متفکر ہوتی جارہی تھی۔

''مس انیقہ، اٹ از ہائی ٹائم فاریو۔'' پرنسپل کہتیں۔ ''اب آپ کی شادی ہوجانی چاہیے۔''

وہ مسکرا دیتی مگر دل میں اندھیرا سا پھیل جاتا۔ ہر لڑکی کی طرح وہ بھی ایک ساتھی کا خواب دیکھتی تھی۔ اپنے گھر کی آرزو رکھتی تھی۔ وہ گھر جسے وہ اپنی اور اپنے رفیقِ زندگی کی مرضی کے مطابق آراستہ کرے، جس کے صحن میں بچوں کی قلقاریاں سنائی دیں۔ اسکول، کالج اور یونیورسٹی کے زمانے کی بعض ساتھیوں سے براہ راست رابطہ ہونے یا اِدھر اُدھر سے خبریں ملنے پر پتا چلتا تھا بعض تو تین، تین، چار، چار بچوں کی مائیں بن چکی تھیں۔ اس کے اپنے دل میں بھی ماں بننے کی خواہش ہمکنے لگتی۔

دن کو دل میں ہمکنے والی یہ خواہش ایک رات عجیب سا خواب بن کر اس کی بند آنکھوں میں اتر آئی۔ اس نے دیکھا جیسے وہ پلنگ پر لیٹی ہے اس کے پہلو میں ایک نومولود بچہ پڑا ہے، اماں آتی ہیں اور اس نومولود کو اس کے پہلو سے اٹھا کر لے جانے لگتی ہیں، وہ چلّاتی ہے اسے مت لے جاؤ یہ میرا بچہ ہے، یہ میرا بچہ ہے، چلّاتے، چلّاتے اس کی آنکھ کھل گئی.... وہ متوحش ہوکر اٹھ بیٹھی تھی۔

''کیا ہوا؟'' اس کے ساتھ دوسرے بیڈ پر لیٹی عافیہ نے آنکھیں کھول کر پوچھا۔

''کچھ نہیں...... خواب میں ڈر گئی ہوں۔''

''کیا خواب تھا؟'' عافیہ اٹھ بیٹھی۔

''کچھ نہیں تم سو جاؤ۔''

''سونے دو ناں یار، آپ لوگ اتنی رات کو کیوں بول رہے ہو۔'' تیسرے بیڈ پر لیٹی حریمہ کلبلائی۔

عافیہ لیٹ گئی۔

''سو جاؤ آپا...... کچھ نہیں ہوتا۔'' عافیہ نے اسے تسلی دی۔

''ہاں۔'' اس نے دکھے دل سے سوچا۔ ''کچھ

ہوتا ہی تو نہیں...... وقت پر ہوگیا ہوتا تو آج میں بھی خواب میں بچے کی ماں بننے کے بجائے اپنی دوستوں کی طرح سچ مچ بچوں کی ماں ہوتی۔''

وہ ماندے دل سے دوبارہ لیٹ گئی۔ دل ایک ان کہے دکھ میں غوطہ زن تھا۔ وہ جاگ کر بھی اس میٹھے، میٹھے درد کو محسوس کرسکتی تھی۔ اس نے کمرے میں پہلو بہ پہلو بچھے تین بیڈز میں سے دو پر سوئی بہنوں کو دیکھا۔ تیسرے بیڈ پر وہ خود تھی۔ عائشہ اور عمیرہ دوسرے کمرے میں سو رہی تھیں۔ دنوں وہ اس خواب کے درد میں ڈوبی رہی۔

☆☆☆

اسکول میں بچوں کی ماؤں کی طرف سے بھی کبھی، کبھی حزم واحتیاط کے ساتھ پوچھ لیا جاتا۔

''مس جی......! آپ نے شادی کیوں نہیں کی ابھی تک؟''

وہ مسکرانے پر اکتفا کرتی۔ کیا بتاتی پوچھنے والوں کو...... یہ کہنا فولاد کا حوصلہ مانگتا تھا کہ خواہش تو بہت ہے مگر ہوتی نہیں۔

اسکول سے باہر تو ہرا ایرے غیرے نتھو خیرے کو اب جیسے اس قسم کے سوالات پوچھنے کا لائسنس مل چکا تھا کہ ''شوہر کیا کرتے ہیں؟'' وہ ابتدائی سوال کہ ''شادی ہوگئی؟'' تو جیسے اب خارج از نصاب ہوچکا تھا فوراً شوہر کی ذاتیات کھنگالی جانے لگتیں۔ وہ ان سوالوں سے اتنی عاجز آچکی تھی کہ اب اکثر جھوٹ ہی سے کام چلاتی۔ اس کا فرضی شوہر انجینئر تھا اور وہ دو بچوں کی ماں تھی۔ پوچھنے والے بچوں کی ذاتیات بھی کھنگالنے لگتے، کتنے بڑے ہیں؟ کون سی کلاسوں میں پڑھتے ہیں؟ وغیرہ، وغیرہ......

اسے سخت کوفت ہوتی۔ زندگی اس کی تھی۔ شادی اس کا ذاتی معاملہ تھا اور اس معاملے پر دانت وہ لوگ تیز کرتے جن کے ساتھ کچھ دیر کو سفر کرنے یا کسی بہانے کچھ دیر کو ملنے کا اتفاق ہوتا۔

''لگتا ہے ساری دنیا بس میرے شوہر، میرے بچوں اور میرے گھر کے تجسس میں مری جارہی ہے۔'' وہ دانت بھینچ کر سوچتی۔

بات اب شادی سے بھی آگے شوہر اور بچوں تک جا پہنچی تھی جس کا واضح مطلب یہ تھا کہ وہ شادی کی عمر سے آگے نکل آئی تھی۔

اماں اسے حسرت زدہ نظروں سے دیکھتیں۔ چھوٹی بہنوں کی نگاہیں گلہ کرتیں۔ ''تم ہمارے راستے کی دیوار بن گئی ہو۔'' ابا اس کی طرف شاذ ہی نظر کرتے۔ انیقہ کو ان سب سے شرم محسوس ہونے لگی تھی۔ لیکن وہ خود بھی تو عذاب سہہ رہی تھی۔ سرخرو نہ ہوسکنے کا عذاب...... خدا جانے لوگوں کی نظروں کو کیا ہوگیا تھا۔ اچھی بھلی خوش شکل تھی وہ اور جامہ زیب بھی۔ آنے والے ڈٹ کر کھاتے پیتے اور چلے جاتے۔ واپس پلٹ کر منہ نہ دکھانے کے لیے۔

اسے تو اب آنے والوں سے چڑ آنے لگی تھی۔

''مت اتنا اہتمام کیا کریں آپ لوگ۔'' وہ منہ کھول کر اماں سے کہہ دیتی۔

''اتنا کھلانے پلانے پر تو پلٹ کر آتے نہیں...... اہتمام نہ کریں تو شاید دروازے ہی سے لوٹ جائیں۔'' اماں نہایت دل گرفتہ ہوکر جواب دیتیں۔

''کھاتے تو ایسے ہیں جیسے پہلے نہ ملا ہو۔'' وہ... بڑبڑاتی۔ دیکھنے تو اسے آتے تھے پسند تیسرے چوتھے نمبر کی بہن کو کر جاتے۔ بیچاری عائشہ کو بھی قابل التفات نہ گردانتے۔

''ہمیں تو اکیس بائیس تک کی لڑکی چاہیے۔'' لڑکے کی اماں جان فرماتیں جبکہ ان کا اپنا بیٹا پینتیس، سینتیس سے تو کسی صورت کم نہیں دکھائی دے رہا ہوتا۔

''بھائی کی شرط ہے کہ لڑکی بہت خوب صورت ہو۔'' لڑکے کی بہن ''بہت'' پر زور دیتی چاہے خوب صورتی کی شرط عائد کرنے والا بھائی لنگور ہی کیوں نہیں نظر آتا۔

آئے دن رشتے والوں کی کوئی نہ کوئی ٹولی آدھمکتی۔ پہلے صرف اسی کو سامنے کیا جاتا تھا پھر عائشہ

بھی ”ٹرے پریڈ“ میں حصہ لینے لگی تھی اور اب تو اماں نے بہانے سے چاروں، پانچوں ہی کو سامنے کرنا شروع کر دیا تھا۔ آنے والوں کی نگہ انتخاب تیسری، چوتھی اور پانچویں پر رکتی مگر ابا منع کر دیتے۔

”پہلے دو بڑیوں کی کریں گے انہیں چھوڑ کر چھوٹیوں کی کیسے کر دیں۔“

بالآخر اماں نے ابا کو سمجھا بجھا کر دو بڑی بہنوں سے پہلے عافیہ کا رشتہ کر دینے پر آمادہ کر ہی لیا۔

”اچھا ہے ناں آپا ایک تو کم ہو گی۔“ عائشہ نے سمجھداری کا ثبوت دینے کی کوشش کی۔

انیقہ اسے کھوئی، کھوئی آنکھوں سے دیکھنے لگی۔ کیا واقعی اسے کوئی ملال نہیں تھا کہ اس سے پہلے چھوٹی کی شادی ہونے جا رہی تھی۔

”ہماری بھی ہو ہی جائے گی۔“ عائشہ نے مسکرانے کی کوشش کی۔

”تم واقعی خوش ہو؟“ اس نے عائشہ کو بے یقینی سے دیکھا۔

”ہاں، ہاں میں واقعی خوش ہوں...... خوش نہ ہونے والی بات کیا بھلا، ایک جائے گی تو اماں، ابا کا بوجھ تو ہلکا ہو گا۔ مجھے تو ابا پر سخت ترس آتا ہے۔ بیچارے اتنے بوڑھے دکھائی دینے لگے ہیں۔“

انیقہ کو عائشہ کے سامنے اپنا آپ نہایت بونا سا محسوس ہوا۔ وہ اس طرح کب سوچتی تھی۔

”میری تو اگر شادی نہ بھی ہو تو مجھے پروا نہیں، اماں، ابا کے ساتھ بھی تو کوئی ہونا چاہیے ناں انہیں بیٹے سے محرومی کا ویسے ہی بہت احساس رہتا ہے۔“ عائشہ بولی۔

انیقہ کو دل ہی دل میں ندامت محسوس ہوئی کہ وہ عائشہ کی طرح کیوں نہیں سوچتی تھی۔

عافیہ کی بات پکی ہو گئی اور گھر میں شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ شادی کی تیاریوں میں عائشہ نے اماں، ابا کا مردانہ وار ساتھ دیا۔ جہیز کی تیاری کے لیے نہ جانے کتنے دن بازاروں میں خوار ہوتی رہی۔ ابا کہتے، عاشی نے تو بیٹے کی کمی پوری کر دی۔

”کچھ بھی تو نہیں ابا، میں کرتی کیا ہوں، بس آپ کے ساتھ بازار ہی تو چلی جاتی ہوں۔“ عائشہ انکساری سے کہتی۔

”میرج ہال کی بکنگ کے لیے دس بارہ ہالز کس نے چھانے بھلا۔“

”ارے ابا وہ بھی کوئی کام تھا بھلا...... اس بہانے میں نے میرج ہالز کی ڈیکوریشن دیکھ لی۔ آپ دیکھنا عافی کی مایوں اور مہندی پر میں کس طرح دونوں ایونٹس آرگنائز کرتی ہوں۔“

انیقہ کو عائشہ کی دماغی صحت مشکوک لگی۔ عجیب پاگل لڑکی تھی۔ چھوٹی بہن کی شادی ہو رہی تھی اور وہ خود کنواری ہو کر اس کی ”گاڈ پیرنٹ“ بننے کی کوشش کر رہی تھی۔ انیقہ کا اپنا دل تو جیسے بیٹھا جاتا تھا۔ گھر میں لوگوں کا آنا جانا لگا ہوا تھا۔ انیقہ کو نہ جانے کیوں لوگوں کی نگاہوں میں اپنے لیے رحم اور ترس ڈولتا دکھائی دیتا۔ عافیہ کے سسرالی آتے تو وہ کمرے میں چھپ جاتی۔ ان کا سامنا کرنے سے اسے کوفت محسوس ہوتی۔ اسے عائشہ پر حیرت بھی ہوتی غصہ بھی آتا۔ نہ جانے کیسے وہ بڑے مزے سے عافیہ کی ساس، نندوں اور دیوروں کی آؤ بھگت بھی کر لیتی تھی اور ان کے ساتھ بیٹھ کر باتیں بھی بگھار لیتی تھی۔

اسکول میں گو کوئی اس سے ایسی ویسی بات نہ کرتا مگر نہ جانے کیوں اسے ایسا محسوس ہوتا جیسے ساتھی ٹیچر بھی اسے ترحم آمیز نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں ان دنوں۔ ان نگاہوں سے بچنے کے لیے وہ فری پیریڈ میں اسٹاف روم میں بیٹھنے کے بجائے لائبریری میں بیٹھنے لگی تھی۔ وہیں بیٹھ کر کاپیاں چیک کرتی۔ کسی بچے کے والدین ملنے کے لیے آتے تو انہیں وہیں بلا لیتی۔ بعض والدین اپنے بچوں کی تعلیم میں غیر معمولی دلچسپی لیتے۔ اس کی کلاس میں چند بچے ایسے تھے جن کے والدین اس سے اکثر رابطے میں رہتے۔ فری پیریڈز میں والدین کو ٹیچرز سے ملنے کی پوری آزادی تھی۔ جن بچوں کے والدین آئے دن رابطے میں رہتے ان میں

سے ایک نہال بھی تھا۔ اس کی والدہ اکثر آتیں کبھی اکیلی کبھی اپنے شوہر کے ساتھ۔ خوب صورت، بااخلاق، ہنس مکھ اور زندہ دل سی خاتون تھیں۔ ان سے انیقہ کی بے تکلفی بتدریج اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ اسکول میں ملاقات کے علاوہ اکثر اس کے ذاتی نمبر پر بھی رابطہ کر لیتیں۔

”مس...... آپ اتنی اچھی ہیں شادی کیوں نہیں ہوئی آپ کی ابھی تک؟“ یہ سوال ان کی طرف سے بھی کیا جا چکا تھا۔

”اللہ میاں سے پوچھیں۔“ اس نے تیسری، چوتھی مرتبہ ان کے اس استفسار پر کہا تھا۔

”اللہ میاں سے کون پوچھ سکتا ہے مس۔“ وہ کانوں کو ہاتھ لگا کر بولیں۔ بے تکلفی زیادہ بڑھی تو ایک روز انہوں نے کہا۔ ”میں نے اپنے ہسبینڈ سے کہا ہے کہ آپ کے لیے کوئی رشتہ دیکھیں۔“

اسے کوفت ہوئی، نوبت یہاں آ پہنچی تھی کہ اب اس کے شاگرد کی اماں اس کے لیے اپنے میاں سے رشتہ ڈھونڈنے کو کہہ رہی تھیں۔ جی تو چاہا کہ ان سے اپنی ساری دوستی اور تعلقات برطرف کر کے ان سے کہے۔ ”آپ کو یہ حق کس نے دیا۔“ مگر مروتاً چپ رہی مگر اس نظر اندازی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک روز دونوں میاں، بیوی اپنے بیٹے کی پروگریس معلوم کرنے آئے تو خاتون نے اس کے منہ پر ہی میاں کی موجودگی میں کہا۔ ”میں نے ان سے آپ کے لیے کوئی اچھا رشتہ دیکھنے کو کہا ہے۔“ اسے سخت شرمندگی ہوئی، تاؤ بھی آیا مگر مروتاً خاموش رہی۔

شوہر صاحب رئیل اسٹیٹ بزنس میں تھے، بیگم، بچوں اور خود ان کے اپنے ٹھاٹھ باٹھ سے اور ان کی بیش قیمت دو تین رنگ برنگی گاڑیوں سے پتا چلتا تھا کہ خوب کماتے ہوں گے بلکہ دھواں دھار کماتے ہوں گے۔ بچوں کو ڈرائیور چھوڑنے اور لینے کے لیے آتا۔ بچے سادہ لوحی میں اکثر اپنی ٹیچرز کو بہت کچھ بتا دیتے ہیں۔ نہال نے اسے بتایا تھا ایک گاڑی ڈیڈی کی ہے، ایک ممی کی ایک ہم لوگوں کی یعنی بچوں کی جو ڈرائیور چلاتا تھا۔ نہال اور اسکول میں زیر تعلیم اس کی بہن اور بھائی کی صحت سے اندازہ ہوتا تھا کہ غیر معمولی گھرانے کے کھاتے پیتے بچے تھے۔ بڑی بہن ساتویں جماعت میں تھی بھائی، نویں میں ان تینوں سے دو بڑے، بہن، بھائی اور بھی تھے۔ بھائی سیکنڈ ائیر میں تھا، بہن یونیورسٹی میں۔

”میں تو چاہتی تھی کہ بچوں کی پیدائش میں زیادہ وقفہ نہیں ہو آگے پیچھے ہوں تو سب ایک ساتھ جوان ہو جاتے ہیں مگر ہمارے میاں صاحب کہتے تھے وقفے ہونا چاہیے، اتنا وقفہ ہوا کہ نہال صاحب کلاس تھری میں بیٹھے ہیں اور ہماری بڑی بیٹی یونیورسٹی میں۔“ نہال کی امی نے ایک روز نہایت بے تکلفی سے اسے یہ تک بتا دیا تھا۔

☆☆☆

عافیہ کی ہونے والی ساس نے بیٹیوں کی خواہش پر شادی کی تاریخ موسم گرما کی تعطیلات کے دوران رکھی تھی۔ اکلوتا بیٹا تھا، بہنیں چاہتی تھیں بچوں کی چھٹیاں ہوں تاکہ بھائی کی شادی کے لیے وہ بچوں سمیت اطمینان سے میکے آ کر رہ سکیں تاہم شادی کی تیاریاں دونوں گھرانوں میں ہی تعطیلات سے کافی پہلے ہی شروع کر دی گئی تھیں۔ تعطیلات شروع ہوتے ہی ان تیاریوں میں زیادہ تیزی اور گرمجوشی آ گئی۔ انیقہ نے بھی ماندے دل سے مایوں، مہندی، بارات اور ولیمے کے لیے چار جوڑے سلوا لیے تھے۔ ریڈی میڈ اسے کبھی نہ بھاتے، ہمیشہ درزی سے اپنے ناپ کے عین مطابق سلوانے کو ترجیح دیتی۔

شادی میں بس چند دن ہی رہ گئے تھے۔ اس نے سوچا جوتوں کی خریداری کا قصہ بھی تمام کیا جائے۔ وقت کے وقت کون بھاگتا پھرے گا۔ جلدی میں خریداری کرو تو اچھی طرح دیکھ بھال کر چیز خریدنے کا وقت بھی نہیں ملتا۔ طبیعت اندر سے ان دنوں اتنی مضمحل تھی کہ وہ اکیلی ہی جوتے خریدنے بازار چلی گئی۔ ان دنوں کپڑوں کے ہم رنگ جوتوں کا فیشن اِن تھا۔ وہ

ولیمے کے جوڑے کے رنگ کے سینڈلز پہن کر جوتوں کی دکان میں قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑی آگے پیچھے گھوم کر سینڈلز کا جائزہ لے رہی تھی کہ دفعتاً اسے اپنے شانے پر کسی کے ہاتھ دھرنے کا احساس ہوا اور ساتھ ہی آئینے میں نہال کی امی کا مسکراتا ہوا عکس دکھائی دیا وہ بے ساختہ مڑی۔

''کیسی ہیں مس؟'' انہوں نے اس کے شانے سے اپنا ہاتھ ہٹا کر اس کا ہاتھ نہایت تپاک سے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

''الحمدللہ......!''

''سینڈلز بہت پیارے لگ رہے ہیں آپ کے پاؤں میں۔'' وہ اس کے پیروں کی جانب دیکھتے ہوئے بولیں۔

''اچھا ہوا کوئی تو مشورہ دینے والا مل گیا۔ سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا کہ لوں یا نہ لوں۔''

''لے لیں...... لے لیں...... بہت پیارے لگ رہے ہیں۔ مگر کلر پرپل ہی کیوں؟''

''کپڑوں کی میچنگ کے ساتھ۔''

''پھر ٹھیک ہے......کوئی خاص موقع ہے کیا؟'' وہ اسے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ دیکھتے ہوئے بولیں۔

''جی......وہ......چھوٹی بہن کی شادی ہے۔ اس کے ولیمے کی تقریب میں پہننے کے لیے۔''

''چھوٹی بہن کی......'' وہ چونکیں اور اسے دلدوز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔ ''آپ کی چھوٹی بہن کی؟''

''جی......''

''آپ کو کچھ نہیں ہو رہا؟'' انہوں نے اس کے دنوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبوچ لیے اور اِدھر اُدھر دیکھ کر آہستگی سے بولیں۔

''میں سمجھی نہیں۔'' وہ ان کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے بھی انجان بن گئی۔

''میرا مطلب ہے آپ کو دکھ نہیں ہو رہا کہ آپ سے پہلے چھوٹی بہن کی؟'' وہ خاموش رہی، کیسے کہتی کہ دکھ تو ہو رہا تھا۔

''میرے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔'' انہوں نے کہا۔ ''مجھے اتنا صدمہ پہنچا تھا کہ چھ مہینے تک میں بیمار رہی۔ سائیکو ہوگئی تھی، نہ کہیں آنے کو جی چاہتا نہ جانے کو، بہن اور بہنوئی گھر آتے تو میں کمرے میں بیڈ پر پڑ جاتی۔ مجھے اپنے بہنوئی ہی نہیں، بہن کی صورت بھی زہر لگتی۔ ایک روز تو میں نے اپنی امی سے کہہ بھی دیا، ان سے کہیں یہاں نہ آیا کریں۔ امی کہنے لگیں تو پاگل تو نہیں ہوگئی میں بہن، بہنوئی کی موجودگی کا لحاظ کیے بغیر زور، زور سے رونے اور چلّانے لگی۔ میں نے کہا ہاں میں پاگل ہوگئی ہوں، میں سچ مچ پاگل ہوگئی ہوں، آپ لوگ ہیں، مجھے پاگل کرنے والے، پتا نہیں کیا، کیا بکتی رہی میں۔''

انیقہ ہکا بکا سن رہی تھی۔ یہ تو جیسے اس کی بپتی بیان کر رہی تھیں وہ، اسے بھی تو عافیہ زہر لگنے لگی تھی۔ جب سے اس کی بات چیت ٹھہری تھی، وہ اس سے رخ دے کر بات کرنا ہی ترک کرچکی تھی۔ وہ بات کرتی تو نہایت سرد مہری سے جواب دیتی۔

دفعتاً وہ صبحِ نو کے مانند کھل گئیں۔ ''اب آگے کی سنیے، میرا رشتہ میرے اسی بہنوئی کے ذریعے ہوا۔ جلال، میرے ہسبینڈ، میرے بہنوئی کے سیکنڈ کزن ہیں۔ جلال بہت اچھے شوہر ہیں، میں ان سے کہتی ہوں میری شادی میں دیر اسی لیے ہوئی کہ مجھے آپ جیسا شوہر ملنا تھا۔ اور جلال کہتے ہیں کہ دعا دو تم ناصر کو اگر اس کی شادی تمہاری بہن سے نہ ہوتی تو تم سے میری شادی کیسے ہوتی۔''

''آپ بھی شاید شوز لینے آئی ہیں۔'' انیقہ نے موضوع بدلنے کو کہا۔

''اپنے لیے نہیں جلال کے لیے بیڈ روم سلیپرز لینے...... ان کی ساری شاپنگ میں ہی کرتی ہوں۔ سلیپرز ان کے لینے ہیں اور وہ بڑے آرام سے باہر گاڑی میں بیٹھے ہیں۔ میں سلیپر پسند کروں گی پھر باہر لے جا کر سائز چیک کراؤں گی ویسے تو خیر سائز مجھے

معلوم ہے لیکن پھر بھی احتیاطاً پہنا کر دیکھ لوں گی...... آپ ملیں گی ان سے؟''

سیلز مین جو انیقہ کو جوتے دکھا رہا تھا ان دونوں سے قدرے فاصلہ پر کھڑا اُن کی لمبی گفتگو سے خاصا بیزار دکھائی دے رہا تھا۔

''آپ میرا اسلام دیجیے گا انہیں۔ اس وقت تو میں ذرا جوتے میں اٹکی ہوئی ہوں۔''

''یہی لے لیں، اچھا لگ رہا ہے۔'' انہوں نے انیقہ کا ہاتھ دبایا اور سرگوشی میں بولیں۔ ''میں نے جلال سے آپ کے رشتے کے لیے کہہ رکھا ہے، اور آپ کو یہ سارا قصہ اس لیے سنایا ہے کہ میری طرح آپ اپنی بہن کی شادی سے پریشان نہ ہوئیے گا۔ ویسے ہے تو یہ قدرتی بات مگر پریشان ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے اور مس اللہ اپنے کسی بندے کا برا نہیں چاہتا۔ اچھا ہی چاہتا ہے۔ انشاء اللہ آپ کے لیے بھی اس نے کوئی خاص تحفہ رکھا ہوا ہوگا اپنی قدرت میں آپ کو دینے کے لیے۔''

سیلز مین کی طرح اب انیقہ خود بھی بیزار ہونے لگی تھی ان کی باتوں سے۔

''اچھا مس میں ذرا سلیپر دیکھ لوں اُن کے لیے۔''

''جی ٹھیک ہے۔''

''اوکے۔'' مردانہ ریکس کی طرف جاتے، جاتے وہ پھر پلٹیں اور اس سے رازدارانہ لہجے میں بولیں۔ ''میری والی غلطی مت کیجیے گا مس۔''

''کون سی غلطی؟'' انیقہ چونکی۔

''میں تو بہن کی شادی کی ساری رسموں میں منہ بنا کر بیٹھی رہی تھی۔ اور اس بات کو سبھی نے نوٹ کیا اور خوب باتیں بھی بنائیں۔ جب تک میری شادی نہیں ہوئی، میں نے لوگوں کی باتوں کو بے رحمی سمجھا لیکن جب میری شادی ہوگئی تو مجھے لوگوں کی باتیں یاد کر، کر کے بہت عرصہ شرمندگی ہوتی رہی بلکہ اب بھی اکثر ہوتی ہے، دیکھیں ناں کس کی شادی کب ہوگی؟ کس سے ہوگی؟ کہاں ہوگی؟ یہ اللہ کے فیصلے ہوتے ہیں، ہم کون ہوتے ہیں بھلا اللہ کے فیصلوں پر منہ بنانے یا رونے پیٹنے والے......آپ اپنی بہن کی شادی کی ساری رسموں میں خوش، خوش رہیے گا......جی نہ چاہے تب بھی......لوگوں کو دوسروں کی فیلنگز کی پروا...تھوڑی ہوتی ہے، وہ تو بس باتیں بنانا جانتے ہیں، مجھے پتا ہے میرے بارے میں اس وقت یہی کہا ہوگا لوگوں نے......منہ بنا رکھا ہے، جل رہی ہے کہ میری کیوں نہیں ہوئی چھوٹی بہن کی مجھ سے پہلے کیوں ہو رہی ہے۔ غلطی میری اپنی تھی مس...... کتنی ہی لڑکیاں ہیں جن کی چھوٹی بہنوں کی شادی ان سے پہلے ہو جاتی ہے تو کیا سب میری طرح اللہ نہ کرے بہن کی شادی کا سوگ منانے بیٹھ جائیں۔ چھوٹی بہن تو ماں جائی ہوتی ہیں اولاد کی طرح پیاری ہونی چاہئیں۔''

''میڈم آپ نے جو سینڈلز نکلوائے تھے واپس بھجوا دوں؟'' سیلز مین سے مزید برداشت نہ ہوا۔ اس نے دور ہی دور سے انیقہ سے کہا۔

''ایک منٹ...... آ رہی ہوں۔'' وہ کچھ شرمندہ سی ہو کر بولی۔ ''اوکے مسز جلال۔'' اس نے عجلت میں کہا۔

''اوکے مس......نہال آپ کو اور اسکول کو بہت مس کر رہا ہے چھٹیوں میں۔''

''اسے میرا پیار دیجیے گا۔'' سیلز مین اسے پلٹتا دیکھ کر مستعد ہوگیا۔ سیلز مین سے کہا۔

''میرا خیال ہے یہی دے دیجیے۔'' اس نے سیلز مین سے کہا۔ سینڈلز اسے پسند نہ ہوتے تب بھی سیلز مین کی بیزاری دیکھتے ہوئے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی جوتا خرید ہی لیتی توبہ......! کتنی طویل گفتگو کر گئی تھیں نہال کی والدہ......

بہر حال ان سے اس اتفاقی ملاقات کا ایک فائدہ ضرور ہوا۔ اس نے دل پر جبر کر کے ہی سہی عافیہ کی شادی کے حوالے سے اپنا موڈ بدل لیا۔ اماں سب سے زیادہ مطمئن دکھائی دیں۔ عافیہ کے مایوں والے دن اماں نے اسے اپنے سینے سے لگا کر ڈھیروں ڈھیر دعائیں دیں اور پیار کیا۔ عافیہ بھی جو اس کے بگڑے

تیوروں کی وجہ سے خواہ مخواہ مجرم سی بنی ہوئی تھی خوش دکھائی دینے لگی۔ باقی بہنوں نے بھی چین کی سانس لی۔

ایک اس کا منہ بنا ہونے سے کتنے دن گھر کی فضا مکدر رہی تھی۔ اس کا موڈ بدلا تو گھر کی فضا ہی بدل گئی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے ڈھولک پر گاتی بجاتی لڑکیوں کی آوازوں میں اپنی آواز ملائی۔ مہندی کی رات اپنے جذباتی ہیجان کو اس نے اونچی تان میں بدل دیا۔ گھر والے اس کی بدلی ماہیت پر حیران تھے اور خاندان والے رطب اللسان کہ اس نے تو بڑی بہن کا حق ادا کر دیا تھا۔ مسز جلال اس روز نہ ملتیں تو منظر کس قدر مختلف ہو سکتا تھا شاید وہ انہی کا تجربہ دُہرا رہی ہوتی۔ خود پلنگ پر پڑی ہوتی اور لوگ باتیں بنا رہے ہوتے، قسمت پر شاکر نہ ہو کر نکو بن جانے سے اللہ کی رضا میں راضی ہو جانے میں کیسی عافیت، طمانیت اور سرخروئی ملی تھی۔

☆☆☆

عافیہ کی شادی کو پانچ چھ مہینے ہی گزرے تھے کہ عائشہ کے لیے دور پار کے رشتے داروں میں سے ایسا اچھا رشتہ آ گیا جس کا سان گمان بھی نہ تھا۔ عمر کے اعتبار سے تو اسے لڑکا کہنا زیادتی تھی وہ پختہ عمر کا مرد تھا پینتالیس سے تو کسی صورت کم نہیں۔ مگر کوالیفائیڈ انجینئر تھا اور سعودی عرب میں ملازمت کر رہا تھا۔ سات بہنوں کا اکلوتا بھائی، بہنوں کو نمٹاتے نمٹاتے خود اوور ایج ہو گیا تھا مگر مالی طور پر مستحکم تھا۔ شادی کے بعد بیوی کو اپنے ساتھ ہی سعودی عرب میں رکھنے کا ارادہ تھا۔ ابا نے کہا۔ ”بسم اللہ کرو۔“ چٹ منگنی پٹ بیاہ کے مصداق عائشہ بات چیت شروع ہونے کے بعد بیس دن کے اندر، اندر اپنے گھر کی ہو گئی۔ انیقہ کا دل کہتا عائشہ جس صدق دلی اور نیک نیتی سے بہنوں کے معاملے میں اماں، ابا کا دست و بازو بن جاتی تھی یہ اللہ نے اس کا انعام دیا تھا اسے۔

”انیقہ کے لیے کوئی رشتہ دیکھنا وہاں۔“ عائشہ سعودی عرب جانے لگی تو اماں نے اس سے کہا۔

”یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے اماں...... میں نے تو ان سے پہلے ہی کہہ رکھا ہے آپا کے لیے وہاں کوئی رشتہ دیکھیں گے اور انہیں بھی، وہیں بلا لیں گے۔“

”اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔“

نہال کی امی نے اپنے شوہر سے کہہ سن کر اس کے لیے دو رشتے بھجوائے ایک کے گھر والوں کو وہ دیکھنے میں اپنے بیٹے سے بڑی لگی، دوسرا رشتہ ابا کو پسند نہیں آیا۔ بات وہیں کی وہیں رہی۔

”آپ فکر نہیں کریں مس، میں نے اپنے ہسبینڈ سے کہا ہے اور کوئی دیکھیں۔ آپ کی شادی کروا کے ہی دم لوں گی میں۔“ نہال کی امی نے کہا۔

”شکریہ مسز جلال، کون کسی کے لیے اتنا سوچتا ہے۔“ اس نے کہا۔

”بھائی میرے شادی شدہ نہ ہوتے تو میں آپ کو اپنے کسی بھائی سے ہی لے جاتی چاہے وہ آپ سے چھوٹا ہی کیوں نہ ہوتا۔“

”خدا آپ کو آپ کی اس سوچ کی بھی جزا دے۔“

”آپ اتنی اچھی ہیں کہ میرا تو دل چاہتا ہے......“ انہوں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

”کیا جی چاہتا ہے؟“

”جانے دیں...... کچھ نہیں۔“ وہ ٹال گئیں، خدا جانے کیا کہنا چاہتی تھیں وہ۔ انیقہ نے اصرار نہیں کیا۔

عافیہ ایک بیٹے کی ماں بھی بن گئی۔ اسے اور اس کے بچے کو ایک ساتھ دیکھ کر انیقہ کو اپنا خواب یاد آتا۔ بعض خواب کتنے بے معنی ہوتے ہیں معنی کا کوئی سرا ہاتھ ہی نہیں آتا۔

☆☆☆

مارچ کی اکتیس تاریخ تھی۔ بیشتر اسکولوں میں سالانہ امتحان کے نتائج کا دن...... انیقہ اس سال بھی نہال کی کلاس ٹیچر رہی تھی۔ نرسری سے پانچویں جماعت تک ایک ہی ٹیچر ایک کلاس کو اپنے ساتھ لے کر چلتی رہتی۔ انتظامیہ کا خیال تھا۔ مسلسل کئی سال تک ایک ہی ٹیچر کو کسی کلاس کا نگران ٹیچر رکھنے سے ٹیچر اور

بچوں میں غیر معمولی ہم آہنگی نمو پا جاتی تھی۔ نہال کی اس سال اپنی جماعت میں دوسری امتیازی پوزیشن تھی۔

ہر سال کی طرح اس سال بھی اپنے بچوں کے سالانہ امتحان کا نتیجہ سننے کے لیے والدین کی بڑی تعداد اسکول آئی ہوئی تھی۔ نہال کی والدہ اسکول پہنچتے ہی انیقہ سے ملیں۔

”آج آپ بہت خوب صورت لگ رہی ہیں۔“ انیقہ نے ان کی سج دھج دیکھ کر کہا۔

”تو کیا ہمیشہ نہیں لگتی ہوں۔“ انہوں نے کہا اور بے ساختہ ہنسیں پھر بولیں۔

”بچوں کا رزلٹ سننے آئے ہیں بھئی۔“

”اکیلی......؟“

”نہیں، نہیں ہسبینڈ بھی آئے ہیں، گاڑی پارک کرنے کے لیے جگہ ڈھونڈ رہے تھے، میں تو گاڑی سے اتر گئی۔ میں نے کہا آج رزلٹ ڈے ہے، اسمبلی کے بعد ٹیچرز بزی ہو جائیں گی۔ میں نے ہسبینڈ سے کہا میں اپنی دوست سے مل لوں۔ آپ گاڑی پارک کر کے آئیں، یقین کریں مس میں آپ کو اپنے بچے کی ٹیچر کم اپنی دوست زیادہ سمجھتی ہوں۔“

”مجھے احساس ہے۔“

”نہال صاحب نے کیسا کیا؟“

”بس تھوڑی دیر اور انتظار کر لیں، نتیجہ آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔“

”اوکے...... لیجیے جلال صاحب بھی آ گئے۔“

”السلام علیکم میڈم!“ جلال صاحب نے نزدیک آنے پر سلام کیا۔

”وعلیکم السلام......“

”ہماری بیگم اسکول آئیں اور آپ سے نہ ملیں یہ ممکن ہی نہیں۔“

”محبت ہے ان کی۔“

”آپ بہت اچھی ہیں مس...... بہت دعا کرتی ہوں میں آپ کی شادی کے لیے۔“ جلال صاحب کی موجودگی میں ان کی اس بات سے انیقہ کو خفت نے آ لیا۔ کیا تماشا تھا۔ بچوں کا رزلٹ سننے آئے تھے دونوں میاں، بیوی اور اس موقع پر بھی بیگم صاحبہ عوام الناس کی طرح وہی ایک قصہ چھیڑ رہی تھیں جس سے اب اسے کوفت ہونے لگی تھی، چڑ آنے لگی تھی۔ اور بھی غم تھے دنیا میں اس کی شادی کے سوا۔

☆☆☆

عجیب دن تھا، نہال کے والدین بچوں کے نتائج سننے کے بعد کسی رشتے دار کی عیادت کے لیے جاتے ہوئے بچوں کو ڈرائیور کے ساتھ گھر جانے کی ہدایت کر گئے۔ ڈرائیور ابھی بچوں کو لینے کے لیے اسکول پہنچا بھی نہیں تھا کہ ایک روح فرسا خبر آ گئی۔ اسکول سے کچھ ہی دور ٹریفک کا ایک خونی حادثہ ہوا تھا۔ ایک تیز رفتار بس مخالف سمت سے آنے والی ایک کار پر چڑھ گئی تھی یہ وہی کار تھی جس میں نہال کے والدین سوار تھے۔ خاتون موقع پر ہی ہلاک ہو گئی تھی۔ مرد شدید زخمی حالت میں اسپتال میں تھا۔

بچوں کی والدہ کی ہلاکت کا پرسہ دینے اسکول کا سارا اسٹاف ان کے گھر گیا۔ انیقہ بھی ہمراہ تھی۔ گو مرنے والی کے حوالے سے اس کے لیے دو رشتے آئے تھے مگر نہ وہ خود کبھی انیقہ کے گھر آئی تھیں اور نہ انیقہ ان کے ہاں آئی تھی۔ گھر کیا تھا جدید فنِ تعمیر کا ایک دلکش نمونا تھا۔ گھر کی بیرونی اور اندرونی ہر دو سجاوٹیں دیکھنے سے تعلق رکھتی تھیں۔ لگتا تھا کہ اہلِ خانہ نہایت پُرتعیش زندگی گزار رہے تھے۔ ماں کی ناگہانی موت نے چھوٹے بچوں کو سہار رکھا تھا۔ بڑے صدمے سے بے حال تھے۔ قریبی رشتے دار انہیں دلاسا دینے کی کوشش کر رہے تھے۔ کئی دن اسکول میں یہ سانحہ موضوعِ گفتگو بنا رہا۔ انیقہ کے گھر میں بھی سب کو نہایت رنج ہوا تھا۔ انیقہ کو مرحومہ سے اپنی آخری ملاقات بار، بار یاد آتی۔

نیا تعلیمی سال شروع ہو گیا۔ نہال اور اس کے بہن بھائی اسکول نہ آئے تاہم ان کی چھٹی کی مشترکہ درخواست اور نئی جماعتوں میں ان کی فیس بھجوا دی گئی۔ لمبی غیر حاضری کے بعد بچے دوبارہ اسکول آئے تو ان

کے چہروں پر اداسی تھی۔ باپ کے بارے میں انہوں نے بتایا اسپتال سے گھر تو منتقل ہو گئے تھے مگر سہارے سے چلتے پھرتے تھے۔

''امی یاد آتی ہیں؟'' انیقہ کو نہال سے یہ سوال... کرنے کے بعد احساس ہوا کہ اسے یہ سوال نہیں پوچھنا چاہیے تھا۔ جواب میں اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ بسا اوقات معصوم بچوں کو بھی کیسا، کیسا درد سہنا پڑتا ہے۔ انیقہ نے اپنی کلاس کے تمام بچوں سے نہال کی والدہ کے لیے دعا کروائی۔ نہال کو پیار کیا، گلے لگایا اور بہادری سے یہ صدمہ برداشت کرنے کی تلقین کی۔ ساتھ ہی اپنے والد کا خیال رکھنے کی بھی تاکید کی۔ چھوٹا سا بچہ ٹیچر کی غیر معمولی ہمدردی، پیار اور توجہ سے خود کو بہت اہم، بہت معتبر محسوس کرنے لگا۔

نہال پڑھائی میں اچھا اور نہایت تمیز دار ہونے کے علاوہ اپنی والدہ سے انیقہ کے دوستانہ تعلقات کے باعث پہلے ہی انیقہ کے پسندیدہ شاگردوں میں رہا تھا۔ اس سانحے کے بعد انیقہ اس سے زیادہ محبت اور شفقت سے پیش آنے لگی۔ اس کا اعتماد بحال رکھنے کو وہ اسے پہلے سے زیادہ توجہ دیتی، ہر معاملے میں اسے پیش، پیش رہنے کا موقع دیتی۔ نہال اس کے اس غیر معمولی التفات اور ہمدردانہ رویے کے باعث اسکول میں اس کے آگے پیچھے ہی گھومتا رہتا۔ وہ کلاس میں ہوتی تو کبھی کاپی چیک کرانے کے بہانے، کبھی کسی لفظ کا مطلب پوچھنے، کبھی کسی اور بہانے اس کے پاس آ کھڑا ہوتا۔ اس کے فری پیریڈ میں بھی کسی نہ کسی بہانے اس تک آ پہنچتا۔

''مس آپ یہ بال پین بھول گئی تھیں ٹیبل پر۔''

''مس آپ کی بک......''

''مس آپ کو کاپیاں لا دوں جمع کر کے۔'' کاپیاں جمع ہوتیں تو وہ جمع شدہ کاپیوں کو اس کے ساتھ لائبریری یا اسٹاف روم تک پہنچانے کو سب سے آگے ہوتا بلکہ کبھی، کبھی اس معاملے میں مانیٹر سے الجھ بھی پڑتا۔

''مس کی کاپیز میں لے کر جاؤں گا۔''

مانیٹر ہاتھ چھوڑ کر بے بسی سے انیقہ کو دیکھنے لگتا۔

''ٹھیک ہے، نہال ہی کو لے جانے دو۔'' وہ مانیٹر سے کہتی۔

مانیٹر کا منہ بن جاتا۔

پھر ایک روز انیقہ نے مانیٹر کو اپنے پاس بلا کر علیحدگی میں سمجھایا۔ ''نہال بہت بڑے صدمے سے گزرا ہے عرفان...... اگر وہ کاپیز اٹھا کر لے جانا چاہتا ہے تو آپ مائنڈ نہ کیا کرو، کلاس مانیٹر تو آپ ہی ہو ناں۔''

''یس مس......'' عرفان بہت مؤدب بچہ تھا ہمیشہ تمیز کا مظاہرہ کرتا۔ اس نے دبی زبان سے کہا۔ ''مس جب نہال مجھ سے کاپیز چھینتے ہیں تو مجھے بہت برا لگتا ہے۔''

''آپ اسی کو اٹھانے دیا کرو...... اس کی مدر نہیں ہیں ناں بیٹا...... ہم سب کو فیملی کی طرح اس کا خیال رکھنا ہے۔'' اس نے نو عمر مانیٹر کو اسی کی ذہنی سطح کے مطابق سمجھانے کی کوشش کی۔

''رکھنا ہے ناں اس کا خیال......؟''

''یس مس......!''

''اوکے...... گڈ بوائے۔ آپ تو بہت اچھے، بہت سمجھدار بچے ہو، نہال کو بھائی کی طرح ٹریٹ کیا کرو۔''

''اوکے مس......''

انیقہ نے فرحان کا گال تھپتھپایا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دیا۔ تدریس میں آنے کے بعد اسے بچوں کی نفسیات کو خوب برتنا آ گیا تھا۔ نہال کے بارے میں بھی وہ جانتی تھی کہ ماں کی اچانک موت نے اس کی زندگی میں ایسا خلا پیدا کر دیا تھا جسے پُر کرنے کے لیے وہ ہمہ وقت توجہ اور محبت کی تلاش میں رہتا تھا۔

☆☆☆

مکمل صحت یابی کے بعد نہال کے والد اسکول آئے تو انہوں نے نہال کا خیال رکھنے پر انیقہ کا شکریہ ادا کیا۔

''سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے نہال ماں کا بہت لاڈلا تھا۔ اس نے بہت محسوس کیا اس کی جدائی کو لیکن اسکول آنے سے اس کا دھیان کافی بٹ گیا۔ آپ نے اس کا جس طرح خیال رکھا، میں آپ کا بہت شکر

گزار ہوں۔'' انہوں نے انیقہ سے کہا۔ ''گھر جا کر یہ بیشتر وقت آپ ہی کا ذکر کرتا رہتا ہے...... ممنون ہوں۔''

''کوئی بات نہیں، نہال کی ٹیچر ہونے کے ناتے یہ تو میرا فرض تھا کہ اس کے ننھے سے دل پر اس صدمے کی شدت کو کم کرنے کی کوشش کرتی۔''

''بہت شکریہ مس......''

''آپ کی مسز سے اپنی آخری ملاقات کو میں کبھی نہیں بھلا سکتی۔ بچوں کا رزلٹ سن کر وہ اتنی خوش تھیں۔''

''میری تو وہ بیوی ہی نہیں دوست بھی تھی۔ عمر میں وہ مجھ سے کچھ بڑی ہی تھی مگر ہمیشہ چھوٹی بن کر رہی۔ روایتی بیویوں کی طرح اس نے کبھی مجھے ڈومی نیٹ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ آئیڈیل بیوی تھی، آئیڈیل ماں۔''

''اللہ تعالیٰ آپ کو صبر عطا فرمائے۔''

''جزاک اللہ......''

وقفے، وقفے سے وہ کئی مرتبہ اسکول آئے کبھی فیس ادا کرنے کبھی بچوں کی پروگریس معلوم کرنے۔ نہال کی کلاس ٹیچر ہونے کے ناتے انیقہ سے بھی ملتے۔ ایک روز انہوں نے قدرے محتاط لہجے میں کہا۔

''مس آپ سے کچھ پرسنل بات کرنا چاہتا ہوں میں۔''

''جی فرمائیں۔''

''آپ مجھے تھوڑا سا وقت دے سکتی ہیں؟''

''اگلا پیریڈ فری ہے اگر آپ انتظار کر سکیں تو۔''

''جی بہتر...... میں انتظار کروں گا۔''

رواں پیریڈ ختم ہونے پر وہ کلاس سے باہر نکلی تو نہال بھی حسبِ عادت اس کے پیچھے، پیچھے کمرے سے باہر نکل آیا۔ انیقہ کو اسے پیار سے واپس بھیجنا پڑا۔

''نہال کلاس میں جاؤ مس عبیدہ کا پیریڈ ہے۔''

''جی مس...... میرے ڈیڈی نے آپ کو میری فیس دے دی ناں؟''

''ہاں دی تو تھی آپ کے سامنے۔''

''اوکے مس......'' وہ پلٹ گیا۔

راہداری سے گزرتے ہوئے نہال کے والد اسے کھڑے نظر آ گئے۔ وہ ان کے نزدیک پہنچ کر ٹھٹک گئی۔

''جی سر آپ مجھ سے کچھ بات کرنا چاہ رہے تھے۔''

''جی کرنا تو چاہ رہا ہوں مگر فیصلہ نہیں کر پا رہا کہ مجھے یہ بات آپ سے کرنی چاہیے یا نہیں...... اور کرنی بھی چاہیے تو یہاں آپ کی ورک پلیس پر کروں یا نہ کروں۔''

''کرنی تو یہیں ہوگی...... کیا نہال کی کوئی پرابلم ہے؟''

''ایک طرح سے اس کی بھی۔'' انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر بولے۔ ''کوئی ایسی جگہ ہے آپ کے اسکول میں جہاں ہم اطمینان سے بیٹھ کر بات کر سکیں۔''

باتیں یاد رکھنے کی

☆ دوستی اور محبت بڑی پیاری چیز ہے جہاں بھی مل جائیں ایک خوش نما پھول سمجھ کر اٹھا لینا چاہیے مگر اس خیال کے ساتھ کہ اگر یہ کھو بھی جائے تو اس کی خوشبو پاس رہے۔

☆ آنسو بہا کر نہیں آنسو چھپا کر جیو۔

☆ اپنوں کو ہمیشہ اپنے ہونے کا احساس دلاؤ ورنہ وقت آپ کے اپنوں کو آپ کے بنا جینا سکھا دے گا۔

☆ دوست اور پیار میں بہت بڑا فرق ہے پیار کہتا ہے اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو میں جی نہ پاؤں گا۔ جبکہ دوست کہتا ہے پاگل میرے ہوتے ہوئے تجھے کچھ نہیں ہو سکتا۔

☆ دولت مٹی کی طرح ہوتی ہے اور مٹی پاؤں کے نیچے ہی ہونی چاہیے۔ سر پر چڑھاؤ گے تو قبر بن جائے گی اور زندہ لوگوں کی قبریں نہیں ہوتیں۔

از: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

''لائبریری......''

''میرا خیال ہے مناسب ہے۔'' انیقہ انہیں لائبریری میں لے گئی۔ وہ کچھ کنفیوزڈ، کچھ نروس سے دکھائی دیے تھے۔

''جی سر......!''

وہ دھیرے سے کھنکھارے پھر انہوں نے دھیمی آواز میں کہا۔ ''آپ مائنڈ نہ کیجیے گا...... مسز کی ناگہانی موت نے میرے گھر کا نظام ہی نہیں میرا ذہن بھی درہم برہم کر کے رکھ دیا ہے۔ پانچ بچے ہیں، بڑی بیٹی یونیورسٹی کی طالبہ...... محسوس کر رہا ہوں کہ گھر میں کسی خاتون کے آئے بغیر نظام چل نہیں سکے گا۔ دوسری شادی کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ میں نے سوچا کیوں نہ پہلے میں اس خاتون کی مرضی معلوم کرلوں جس کی شادی کے لیے میری مرحومہ بیوی مجھے بار، بار کہتی تھی کوئی رشتہ دیکھیں بلکہ دو رشتے اسی کے اصرار پر آپ کے گھر بجھوائے بھی گئے۔ میرے اور آپ کے درمیان عمر کا کچھ فرق ضرور ہے لیکن میں آپ کو ہر طرح کی ضمانت دینے کو تیار ہوں۔''

انیقہ دم بخود تھی۔ نہال کے والد کی آواز اسے کسی دوسرے ہی سیارے سے آتی لگ رہی تھی۔ اچھے رشتے کے انتظار میں وہ اڑتیس برس کی ہو چکی تھی۔ سر کے بالوں میں نظر آتے سفید بالوں کو چھپانے کے لیے ہر ہفتے بالوں میں مہندی لگانے کا معمول بھی کئی سالہ ہو چکا تھا۔ تیسرے نمبر کی بہن عافیہ دو بچوں کی ماں بن چکی تھی۔ عائشہ کی بھی ایک بیٹی تھی۔ چوتھے نمبر کی بہن کا نکاح ہو چکا تھا۔ رخصتی کی تیاریاں جاری تھیں۔ اس کے سامنے بیٹھا سوٹڈ بوٹڈ شخص بہ مشکل پچاس برس کا رہا ہوگا۔ اس کی حیثیت کا انیقہ کو بخوبی اندازہ تھا۔ ایسے صاحب حیثیت شخص کا رشتہ تو اس کے گھر والے چراغ لے کر بھی ڈھونڈتے تو نہ ملتا۔ اور ایسے آدمی کو خود رشتوں کی کمی تھی بھلا...... اخبار میں ضرورت رشتہ کا ایک ہی اشتہار اس کے لیے رشتوں کی لائن لگا دیتا۔ بیٹیوں والوں کو پتا چلتا تو وہ ہاتھ باندھ کر رشتہ دینے کو تیار ہو جاتے۔

''میں نے بہتر یہی سمجھا کہ پہلے آپ سے بات کرلی جائے۔ آپ آمادہ ہوتی ہیں تو پھر آپ کے والدین سے بات کروں۔''

وہ چپ رہی۔

''مس پلیز جواب دیجیے۔ ہاں یا نہیں...... اگر آپ کا جواب نہیں میں ہے تو ہم یہاں سے ایسے اٹھیں گے جیسے میں نے کچھ کہا ہی نہیں اور نہ آپ نے کچھ سنا۔ نہال کی ٹیچر کی حیثیت سے آپ کا احترام اور ادب جوں کا توں رہے گا۔''

''میرے گھر والوں سے بات کریں۔'' اس نے صرف اتنا ہی کہا۔

''بچے پانچوں بہت کوآپریٹو ہیں اور نہال تو ہے ہی آپ کا...... انشاء اللہ بچوں کی طرف سے آپ کو کوئی پرابلم نہیں ہوگی باقی معاملات بھی الحمدللہ ٹھیک ہیں۔''

☆☆☆

گھر والوں اور خود انیقہ کے سان گمان میں بھی نہیں تھا کہ یوں ہوگا۔ وہ عورت جو بیگانی ہوتے ہوئے بھی اس کا رشتہ کرانے کے لیے نہایت خلوص سے متفکر رہا کرتی تھی اچانک چل بسے گی اور اللہ رب العزت کی رضا یہ ہوگی کہ انیقہ اس کی جگہ لے۔

''ارے میری انیقہ کو اس کے صبر کا پھل دے رہے ہیں اللہ میاں...... چھوٹی بہنوں کی شادی پر اس نے اُف تک نہیں کی...... کیا ہوا اگر اس گھر میں پانچ بچے ہیں، انیقہ بھی وقت پر اپنے گھر کی ہوگئی ہوتی تو آج اس کے بھی اتنے ہی بڑے، بڑے بچے ہوتے۔'' اماں کے تو پاؤں ہی زمین پر نہ پڑتے۔

اماں کو کیسے بتاتی انیقہ کہ چھوٹی بہنوں کی شادی پر اس کا اُف نہ کرنا بھی جانے والی کی دی ہوئی سمجھ تھی ورنہ وہ تو کسی اور ہی موڈ میں تھی۔

جلال صاحب کو جلدی تھی کیونکہ بقول ان کے گھر اور بچوں کی فکر کی وجہ سے ان کے کاروباری معاملات بھی متاثر ہو رہے تھے۔ تیسری بہن کی رخصتی سے پہلے ہی انیقہ کی رخصتی عمل میں آگئی۔ سادگی سے مسجد میں نکاح ہوا اور گھر میں طعام، نکاح سے قبل جلال صاحب نے صرف ایک شرط رکھی کہ انیقہ کو نوکری چھوڑنا ہوگی کیونکہ گھر ہمہ وقت توجہ چاہتا ہے۔

''اس سے زیادہ بھلا آدمی اور کہاں ملے گا جو بیوی کی نوکری کرنے کا خواہشمند نہ ہو۔'' اماں نے کہا۔ انیقہ خود بھی گھر بیٹھنا چاہتی تھی لہٰذا جلال صاحب کی شرط بے چون وچرا مان لی گئی۔

پہلی رات جلال صاحب نے اس سے کہا۔ ''میں دوسری شادی کیے بغیر بھی باقی زندگی گزار سکتا تھا مگر اپنے بچوں کے لیے مجھے بہرحال ایک ماں کی ضرورت تھی۔ آج سے یہ گھر اور بچے آپ کے ہیں، آپ نے بچوں کو اپنا بنالیا تو میرا سب کچھ آپ کا ہوگا۔ مزید بچوں کی مجھے خواہش نہیں لیکن اگر اللہ نے دے دیا تو اس کی مرضی۔''

☆☆☆

جانے والی کے گھر میں انیقہ کو وہ بھی ملا جس کا وہ ایک متوسط گھرانے کی فرد ہونے کے ناتے خواب بھی نہ دیکھ سکتی تھی۔ ماں کو کھوئے ہوئے بچوں کو اس نے توجہ اور محبت دی تو تین چھوٹے اسی کے ہوگئے۔ دو بڑے البتہ کچھ فاصلہ رکھتے مگر انیقہ ان کے بھی قریب ہونے کی کوشش کرتی۔

نہال شروع، شروع تو اسے ''مس'' ہی کہتا رہا پھر باپ کے سمجھانے پر ماما کہنے لگا۔

جلال اس کا بہت خیال رکھتے اسے ہی نہیں اس کے تمام گھر والوں کو عزت دیتے۔ دکھ سکھ بٹانے کی کوشش کرتے۔ چھوٹی بہن کی رخصتی پر انہوں نے دامے، درمے، سخنے اس قدر اپنائیت سے ابا کا ہاتھ بٹایا کہ ابا یہ کہنے پر مجبور ہوگئے داماد ہو تو ایسا۔

اماں اٹھتے، بیٹھتے شکر ادا کرتیں۔ انیقہ ملنے کے لیے آتی تو اس سے کہتیں۔ ''انیقہ تیری کوئی نیکی پسند آگئی اللہ تعالیٰ کو جو اس نے تجھے اچھا گھر اور اتنا خیال رکھنے والا شوہر دے دیا۔''

جلال ہر روز نہ سہی دوسرے تیسرے دن اسے میکے ضرور لے جاتے اور اپنے شاندار گھر سے اٹھ کر اس کے میکے کے چھوٹے سے گھر میں نہایت اپنائیت اور بے تکلفی سے بیٹھتے، کبھی بھولے سے بھی اپنی امارت کا زعم نہ دکھاتے۔

انیقہ کو بہت یاد کرنے پر بھی اپنی کوئی ایسی نیکی یاد نہ آتی جس کے انعام میں بقول اماں، اللہ نے اسے اتنا اچھا شوہر عطا کر دیا تھا۔ شادی کے دوسرے برس اللہ نے اسے اس نعمت سے بھی نواز دیا جو ہر شادی شدہ عورت کی چاہ ہوا کرتی ہے۔ وہ ایک بیٹے کی ماں بن گئی۔ بچے کی پیدائش کے بعد جب جلال اس کے پاس آئے تو اس نے کہا۔

''آئی ایم سوری۔''

''فار وہاٹ......؟'' وہ حیران ہو کر اسے دیکھنے لگے۔

''آپ کو تو مزید بچوں کی خواہش نہیں تھی مگر یہ پھر بھی آگیا۔'' اس نے اپنی آغوش میں لیٹے بچے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اللہ کی مرضی......'' جلال بولے۔

نہال اور اس سے بڑی حمنہ کو تو گویا کھیلنے کو جیتا جاگتا کھلونا مل گیا۔ دونوں ہر وقت اس کے آس پاس ہی موجود رہتے۔

''ماما اس کی انگلیاں دیکھیں کتنی منی، منی ہیں۔''

''ماما یہ سوتے میں ہنستا کیوں ہے؟''

''ماما اس کی آنکھیں پوری کیوں نہیں کھلتیں؟''

بڑے بچے چھوٹے بہن، بھائی کی ایکسائٹمنٹ پر کسمساتے اور منہ بناتے۔ انیقہ کن انکھیوں سے ان کی ناگواری دیکھتی اسے برا لگتا۔ دکھ ہوتا کہ وہ اپنے باپ کی اولاد سے خوش نہیں تھے۔ ایک روز اسی خیال کے زیر اثر الجھی ہوئی بیٹھی تھی کہ وہ عورت جس کی جگہ وہ اس گھر میں آئی تھی اس کے چشم تصور میں آ کھڑی ہوئی اور اس کے لبوں کو حرکت ہوئی۔

''دل برا مت کرو، یہ سوچو کہ تم صرف ننھے ہلال ہی کی نہیں پانچ اور بچوں کی ماں بھی ہو۔ یمنیٰ، بلال اور طلال عمر کے اس دور میں ہیں جو سرکشی کا زمانہ ہوتا

''ہے۔ ان کے دل ٹوٹے ہوئے ہیں، ذہن بکھرے ہوئے ہیں، انہیں فقط محبت سے سمیٹا جا سکتا ہے۔ ایک بار تمہارے بن گئے تو مجھے بھی بھول جائیں گے۔ صرف تم یاد رہ جاؤ گی انہیں۔''

تصور ٹوٹا تو انیقہ نے جھرجھری لی۔ یہ واہمہ تھا۔ اس کی ذہنی اختراع یا انسان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی عالم ارواح میں اپنے پیاروں کے دکھ سکھ سے آشنا رہنے کا کوئی غیبی سلسلہ...... وہ فیصلہ کرنے سے قاصر تھی لیکن اس کے دل سے یمنیٰ، بلال اور طلال کے خلاف گلہ جاتا رہا۔ ملال آپ ہی آپ کم ہو گیا۔

''میں اس گھر میں ان بچوں ہی کی وجہ سے تو ہوں۔'' اس نے خود کلامی کی۔'' جلال صاحب نے اپنے بچوں کی خاطر ہی تو مجھ سے شادی کی ہے۔ اگر میں ان بچوں کو اپنا نہ سکی تو شاید...... جلال بھی میرے نہ بن سکیں...... اپنے بچے کے لیے ان کے بچوں کے برابر جگہ بنانے کو مجھے جلال کے بچوں کے لیے اپنے اوپر سے سوتیلی ماں کا لیبل ہٹا کر صرف ماں بننا ہے۔''

عجیب بات تھی جلال کی مرحومہ بیگم نے ایک مرتبہ اپنی زندگی میں اسے عافیہ کی شادی کے موقع پر راہ سجھائی تھی اور دوسری مرتبہ اس دنیا سے جانے کے بعد۔

☆☆☆

دوسری عورت کے بچوں کو اپنا بنانا اور وہ بھی اس عورت کے لیے جو سوتیلی ماں ہو۔ آسان نہیں ہوتا۔ منزل کڑی تھی مگر حالات نے ساتھ دیا۔ بالخصوص جلال کی خوشحالی نے...... پیسہ مسائل کی جڑ بھی ہے مداوا بھی...... جلال نہ بچوں کے حق میں کوتاہی کرتے نہ انیقہ کے۔ جذباتی مسائل البتہ تھے مگر انیقہ اپنی مہربان راہرو کے طفیل عافیہ کی شادی کی طرح اس بار بھی سرخرو رہی۔ کچھ وقت ضرور لگا۔ دشواریاں بھی پیش آئیں مگر تینوں بڑے بچے بھی دھیرے، دھیرے اس کے بن گئے۔ ہلال سے پانچوں اس طرح محبت کرتے جیسے ان میں آپس میں تھی۔ اسے لاڈلا بنا کر رکھتے۔

یمنیٰ کا یونیورسٹی میں آخری سمسٹر تھا۔ انیقہ سے وہ اب اپنی ہر بات شیئر کرنے لگی تھی۔ یونیورسٹی سے آنے کے بعد اپنی اور اپنی دوستوں کی ایک، ایک بات اسے بتاتی۔

''آپ تو میری دوست ہیں۔'' وہ اکثر انیقہ سے کہتی۔

''میری جان یمنیٰ! ماں اور بیٹی آپس میں دوست ہی ہوتی ہیں۔'' انیقہ کہتی۔

''یو آر سو سوئٹ......'' یمنیٰ اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیتی۔

''یو ٹو میری جان!'' انیقہ اسے مہربان نظروں سے دیکھتی۔

یونیورسٹی کے آخری دنوں میں یمنیٰ آئے دن اسے اپنی کسی یونیورسٹی فیلو کے افیئر، کسی کی منگنی اور کسی کے نکاح کی خبریں تواتر سے سنانے لگی۔ ایک دن اس نے کہا۔

''ماما...... آج یونی میں بڑا خراب واقعہ ہوا۔''

''کیا ہوا؟''

''ہماری ایک سینئر کا مرڈر ہو گیا۔''

''کیسے؟'' انیقہ چونکی۔

''بیچاری ٹرانسکرپٹ لینے کے لیے یونی آئی ہوئی تھی۔ اسے دبئی کے ایک اسکول میں جاب مل گئی تھی۔ وہاں جانے والی تھی۔ سنا ہے اس نے لاسٹ سمسٹر میں اپنے گھر والوں سے چھپ کر کسی سے کورٹ میرج کر رکھی تھی۔ وہی اسے دبئی لے جا رہا تھا۔ اس لڑکی کے گھر والوں کو کسی نے بتا دیا کہ اس نے تو شادی کر رکھی ہے۔ لڑکی کسی گاؤں سے آئی ہوئی تھی اور یہاں پہلے یونیورسٹی ہاسٹل میں اور اب کسی پرائیویٹ ہاسٹل میں رہتی تھی۔ لڑکی کا بھائی اس کی کورٹ میرج کی خبر سن کر گاؤں سے یہاں آ گیا۔ پہلے اس کے ہاسٹل گیا پھر تلاش کرتا یونی آ گیا۔ وہ بیچاری ٹرانسکرپٹ لے کر نکل رہی تھی۔ بھائی سامنے آ گیا۔ اس سے پوچھا تو نے کسی سے شادی کر رکھی ہے یونی میں لوگ کہہ رہے تھے اس نے سوچا ہو گا جا تو رہی ہوں انکار کیوں کروں، اس نے بھائی سے کہہ دیا

ہاں...... بس اس نے اسی وقت ریوالور نکالا اور اسے وہیں شوٹ کر دیا۔''

''مر گئی......؟'' انیقہ نے سینے پر ہاتھ دھرتے ہوئے کہا۔

''اسی وقت ماما...... اوہ مائی گاڈ...... مجھے تو اب یاد آنے سے ڈر لگ رہا ہے۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور اتنا خون جیسے بقر عید پر کسی جانور کے ذبح کرنے سے بہتا ہے۔''

''میرے خدا......''

''بھائی کو اسے مارنا تو نہیں چاہیے تھا ناں ماما...... کیا ہوا اگر اس نے کورٹ میرج کر لی تھی۔''

''یہ عزت کا معاملہ ہوتا ہے میری جان...... جس گھر کی کوئی لڑکی اتنا بڑا قدم اٹھا لیتی ہے اس کے گھر والے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتے، جذبات میں آ کر انتہائی قدم اٹھا بیٹھتے ہیں، غلطی لڑکی کی تھی کیوں اس نے گھر والوں کی مرضی کے بغیر چھپ کر شادی کی۔''

''کوئی وجہ ہو گی ماما......''

''کوئی بھی وجہ ہو...... کتنی ہی بڑی وجہ...... اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''اور آپ کو بتاؤں بھائی اسے شوٹ کرنے کے بعد فرار بھی نہیں ہوا۔ اس نے چلا، چلا کر کہا پولیس کو بلاؤ مجھے گرفتار کرے۔ ہم لوگ تو بھاگ کر ادھر اُدھر چھپ گئے تھے۔''

''لڑکیوں کو عقل سے کام لینا چاہیے۔ بہن تو جان سے گئی...... بھائی کی زندگی برباد ہوئی۔ اب تھانے، کچہری، جیل بھگتے گا اور وہاں سے چھوٹا بھی تو ساری زندگی بہن کا قاتل کہلائے گا۔''

''شادی کرنا کوئی جرم تو نہیں ماما...... اگر اس کی بہن نے شادی کر بھی لی تھی تو یہ تو اس کا حق تھا۔ اس کے بھائی کو اس کا مرڈر تو نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''اس نے اپنے حق کا استعمال غلط کیا۔ گھر والوں کو بتاتی کہ میں اس لڑکے سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔''

''ہو سکتا ہے اس کے گھر والے نہ کرتے۔''

''اگر وہ اپنی بیٹی کے لیے مناسب سمجھتے تو ضرور کرتے۔''

''آپ کو نہیں پتا ماما بعض لوگ نہیں کرتے...... میری ایک کلاس فیلو ہے، اس کی ہماری ہی کلاس کے ایک لڑکے سے انڈر اسٹینڈنگ ہے، لڑکی نے اپنے گھر میں بات بھی کی مگر سنا ہے اس کے گھر والے راضی نہیں ہو رہے۔''

''کوئی وجہ ہو گی۔''

''کوئی وجہ نہیں۔''

''تمہیں کیسے پتا؟''

''وہ خود ہی بتاتی ہے۔''

''میرا دل نہیں مانتا۔''

''کیوں......؟''

''کیونکہ لڑکیوں کے والدین آج کل اپنی بچیوں کے رشتوں کے لیے اتنے فکر مند رہتے ہیں کہ کوئی بھی صحیح الدماغ ماں، باپ اچھا رشتہ نہیں گنوانا چاہتے۔''

یمنیٰ پرانے وقتوں کی لڑکی نہیں تھی، وہ بحث کرنا جانتی تھی۔

''فرض کریں میں آپ سے یہ کہوں کہ مجھے فلاں لڑکا پسند ہے تو کیا آپ اور ڈیڈی اس سے میری شادی کر دیں گے؟''

''ہے کوئی پسند؟'' انیقہ نے مسکراتے ہوئے معنی خیز نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''میں نے پہلے ہی کہہ دیا ہے...... فرض کریں۔''

یمنیٰ نہایت سنجیدہ دکھائی دی۔

''اگر ہم نے لڑکے کو تمہارے لیے بہتر پایا تو ضرور کر دیں گے۔''

''آپ لوگ ایجوکیٹڈ اور سمجھدار ہیں ناں اس لیے...... بعض ماں، باپ اور یہاں تک کہ بھائی، بہن بھی بہت سخت ہوتے ہیں، لڑکیوں کی پسند کو اہمیت نہیں دیتے۔ اسی لیے لڑکیاں غلط قدم اٹھا لیتی ہیں۔''

''دیکھو بیٹا، لڑکی کو شادی کو زندگی کا حرفِ آخر نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ اگر سچ پوچھو تو شادی لڑکی کے

لیے وہ نقطۂ آغاز ہے جہاں سے اس کے لیے آزمائش شروع ہوتی ہے اس آزمائش سے گزر گئے تو فبہا پھنس گئے تو انا للہ......''

یمنیٰ ہنس دی۔

''سچ کہہ رہی ہوں میری جان۔''

''آپ مجھے ڈرائے دے رہی ہیں۔''

''خدانہ کرے، میں تمہاری ماں ہوں...... ویل وشر ہوں تمہاری...... خدانخواستہ میں کیوں ڈراؤں گی تمہیں۔''

''میں مذاق کررہی ہوں۔'' یمنیٰ کچھ شرمندہ سی ہوگئی۔

''مگر میں بالکل سنجیدہ ہوں اور آج تمہیں وہ بات سمجھانے کی کوشش کروں گی جو تمہاری ماں ہونے کے ناتے میرا فرض بنتا ہے۔'' انیقہ نے توقف کیا۔ یمنیٰ متجسس دکھائی دینے لگی۔ ''دیکھو بیٹا۔'' انیقہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بولی۔ ''شادی ہر لڑکی کی تمنا ہوتی ہے...... میری بھی تھی، رشتے آتے مگر کہیں بات نہیں بنتی۔ میں اتنی مایوس ہوگئی کہ مجھے رشتے والوں کے آنے سے چڑ محسوس ہونے لگی۔ مجھے لگتا شادی ہونا میری قسمت ہی میں نہیں۔ اوپر سے پوچھنے والے جان عذاب کیے رکھتے۔ شادی ہوگئی؟ کیوں نہیں ہوئی؟ وغیرہ، وغیرہ تمہاری مدر خدا ان کی مغفرت کرے انہوں نے بھی اپنی کوششوں سے میرے لیے دو رشتے بھجوائے مگر وہاں بھی بات نہیں بن سکی...... اب تم اللہ کی رضا دیکھو کہ تمہاری ممی بیچاری دنیا سے چلی گئیں اور اللہ نے ان کی جگہ مجھے تمہارے گھر میں بھیج دیا۔''

''اب تو آپ کا گھر ہے ماما۔'' یمنیٰ بولی۔

''تمہاری محبت اور سعادت مندی ہے میری جان......'' انیقہ نے اسے پیار کیا پھر سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے بولی۔ ''اللہ گواہ ہے یمنیٰ کہ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی یہ بات کہ میری شادی تمہارے ڈیڈی سے ہوگی...... اب سمجھ میں آتا ہے کہ وہ جو رشتے میرے لیے دیا کرتے تھے اور ان کے پلٹ کر نہ آنے پر مجھ سمیت تمام گھر والے پریشان اور فکرمند ہوجایا کرتے تھے وہ کیوں نہیں پلٹتے تھے...... اس لیے کہ مجھے تو اس گھر میں آنا تھا...... اور اپنے اس ذاتی تجربے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ وہ لڑکیاں جو شادی نہ ہونے سے خود بھی پریشان رہتی ہیں اور اپنی مایوسی سے اپنے گھر والوں کو بھی نفسیاتی دباؤ میں رکھتی ہیں بلکہ کبھی، کبھی اپنے لیے الٹے سیدھے فیصلے بھی کرجاتی ہیں وہ ناسمجھ اور عاقبت نااندیش ہوتی ہیں...... تمہارے ڈیڈی سے اپنی شادی کے بعد میرا اس بات پر پکا یقین ہوگیا ہے کہ جوڑے آسمان پر بنتے ہیں۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ کس کا مقدر کس کے ساتھ لکھا ہے۔''

''آپ مجھے یہ سمجھانے کی کوشش کررہی ہیں کہ مجھے شادی کے لیے فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔'' یمنیٰ مسکراتے ہوئے بولی۔

''تمہی کو نہیں...... کسی بھی لڑکی کو نہ فکرمند ہونا چاہیے نہ مایوس...... البتہ دعا ضرور کرنی چاہیے کہ اچھے لوگوں سے تعلق جڑے، اچھا شریکِ زندگی ملے۔''

''اس کا مطلب ہے آپ بہت دعا کرتی ہوں گی...... تبھی تو آپ کو ڈیڈی جیسا شریکِ زندگی ملا ہے۔''

''شکر کرتی ہوں اپنے رب کا...... اللہ کرے تمہارا نصیب بھی کسی اچھے انسان کے ساتھ کھلے۔''

''مجھے تو دعا مانگنے کی ضرورت ہی نہیں...... آپ جو ہیں میرے لیے دعا مانگنے کو......'' یمنیٰ نے خوش دلی سے کہا۔

''حاجت مند کو خود بھی دعا مانگنی چاہیے میری جان۔''

''یو آر گریٹ سوئٹ ماما......'' یمنیٰ بہت لاڈ سے اس سے لپٹ گئی۔ انیقہ نے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

انہیں دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ وہ سوتیلی ماں بیٹی تھیں...... انیقہ کی شادی میں تاخیر اسی لیے ہوئی کہ اسے ماں سے محروم ہوجانے والے پانچ بچوں کی ماں بننا تھا۔

سو ہر لڑکی کو راضی بہ رضا رہنا لازم!

دامن میں جس کے ایک بھی تارِ وفا نہیں

بنت زہرا ثانی

اس نے میرے ہاتھوں پر مہندی لگائی جب میں نے چارجز پوچھے تو اس نے لینے سے صاف انکار کردیا۔ میرے اصرار پر بولی کہ ''نہیں ابھی نہیں پھر حساب برابر کرلوں گی شاید زیادہ ہی وصول کرلوں۔'' میں نے سادہ سے انداز میں سادہ سی بات سمجھی شاید وہ اپنی شادی پر بھاری گفٹ لینا چاہ رہی تھی اور پھر ایک دن ایسا آیا کہ اس نے چارجز اتنے اور اتنے زیادہ وصول کیے کہ کوئی شمار نہیں تھا......



یہ چارجز (معاوضہ) کیا تھے۔ قیامت تھی جو مجھ پر کچھ اس طرح ٹوٹی کہ ہر دن آج برسوں بعد بھی پہلا ہی دن لگتا ہے۔

میں چاروں شانے چت گری تھی۔ اعتماد، بھروسا اپنائیت اور میرا مان سب کا ہی تو خون ہو چکا تھا۔ سات آسمان تھے جو گر پڑے تھے مگر بظاہر سب ترتیب سے تھا۔

لوگ کہہ رہے تھے کہ چلو ایک باب ختم ہوا مگر کوئی مجھ سے پوچھے، مجھ سے جانے کہ کتنے باب تھے جو ہر جانب کھل رہے تھے کسمپرسی کے بے بسی کے بے یقینی کے اور تباہی و بربادی کے ہر اک طرف اندھیرے جنگلوں کی وحشت تھی، زندگی اتنی بھی بھیانک ہونی تھی، یہ سب کیا ہو گیا مگر کیوں؟ آخر کیوں؟

ہاں یہ سب حقیقت تھی ایک زندہ حقیقت مگر کس قدر بھیانک کیا ہی کوئی خواب اتنا بھیانک ہوگا جیسی جو اپنا سب کچھ اس پر وار چکی تھی، اس کی زندگی میں کہیں تھی ہی نہیں کہیں بھی نہیں۔

مجھ کو اب اس زہریلی حقیقت کے ساتھ مر، مر کے جینا تھا۔ میرا کلیجا جو پہلے ہی زخمی تھا، غم سے پھٹا جا رہا تھا۔ اور آہ کی صورت کئی سوال ابھر رہے تھے پھڑکتے، تڑپتے اور سچے سوالات، کیا وہ مجھ سے اتنی شدید نفرت کرتا رہا بلکہ کیا کوئی مرد اس عورت سے جو راضی خوشی اس کی زندگی میں آئے اتنی بھی نفرت کر سکتا تھا۔ یہ سوال سب سے اہم تھا۔

یہ صوفیہ تھی جو سسکتے ہوئے درشہوار کو اپنے پہ آئی افتاد کی کتھا سنا رہی تھی سننے والی حیرت، غم اور تجسس کے ملے جلے انداز میں اپنی بچھڑی دوست کی باتیں سن رہی تھی جو چند روز قبل اس کو اتفاقاً قریبی کلینک میں ملی تھی۔

اس نے پہلی دو ملاقاتوں میں سر راہ سرسری باتیں کیں اپنے شوہر کا تذکرہ گول کر گئی مگر آج جب... درشہوار کے اصرار پر اس کے گھر پہنچی تو اس نے خود پر گزرنے والی قیامت کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔

اس کا شوہر کمال ایسا آزاد پنچھی تھا جو اُڑ چکا تھا اب اس کا کچھ نہ تھا مگر جسم سے روح تک رستے ہوئے زخم اندر سے باہر کی چوٹیں ساری ٹوٹ پھوٹ اس کی نشانیاں ابھی باقی تھیں جواب صرف اس کی ہی تھیں۔

مرد اور عورت کا ایک بندھن میں بندھ جانا کچھ اور ہی تقاضے کرتا ہے اور دونوں طرف سے کرتا ہے مگر چند روز ہی میں کمال نے اس کو بتا دیا تھا کہ ”تم میری پسند ہو، نہ ہی مجھ کو ناپسند تم جتنی ہو اتنی رہو‘ہاں مجھ کو پابند کرنے کا سوچنا بھی نہیں، میں مرد ہوں اور تم کو کوئی حق نہیں کہ یہ سوال کرو کہ میں کس سے ملتا ہوں اور کیوں ملتا ہوں، پروفیشنل لائف میں دس عورتوں سے ملنا پڑتا ہے اور ہنس، ہنس کر ملنا ضروری ہوتا ہے (مگر یہ تو صرف پروفیشنل حد تک ہوتا ہے) اور سنو! کچھ رشتے کتابوں میں نہیں لکھے ہوتے جو خونی ہوتے ہیں نہ ہی قانونی مگر نبھانے پڑتے ہیں۔“ صوفیہ نے مرد کا یہ روپ کب دیکھا تھا وقت پر گھر آنے والے ابو، بھائی، چچا، تایا اور ماموں نے تو اپنے گھر کی عورتوں کو اتنا حکم کی باندی بنا کر رکھا نہیں تھا اس کے اپنے ماں، باپ کے گھر باوجود باپ کے اتنا سخت روایتی ہونے کے یہ مسئلہ اس نے دیکھا ہی کب تھا، مرد اپنے کام سے کام رکھتے، عورتیں پردہ کرتیں تو وہ بھی دوسری عورتوں سے کم آمیز مگر احترام کا رویّہ رکھتے......ساتھ بیٹھ کر تبادلۂ خیال تو دور کی بات کوئی پڑوسن آنٹی یا ملنے والی آجاتیں تو آیئے بھابی، آیئے بہن کہہ کر احتراماً کنارہ کش ہو جاتے، اسے یہ انداز بڑا مہذب یا شائستہ لگتا مگر یہ مرد جو اس کا شوہر تھا اچھا خاصا لبرل ہونے کا دعویدار تھا مگر اس کے اندر ایک تنگ نظر اور تنگ دل آدمی چھپا ہوا تھا اور وہ خالصتاً ایک گھریلو لڑکی تھی۔ اس کی ماں بھی ایک گھریلو عورت تھی سوائے اس کے کہ کپڑے سی کر کچھ اضافی اخراجات پورے کرنے کو بچت کر کے کمیٹی ڈال لی یا اس نے ٹیوشن کر کے کچھ اپنے اخراجات پورے کر لیے۔

اس کی ماں نے جہاں اس کو نصیحت کی تھی کہ ”خواہش تو ایک طرف اپنی ضرورت کو بھی مار لینا وہیں پر اس کو تاکید کی تھی کہ شوہر پر نظر رکھنا، بھٹکنے نہ پائے بس یہیں سے

ساری ٹوٹ پھوٹ کی ابتدا ہوتی ہے مرد کا کچھ بھروسا نہیں کم از کم آج کے دور میں تو بالکل نہیں ہٹالد گئے وہ زمانے جب مرد سخت گیر تو بہت ہوا کرتے تھے مگر اپنے گھر اور گھر والی سے بالکل مخلص ہوتے تھے، اپنی ذمّے داری کو اپنی غیرت سمجھتے تھے۔“ مگر صوفیہ تو اس نئے گھر میں آتے ہی بے بس کر دی گئی تھی، کیسی تھی یہ غلامی اکیسویں صدی کے کمپیوٹرائزڈ دور کے لبرل مرد کی غلامی......

کمال عجیب باتیں کرتا تھا جس میں اس کو گرانے کا پیغام چھپا ہوتا مثلاً ”تم کو پتا ہے خالہ حمیدہ جو اماں کی چچازاد ہیں ان کی بیٹی مونا نے میرے رشتے سے انکار کر دیا تھا۔ دماغ ساتویں آسمان پر رہتا ہے اس کا پھر دو سال پہلے اس کی شادی ہوئی سال بھر تک اولاد کا نام و نشان تک نہ ہوا تو اب شوہر نے باہر جا کر شادی کر لی، بچاری بانجھ ہے اور ماں کے گھر میں رہتی ہے مگر رسی جل گئی بل نہ گیا‘ میں تو رشتے داروں کی وجہ سے چلا جاتا ہوں مگر تم کو وہاں لے جا کر ذلیل نہیں کرنا چاہتا۔“ وہ اس کے دل میں عجیب سے واہموں کے بیج بوتا اور ساتھ، ساتھ دہشت بھی بٹھاتا جاتا۔

”ارے چھوڑیں۔ اب ایسی بھی کیا رشتے داری‘ کزن وہ بھی دور کی آج کل سگے رشتوں کے لیے ٹائم نکالنا مشکل ہے‘ یہ تو اللہ میاں کے پچھواڑے کا ناتا ہوا۔“ وہ دلیل سے اس پیدا ہوتے واہمے کو ختم کرنا چاہتی تاکہ ان کے درمیان شک کا کوئی بیج نہ پنپنے لگے۔

”یہ تم مجھے کچھ سکھانے کی کوشش مت کرنا، عورت، مرد سے کم تر ہے اور رہے گی، مجھ پر زیادہ رعب نہ ڈالنا سمجھیں۔“ وہ یک بیک طیش میں آجاتا۔

”مگر کون سی عورت کم تر ہے کمال صاحب! شریکِ حیات یا بے نام رشتے سے جڑی عورت۔“ وہ جراٴت سے کہہ گئی۔

”تم میرے سامنے جرح مت کرو سیکریٹری یا لی اے نہیں ہو گھریلو عورت گھریلو رہے تو اچھا ہے۔“ حکم دیا جاتا۔

”جی بہتر......ٹھیک ہے۔“ وہ سہمی ہوئی جواب دیتی۔ اسی میں اس کی بہتری تھی، وہ من مار کر شاد رہنے کی کوشش کرتی یہ لفظ کہ جو دل بھی ہے اور حرف میں بھی ہر زاویے سے یہ دو حرفی لفظ مارتا اس کا سمجھوتا تھا، اس کی ماں نے بھی تو شوہر کی اطاعت اور خدمت کی تھی مگر وہ کبھی باندی بن کر تو نہیں رہی تھی۔ یہ تو محبت اور اپنائیت کا رشتہ تھا، دونوں طرف ہنسی خوشی قربانیاں دی جاتیں، نوک جھوک اور گلے شکوے بھی ہوتے واقعی ہوتا بھی کچھ یوں ہے اِدھر تقاضا ہوتا ہے کہ عمر گزار دیجیے اور اُدھر سر تسلیم خم کرتے ہوئے عمر گزار دی جاتی ہے کوئی نقصان کوئی خسارہ ذرا بھی محسوس نہیں ہوتا مگر انسان کی بندی نہیں بلکہ باندی بن کر رہنا کتنا بے بس کر دینے والا عمل ہے۔

لیکن یہاں تک بھی بس ہو جاتا تو سہہ لیا جاتا مگر پھر حکم یہ تھا کہ ساری دنیا کو اس بے بس قید کا پتا بھی نہیں چلنا چاہیے یوں دنیا دکھلاوے کو لبرل ہونے کی پالش ہوتی اور اندرونِ خانہ ایک عجیب قانون نافذ ہوتا۔ کمال اس کے کمال ضبط کو آزمانے لگا اور اس کو سمجھوتا کرتا تھا ”کمال کا سمجھوتا“ یا ”کمال سے سمجھوتا“۔ ایک ہی بات تھی۔

صوفیہ کو میکے والے تسلی دیتے کہ چلو یہ امتحان کے دن سمجھ کر گزار لو ذرا سی آزمائش ہے اس میں کسی طرح پوری اتر جاؤ پھر سب ٹھیک ہو جائے گا، آپس کا اعتماد بحال ہو جائے گا پھر اللہ کرم کرے گا خوش خبری آجائے گی تو سب سنبھلنے لگے گا۔ بچہ ہوتا ہی ایسی چیز ہے نعمت غیر مترقبہ مگر صوفیہ یہاں کیسے بتاتی، کسے بتاتی کہ کمال اس سلسلے میں کیا کہتا ہے، کتنا منفرد تھا وہ اور مردوں سے۔

”بھئی ابھی تم میرے سانچے میں ڈھلو تو ساتھ دو، ابھی ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ایڈجسٹ ہو لیں۔ پھر سوچیں گے۔“

وہ کچھ کہتی تو سننے کو بھی خوب ملتا۔

”پھر بحث کر رہی ہو تم، ارے میں تمہیں کیسے

بتاؤں کہ ابھی میں نہیں برداشت کر سکتا یہ جھمیلے...... فی الحال پاؤں میں کوئی زنجیر نہ ہی پڑے تو اچھا ہے سمجھیں تم۔" وہ غراتا۔

☆☆☆

"مبارک ہو مسز کمال آپ کے گھر میں پہلے ننھے مہمان کی آمد کنفرم ہے۔" کچھ دنوں سے طبیعت گری، گری سی تھی تو وہ چیک اپ کے لیے چلی آئی تھی۔ ڈاکٹر نے رپورٹ اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے خوش خبری دی مگر وہ بے طرح چونکی کمال کا خوف تھا یا کمال سے خوف گویا ایک ہی بات تھی۔

"ج ... ج، جی وہ مگر......" بہ مشکل اس کے منہ سے بے ربط الفاظ نکلے۔

"گھبراؤ نہیں، فرسٹ ٹائم ایسی ہی گھبراہٹ ہوتی ہے مگر اتنا سمجھ جاؤ اچھی طرح یہ زندگی کا ایک نارمل مرحلہ ہوتا ہے مشکل سہی مگر یہ بھی سچ ہے کہ کتنے لوگ برسوں ترستے ہیں اس آرزو میں۔" ڈاکٹر نے اس کی گھبراہٹ کو نو آموزی پر محمول کرتے ہوئے عام سے انداز میں تسلی دی۔

"یہ میں فوڈ سپلیمنٹ لکھ رہی ہوں ساتھ میں ڈائٹ ذرا اچھی لینا اور کچھ پرہیز ہیں، وزن اٹھانے سے بالکل بچنا ہے اور ہر ماہ باقاعدگی سے چیک اپ کے لیے میرے پاس آنا ہے، اللہ بہتر کرے گا۔" ڈاکٹر نے اپنی پیشہ ورانہ مہارت کا مظاہرہ بڑی دیانت داری سے کیا۔

دنیا کی نظر میں صوفیہ کو جینے کا جواز مل گیا تھا۔ خدا کی نظر میں قابلِ رحم اور کسی مقبول دعا کا آغاز بھی اور اس کی اپنی نظر میں سب کچھ دُہرا تھا خوشی اور خوف بے اندازہ خوف......

• خوشی، اپنائیت اور محبت کے تقدس کی، کسی آنے والے معصوم فرشتے سے جس کا سب کچھ اس کا اپنا تھا۔ اپنا پن جس کو پانے کے لیے تن من دھن کی قربانی دی جاسکتی ہے پھر بھی سودا مہنگا نہیں ہوتا۔ ہاں تخلیق کے کرب اور آنے والی اذیت کا خوف تو پہلی بار ہر لڑکی کو ہوتا ہے مگر کمال کو اطلاع دینے پر اس کے متوقع ردِ عمل کی دہشت بے انتہا تھی، ایسی خوش خبری جس کے منتظر سسرال والے تھے مگر اس کا جیون ساتھی، اس بچے کا ہونے والا باپ......وہ......وہ مگر اس کو ایک موٹی زنجیر سمجھتا تھا۔

ملکوں، شہروں اور علاقوں کی حدود ہر جگہ ہوتی ہیں جو ایک سسٹم کہلاتی ہیں اسی طرح گھروں اور انسانوں کی بھی حدود ہوتی ہیں مگر کوئی بھی ان کو زنجیر کہہ کر کاٹنے یا توڑنے کی بات نہیں کرتا کہ یہ بندھن ہیں اور یہیں سے رنگِ وفا کھلتا ہے مگر لذت آمیز دنیا کی رنگین بے راہ روی میں کھو جانے سے باہمی تعلق میں وفا اور اعتبار کا رنگ پھیکا پڑ جاتا ہے، ان ہی حدود کو دین و دنیا دونوں میں حقوق و فرائض کہا جاتا ہے۔

وہ خوف زدہ تھی کہ کمال کو کیسے یہ سب بتائے اور یہ بھلا چھپانے والی بات تھی کیا؟ کم از کم کمال سے تو بالکل نہیں مگر جان کی امان مانگتے دلائل سے اس کو قائل کرتے یہ اطلاع اس نے دے ہی دی۔ کمال کے چہرے پر عجیب رنگ تھا۔ رعونت کا، جھلاہٹ کا، اپنی حکم عدولی کا......

"ہونہہ تمہاری چھپی ہوئی چاہت پوری ہوگئی ناں آخر......" وہ تنتنایا۔

"نہیں میری نہیں، خدا کی چاہت اس کا حکم ابھی تو ابتدا ہے آیئے خدا کا شکر کرتے ہوئے اس کو مل کر ویلکم کرتے ہیں، اللہ بہتر کرے گا دیکھیں ناں جھیلنا تو مجھ کو ہی ہوگا۔ بس ایک ہو جانے دیں پھر پورے پانچ سال کی پلاننگ کرلیں گے ٹھیک ہے ناں......" اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے جن میں غرض ہی غرض تھی خواب ہی خواب تھے ممتا کے تقدس بھرے خواب......

"چلو کیا یاد کرو گی، مان لیا مگر ایک شرط ہے یہ بچے وچے کا خرچہ ڈاکٹر کے چکر سارا کچھ تمہارے گھر والے کریں گے سمجھیں!" پہلی بار ہونے والے باپ نے خاصی خباثت سے کہا۔

"میرے گھر والے تو اب آپ ہی ہیں، ہاں وہ

لوگ بھی تعاون کریں گے مگر بچہ تو ہم دونوں کا ہے ناں......اس سے آپ اور آپ کے خاندان کا نام چلے گا۔" پہلی بار ہونے والی ماں نے فطری خوف سے کہیں زیادہ خوف سے التجا کی، اس کے سہمے ہوئے وجود نے ایک مقدس خواب سے توانائی پالی تھی۔ ساس اور دیگر لوگوں نے بھی خوشی کا تھوڑا اظہار کیا مگر تاکید کردی کہ ہمارے یہاں پہلا بچہ میکے میں ہوتا ہے اور میکے سے سسرال میں بہت ساری سوغاتیں خاندان بھر کے لیے الگ بھجوائی جاتی ہیں مگر کسی نے اس کی صحت، دیکھ بھال اور آنے والے بچے کی نشوونما کے بارے میں کچھ کہنا غیر ضروری بات سمجھی۔

☆☆☆

"بڑا الٹا رواج ہے ان کے یہاں کہ بچہ ننھیال میں ہو، ہمارے یہاں تو مرد کے لیے بے غیرتی کا مقام ہے کہ اولاد تو باپ کی ذمے داری ہوتی ہے سب باپ سے تو چلتا ہے ہاں اخلاقی طور پر اِدھر سے تعاون ہو جائے گا مگر ذمے داری ہماری نہیں ہے سمجھ لو۔" صوفیہ کے والد اس کی والدہ سے دو، دو چار کی طرح باتیں کر رہے تھے۔

"میں نے کب نہیں سمجھا مگر میرے سمجھنے کا مسئلہ نہیں ہے۔ ان لوگوں کی سمجھ کا پھیر ہے، ہمارے لیے تو بیٹی کا معاملہ ہے ابھی معاملہ نیا، نیا ہے مان لیں ان کی۔ پھر بچی کا کھونٹا مضبوط ہو جائے گا آگے انشاء اللہ اتنا مسئلہ نہیں ہوگا۔" اس کی امی جانتی تھیں کہ کمال اور اس کے گھر والے بہت اکھڑ لوگ ہیں وہ ماں تھیں، بیٹی کو ہر قیمت سکھی دیکھنا چاہتی تھیں۔

"چلو ابھی یہ ذمہ سر لے لیں پھر کمال کو اور چھوٹ مل جائے گی۔ وہ تو ویسے ہی بہت غیر ذمے دار ثابت ہو رہا ہے اور لاتعلق ہوتا جائے گا، آگے آثار اچھے نہیں لگ رہے ہیں۔" صوفیہ کے والد بے لچک انداز میں کہہ رہے تھے۔

یوں وہ جان جو ابھی اس دنیا میں آئی نہیں تھی اولاد کی بنیاد بن کر بے طرح ٹھکرائی گئی ایک تناؤ تھا جس

سوچنے کی بات

بچہ اپنے باپ سے۔ "ابو آپ آفس ہر روز نہ جایا کریں۔ بس میرے ساتھ کھیلا کریں۔"

باپ پیار سے۔ "بیٹا اگر آفس ہر روز نہیں جاؤں گا تو آپ کے لیے چیزیں کون لائے گا۔"

بچہ......"تو روز مت جایا کریں بس آپ جمعہ کے جمعہ چلے جایا کریں۔"

باپ سمجھاتے ہوئے۔ "بیٹا اگر صرف جمعے کے جمعے جاؤں گا تو وہ مجھے آفس سے نکال دیں گے۔"

بچہ معصومیت سے۔ "ابو آپ مسجد بھی تو جمعے کے جمعے جاتے ہیں ناں پھر اللہ پاک نے تو آپ کو کبھی اپنے گھر سے نہیں نکالا۔"

از: ارم کمال، فیصل آباد

وہم

ٹیچر......ماضی، حال اور مستقبل کے زمانوں کی کوئی مثال دیں۔ جیسے کہ میں خوب صورت تھی۔ خوب صورت ہوں اور خوب صورت رہوں گی۔"

بچہ......مس آپ کو وہم تھا، وہم ہے اور وہم رہے گا۔"

از: ثمینہ کوکب، جہلم

کی بنیاد یہ گڈ نیوز......تھی (واہ رے آزاد پنچھی بھی اپنی نسل کا محافظ ہوتا ہے)

اِدھر کمال کی ماں روایتی سے بڑھ کر روایتی ساس تھیں جہیز میں گلاب پاش سے لے کر فریج کی کمی کا طعنہ اکثر و بیشتر دیتی رہتیں اب خوش خبری پہ تو کچھ نرمی کرنا تھی مگر یہاں بھی اپنے زمانے سے موازنے چلتے رہتے کہ "ہم نے تو چلتے پھرتے بچے پیدا کردیے آخر تک ہنڈیا، روٹی کرتے رہے۔"

کبھی حقارت بھرے انداز میں کہا جاتا۔

"ارے ایسی بھی کیا نخرے بازیاں، انوکھا بچہ لا رہی ہو کیا......ایسے ناز دکھانے ہیں تو جاؤ ماں کے گھر

وہیں رہو فارغ ہو تو آجانا۔“
ادھر کمال بیزاری اور لاتعلقی کے انداز رکھتا جیسے نعمت نہیں مصیبت ملنے والی ہے، بہار کا جھونکا آتے ہی خزاں رسیدہ رویّے برتے جا رہے تھے۔
اس دن تو حد ہوگئی صوفیہ کی طبیعت بہت گری، گری سی تھی بارش نے اپنا زور دکھایا، اسے ماں کا گھر یاد آ رہا تھا مگر یہاں کا ماحول کتنا نامانوس تھا اچانک ساس کی آواز پہ چونکی......
”صوفیہ یہ فرش پر بارش کا کتنا پانی جمع ہوگیا ہے اس کو وائپر لگا دو، ایسا بھی کیا بیٹھ جانا ماسی تو مدد کے لیے رکھ دی ہے ناں......“ وہ خاصی درشتگی سے بولیں کمال ماں کے آگے چپ تھا شریکِ حیات اور شریکِ خواب......
”جی...... جی اچھا......“ وہ چارو ناچار اٹھ ہی گئی مگر اس سے زیادہ کچھ نہ کیا گیا۔
”کمال پلیز، میری طبیعت ایسی نہیں ہے کچھ نہیں ہو رہا مجھ سے۔“ وہ جیسے کسی جرم کی صفائی دے رہی تھی۔
”ایسا بھی کیا مسئلہ بنا دیا ہے، ساری دنیا کی عورتیں ایسی حالتوں میں گھر اور باہر دونوں جگہ کام کرتی ہیں جاؤ ہٹو تم۔“ کمال نے اس کے ہاتھ سے وائپر لے کر چلانا شروع کیا جیسے وہ اس پر بڑا احسان کر رہا ہو، نظر سے لہجے تک ہی اظہار تھا۔
وہ تو پہلے ہی بے حال تھی ذہنی اذیت سے مزید ہلکان ہو کر رو پڑی۔ ”کیا کسی کو بھی میرا کوئی خیال نہیں۔“ زیرِ لب کہتے ہوئے وہ چکرائی اور ایک دم گر پڑی۔ عطا کی خوش خبری اس کی خطا کیوں بنا دی گئی۔ درد کی ایک لہر اٹھی اس کی چیخ نکل گئی حالت خراب ہوتی گئی کمال نے اسے اٹھایا اور بستر پر لٹا دیا۔ ”یہ کیا، یہ کیا۔“ وہ کہہ رہا تھا۔
آج کل تو دیہات کے لوگوں کو بھی سمجھایا جاتا ہے کہ ایسی علامتوں میں فوری اسپتال لے جانا چاہیے ورنہ خطرہ ہے مگر یہ بھی تو ایک دردِ سر تھا، نخرہ سمجھا جاتا تھا کہ گھر میں بھی تو آرام کیا جا سکتا ہے، اتنی سی بات پر کیا اسپتال لے جانا گھر والے کمال کو یہ سمجھا چکے تھے کہ زیادہ چونچلے کر کے دماغ خراب نہ کرانا میکے میں خبر کرنا بھی ایسا ضروری نہیں سمجھا گیا۔ درد کے جھٹکے سہتے بستر پر وہ رات جانے کس طرح گزری یہ صرف جس پر گزرے وہ جانے یا اس کے بعد وہ جس کو احساس ہو مگر احساس ہی کا تو رونا تھا۔
صبح جب اس کی ماں کو اطلاع دی گئی تو خاصی تاخیر ہوگئی۔
”میرے اللہ، میرے اللہ یہ کیا ہو رہا ہے، ماں کو بلا دے کوئی۔“ پہلی بار میں بیچاری لڑکی کو کیا پتا ہوتا ہے، کیا ہو رہا ہے مگر تف ہے تجربہ کار لوگوں پر اور ان کی غفلتوں پر جو اپنی فرعونیت جتانے کے لیے ننھی جان سے بھی کھیل جاتے ہیں۔

☆☆☆

اسپتال کے بیڈ پر نیم جان مریضہ کچھ کھو جانے پر غم زدہ تو تھی ہی مگر کرب و اذیت کا لمحہ، لمحہ اس پر بھاری تھا، اذیت کچھ پانے پر جھیلی جائے تو اس اذیت سے بہت کم ہوتی ہے جو کھو دینے کے لیے اٹھائی جاتی پھر مگر جب نئی کلی ہی نوچ ڈالی جائے تو......؟ درد کی ہر لہر خوف نچوڑ لیتی ہے نئی کلی مسل دی گئی تھی۔ غفلتوں اور بے حس رویّوں کے ہاتھوں۔
کمال اب شرمندہ ہونے لگا تھا حالانکہ وہ صوفیہ کے خوابوں کا مجرم تھا مگر یہ خواب تنہا نہیں دیکھے جاتے، اندھیروں میں اِک کرن چمکی اور غائب ہوگئی تھی۔ صوفیہ کا وجود جیسے چھلنی ہوئے جا رہا تھا۔
”چلو صوفیہ جو ہوا سو ہوا تمہاری تکلیف پر مجھے بھی بڑا افسوس ہے تم تو میری اپنی ہو اپنا سمجھ کر تم پر سختی کر گیا۔“ صوفیہ کے ماتھے پر ایک ہاتھ رکھ کر دوسرے ہاتھ سے اس کے آنسو پونچھے جا رہا تھا وہ۔ اتنا کھونے اور اذیت اٹھانے کے باوجود صوفیہ کے لیے یہ مہربانی بھی حیران کُن اور خوش آئند تھی جو وہ اپنے تند خو شوہر کے رویّے میں دیکھ رہی تھی۔
کتنے کم ہیں خوش ہونے والی تھی وہ بھی......اس

ایک ماہ سے زیادہ عرصہ ماں کے گھر گزارہ تھا ان دنوں پتا چلا کہ مونا کو جو پہلے ہی معلق زندگی گزار رہی تھی طلاق ہوگئی ہے وجہ؟ وہی بانجھ پن......
”ہائے بیچاری مونا......“ کمال نے صوفیہ سے ذکر کرتے ہوئے ٹھنڈی آہ بھری...... صوفیہ کو یہ بات عجیب لگا بے شک اس پر پہاڑ ٹوٹا تھا مگر اس کی اس طرح سے ہمدردی شک کے کئی در کھول گئی تھی۔
آخر کبھی کمال نے اس سے شادی کے لیے ہاتھ مانگا تھا اور اس نے انکار کر دیا تھا پھر وہ حسرت بھرے لہجے میں اس بات کا ذکر کرتا تو اس کے اندر ایک فطری شک سر اٹھاتا پر وہ جھٹک دیتی، خدشات کو شک و شبہ کو دل دہلا دینے والے خطرے کو۔
ادھر دھیرے، دھیرے کمال کا رویّہ صوفیہ کے ساتھ بہتر ہوتا گیا، صوفیہ کو نقصان اور اذیت کا جو غم تھا اس پر کمال کا تھوڑا نرم پڑ جانا اس احساس کو کم کرتا گیا۔ سسرال والوں نے نقصان کے بعد دلجوئی تو کیا کی، ان آزادی کے ہی تاثر قائم رکھے تب بھی وہ سہہ گئی گوارا کر گئی، شوہر کا قدرے بہتر رویّہ، عزت افزائی اور ساتھ وار رہنے کی قسمیں۔ عورت کا سارا مان ہی اس کے گرد گھومتا ہے اگرچہ اب بھی وہ اکثر دیر سے گھر آتا، دوسری رشتوں کی اہمیت بھی ظاہر کرتا مگر پھر بھی غنیمت تھا یہ بھی......
مگر اب بھی ایک خیال اسے جکڑے رکھتا اے کاش......! کمال نے اس کے لیے اتنی غفلت کا مظاہرہ نہ کیا ہوتا تو اس کے آنگن میں بھی ایک پھول مہک رہا ہوتا۔
وہ گھل رہی تھی اپنی عزتِ نفس کی پامالی ...... اپنی بے وقعتی پر۔

☆☆☆

”ارے تم کو پتا ہے مونا کے رشتے کی بات چل رہی ہے۔“ کمال نے اطلاع دی، وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا ہمدردی بھی تو رشتے داری کا تقاضا تھی۔
”یا اللہ یہ مونا، مونا ہر وقت کہاں سے آجاتی ہے، کیوں اتنا لگاؤ ہے۔“ وہ گھبرا کر زیرِ لب بولی۔
اس بات پر اس کے خدشات بہر حال فطری تھے۔ کاش مونا کمال کو کبھی نہ ٹھکراتی اور اس کی بیوی ہوتی، وہ تو اس دہشت زدہ زندگی سے بچی رہتی اور پتا چلتا مونا کو بھی اور کمال کو بھی، وہ سوچ رہی تھی مگر ساتھ ہی کمال کی دی گئی اطلاع اس کے لیے سکون کا باعث تھی کہ چلو اب اس کا گھر دوبارہ بس جائے گا تو وہ سکون کی سانس لے گی اس نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا۔
”کیوں، کیا سوچنے لگیں تم۔“ کمال اس کے چہرے کے رنگوں میں کوئی سوال تلاش کرنے لگا۔
”ہاں بہت اچھی خبر ہے مگر آپ کیوں بیگانے کی شادی میں عبداللہ دیوانے بنے ہوئے ہیں، اپنی بات کریں ہماری شادی کو دوسرا سال ہے ہم ابھی تک دو ہی ہیں کوئی آتے، آتے رہ گیا آپ کی احتیاط کے چکر میں۔ میری طبیعت اب خراب رہنے لگی ہے کیا ہوگا عجیب پرابلم رہنے لگی ہے، ہر چیز بے رونق ہو کر رہ گئی ہے۔“
وہ سوگواری سے بولی۔
”ارے ابھی شادی کی پہلی سالگرہ پہ تم کو اتنا تو خوش کیا، گفٹ دیے، آؤٹنگ پر گئے پکنک منائی، تمہارے ساتھ تو اتنا بدلا ہوں مگر یہ بچے کے لیے ابھی وقت پڑا ہے اتنی ڈسٹرب اور شکی رہو گی تو بچہ کیا اس کا باپ بھی نہیں ملے گا۔“ وہ اپنی ہی ترنگ میں بولے گیا۔
”ارے اللہ نہ کرے یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں، آپ کے دم سے تو سب کچھ ہے اللہ ہمارا ساتھ تاحیات رکھے، آمین۔“ وہ گھبرا کر کہہ رہی تھی۔
”اچھا جان! تم مجھ سے واقعی اتنی ہی اٹیچڈ ہو؟“ وہ اس کو آزما رہا تھا۔
”اس میں کیا شک ہے بھلا، میں تو آپ کے لیے ساری دنیا چھوڑ دوں۔“ وہ جیسے اس کو یقین دلا کر اس کی محبت میں سے مزید کچھ اعتماد چاہ رہی تھی جو اس کا حق تھا۔
یوں دھوپ چھاؤں کے سلسلے چلتے رہے۔ مونا کے ذکر پر کوئی گھبراہٹ فطری طور پر اب نہیں ہوتی تھی

کہ اب اس کا گھر بھی بس ہی جائے گا اور پھر موٹا کی رشتے کی بات مزید دو سال التوا میں پڑی رہی...... جانے کیا رکاوٹیں آ جاتیں کبھی کہیں رشتہ ہوتے، ہوتے رہ جاتا۔ کبھی کوئی رکاوٹ آ جاتی سلسلے مگر چلتے ہی رہتے مگر وہ اندر سے ٹھیک نہیں تھی مسلسل احتیاط کے چکر میں اس کی جان آدھی ہو کر رہ گئی تھی۔ سسرال والوں کے رویے الگ تکلیف دہ تھے حالانکہ ان کی ہی مجرمانہ غفلت کی وجہ سے وہ ایک بڑے نقصان سے دوچار ہوئی تھی، تنگ آ کر ماں کے گھر چند دن رک جاتی مگر کمال کے باہر کے مصنوعی رشتوں کا نظریہ اس کو... بے وفائی کے عجیب خدشات دلاتا اور یہ کچھ ایسا غیر فطری نہیں تھا، ہر عورت سے بے تکلف ہو جانے پر اس کے والدین کو بھی تشویش ہوتی۔

اس کی حالت اندر سے اور خراب رہنے لگی امید کی نہیں ناامیدی کی اذیتیں لاحاصل دکھ چھنے جا رہے تھے، اندرونی انفیکشن خون کا زیاں اور پھر انیمک پرابلمز اور پھر اب کمال اس پر ہاتھ بھی اٹھانے لگا تھا۔ اب وہ آرام اور اچھے علاج کے لیے والدین کے گھر آ گئی تھی چار و ناچار اور بادلِ ناخواستہ ہی سہی۔

☆☆☆

''بیچاری کیا قسمت لے کر دنیا میں آئی ہے زمانے بھر کا چالباز اور غیر ذمے دار مرد ملنا تھا اسے، تھوڑا سنبھل جاتا ہے پھر پٹڑی سے اتر جاتا ہے، اوپر سے ساس الگ جلتی پر تیل کا کام کرتی ہے پتا نہیں اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔'' امی پریشان کن لہجے میں ابا جی سے کہہ رہی تھیں۔

''ہاں جاب سے سیدھا گھر آنے والا بندہ تو ہے ہی نہیں وہ، جاب بھی تو گورنمنٹ کی ہے ناں بس سارے جہاں کا جائزہ اپنے جہاں سے بے خبر والا حال ہے اس کو ایک ماہ کے لیے یہیں روک لو بس یہیں آ کر صوفیہ سے مل جایا کرے۔'' ابا نے فیصلہ سنا دیا۔

''مگر وہاں جو کمال کی ماں اس کو ورغلاتی رہے گی، اس کا کیا ہوگا خوب موقع ملے گا دونوں میں دوریاں پیدا کرنے کا۔'' امی خدشہ ظاہر کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں جو قطعی غلط نہیں تھا۔ واقعی بہکانے والے نے تو بابا آدم کو بھی نہ چھوڑا تھا۔ بہرحال خدشات کے باوجود صوفیہ کا یہیں علاج ہونے لگا تھا تاکہ وہ تھوڑی ریلیکس تو ہو سکے، ہاں اس بات پر زور دیا گیا کہ کمال آتا رہے کسی رات زبردستی اسے روک بھی لیا جاتا کہ میاں، بیوی میں رابطہ رہے ورنہ آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل کی سچائی کو تو سب ہی مانتے ہیں۔

دو ماہ تک وہ کافی سنبھل گئی تھی۔

''اب میرے خیال سے مجھ کو گھر چلے جانا چاہیے کیوں امی؟'' اس روز اس نے ماں سے پوچھا تھا۔

''ہاں بیٹا کچھ بہتر تو ہو گئی ہو اب دوا علاج سب جاری رکھنا، ہفتے میں ایک دن چکر لگا لینا تمہارا مسلسل یہاں رہنا بھی تو ٹھیک نہیں بچے۔'' وہ اس کو تھپتھپاتے ہوئے بولیں اس نے کمال کو کال کی تو بڑا روکھا سا جواب ملا۔

''ابھی ذرا رک جاؤ، تھوڑی مصروفیت ہے میں نے کچھ چھوٹا۔'' سا کاروبار سیٹ کیا ہے، گورنمنٹ جاب کی اس تنخواہ سے کیا گزارہ۔ ہوگا میں نے سوچا دوست کے ساتھ شیئر کر کے اور آمدنی کا راستہ نکال لوں ظاہر ہے یہ سب تمہاری خاطر ہی تو کر رہا ہوں ورنہ مجھ اکیلے کا کیا ہے؟ اماں کا سارا خرچہ تو بڑے بھائی باہر سے بھیج دیتے ہیں ابا کی پنشن بھی آتی ہی ہے چھوٹا بھائی بھی مجھ سے اچھا کما رہا ہے ایک میں سرکاری کے چکر میں پیچھے رہ گیا۔ اسی لیے میں نے تمہارا بری والا جیولری سیٹ بیچ دیا ہے کچھ پیسہ تمہارے علاج کے لیے اٹھ گیا کچھ میں اس کام میں لگا کر کچھ اپنی بہتری کے لیے کر لوں گا دیکھو وعدہ ہے کہ سال بھر میں زیور بنوا دوں گا۔'' اس نے نئی خبریں سنانی شروع کر دیں۔

وقت ان ہی خدشوں اور انتظار کی کٹھنائیوں میں گزرتا گیا پورے چار ماہ ہو گئے تھے۔ کمال کبھی ہفتے بھر میں آتا اور مصروفیت کو جواز بناتا کبھی فون ہی سے کام چلا لیتا وہ صبح کا بھولا شام کو گھر آ جائے تو بھولا

...ں کہلاتا کا سبق پڑھتی رہتی۔

''دیکھیے چار ماہ سے زیادہ ہو گئے اب بہت ہو گئی ...ے گھر لے چلیں۔'' اس روز وہ ملنے آیا تو وہ... ...زاری سے بولی۔

''ارے تم کوئی روڈ پر تھوڑی بیٹھی ہو یا کسی ...ے غیرے کے گھر پر پڑی ہو، تمہارے باپ کا گھر ...ہے۔ آخر پہلے بھی تو تم یہاں رہتی تھیں ناں......'' وہ ...ی بودی دلیل دے رہا تھا۔

''مگر کمال تب الگ بات تھی۔ اب میں آپ کی ...ی ہوں بس مجھے لے چلیں۔'' وہ رونے لگی۔

''چلو یہ ہزار روپیہ رکھو۔'' اس نے سخاوت ...اتے ہوئے نوٹ اس کے ہاتھ میں رکھا۔ ''ارے ...ں وہ میں بتانا بھول گیا کہ موٹا کا رشتہ طے ہو رہا ...ہے۔'' وہ جاتے، جاتے اطلاع دے رہا تھا۔

''موٹا، موٹا یا الٰہی یہ موٹا کہاں سے آ جاتی ہے کمال ...ٹھکرائی ہوئی عورت میں اتنی دلچسپی کیوں ہے ...ر......'' بے نام سے اندیشے اس کا سکون چھیننے لگتے۔

اگلی صبح وہ چیخ مار کر کسی بھیانک خواب سے جاگی ...ی۔ بڑا عجیب خواب تھا کوئی ڈاکو رانی اس کے گھر ...گھس رہی تھی، چاروں طرف آگ ہی آگ تھی، ...ال خون میں ڈوبا ہوا دور کھڑا تھا ہر طرف چیخیں سنائی ...تی ...یں۔ وہ ایک چیخ مار کر اپنی ہی آواز سے اٹھ گئی ...اس کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے، گھبراہٹ اور ...دہشت سے وہ کانپ رہی تھی۔

''اللہ خیر کرے میری بچی۔'' ماں اتنا کہہ کر اسے ...ہوئے آیت الکرسی پڑھ کر دم کر رہی تھیں۔

''شاید یہ خواب میں ڈر گئی ہے ربیعہ...... جلدی ...لاؤ۔'' چھوٹی بہن اٹھ کر پانی پلا رہی تھی۔

''ارے لڑکی الٹی کروٹ سو گئی ہو گی جانے کیا الا ...ب میں دیکھ لی۔'' ابا جی نے اطمینان دلایا۔

...وہ اپنی سانس بحال کرنے کے بعد اتنا کہہ پائی ...شکر ہے سب خواب تھا مگر امی، کمال کے ساتھ کچھ ...تھا۔''

''اللہ تمہارے گھر کو شاد و آباد رکھے۔'' ماں نے اس کی کاٹ کر جواب دیا۔

''وہ جیسا بھی ہے میرا شوہر ہے اللہ اس کے روئیں، روئیں کو امان میں رکھنا۔'' وہ دھیرے، دھیرے التجا کرتی رہی پھر فجر کی اذان کی آواز آئی۔ اس نے نماز پڑھ کر اللہ سے خیر و عافیت کی دعا کی، دل کی بے قراری کم تو ہوئی مگر مقدر کے لکھے کو کون ٹال سکتا ہے ہاں دعا کی قبولیت کسی اور خیر میں ظاہر ہو کر رہتی ہے، یہ یقین امی دلا رہی تھیں۔

صبح جیسے تیسے سب کے اصرار پر اس نے ناشتا کیا۔ وہ سوچ ہی رہی تھی کہ کسی طرح کمال کو فون کر کے اس کی خیریت پوچھے مگر فون کرنے پر اس کو نمبر مسلسل بزی مل رہا تھا۔ اس کو ہول اٹھ رہے تھے۔

''اللہ تو خیر کرنا۔'' پھر کمال کے نمبر سے ہی کال آئی وہ جیسے اس کی ہی منتظر تھی۔ خطرے سے آگاہ کرنے والی تھی کہ پیسے احتیاط سے رکھے آج کل لوٹ مار کے واقعات عام ہیں مال کے چکر میں جان کو خطرہ رہتا ہے، اپنی حفاظت کرے مگر یہ کیا؟ یہ کیا؟ کمال کا پہلا جملہ خواب کی بھیانک سچائی تھا آگاہی کا عذاب......

''ہاں سنو، اب میں نہیں آؤں گا یہ بچہ وجہ تمہاری آرزو ہے ابھی فی الحال مجھے کوئی دلچسپی نہیں مگر تم نے میرے سانچے میں ڈھلنے سے انکار کر دیا، اب سن لو میں شادی کر رہا ہوں۔'' بھیانک خواب حقیقت بن رہا تھا چند گھنٹوں میں اس کی سماعتوں پر، جملے ہتھوڑے کی طرح برس رہے تھے دماغ میں جیسے جھکڑ چل رہے تھے۔

''مگر کیوں؟ کون ہے وہ؟'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا اپنے گھر کو جلتے دیکھ کر وہ پوری قوت سے چیخی تھی۔

''نہیں، نہیں یہ نہیں ہو سکتا، تو، تو تم نے بے نام رشتہ نبھا ہی لیا کمال......'' وہ ہچکیوں کے دوران بولی۔

اسے کمال کی آواز آ رہی تھی کبھی شروع میں بولے گئے جملے، کچھ رشتے کتابوں میں نہیں ہوتے نہ خونی نہ ہی قانونی مگر نبھانے پڑتے ہیں۔'' اس کی بے وزن

دلیل سے تحقیر آمیز آلودہ جملہ دماغ میں پھٹنے کی سی کیفیت پیدا کر رہا تھا، پاؤں تلے زمین نہیں تھی یا آسمان دھواں بن گیا تھا ہر ایسی بات چھوٹی تھی اور حقیقت حال کہیں بڑی اور کہیں بھیانک تھی، اس کی ماں سمجھی نا سمجھی کی کیفیت میں اسے سنبھالے جا رہی تھیں وہ بے ہوشی سے پھر ہوش میں آ کر بلک، بلک کر روئی۔

''کمال کسی کاروبار میں مصروف تھا وہ اتنی حد پار کر سکتا تھا؟ کیا وہ مجھ سے اتنی نفرت کرتا تھا اتنی زیادہ......'' اس کے پاس بے کل سے سوالات ہی تو تھے اس نے کسی طرح ماں کو مطلع کر ہی دیا وہ حق دق رہ گئیں۔ بیٹی کو بسانے کی خاطر کیا، کیا جتن نہیں کرنے پڑتے پھر بھی نہ بسے تو موت سے بدتر سماں ہوتا ہے وہ تڑپ کر بددعائیں دے رہی تھیں۔

''امی جی، کمال بے غیرتی کی انتہا پر جا چکا ہے مگر اس کو کہہ دیں کہ مجھ کو مت چھوڑے، مرد کا نام بھی کافی ہوتا آپ ہی تو کہتی تھیں ناں اس سے کہہ دیں ماں وہ دوسری کیا تیسری بھی کر لیں مگر میرا گھر نہ اجاڑیں۔'' وہ اس حد تک بھی راضی تھی۔

''بیٹا تم نے پوچھا وہ ہے کون ڈائن، کیسی دشمنی نکال رہی ہے تم سے آخر؟'' ماں کے سوالات فطری تھے۔

''ہاں امی وہی جس نے شادی کی پہلی سالگرہ پر میرے ہاتھوں پر مہندی لگائی تھی یعنی مونا، مونا۔'' دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔

''تو مونا نے مہندی لگانے کے چارجز تمہاری وفا اور تمہارے گھر کا خون کر کے لے لیے کیا، کبھی حنا' مہندی کے چارجز آگ و خون سے لیے جاتے ہیں۔'' ماں اس کے آنسو پونچھے جا رہی تھیں۔

''ہاں، مونا کا رشتہ کمال سے طے تھا، وہ بانجھ تھی تو یہ تو قدرت کی رضا تھی کمال کو بچے نہیں چاہیے دنیا بھر سے نرالا مرد ہے وہ۔'' صوفیہ بولے جا رہی تھی بے ربط سے انداز میں۔

مونا سوکن کیسے سہہ سکتی تھی، وہ لذتوں کی رنگین دنیا کی باسی تھی جس میں وفا کا رنگ نہیں ہوتا......لذتوں کی رنگین دنیا کے گھمبیر اندھیرے گھروں کی مدھر چاندنی کو نگل رہے ہیں صوفیہ بھی اس کی زد میں آ گئی تھی۔

درشہوار آنسوؤں کے ساتھ اس کے لٹنے کی داستان سن رہی تھی۔

گھروں کے تباہ شدہ ملبے پر سوگ مناتی آہیں بھرتی اور فریاد کرتی ستی ساوتری عورتیں وفا کر کے سب تیاگ کر بھی نقصان میں ہی ہوتی ہیں شاید وہ احمق ہی ہوتی ہیں اب اتنا بھی کیا نچھاور ہوئے جانا کہ جاں سے ہی گزر جائیں......اُف......یہ مشرقی وہ بھی پاکستانی عورت......

سچ ہے......

جیون کھیل نہیں جاناں
آگ اور پانی، دھول اور شبنم
ان کا میل نہیں جاناں

''صوفیہ رنگ حنا کے چارجز اتنے بھی بھاری ہو سکتے ہیں حساب تو کروڑوں میں گیا یا اس سے بھی آگے مگر دوست یہ تو یک طرفہ محبت اور وفا کا نوحہ ہے جہاں آگ اور پانی نہیں مل سکتے۔ دریا کے دو کنارے......'' درشہوار اسے تسلی دے رہی تھی۔

''تم سمجھو کہ میں اس کے بنا کیسے جی رہی ہوں، جینے کی کوشش کر بھی لوں تو سماج جینے نہیں دیتا، مجھ کو ایسی بھیانک سزا کیوں ملی آخر......'' اس کے پاس بے قرار، بے حساب سوالات تھے۔

''نادان لڑکی تم اپنے بغیر کیسے جیتی رہیں، اپنے لیے اور اپنے خدا کے لیے جیو اور اسی سے آس لگاؤ، آگے خیر کرے گا۔'' درشہوار اس کے آنسو پونچھ رہی تھی۔

پہلے کے مرد بظاہر سخت ہوتے تھے مگر ذمے دار، غیرت مند اور باوفا مگر آج کے رنگین، معاشقے اور لذت بھر گلیمرائزڈ دنیا، رنگ وفا کو پھیکا کیے جا رہی ہے اور یہ ہمیشہ دو طرفہ ہوتا ہے، صوفیہ ملبے پہ بیٹھی وفا اور بے وفائی کا سبب جان گئی تھی۔ بھونرا صفت کیا وفا نبھا سکتا ہے بھلا؟

▲▲▲



ایک سہارے کی آس

ناہید فاطمہ حسنین

وہ بالکل بے بس و بے اختیار ہو کر اپنی انگلیوں کو ...ں پر پھیرنے لگیں۔ یوں جیسے اپنے ان گنت بے ...ب سوالات کے جوابات ڈھونڈ رہی ہوں۔ آنکھوں ...وی کٹوروں میں بھرے نمکین پانی نے سامنے کا ...بالکل دھندلا دیا تھا۔ کمرے کی فضا ہچکیوں اور ...وں سے گونج رہی تھی۔

انہیں اب تک اپنے الجھے سوالوں کے جواب کا سرا ...ل رہا تھا۔ نہ وہاں کوئی تھا جو انہیں اپنا کاندھا پیش کرتا یا اپنی انگلی کی پوروں سے ان کے بہتے آنسو پونچھ دیتا۔

تھک ہار کر آخر کو انہوں نے خود کو دیوار سے ٹیک دیا۔ اب سسکیاں تو تھیں لیکن بہتے آنسو تھم چکے تھے۔ انہیں یہی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ان سے غلطی کہاں سرزد ہوئی تھی...... چوک کہاں ہوئی تھی؟ اپنی دانست میں تو انہوں نے ایسا کچھ کیا ہی نہیں تھا جس کی وہ سزا بھگت رہی تھیں......یا مکافات کے پھیر سے گزر رہی تھیں۔

دراصل ہوتا یوں ہے جب تک بندہ ظلم کر رہا ہوتا

ہے وہ ظالم ہوتا ہے۔ مگر جب رب کعبہ کی پکڑ میں آتا ہے۔ تب خود اپنی اور دنیا کی نظر میں وہ مظلوم ہو جاتا ہے۔ انہوں نے اس نقطے پر کبھی سوچا ہی نہیں، انہیں ایسا کچھ نظر بھی نہیں آیا۔ اپنی دانست میں انہوں نے ایسا کچھ کیا ہی نہیں تھا۔

بہت دیر دیوار سے ٹکی رہنے کے بعد انہوں نے گھر سے باہر جانے کے لیے قدم بڑھا دیے۔ سارہ ابھی تک گھر واپس نہیں آئی تھی، وہ پڑوس میں گئی تھی۔ آنے والی ہی ہوگی...... انہوں نے دروازے کو بولٹ کیا۔ اور قریبی پارک میں آبیٹھیں...... یہ بھی ان کی ایک عادت تھی۔ وہ جب بھی ٹینشن میں ہوتیں، پارک میں آجاتیں یوں وہ خود کو نیچر کے قریب ترین پاتیں۔

ویسے یہ بھی اللہ کی بلیسنگ ہے کہ ایک بندہ کتنا رو سکتا ہے؟ آخر کو اسے چپ ہونا ہی پڑتا ہے۔

☆☆☆

ان کی شادی سمیع الدین سراج سے ہوئی۔ درمیانہ درجے کی عام سی شکل صورت کے مالک سمیع متوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ جبکہ وہ ان کے مقابلے میں خوب گوری چٹی، نازک نقش و نگار کی حامل ایک دلکش شخصیت کی مالک تھیں۔ سمیع ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ دو ڈھائی سال بعد جب وہ امید سے ہوئیں تو دونوں آنے والے بچے کا نام سوچنے لگے۔

''کیا ضروری ہے لڑکا ہی ہو۔'' وہ لڑکوں کے نام بتاتیں تو سمیع ہنس کر کہتے۔

''مجھے تو لڑکے ہی پسند ہیں اور مجھے لڑکا ہی چاہیے۔'' وہ اس طرح کہتیں جیسے یہ انسانی اختیار میں ہو۔

''پسند تو مجھے بھی لڑکا ہی ہے لیکن پہلا بچہ ہے، بیٹا، بیٹی کچھ بھی ہو جائے رب کی مرضی......'' پھر کچھ توقف سے بولے۔

''چانس تو لڑکی کا بھی لگ سکتا ہے......''

''بس خدا کے لیے سمیع...... میرے دل میں وسوسہ نہ ڈالیں۔'' وہ ٹھنکیں۔

''جس چیز کو جتنا رد کرو گی وہ اسی قوت سے آئے گی۔ یہ طاقت کا اصول ہے۔'' وہ ہنس دیے۔

''لڑکا سہارا ہوتا ہے، والدین کے بڑھاپے کا۔''

وہ اپنی رو میں ان کی بات سنے بغیر بولے جا رہی تھیں۔

''ہاں...... یہ تو ہے۔'' ان کی بہت لمبی تقریر سن کر وہ بھی سر جھکائے بولے۔

''بیٹا ہو گیا تو ہمارا بڑھاپا آرام سے گزرے گا۔'' سمیع کے دل و دماغ میں بھی ان کی بات گھر کرنے لگی۔

☆☆☆

اور جب بیٹی ہوئی تو نور بانو کے تو ایسے تیور بگڑے جیسے سمیع نے کسی toy shop سے بچی جبراً خرید لی ہو...... وہ دنوں چڑچڑاہٹ کا شکار رہیں۔ البتہ سمیع نے بیٹی کو خوش دلی سے قبول کیا۔

''یہ سب آپ کی دعاؤں اور خواہشات کا نتیجہ ہے۔'' ایک روز وہ سمیع پر بھڑک ہی اٹھیں۔

''میری خواہش......؟ میری دعا......'' سمیع کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

''میں نے کب دعا مانگی کہ بیٹی ہو، میری کب خواہش تھی؟''

''آپ ہی کہتے تھے...... رب جو دے، دے آپ ہی کہتے تھے بیٹی کا چانس بھی لگ سکتا ہے۔'' وہ سارہ کی نیپی بدلتے ہوئے خوب غصے سے بولیں۔

''تو میں نے کیا غلط کہا تھا؟ حقیقت کہی تھی...... اور ایسا ہوا بھی......'' وہ رسان سے بولے۔

''ہونہہ......'' ان کا بدستور منہ بنا ہوا تھا۔

☆☆☆

جب دوسری بار بھی بیٹی ہوئی تب وہ تو تھیں ہی غصے میں...... سمیع کے بھی ماتھے پر کئی بل آ گئے۔

وہ چپ، چپ اسپتال سے آ کر کمرے میں بند روتی رہی۔

مدیحہ مسلسل چیخ، چیخ کر رو رہی تھی اور وہ برابر میں بازو آنکھوں کے گرد لپیٹے چپکے، چپکے رو رہی تھیں۔

''بند کرواؤ اس کی آواز......'' نہ جانے کب سمیع بہت غصے میں کمرے کے دروازے پر آ کر دھاڑے۔

وہ بھی غصے میں بپھری شیرنی کی طرح اٹھیں ننھی سی جان کو غصے میں ہوا میں جھلایا۔

''منحوس چپ ہی نہیں ہوتی، گلا ہی دبا دوں اس کا تو۔''

''تو دبا دو، روکا کس نے ہے؟'' بہت غصے سے وہ

دروازے کو دھڑ سے بند کر کے وہ واپس پلٹ گئے۔

☆☆☆

دوسری بیٹی کے بعد ہی دونوں کے تعلقات تناؤ کا شکار ہو گئے۔ آج انہیں آہستہ، آہستہ وہ سب یاد آ رہا تھا جو سمیع الدین سراج بیٹی کے حوالے سے کہا کرتے تھے اور وہ بیٹے کے حق میں دلائل دیا کرتی تھیں۔ احمقانہ ضد پر اڑ جاتی تھیں۔ آج انہیں اپنی ایک، ایک حماقت اچھی طرح یاد آ رہی تھی۔

اب جب تیسری بار بھی وہ امید سے ہوئیں۔ تو الٹرا ساؤنڈ کے دوران انہیں ایک خیال سوجھا اور وہ اچھل پڑیں۔

''ڈاکٹر صاحبہ لڑکا ہے، یا لڑکی......؟'' وہ بہت چاہت سے بولیں۔

''نہیں، بی بی ہم نہیں بتا سکتے۔'' ڈاکٹر نے ٹکا سا جواب دیا، وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئیں۔

''آپ کو کیا چاہیے؟'' کچھ توقف کے بعد ڈاکٹر نے پوچھا۔

ان کی تو جیسے مراد بر آئی انتہائی بے پروائی کی اداکاری کرتے ہوئے بولیں۔

''جو اللہ دے، دے میرے پاس تو بیٹا، بیٹی دونوں ہیں۔''

ڈاکٹر نے اسکرین سے نظریں ہٹا کر بغور اُن کے چہرے کے سچ، جھوٹ کو ترازو کرنا چاہا...... ان کی کامیاب اداکاری نے انہیں مطمئن کر دیا۔

''شاید بے...... ٹی......'' وہ چیخ مار کر بیٹھ گئیں ڈاکٹر انہیں تکنے لگی، اس نے لمحوں میں بہت مہارت سے اپنا جملہ مکمل کیا۔

''یا شاید بیٹا...... اصل میں تو بے بی ابھی اس پوزیشن میں نہیں کہ میں دیکھ کر بتا سکوں۔''

''لیٹ جائیں......'' اس نے انہیں ہاتھ کے دباؤ سے دھکیلا۔

''آپ کے پاس جب دونوں gender ہیں تو اتنا اچھلنا چونکنا کیسا؟'' نور بانو کا چہرہ سپید پڑ گیا تھا۔ مزید اداکاری ان کے بس سے باہر تھی۔ وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر بے طرح رو پڑیں۔

☆☆☆

پھر تو وہ ہر، ہر جگہ پھریں کہ کوئی ان کا ابارشن کر دے۔ مگر ہر ڈاکٹر نے انکار کر دیا۔ بالآخر وہ اپنی ڈاکٹر کے پاس روتی دھوتی خوشامد کرنے پہنچ گئیں۔

''بہت دیر ہو چکی ہے جناب۔'' ڈاکٹر فائزہ نے صاف انکار کیا۔

''آپ کو نہیں پتا، آپ کی جان کو کتنا خطرہ ہو سکتا ہے؟''

''ہو جانے دیں...... مر جانے دیں مجھے......'' وہ روہانسی ہو گئیں۔

''تو ہم اس گناہ کا بار کیوں اٹھائیں۔'' ڈاکٹر فائزہ نے نہایت قطعیت سے کہا۔

''ڈاکٹر...... پھر یہ بچہ کسی کو دے دیں آپ......''

''کیا ہو گیا ہے نور بانو......؟ انسان کا بچہ ہے کوئی کتے، بلی کا نہیں جو تم یوں بانٹتی پھرو......'' وہ مسلسل رو رہی تھیں۔

''بعد کی پیچیدگیاں کون بھگتے گا...... جب آپ کے شوہر کے علم میں آئے گا تو......''

''نہیں...... نہیں...... یہ میری ذمے داری ہے۔ وہ کچھ نہیں کہیں گے انہیں تو خود لڑکیاں بہت بری لگتی ہیں۔'' پھر خود ہی اپنا سر پیٹتے ہوئے بولیں۔

''اس میں بھی میرا ہی قصور ہے، سمیع الدین سراج کو بیٹے، بیٹی سے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ مجھے ہی بیٹے اچھے لگتے ہیں، مجھے کبھی بھی بیٹیاں نہیں بھاتیں، میں نے ہی سمیع کے دل و دماغ میں یہ خناس بھرا تھا کہ بیٹے نعمت ہوتے ہیں، بڑھاپے کا سہارا ہوتے ہیں۔ اب خود ہی بھگت بھی رہی ہوں۔'' نور بانو نے بڑے سے دوپٹے کے پلو سے ناک رگڑی۔

''بیٹیاں کیوں اچھی نہیں لگتیں تمہیں، تم بھی تو کسی کی بیٹی ہو۔'' بہت دیر کے بعد ڈاکٹر فائزہ نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

''بس نصیب سے ڈرتی ہوں۔''

''نصیب؟'' ڈاکٹر فائزہ ہنسیں۔

''کیوں، نصیب لڑکوں کا نہیں ہوتا؟ تمہیں پتا ہے میری دادی میری ماں سے کہا کرتی تھیں جب دعا مانگو تو بیٹا اور بیٹی...... دونوں کے اچھے نصیب کی مانگا کرو...... اگر بیٹے کا نصیب خراب ہو تو اس کی زندگی بھی تلخ ہو جاتی ہے۔ یہ تم جاہل عورتیں کیوں نہیں سمجھتیں؟''

''بیٹا مرد ہوتا ہے، اپنا نصیب خود لکھتا ہے، نصیب خراب ہوا تو ایک بیوی چھوڑ کر دوسری کر لے گا...... دنیا اسے کچھ نہیں کہے گی۔'' ڈاکٹر فائزہ نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"مگر زندگی اور گھر تو اس کا بھی برباد ہوگا ناں...... پھر یہ کہ تم نے شادی ہی کو نصیب کیوں مان لیا ہے؟"

اس نے پھر کچھ کہنے کو منہ کھولا۔

ڈاکٹر فائزہ اوبھ گئی تھیں۔

"اچھا...... اب چلو...... دوسرے پیشنٹ انتظار میں بیٹھے ہیں' میں یہاں تمہارے ساتھ سر کھپا رہی ہوں۔" انہوں نے اسے اٹھنے کے لیے انگلی سے اشارہ کیا، وہ جان گئی تھیں۔ کسی بھی جاہل کو کبھی کوئی دلیل سمجھ نہیں آتی۔ بجز اس کے جو اس کے من میں سمایا ہو...... اس کی عقل پر جہالت کا پردہ پڑا ہی رہتا ہے۔

☆☆☆

اب وہ اکثر سر پکڑے روتی رہتیں یا سڑ، سڑ ناک کرتی رہتیں...... سمیع آفس سے آچکے تھے اور کئی دن سے یہ سب نوٹس کر رہے تھے۔

"کیا ہوا......؟" انہوں نے تیوری کے بل مزید بڑھائے۔

"آج کل روتی دھوتی زیادہ نظر آتی ہو۔ کیا پھر لڑکی کی آمد، آمد ہے؟"

اتنا سنتے ہی نور بانو لگیں آواز سے رونے...... اور ان کی طرف اٹھ کر آنے لگیں۔

"بس...... بس......" سمیع نے ہاتھ کے اشارے سے وہیں روک دیا۔

"اب اگر لڑکی ہوئی تو طلاق کے ساتھ، ساتھ یہ دو منحوس لڑکیاں بھی میں تمہارے حوالے کر کے تمہیں چلتا کردوں گا۔"

"تو کیا یہ بچے میں اپنے گھر سے لائی ہوں۔" وہ بدستور روہی تھیں۔

"گھر سے تو نہیں لائیں...... مگر لے کر گھر ہی جاؤ گی۔"

"میں کون سے گھر جاؤں گی؟ ہے کوئی میرا گھر؟ ماں، باپ کو مرے عرصہ ہوگیا۔"

"بس، بس...... زیادہ ہمدردی حاصل کرنے کی ضرورت نہیں...... ایدھی سینٹر چلی جانا...... یا پھر روڈ پر بیٹھ جانا، میں تمہیں گھر میں نہیں رکھوں گا۔ اور میں کروں گا دوسری شادی......" وہ جھکے اور ایک، ایک لفظ چبا کر بولے۔

"اور تمہیں...... کروں گا چلتا۔" وہ زارو قطار رونے لگیں۔

"کیا......" "یہ" "میرا قصور ہے۔"

"نہیں، میرا ہے۔"

"بچے تو مرد کے نصیب سے ہوتے ہیں۔" انہوں نے اس حوالے سے ساتھ میں حضورؐ کی حدیث سنائی۔

"سمیع نے اوہو کو خوب کھینچا...... "بڑی آئیں مجھے سنت اور حدیث سکھانے والی...... پھر تو ایک سے زائد شادیاں بھی سنت ہیں۔ میں تو اب سنت نبویؐ پر ہی چلوں گا اور تمہیں اچھی طرح سمجھاؤں گا کہ سنت کیا، کیا ہے؟" وہ طیش میں پیر پٹختے کمرے سے چلے گئے۔

پھر باہر کا دروازہ زور سے بند ہونے کی آواز آئی اور وہ سر گھٹنوں میں دیے روتی رہیں۔

☆☆☆

مغرب کی اذان کی آواز پر وہ خیالات سے چونکیں۔ من، من بھر کے قدموں کو گھسیٹتی پارک سے واپس گھر تک پہنچیں۔

اب گھر کا منظر بالکل بدلا ہوا تھا۔

سارہ سلائی مشین پر جھکی بہت نفاست سے قمیص کا گلا بنا رہی تھی۔ ایک نظر انہیں دیکھا پھر مشین پر جھک گئی۔ ان کی موجودگی وناموجودگی اب کسی گنتی میں نہیں رہی تھی۔

"تم آگئیں......؟" اسے سلائی کرتا دیکھنے کے باوجود انہوں نے بات بڑھانے کو پوچھا اس نے اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا...... اور قمیص کے نکلے دھاگے قینچی سے کاٹنے لگی۔ "کیوں بلایا تھا رشیدہ نے؟"

"بیٹی کی شرٹ اور پاجامہ کٹوانا تھا۔"

"اتنی دیر......؟" اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ کچھ دیر وہ اس کے جواب کے انتظار میں کھڑی رہیں پھر آگے بڑھ گئیں۔

انہوں نے کمرے میں بکھرے سامان کو تکا جو اسد بکھرا گیا تھا۔ تو اُن کے سر میں پھر اسی چوٹ کا درد جاگا۔ وہ ایک، ایک سامان بہت تیزی سے جھک، جھک کر جگہ پر رکھتی جاتیں۔ سارہ نے ایک بار بھی ان کی طرف نہ تکا...... کہ اب یہ سب معمول کا حصہ ہوگیا تھا۔

"کھانا چڑھا دوں......؟" وہ چور بنی ہوئی تھیں اور خواہ مخواہ بات کر رہی تھیں۔

"میرے پیچھے اسد آیا تھا؟" سارہ اسی قدر پوچھ سکی۔

"ہاں......" وہ گہری سانس لے کر نڈھال ہوگئیں۔ جیسے اب دوسری سانس نہیں آئے گی۔ "یہ کام وہی کمبخت کرسکتا ہے۔" نور بانو خواہ مخواہ تفصیل دے رہی تھیں اور وہ جیسے کچھ سن ہی نہیں رہی ہو۔

☆☆☆

ان کے کندھے، ہاتھ اور سر کی پشت کی جانب اب بھی درد ہو رہا تھا جسے وہ چھپا گئی تھیں بلکہ سر کی پشت پر اب تو گومڑا ابھر آیا تھا۔ سارہ کی وجہ سے وہ اس کی سکائی تک نہ کرسکی تھیں۔

کھانے سے فارغ ہوئیں تو عیبہ بھی اپنی کولیگ کی شادی سے لوٹ آئی تھی...... سوائے سلام کے اس نے بھی ان سے کوئی بات نہیں کی۔ نہ ہی وہ کرتی تھی۔ البتہ دونوں بہنیں کھسر پھسر کرتی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

وہ سونے لیٹیں...... تو لگا نیند تو جیسے اوپر بہت اوپر ستاروں پر جا بیٹھی ہے۔ آنکھیں موندیں تو خیالات کا آسیب پھر ان پر سوار ہوکر انہیں زیر کرنے لگا۔

☆☆☆

تیسری بیٹی کے بعد سمیع الدین سراج نے ان سے بات چیت کرنا بالکل بند کردی تھی۔

مرد سب کچھ کرسکتا ہے ہر تعلق توڑ سکتا ہے مگر جب تک بیوی پاس ہو مطلب براری ترک نہیں کرسکتا۔

اب کی بار وہ پھر اسپتال جانے کی تیاریوں میں تھیں۔

"میں نے تمہیں بہت سمجھایا، آنے والے وجود کو ضائع کردو...... مگر تم نہ مانیں لگتا ہے نعوذ باللہ تم نے اللہ سے ضد باندھی ہوئی ہے۔ وہ تمہیں بیٹے کے قابل نہیں سمجھتا اور تم ضد میں بیٹی پر بیٹی پیدا کیے جاتی ہو۔" ان کا لہجہ سخت تھا۔

"میں کون ہوتی ہوں ضد باندھنے والی...... وہ بھی بہت طاقتور ہر شے پر قادر ہستی سے۔" وہ سسک اٹھیں۔

"میں تو اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں۔ پوری امید ہے وہ مجھے کبھی مایوس نہیں کرے گا۔ ایک نہ ایک دن میری جھولی ضرور بھرے گا۔" کہتے، کہتے وہ سسک اٹھیں ان کا دل بری طرح دکھا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" انہوں نے طنزیہ کہا۔

"اپنی جھولی میں سات، آٹھ لڑکیاں ڈلوالو...... میں اگلے ماہ پری نواز سے شادی کر رہا ہوں۔" انہوں نے گویا بم دھما کا کیا۔

نور بانو کا دم اچھل کر حلق میں آرہا۔ پری نواز ان کے دیرینہ دوست کی بہن تھیں جو عمر میں ان کی بیٹی سارہ سے بہ مشکل آٹھ نو سال ہی بڑی تھی۔

"وہ پری نواز جو تمہاری بیٹی کی عمر کی ہے۔"

"پر بیٹی تو نہیں......" انہوں نے ترکی بہ ترکی انہیں جواب دیا۔ دس سالہ سارہ کھانے کی ٹرے لیے باپ تک آئی تو سمیع نے بہت پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پینے کو پانی مانگا۔

"تم بچے پہ بچے پیدا کرو، دس سالہ بچی گھر سنبھالے تمہارا......" سمیع نے اس طرح کہا گویا اس سب کی تنہا وہ ذمے دار ہوں۔

☆☆☆

سمیع کے جانے کے بعد وہ گڑگڑا گڑگڑا کر اتنا

روئیں کہ رب کو ان پر پیار آ گیا۔ جب اس بار بیٹے کی خبر ملی تو مارے خوشی کے انہیں اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا۔ انہیں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ مارے خوشی کے پورے اسپتال میں رقص کرتی پھریں یا اتنی اونچی آواز میں چیخ، چیخ کر روئیں کہ ستاروں بھرا آسمان، زمین پر الٹ جائے۔ اب انہیں خوشی سہارنے کا سلیقہ بھی تو نہیں رہا تھا۔

☆☆☆

عیبہ کی باری کی طرح اس بار بھی وہ تنہا اسپتال گئیں اور تنہا لوٹیں تو معلوم ہوا جس روز سے وہ اسپتال گئی ہیں اسی روز سے سمیع الدین سراج بھی گھر سے غائب ہیں۔

''پری نواز......'' بہت اندر کہیں سے آواز آئی تو جیسے اُن کا دل کسی نے مٹھی میں جکڑ کر بھینچ دیا ہو۔

انہوں نے تمام گوری چٹی لڑکیوں کے مقابلے میں دبتے سانولی رنگت والے نومولود کو تکا...... جو کسمسا رہا تھا جس میں نوے فیصد سمیع الدین سراج کی شباہت تھی۔

''سمیع الدین سراج نے یقین شادی رچالی ہے۔'' وہ شاکی نظروں سے اسد کو تکنے لگیں۔

وہ اس کی پیدائش کی خوشی منائیں یا اپنے لٹنے کا غم...... وہ دھیرے، دھیرے بستر تک آئیں تو ڈھے گئیں۔ دس سالہ سارہ اور سات سالہ مدیحہ آ کر ان سے لپٹ گئیں۔

''ہٹ جاؤ منحوسنیوں...... میرا دم گھٹ رہا ہے۔''

ان کی لات سے سات سالہ مدیحہ دور جا گری پانچ سالہ عیبہ اس منظر کو دیکھتے ہی گھبرا گئی، وہ بھی ان کی سمت آ رہی تھی، وہیں رک گئی۔ نور بانو پھوٹ، پھوٹ کر رو رہی تھیں۔ سارہ جلدی سے بسورتی مدیحہ کو اٹھا کر سینے سے لگانے لگی۔ ایسے والدین کے بچے بہت جلد ذہنی بلوغت کو پہنچ جاتے ہیں۔ انہیں لوگوں کی نظروں کا مفہوم اور لہجہ سمجھانا نہیں پڑتا، وہ سب کچھ خود بخود دیکھ اور سمجھ جاتے ہیں۔

☆☆☆

سمیع الدین سراج نے علی الاعلان شادی کر لی اور وہ پری نواز ہی کے گھر منتقل ہو گئے۔ انہیں گھر سے نکالنے کی دھمکی محض دھمکی ثابت ہوئی وہ کبھی کبھار آ جاتے اور سارہ کو واجبی سا پیار کر کے خرچہ تھما کر چلے جاتے۔ سارہ کو اگرچہ سمیع پیار کر لیتے تھے مگر اب وہ ان سے بھی ڈر گئی تھی۔

پھر رفتہ، رفتہ سمیع الدین سراج کا آنا کم ہوتا گیا اور خرچے کی رقم بھی گھٹتی چلی گئی۔

شروع شروع میں وہ دن رات روتی رہتیں......

آخر کب تک؟ انسان کو حالات سے سمجھوتہ کیے بنا کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔ وہ محلے کے بچوں کو معاوضے پر قرآن شریف پڑھانے لگیں۔ ساتھ میں محلے کے لوگوں کی سلائی بھی شروع کر دی۔ ان کی سب بچیاں گورنمنٹ اسکول جاتیں مگر اسد کو انگلش اسکول بھیجا جاتا۔ آٹھ جماعت پڑھا کر سارہ کو گھر بٹھا لیا گیا۔ وہ سلائی کرتیں تو گھر نہیں دیکھ پاتیں لہٰذا گھر دیکھنے کی ذمے داری اب سارہ کی ٹھہری۔ مدیحہ اور عیبہ نے خوب شور مچایا۔

''مجھ سے نہیں ہوتا اتنا کام...... تم منحوسوں کے پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لیے میں دن رات سلائی کروں اور گھر بھی دیکھوں......'' سدا کی سیدھی سادی سارہ نے دونوں کو چپ کرایا...... حالات کے پیش نظر سارہ بہت کم گو ہو گئی تھی۔ جبکہ مدیحہ، عیبہ بہت تیز طرار تھیں۔

نور بانو کے لیے سارا زمانہ ایک طرف اسد ایک طرف تھا۔ کھانا پکتا وہ سب سے پہلے اسد کے لیے الگ رکھ دیتیں۔ اپنے اور بچیوں کے لیے شوربا پتلا کر دیا جاتا۔ اسد کے چار جوڑے بنتے تب کہیں جا کر لڑکیوں کی باری آتی۔ اور اس سب کے باوجود بھی وہ لڑکیوں کو منحوس ہی کہتی رہتیں۔

☆☆☆

''میرا سر پھٹ رہا ہے، سارہ سے کہو مجھے چائے بنا دے۔'' انہوں نے سلائی مشین پر جھک کر سوئی میں دھاگا ڈالا۔

''سارہ کو بخار ہے۔'' یہ مدیحہ تھی۔

''تو...... تو بنا دے۔'' انہیں سخت طیش آیا۔

''میں پڑھ رہی ہوں۔'' تڑ سے جواب آیا۔

''کون سی ڈاکٹرنی بننا ہے۔ چائے بنا کر لا...... دو منٹ میں بنتی ہے۔''

''مجھے دو منٹ والی چائے بنانی نہیں آتی۔''

''منحوس کمبخت مرتی بھی نہیں زبان دیکھو کیسی قینچی کی طرح چلتی ہے، کندھے پر پڑی ہے گز بھر کی زبان......

باپ چھوڑ کر مر گیا میرے سر پر......''

''اسد کو بھی چھوڑ گیا ہے، کوئی اسے ساتھ نہیں لے گئے ابا......''

''او...... منحوس کہیں کی تُو تو جلتی ہے ہر وقت بھائی سے...... چل تو نے تو دینی نہیں ہے۔ عیبہ سے کہہ مجھے چائے دے۔''

''اس کا ہاتھ جل جائے گا۔''

''خبیث جل جانے دے، میں تو کہتی ہوں، سب جل کے مر جاؤ۔ خس کم جہاں پاک......''

''گھر کو پٹرول چھڑک کر آگ لگا دوں، سب اکٹھے مر جائیں گے۔'' اسی نے دل جلانے والی مسکراہٹ سے کہا...... انہوں نے ہاتھ میں پکڑی قینچی اسے کھینچ ماری۔ نوک اس کے بازو کو چھوتی گزر گئی۔ آستین پھٹ کر خون نکل آیا۔

وہ اٹھی اور روتی ہوئی بڑی بہن سارہ کے پاس چلی گئی۔ سارہ بخار میں تپ رہی تھی۔ آنکھیں بہ مشکل کھول کر اسے دیکھا تو خود سے لپٹا لیا۔

''کیا ہوا؟'' وہ کراہی

مدیحہ نے کوئی جواب نہ دیا اس سے لپٹی روتی رہی۔

☆☆☆

وقت بہت ظالم ہے...... برا ہو تو گزرنے کا احساس تک نہیں ہونے دیتا اور اچھا ہو تو ٹھہرتا نہیں۔

بے زبان سارہ نے گھر بھی سنبھال لیا اور بہنوں کو پڑھانے کے لیے سلائیاں بھی شروع کر دیں۔ اب ان پر سے سلائی کا بوجھ کم کیا ہوا کہ انہوں نے بالکل ہی سینا چھوڑ دیا۔ مدیحہ اور عیبہ نے سارہ کو گھر کا کام کرنے سے بالکل روک دیا اور یہ فرائض نور بانو کو انجام دینے کا حکم صادر کر دیا۔ عیبہ، مدیحہ نے ٹیوشنز بھی شروع کر دیں اور ساتھ ہی اسد کو بھی پڑھانا شروع کر دیا۔

اسد کا دل پڑھائی میں لگتا ہی کب تھا۔ چیز کھانے کے بہانے نور بانو سے پیسے مانگنا جو وہ لڑکیوں سے لے بخوشی اسے دے دیا کرتیں پھر اس نے کچھ ہی دنوں میں سگریٹ کی لت پال لی۔ اب بھی نور بانو کا پلڑا اسد ہی کی طرف جھکتا تھا۔ مدیحہ، عیبہ اسے پڑھاتے وقت مارتیں تو نور بانو اسے کلیجے سے لگا لیتیں جیسے صرف اسد ان کی اولاد ہو۔ نور بانو کی انہی حرکتوں نے اسد کو بگاڑ کر رکھ دیا۔

''تم لوگ تو بھائی سے جلتی ہو۔'' ان کا ہر وقت کا کہا جملہ اسد کے دل میں گھر کر گیا تھا۔

اور وہ سمجھنے لگا...... پڑھائی پر سختی کرنا، مارنا حسد ہے، آوارہ دوستوں میں نہ جانے دینا...... حسد ہے۔ سگریٹ کی لت روکنے کے لیے اسے مارنا، اس پر سختی کرنا، گھر سے نکلنے نہ دینا حسد ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ایک کی چار کر کے بہنوں کی شکایت کیا کرتا اور نور بانو لڑکیوں کو کوسنے دینے کے ساتھ، ساتھ ایک دو ہتھڑ بھی جما دیتیں۔ اور اسد شہہ پکڑتا جاتا۔ نتیجتاً وہ منہ زور ہوتا چلا گیا۔ گھر میں باپ، دادا کا سایہ نہ ہو تو لڑکے منہ زور ہوتے دیر نہیں لگاتے۔ وہ جوں، جوں بڑا ہوتا گیا سب پر حاوی ہوتا گیا۔ رو دھو کر میٹرک کر لیا تھا مگر نوکری ڈھونڈنے سے اسے کوئی سروکار نہ تھا۔ پیسے جب چاہتا مانگ کر یا زور زبردستی کر کے لے جاتا۔

اس تمام صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے بہنوں نے طے کیا کہ گھر کے خرچے کے پیسے ماں کو دے کر باقی وہ بچت کرنے لگیں۔ نور بانو جیسے تیسے گھر چلانے لگیں۔ جب اسد کو پیسے نہ دیتیں، وہ ہنگامہ کھڑا کر دیتا۔ برتن توڑتا، بستر کی چادریں لپیٹ کر پھینک دیتا۔ پیسوں کی ڈھونڈ میں پوری الماری کھنگال ڈالنا اس کا عام وتیرہ ہو گیا تھا۔

مدیحہ اور عیبہ نے گریجویشن کرتے ہی ایک کمپنی میں جاب کر لی۔ وہاں ساتھ کام کرنے والے لڑکے نے مدیحہ کا پیغام دے دیا۔ مدیحہ نے بہتیرا چاہا کہ اس کی صرف منگنی ہو جائے پہلے سارہ کی شادی ہو جائے۔ مگر سارہ نے اپنے لیے شادی کا آپشن رکھا ہی کب تھا؟ اس نے خود کو ایثار کے لیے وقف کر دیا تھا۔ گھر کی پوری ذمے داری اس کی تھی، اس نے دونوں بہنوں کو ماں بن کر پروان چڑھایا تھا تو اس نے ان کی شادی کے فرض سے بھی خود کو سبکدوش کرنا تھا۔ تو سارہ نے پہلی بار باپ سے رابطہ کیا اور ان سے مدیحہ کی رخصتی کی التجا کی۔ سمیع پھر باپ تھے دل پسیج گیا۔ مدیحہ چار کپڑوں میں سادگی سے رخصت کر دی گئی۔

اسد کا اپنے دوست کے گھر کی گلی میں ایک لڑکی نیلو سے چکر چل گیا۔ اب شادی کے لیے اسد کا نوکری کرنا

لازمی تھا۔ وہ دوڑ بھاگ کر کے ایک کمپنی میں پیون لگ گیا۔ اب اس کی تنخواہ گھر آنے کے بجائے نیلو پر خرچ ہونے لگی۔ سگریٹ کی طلب پوری کرنے کے لیے وہ نور بانو سے جھگڑا کرتا۔ اب تو نور بانو بھی اس سے بہت زیادہ عاجز آ گئی تھیں۔ اب باقاعدہ پیسے کی چھین جھپٹ اور اونچی، اونچی آوازوں کا تبادلہ روز کا معمول بن گیا تھا۔

اُدھر سمیع الدین سراج پر دل کا جان لیوا دورہ پڑا اور ان کی کہانی یہاں آ کر ختم ہو گئی۔

☆☆☆

اسد کئی دن سے نور بانو کے پیچھے پڑا تھا کہ نیلو کا پیغام لے کر جائیں۔ نور بانو کا کہنا تھا پہلے سارہ اور عیبہ کی شادی ہو جائے۔

''یہ منحوسیں بوڑھی ہو جائیں گی اور ان کی شادی نہیں ہو گی تو کیا میں بھی اپنا گھر نہ بساؤں؟'' اسد کے کہنے پر پہلی بار بیٹیوں کے لیے ان کے دل پر دھکا سا لگا۔ جھاڑو دیتی سارہ نے صرف ایک لمحے کے لیے سر اٹھا کر اسد کو تکا۔ ورنہ گھر میں دونوں بہنیں بھائی سے کوئی بات نہیں کرتی تھیں بلکہ ماں تک سے سب ضرورت کی بات کرتیں۔

آفس سے گھر میں داخل ہوتی عیبہ نے یہ سب سنا تو تلملا اٹھی۔

''منحوس تو تم ہو......جس کے پیدا ہوتے ہی ابا...... اماں کو چھوڑ گئے۔'' نور بانو کو جیسے کرنٹ چھو گیا......نور بانو کو زندگی میں پہلی بار اس کا ادراک ہوا۔ ورنہ تو وہ ہمیشہ ہی لڑکیوں کو بلا وجہ منحوس کہتی آئی تھی۔

''تو ذرا بھی بولی تو تیری زبان گدی سے کھینچ کر باہر نکال دوں گا۔'' وہ مارنے کو آگے بڑھا تو سارہ جلدی سے جھاڑو چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسی دوران نور بانو تیزی سے دونوں کے درمیان میں آ گئیں۔

''کیا کرتا ہے اسد......؟'' مگر وہ تو جیسے آپے سے باہر تھا۔

''آفس جا کر مردوں کے بیچ بیٹھ کر زبان تو لمبی ہوئی ہے اس کی۔'' اسد اس طرح چیخا جیسے وہ بڑا ہو یا گھر کو چلانے والا سرپرستِ اعلیٰ......

''کمانے جاتے ہیں، تمہارے طرح ہڈ حرام نہیں ہیں، نہ ہی دوسروں کے پیسے پر تمہاری طرح رال ٹپکاتے ہیں۔'' عیبہ ڈرنے والی نہیں تھی۔

''ہاں، ہاں پتا ہے کیا کمانے جاتی ہو، لوگ مذاق اڑاتے اور طنز کرتے ہیں......مردوں کے بیچ پارسا......''

اس کا چہرہ غصہ میں لال بھبوکا ہو رہا تھا۔

''تم کما کر لاتے تو ہم کیوں کمانے باہر جاتے؟'' عیبہ اب بھی اونچا بول رہی تھی اور سارہ اور نور بانو ہکا بکا دونوں کو تک رہی تھیں۔

''چپ کر جا...... زبان تو کندھے پر بڑی ہے تیری۔'' نور بانو نے عیبہ ہی کو ڈانٹا۔

''ہاں، ہاں آپ تو ضرور بولیں گی۔ یہ سب آپ ہی کا کیا دھرا تو ہے۔ آپ نے ہمیشہ ہم لڑکیوں کو ڈی گریڈ کیا۔ ہمیشہ لڑکے کو فوقیت دی۔ کیا دیا اس نے......سوائے آٹھ، آٹھ آنسو رُلانے کے...... کام کا نہ دھام کا، دشمن اناج کا۔''

''اسے چپ کراتی ہو یا پھر میں چپ کراؤں۔''

اس پر تو بس نہ چلا اسد غصے سے ماں کی طرف گھوما۔

''چپ ہوتی ہے کہ تھپڑ لگاؤں تجھے۔'' نور بانو نے پھر عیبہ ہی کو دھکیلا۔ انہیں ڈر تھا اسد اس پر ہاتھ نہ اٹھا لے......اور جب ایک بار ہاتھ اٹھ جائے تو پھر رکا نہیں کرتا۔

''لے کے جا اسے اندر......'' نور بانو نے سارہ کو کہا......وہ تو جیسے تلی بیٹھی تھی۔ تیزی سے عیبہ کی سمت آئی اسے گھسیٹ کر اندر لے گئی۔ عیبہ جاتے، جاتے بھی خونخوار نظروں سے دونوں کو تک رہی تھی۔

☆☆☆

نور بانو نے اسد کو بہت سمجھایا کہ سارہ اور عیبہ کی شادی کے بعد تم اپنی شادی کر لینا مگر وہ کسی طور نہ مان رہا تھا۔ اس کے سر پر تو نیلو کا آسیب پنجے گاڑھے براجمان تھا۔

''پیسے کہاں ہیں؟ کیسے کروں تیری شادی بیٹے'' اب وہ خوشامد پر اتر آئی تھیں۔

''یہ جو گھر میں اتنی کمائی آ رہی ہے وہ نکالو۔'' اس نے در پردہ بہنوں کی طرف اشارہ کیا۔

''وہ تو بہنوں کے ہیں۔''

''تو کیا آپ کے اور ان کے الگ ہیں......کھا، کھا کر موٹی بھینسیں ہو رہی ہیں۔ بدزبان گھر میں پیسہ نہیں لگائیں گی تو رہنے دوں گا ان کو...... یہ گھر میرا ہے، میں اس کا وارث ہوں۔ ایک، ایک کو روڈ پر بٹھا دوں گا۔'' نور بانو سہم گئیں، انہیں سمیع الدین سراج کے جملے یاد آ گئے۔ وہ بھی انہی کا بیٹا تو ہے۔ وہ اسد کی ضد سے بھی خوب واقف تھیں باپ سے چار ہاتھ آگے۔ باپ تو نکالنے کا کہہ کر رہ گیا تھا۔ یہ نکال کر دم لے گا۔ اس طبقے میں ویسے بھی لڑکیوں کا ترکہ دینے کا کوئی رواج تو ہوتا نہیں...... اندر کمرے میں عیبہ اور سارہ یہ سب سن رہی تھیں۔

اس روز بھی اس کی ضد وہی تھی نیلو کا ہاتھ مانگو......

''بیٹا کون دے گا اپنی لڑکی......؟''

''تم اس کی فکر نہیں کرو۔'' اس نے ایسے کہا جیسے گویا تمام معاملات طے ہیں۔

''بیٹا تم پائی ٹکا تو دیتے نہیں جو کماتے ہو ہمیں اس کا علم نہیں......تمہاری تنخواہ ہے کتنی؟ کہاں جاتی ہے۔''

''تو تمہیں میرا خرچہ نہیں پتا۔'' اس نے درمیان سے بات اچکی۔

''اور میں کون سا اتنا کماتا ہوں جو تمہیں الگ دوں۔''

''پھر بیوی کو کیسے پالو گے؟''

''پالنے والی ذات رب کی ہے، تم اس کی فکر نہیں کرو۔''

اماں چپ ہو رہیں کہ ہم انسان مطلب و مفاد کی خاطر کس، کس طرح اللہ کا نام استعمال کرتے ہیں۔

☆☆☆

تھوڑا بہت جہیز لے کر نیلو اُن کے گھر بیاہ کر آ گئی۔

نور بانو اب بہت حد تک اسد سے متنفر ہو چلی تھیں لیکن جب لڑکیوں کے مقابلے کی کوئی بات ہوتی تو ان کا پلڑا ہمیشہ اسد کی جانب ہی جھکتا۔

اب جب انہوں نے دیکھا کہ نیلو دن، دن بھر کمرا بند کیے پڑی رہتی، کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتی ہاں البتہ کھانا کھانے باقاعدگی سے آ جاتی اور کھا پی کر واپس چلی جاتی۔ نہ اسے اپنے برتن اٹھانے کی انہیں دھونے کی فکر نہ گھر کے کسی کام کو ہاتھ لگانے کی فکر......اسد آتا وہ بھی کمرے میں بند ہو جاتا۔ تب انہیں بچیوں کا احساس جاگا اور ان کی کچھ آنکھیں کھلیں۔

پہلا ہنگامہ اس وقت ہوا جب رات کے کھانے کے لیے نور بانو اسے بلانے جانے لگیں تو عیبہ نے تڑخ کر کہا۔

''رہنے دیں اماں، گھر کی بہو ہے اسے خود ذمے دار ہونا چاہیے۔ ہم اس کے ملازم ہیں کہ کمائیں بھی پکائیں بھی اور کھلائیں بھی......اور یہ دونوں نواب کے بچے آ کر کھائیں اور واپس حجرے شریف میں تشریف لے جائیں۔'' اماں بھی رک گئیں۔ سب کھانا کھا کر کام نمٹا کر سو گئے۔

رات گئے جب کسی نے اسد اور نیلو کو کھانے پر نہیں بلایا تو انہیں بھوک نے ستایا اور وہ باہر نکلے وہاں تو ماحول ہی عجب تھا۔ لائٹیں بند سب سو گئے تھے۔ کچن میں گئے تو کھانا دونوں کے لیے ناکافی تھا۔ بس پھر کیا تھا؟ اسد نے ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ چیخ، چیخ کر سب کو جگا دیا۔ سارہ بھی ہڑبڑا کر جاگ گئی مگر ڈرپوک اتنی کہ سہمی کمرے میں دبکی بیٹھی رہی۔

اماں اسد کو چپ کرانے میں لگی ہوئی تھیں۔

''نہ آج بلایا ہے، نہ آئندہ بلائیں گے جسے کھانا ہے وہ خود آئے گا اور ساتھ میں کام بھی کروائے گا۔ مفت کی روٹیاں کسی کو نہیں ملیں گی۔'' عیبہ کا کہنا تھا کہ اسد کے منہ سے فوارے کی طرح گالیاں نکلنے لگیں۔

''کمرے میں بند بیٹھی رہتی ہے اس سے بولو برابر سے کام کرے۔'' عیبہ نے ترکی بہ ترکی کہا انگلی نیلو کی طرف تھی۔

بس پھر کیا تھا نیلو نے زبان کی تیزی کے وہ جوہر دکھائے کہ سارے انگشت بہ دنداں رہ گئے۔ اسد عیبہ کو مارنے کو لپکا۔ سارہ پھر حسبِ معمول عیبہ کو کھینچ کر کمرے میں لے آئی۔

☆☆☆

اس ہنگامے کے بعد اتنا تو ہوا کہ نیلو کے کمرے کا دروازہ کھلا رہنے لگا اور صرف کولر سے پانی پینے کے لیے باہر نکلتی یا کبھی کبھار سبزی کاٹ دیا کرتی باقی کام کے لیے اس نے کہہ دیا اسے نہیں آتا۔

نہ وہ گھر میں کسی سے بات کرتی نہ اسے کوئی منہ لگاتا۔ دوسرے ہنگامے کی وجہ اسد کا خرچہ نہ دینا تھا۔

''دو، دو افراد ہو۔ تمہارا خرچہ اٹھانا ہماری ذمے داری نہیں، نہ ہم تمہارے لیے کما رہے ہیں۔ اپنے حصے کا خرچہ دو تب کھانا ملے گا۔'' عیبہ کے زبان چلانے پر ایک زوردار زناٹے کا تھپڑ اس کا گال اور کان سرخ کرتا چلا

گیا۔ پھر عیبہ سن ہو کر رہ گئی۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا اس کا چھوٹا بھائی اس پر ہاتھ اٹھائے گا۔

بس پھر کیا تھا۔ اماں بھوکی شیرنی کی طرح اسد کی جان کو آ گئیں اور اسد باقاعدہ جاہل عورتوں کی طرح دو بدو ان سے لڑنے لگا۔

☆☆☆

اگلے روز نیلو نے اپنا اور اسد کا ناشتا بنایا اور کمرے میں لے گئی۔ اب ان کا یہ روز کا معمول ہو گیا۔

''اماں، اسد سے کہہ دو خرچہ دے گا تو کھانا ملے گا۔'' جب مسلسل چار ماہ مزید بیت گئے اور اسد نے چپ کا ریکارڈ توڑ روزہ رکھ لیا تو عیبہ کو بولنا پڑا۔ ابھی نور بانو اور سارہ اسے خاموش کروا رہی رہے تھے کہ اسد طنطنا تا ہوا آ گیا اور پھر وہ رن پڑا کہ محلے والوں نے بھی خوب، خوب مزے لیے۔

اب اس گھر میں لڑائی جھگڑے روز کا معمول ہو گئے تھے۔ جب اسد کام پر چلا جاتا نور بانو اور عیبہ، نیلو کو کام نہ کرنے پر خوب خوب صلواتیں سناتیں بالآخر تنگ آ کر نیلو نے اسد کے کان بھرے اور یہ گھر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا اور یوں اسد نیلو کے ساتھ اس کے میکے رخصت ہو گیا۔ ان کے جانے کے بعد سب نے سکھ کی سانس لی۔ مگر یہ سکھ کی سانس بھی عارضی ثابت ہوئی۔

اب آئے دن اسد گھر میں دندناتا گھس آتا کہ اسے خرچے کی ضرورت ہے، گھر میں کھانے کو نہیں ہے، پورے گھر کو الٹ پلٹ کر جاتا جو اس کے ہاتھ لگتا وہ لے جاتا۔

لاکھ نور بانو کہتی رہ جاتیں کہ ''اس پیسے پر تمہارا کوئی حق نہیں ہے، یہ بہنیں کماتی ہیں جس سے گھر کا خرچ چلتا ہے مگر اس نے بے غیرتی لادی ہوئی تھی، وہ کسی کی سننے کو تیار نہیں تھا۔

☆☆☆

اذانِ فجر پر انہوں نے اٹھ کر بیٹھنا چاہا تو محسوس ہوا جسم کا جوڑ، جوڑ دکھ رہا ہے، رات تو پوری آنکھوں میں کٹی تھی۔ ایک کے بعد ایک خیالات کی یلغار تھی جس نے پلک تک نہ جھپکنے دی۔ بہ مشکل وہ فجر کے لیے اٹھیں۔ وضو کیا نماز پڑھی تسبیحات میں لگ گئیں۔ چھٹی کا دن تھا لہٰذا عیبہ گھر میں تھی اور چھٹی والے دن وہ سارہ کو بالکل ہلنے تک نہیں دیتی تھی سارا کام خود کرتی۔ صفائیوں سے لے کر کھانا پکانے تک۔

ناشتے سے فارغ ہو کر سارہ ان کی کنگھی چوٹی کرنے کے لیے تیل اور کنگھا لائی تو انہوں نے بہانہ کرنا چاہا کہ وہ خود چوٹی باندھ لیں گی۔ سارہ نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ وہ کبھی ایسا کرتی ہی نہیں تھیں۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد بنا ان کی اجازت لیے اس نے ان کے سر میں تیل لگانا شروع کیا گو مڑ پر ہاتھ رکھتے ہی وہ لرز گئی اور نو بانو درد سے بلبلا اٹھیں۔

''یہ کیا ہوا؟'' سارہ اسی قدر بول سکی۔

بستر کی چادر صاف کرتی عیبہ انہیں ہی تک رہی تھی عین اسی وقت اس کی نظر بانو کے ہاتھ پر پڑی تو وہ بھی دوڑ کر چلی آئی۔ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہی وہ چیخ اٹھی۔

''یہ کیا ہوا؟ یہ نیل کھرچا ہوا بازو......'' نور بانو کے کاٹو تو لہو نہیں، وہ نظریں نہیں ملا پا رہی تھیں۔

''کک...... کچھ نہیں۔'' ان کی زبان لڑکھڑا کر اسی قدر کہہ سکی۔

''کل اسد آیا تھا؟'' سارہ ایک لمحہ میں واقعے کی تہ تک پہنچ گئی۔ وہ اسی قدر کہہ سکی۔ اور بہت نرمی اور آہستگی سے ان کی چوٹی گوندھنے لگی۔

''اوہ تو وہ نامراد، بدتمیز اس حد تک آ گیا کہ معاملہ ہاتھ اٹھانے تک آ پہنچا۔''

''ارے، رے، رے نن، نہیں...... ہمت ہے بھلا اس کی۔'' نور بانو کو اپنی آواز ہی بیگانی لگی جب انہوں نے عیبہ کو جواب دیا۔

''ہونہہ......'' عیبہ نے سر جھٹکا۔ ''ساری زندگی اس کے عیبوں کی پردہ پوشی ہی کی ہے آپ نے۔'' عیبہ بہت ترحم سے اپنا نچلا ہونٹ دبائے ان کا ہاتھ سہلا رہی تھی مگر لہجے کا طنز نمایاں تھا۔

اور سارہ...... وہ تو اللہ میاں کی گائے، اس کے منہ میں زبان تھی ہی کب......؟ وہ کپڑا گرم کر کر کے ان کی سکائی کر رہی تھی۔

''آپا، اب ڈاکٹر آ کسنگ کرنے کو کہتے ہیں۔''

''وہ تو فوری چوٹ پر ناں...... اب تو پورا ایک دن گزر گیا۔''

''ایک دن......؟'' نور بانو چونکیں۔

انہیں لگا وہ تو پوری ایک صدی بتا آئی ہیں، یہ واقعہ کل کا کب ہے ان کی شادی...... بچوں کی پیدائش...... سمیع کا انہیں چھوڑنا اسد کی سگریٹ نوشی...... اس کی... بدتمیزیاں...... نیلو کی آمد...... بیاہ...... اسد اور نیلو کا گھر چھوڑ جانا...... آئے دن اسد کا پیسوں پر ڈکیتی مارنا......

یہ سب کل کا واقعہ کب تھا؟

آنسو کا ایک قطرہ ان کی آنکھ سے ڈھلک کر دامن میں جذب ہو گیا۔ جسے انہوں نے انتہائی ہوشیاری سے بچیوں سے چھپانا چاہا۔ قسمت نے ان سے، آواز سے رونے کا اختیار چھین لیا تھا۔ دونوں لڑکیوں نے دزدیدہ نگاہوں سے انہیں دیکھ لیا تھا۔ مگر بولیں کچھ نہیں۔

☆☆☆

اگلے دن مدیحہ ملنے آ گئی۔

''اماں قاسم کے دوست کے بڑے بھائی آپا سارہ کا رشتہ مانگنا چاہتے ہیں۔'' مدیحہ نے اماں کے قریب ہوتے ہوئے کہا۔

''سچ......'' عیبہ سب کام چھوڑ کر مدیحہ کے کندھے سے آ لگی۔ نور بانو کی باچھیں بھی چر گئیں۔

''انہیں منع کر دو...... میری فکر چھوڑ دو، عیبہ کی فکر کرو۔''

''پہلے تمہاری شادی ہو گی۔'' نور بانو مارے خوشی کے اونچی آواز میں بولیں۔

''نہیں......'' سارہ نے قطعیت سے انکار کر دیا۔

نور بانو نے اسے دیکھا پھر جیسے وہ ڈھے گئیں۔ انہیں لگا وہ اپنے سارے اختیارات کے ساتھ، ساتھ ماں ہونے کا اختیار بھی کھو چکی ہیں۔ مدیحہ، عیبہ دوڑ کر سارہ کے پاس کچن میں چلی گئیں۔ وہ چھنی سے چائے چھان رہی تھی۔

''کیوں آپا؟ ہم چاہتے ہیں شادی کر کے تم بھی اپنا گھر بسا لو۔''

''میری شادی ہو چکی...... اس گھر سے...... اماں کی تنہائی سے۔'' سارہ کے لہجے میں بے پناہ کرب تھا۔ جسے دونوں نے محسوس کیا۔ اماں بھی ہونق بنی اُدھر ہی تک رہی تھیں۔

آج انہیں اپنے کل کے ڈھونڈے سوالات کا جواب مل چکا تھا۔ انہیں ہمیشہ بیٹے سہارا نظر آتے تھے جبکہ اس دور کی تاریخ گواہ ہے، بیٹیوں نے ہمیشہ والدین کو سہارا دیا، یہ وہی بیٹیاں تھیں جن سے انہیں نفرت ہوا کرتی تھی اور یہ وہی بیٹا ہے جس پر انہوں نے بیٹیوں تک کے حصے کی محبت وار دی تھی اور ہمیشہ بیٹیوں کو منحوس کے لقب سے نوازا تھا، ان کو مکمل رد کیا تھا۔ اس سب کے باوجود بیٹیوں ہی نے انہیں ساتھ رکھا تھا، ان کا ساتھ نبھایا تھا۔ دھندلائی آنکھوں سے دونوں بیٹیوں کو اندر کمرے میں چائے لے جاتے دیکھا۔ عیبہ انہیں ان کا کپ پکڑا کر اندر بہنوں کے پاس چلی گئی۔

انہیں شدت سے تنہائی کا، اکیلے پن کا احساس ہوا۔ انہیں اپنے وجود میں ٹھہری تھکن نے بہت آزردہ کر دیا۔ نہ جانے کیا سوچ کر وہ بچیوں کے کمرے کی سمت آ کر چوکھٹ پر ٹھہر گئیں۔ مدیحہ کی پیار بھری آواز انہیں سنائی دی تھی۔

''سارہ، پاگل نہ بنو، اماں نے ہمیں دیا ہی کیا ہے؟ ہمیں تو ممتا کا پیار بھی تم سے ہی ملا ہے۔'' وہ چوکھٹ سے سر ٹیک کر آنسو بہانے لگیں۔ اپنی جوانی یاد آ گئی۔ جوانی میں تو ہر کوئی شیر ہوتا ہے۔ وہ شیرنی کی طرح زور آور تھیں اور آج انہی لڑکیوں کے رحم و کرم پر تھیں کل تک جو لڑکیاں ان کے لیے سوہانِ روح تھیں۔

''دیکھو، سارہ، جنید، قاسم کے دوست کا بڑا بھائی ہے، خوب مال و دولت ہے۔ عیش کرو گی۔ پہلی بیوی سے لڑکیاں، لڑکیاں ہیں اسی لیے دوسری شادی کرنا چاہتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ اگر تمہاری بہن کہے گی تو بیوی کو طلاق دے دوں گا۔''

''نہیں۔'' اچانک بہت زور سے سارہ چیخی۔ اس کے لہجے میں زندگی میں پہلی بار چٹانوں جیسی سختی در آئی تھی۔ اس کا یہ روپ بہنوں بلکہ نور بانو کے لیے بھی اچنبھے کا باعث تھا۔

''آخر انکار کی وجہ؟'' عیبہ نے بہت پیار سے سارہ کے ہاتھ تھامے تو مدیحہ نے بہت نرمی سے اسے کاندھوں سے پکڑ کر اپنی طرف کرتے ہوئے پوچھا۔

''تم کیوں چاہتی ہو؟ میں دوسری پری نواز بنوں۔'' سب کو اپنی... سانس ایک دم ہی رکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ نور بانو چوکھٹ سے ٹیک لگا کر زمین پر بیٹھتی چلی گئیں۔

امرت

شیریں حیدر

قسط:16

تخلیقِ کائنات سے لے کر اب تک...کئی ادوار بدلے مگر عورت کی کہانی ہر دور میں لگ بھگ وہی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رشتوں کی ڈور میں باندھا تو اس کا مقصد یہ تھا کہ ہم اپنی تخلیق کے مقصد کو اور بھی خوب صورت بنائیں مگر اس کے پیدا کردہ دل میں جذبے بھی اسی کے پیدا کردہ تھے۔ محبت، نفرت، رشک، حسد، رنج، غصہ اور خوشی...اب ہم پر منحصر ہوتا ہے کہ ہم کس جذبے کو خود پر حاوی کرلیتے ہیں، یہ ہماری خصلت بن جاتا ہے اور ہماری کل شخصیت کا خلاصہ...یہی ہمارے کردار کی تعمیر کرتا ہے اور ہم اسی کا تاثر دوسروں پر عمر بھر کے لیے چھوڑتے ہیں۔ ہماری عادات صرف ہم پر ہی نہیں بلکہ دوسروں کی زندگیوں پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔ کسی کی زندگی کا سفر کس طرح سہل یا کٹھن ہوتا ہے اس کا انحصار ان لوگوں پر ہوتا ہے جو اُن کی زندگی کے اہم کردار ہوتے ہیں اور جن کا ہونا یا نہ ہونا اہمیت رکھتا ہے۔ پیدائش سے لے کر اپنی موت تک رشتوں کی ڈور سے بندھے ہوئے کردار زندگی کو ہنس کر گزارتے ہیں یا رو کر، مشقت سے سانس لیتے ہیں یا خوشیوں کے ہنڈولوں میں جھولتے ہوئے اس کا سارا دارومدار ان سے وابستہ رشتوں پر ہوتا ہے۔ وقت بدل جاتے ہیں مگر کہانی وہی رہتی ہے اور اپنی باری سے اس میں مختلف کردار شامل ہوتے رہتے ہیں۔

زندگی کے انہی پیچ وخم اور نشیب وفراز سے نبرد آزما ہوتی ایک چشم کشا تحریر......



اس لمس نے...... اس احساس نے میری زندگی بدل دی تھی، مجھے کمرے میں منتقل کر دیا گیا تھا اور اب میں بے چینی سے منتظر تھی اس وقت کی جب مجھے دوبارہ اس کے پاس لے کر جایا جائے گا۔ میں ممتا کے احساس سے سرشار تھی، وہ ناتواں وجود بھوک سے بے چین ہونے کے باوجود اتنی قوت سے عاری تھا کہ جس سے وہ اپنے لیے خوراک حاصل کر سکے۔ آیا نے مدد کی اور کسی نہ کسی طرح ہم نے مل کر اس کا پیٹ بھرنے کا کام کیا۔ اس کے بعد اسی نے تجویز کیا کہ مجھے اس کے لیے دودھ کی بوتلیں بنانا ہوں گی تاکہ اسے چچوں یا فیڈر کے ساتھ بار، بار دودھ دیا جا سکے، میرے لیے بھی اتنی مشقت کرنا ممکن نہ تھا۔ اللہ نے مجھے اس نعمت سے مالا مال کیا تھا جو اس کا نصیب تھی۔

آیا نے ہی مدد کی تھی اور مجھے بیڈ پر کروٹ کے بل لٹایا تھا، میں سیدھی لیٹ، لیٹ کر تھک گئی تھی، اندر تک سکون اتر گیا تھا، نہ صرف میرے رب نے مجھے زندگی بخشی تھی بلکہ میرے ساتھ...... میرے حوالے سے ایک اور وجود کو زندگی بخش کر مجھے وہ عہدہ دیا تھا جو عورت کی معراج ہے۔ اس نے مجھے بھی خالق بنا دیا تھا، میرے قدموں تلے جنت کا سامان کر دیا تھا۔ میں خود کو معتبر سمجھ رہی تھی، سوچ رہی تھی کہ مجھ میں تھا کیا جو میرے اللہ نے مجھے اس قابل سمجھا، زین کی ناراضی اور غصہ تک تو مجھ سے برداشت نہیں ہوتا تھا۔ اس کے سامنے بھی کبھی پھٹ پڑتی تھی، اسے کھلے عام کہتی تھی کہ مجھے اس سے نفرت ہو گئی، اس کا ہاتھ جھٹک دیتی اور جانے کب سے اسے اس کے شوہرانہ حقوق سے عاق کر دیا تھا۔ اتنا کچھ سوچتی تھی جو کہ اسے کہہ بھی نہیں سکتی تھی، اتنے برے دل سے اسے برداشت کرتی تھی اپنے کمرے میں...... پھر بھی اللہ کیسا بے نیاز ہے، میں تو ہر وقت سزا کے خوف میں مبتلا رہتی تھی اور وہ اتنا مہربان کہ اس نے میری کسی حرکت کی سزا نہ دی تھی اور مجھے انعام سے بھی نواز دیا تھا۔

کیا اللہ کی ذات ہے...... اسے بھی دیتا ہے جو اسے یاد تک نہیں کرتا، چاچو کے گھر میں‘ میں اکثر دیکھتی کہ سب نماز سے غافل اور بے نیاز تھے، میں کوشش کر کے باقاعدگی سے اپنی ہر نماز پڑھتی تھی، کانوں میں اذان کی آواز آئے اور انسان اسے نظر انداز کر دے، سوچتی تھی کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ فجر کی اذان کے الفاظ ”نماز، نیند سے بہتر ہے!“ کانوں میں پڑتی تو دل پکارتا۔ ”بے شک!“ اسی لمحے میں بستر چھوڑ دیتی تھی اور اب کچھ عرصے سے یوسف اس ڈگر پر چل پڑا تھا، زین کو میں نے عید کی نماز پڑھنے کے لیے بھی جگایا تو اس نے صاف انکار کر دیا، یہ کہہ کر کہ عید کی نماز فرض نہیں ہوتی۔ پھر بھی اللہ انہیں بے حساب دے رہا تھا، صدقے، زکوٰۃ کے نام پر اس گھر میں بچی ہوئی روٹیوں کے ٹکڑے ہی تھے جو پرندوں کو ڈال دیے جاتے تھے یا ساجدہ اپنے بچوں کے پیٹ بھرنے کے لیے لے جاتی۔ ہاں چاچو کبھی کبھار گاؤں کچھ رقم بھجوا دیتے تھے کہ والدین کے ایصالِ ثواب کے لیے کھانا پکوا کر غریبوں کو کھلا دیں۔ ان کی اتنی سی سخاوت کے عوض اللہ انہیں اتنا دے رہا تھا، انہیں اس کا ادراک تک نہ تھا کہ وہ اس اللہ کے کس حد تک احسان مند ہوں تو بھی ناکافی ہے۔

ماما کئی فلاحی تنظیموں کی ممبر تھیں مگر یہ سب فلاح تقریروں، کانفرنسوں، اخباری رپورٹوں اور تصاویر کھنچوانے تک ہوتی تھیں۔ میں نے عملی طور پر انہیں دیکھا تھا کہ وہ ملازمین کو انسان تک نہیں سمجھتی تھیں اور نہ ہی ان سے سیدھے منہ بات کرتی تھیں۔ انہیں ہر ماہ ایک لگی بندھی تنخواہ دے کر وہ سمجھتیں کہ ان پر احسانِ عظیم کیا ہے۔ کسی ہوٹل سے بچا ہوا کھانا اٹھا کر گھر تک لانا اپنی توہین سمجھتی تھیں کہ وہ ان کی شان کے خلاف تھا۔ میں ان کے برعکس، انہیں چڑانے کے لیے نہیں بلکہ اپنے اللہ کے خوف سے اپنا آرڈر کیا ہوا اضافی کھانا گھر لا کر ملازمین کو دے دیتی اور اس کے عوض وہ مجھے اتنی دعائیں دیتے کہ حد نہیں۔

شاید اس گھر میں جو رزق آ رہا تھا وہ انہی ملازمین کے مقدر سے آ رہا تھا۔ ماما کا رویہ ملازمین کے لیے ناگوار

سہی مگر چاچو انہیں اچھے طریقے سے رکھتے تھے، ان کے کوارٹر خود چیک کرتے، انہیں سلام کرتے، ان کی خیریت پوچھتے، پیچھے گھر والوں کے حال احوال دریافت کرتے، تنخواہ سے اضافی رقوم بھی ماما سے چھپ کے دے دیتے۔ ماما چاچو کے یوں ملازمین سے بات کرنے سے بہت نالاں رہتیں اور ہم سب کے سامنے برملا کہتیں کہ ان کے خون میں انہیں کوئی آمیزش لگتی ہے۔ ملازم کو انسان سمجھتے ہے...... ان کے خیال میں مالک کا تعلق نیچ خاندان سے ثابت کرتا تھا۔ چاچو اور بہت سی باتوں کی طرح ان کی اس بات کو بھی مصلحت کی وجہ سے برداشت کر جاتے اور خاموش رہتے۔ وہ بہت سے معاملات میں اس لیے خاموشی اختیار کر لیتے تھے کہ جوان اولادوں اور بہو کے سامنے تماشا کھڑا نہ کریں مگر ماما کو بہت شوق تھا اور وہ اکثر اس کا مظاہرہ کرتی تھیں۔

چاچو میرے لیے اس گھر میں سب سے قابلِ تقلید انسان تھے، ان کی شخصیت کی جو پرتیں مجھ پر شادی کے بعد کھلی تھیں ان سے مجھے اندازہ ہوا تھا کہ انہوں نے ساری زندگی سمجھوتے کی گزار دی تھی، ایک بندھن ماں باپ کی مرضی کے خلاف باندھ لیا تو پھر اسے نبھانے میں برداشت کی ہر حد سے گزر گئے۔ ماں باپ کے سامنے رو بھی نہ سکتے تھے کہ ان کی رضا کے خلاف چاچو نے اتنا بڑا فیصلہ اپنے لیے کیا تھا۔ ماما کو ان دونوں نے بہو کے طور پر دل سے قبول کیا تھا کہ وہ ان کے بیٹے کی رضا تھی مگر اس کے لیے انہیں کس، کس مقام پر کیا، کیا سہنا پڑا، وہ انہی کا حوصلہ تھا۔

زین کی وجہ سے سانس لینی بھی مشکل لگتی، زندگی گھٹن کا شکار ہو جاتی تو خود کو حوصلہ دیتی کہ چاچو بھی تو ہیں، تیس سالوں سے ماما کو برداشت کیے ہوئے، ان کی کڑوی کسیلی سہہ کر بھی خاموش رہتے ہیں۔ جانے ان کی کس صفت سے متاثر ہو کر انہوں نے ان سے شادی کر لی تھی مگر ماما، انہیں اپنے خاندان کے مقابلے میں نیچا دکھانے اور انہی کے بچوں کے سامنے ان کی تذلیل کرنے سے باز نہ آتیں۔ جواب میں چاچو بھی اسی طرح کا رویہ روا رکھتے، وہ ان سے ان کی طرح بدزبانی تو نہ کرتے تھے مگر ان کی اس طرح عزت بھی نہ کرتے تھے جس کی ایک بیوی مستحق ہوتی ہے۔ چاہے وہ انہیں گالم گلوچ یا مار کٹائی نہ کرتے تھے مگر کھانے کی میز پر طنز و تشنیع کے تیر چلتے۔ دونوں ارسل بھائی کی موجودگی میں احتیاط کرتے تھے مگر میرے ہونے سے کوئی فرق نہ پڑا تھا۔ ارسل بھائی تو کبھی کبھار آتے تھے اور میں اس گھر کا مستقل فرد تھی، میرے سامنے وہ کتنا برداشت کر سکتے تھے۔ یوں بھی چاچو کے خاندان سے تعلق ہونے کے باعث ماما کے لیے میں اسی سلوک کی مستحق تھی کہ وہ میرے سامنے چاچو کی ہتک کرتی رہیں اور مجھے جتلاتی رہیں کہ ان کی نظر میں چاچو کی اور میری کیا وقعت تھی۔

’مگر میں کیوں وہ سب کچھ برداشت کرتی رہی؟‘ میں نے خود سے سوال کیا۔ دنیا کی ہر بیٹی کو والدین یہی تاکید کر کے اپنے گھر سے رخصت کرتے ہیں کہ اپنی سسرال کے گھر کو اپنا گھر اور ان نئے رشتوں کو اپنا سمجھنا۔ بیٹیاں ماں باپ کے اس حکم کو تعویذ بنا کر اپنے گلے میں پہن لیتی ہیں اور مقدور بھر کوشش کرتی ہیں کہ ان کی عزت پر آنچ نہ آئے، ان کا مان نہ ٹوٹے۔ میں بھی ایسی ہی ایک بیٹی تھی، ماں باپ کا مان اپنے گرد چادر کی طرح لپیٹے...... اس چادر تلے سارے غموں اور پریشانیوں کو پناہ دے دیتی، اس امید پر کہ کبھی تو وقت بدلے گا۔ کبھی سوچتی تھی کہ اگر تمنا میرے جیسے حالات کا شکار ہوتی...... ؟ فاطمہ ہوتی، زائنہ، حسنہ یا تحریم (اپنا موازنہ خاندان کی انہی لڑکیوں سے کر سکتی تھی) تو وہ ایک دن کے لیے بھی ایسے شوہر کو برداشت نہ کرتیں۔ مگر میں جیے جا رہی تھی، اسی ڈگر پر چلے جا رہی تھی، ہر صبح اس امید پر جاگتی کہ شاید اس صبح کا سورج مغرب سے طلوع ہوا ہو گا مگر زندگیوں میں انقلاب یوں آسانی سے کہاں آتے ہیں۔

کہاں سے آ گیا تھا میرے اندر اتنا صبر اور اتنی برداشت؟ کیا یہ میرا دادی جان سے قلبی تعلق تھا جو اُن کی تمام پوتیوں، نواسیوں کی نسبت گہرا تھا؟ ان کے ساتھ میں نے عمر کے وہ اہم سال گزارے تھے جب لڑکیوں کی شخصیت

کی تعمیر ہورہی ہوتی ہے، تمنا اور میں ایک ہی گھر میں رہتے تھے مگر دادی جان کا مجھ سے محبت، شفقت اور دوستی کا تعلق جدا ہی تھا۔ ان کا ایک، ایک لفظ رہنمائی کا نیا باب مجھ پر وا کرتا تھا، زمانے کے جو سرد و گرم انہوں نے دیکھے تھے وہ ایک داستان گو کی طرح انہوں نے مجھے سنائے تھے، میں ان کی رازدار تھی...... شاید انہیں بھی علم تھا کہ میں اس کی اہل تھی۔

'کیا میرے پاس واپسی کے راستے کھلے نہ تھے؟' کئی بار سوچا تھا۔ کیا ایسی تمام بیٹیوں پر واپسی کے راستے بند ہو جاتے ہیں جنہوں نے اپنے باپ کی خواہش کا پاس رکھا ہو...... اور پھر وہ باپ ہی نہ رہے؟ ابو جان زندہ ہوتے اور مجھے یوں دیکھتے تو وہ مجھے وہیں، یونہی اس حال میں رہنے پر مجبور کرتے؟ مجبور تو امو جان بھی نہ کرتیں جو میں کھل کر انہیں وہ سب کچھ بتاتی مجھ پر بیتتی تھی اور جو میرے صبر کا پیمانہ لبریز کر دیتے تھے مگر میرا پیمانہ چھلک نہیں جاتا تھا۔

'کیا دنیا سے چلے جانے والوں کو کوئی فرق پڑتا ہے کہ ہم ان کی بات، تعلق اور وعدے نبھا رہے ہیں؟' اکثر یہ سب سوچتی جب دل میں آتا کہ یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چلی جاؤں۔

'مگر کیا میرے بھائی اور ماں میرا بوجھ... اٹھا سکیں گے؟' ممکنہ رکاوٹوں کا سوچتی۔ باپ کے ہونے سے میکا کیسا ہوتا ہے اس کا تو ایک دن کا بھی تجربہ نہ ہوا تھا، امو جان کب تک ساتھ دے سکیں گی، یہ بھی معلوم نہیں...... اور کیا وہ سہار سکیں گی کہ ان کی بیٹی اجڑ کر میکے جا بیٹھے؟ فاطمہ لاکھ اچھی سہی مگر میں نے کون سا ہمیشہ کے لیے یہ گھر چھوڑ کر جانے کا عہد کر کے وہاں ڈیرا لگایا تھا جو اس کے برتاؤ کا علم ہوتا۔

'کیا میں نے کامل سے کوئی ایسا غلط تعلق رکھا تھا کہ جس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ مجھے ایسی سزا دیتا؟' محبت ہی تو تھی جو یوں ہوگئی کہ بچ نہ سکی۔ اس کے ساتھ کی خواہش تھی جو کبھی جینے اور سانس لینے کا جواز ہوتی تھی، اس ناکام اور گم گشتہ محبت کی یادوں کی کسک اب پچھتاوے کی طرح ڈستی تھی۔

آنکھوں سے آنسو ٹپ، ٹپ گرے جا رہے تھے...... کتنا کچھ یاد آ رہا تھا۔ یہ سب کچھ کیوں برداشت کیا تھا، اب سمجھ میں آ گیا تھا، اس ناتواں وجود کی خاطر جو میرے اندر پرورش پا رہا تھا اور میرا اس سے قلبی تعلق تھا۔ یہ وجود مجھے ہمت اور حوصلہ دیتا تھا کہ اس کے آنے سے سارے غم کے بادل چھٹ جائیں گے مگر......!

☆☆☆

''تم سے ایک بات پوچھوں؟'' ڈاکٹر یاسمین میرے بیڈ کے پاس کھڑی تھیں۔ میں تھوڑی دیر پہلے ہی نرسری سے واپس آئی تھی، کتنی جدوجہد کے بعد آیا کی مدد سے اسے دودھ پلا پائی تھی۔ مگر ڈاکٹر یاسمین کا اصرار تھا کہ اس کا حق ہے اور دودھ ہے بھی اتنا وافر تو ہمیں اپنی کوشش جاری رکھنی چاہیے۔

''جی پوچھیں۔'' میں نے کہا۔

''زارا کون ہے؟'' ان کے سوال نے میرا منہ کھول دیا۔

''زارا...... کون زارا؟'' میں نے کہا۔ ''میں تو کسی زارا کو نہیں جانتی۔''

''مریض آپریشن کے لیے بے ہوش کیے جانے کے عمل کے دوران کافی اول فول باتیں کرتے ہیں امرت، جب وہ ہوش میں آ رہے ہوتے ہیں تب بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ ایک ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے میں جانتی ہوں کہ ان میں سے بہت سی باتیں لایعنی ہوتی ہیں مگر سب نہیں'' وہ رکیں۔ ''بہت سی باتیں خاص مطالب لیے ہوئے ہوتی ہیں۔''

''میں سمجھی نہیں۔''

''بے ہوش کرنے والے ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ تم کسی فلم یا ڈرامے کی کہانی دہرا رہی تھیں مگر...... امرت میں

تمہیں بہت عرصے سے مل رہی ہوں، تمہارے گھر کے حالات بھی جانتی ہوں اور یہ بھی جانتی ہوں کہ جس بچے کو تم نے مشکلوں سے زندہ جنم دیا ہے اسے تمہاری کوکھ میں ہی مارے جانے کی خواہش کے ساتھ تمہاری ساس تمہیں میرے پاس لے کر آئی تھیں......''

''ہوں......'' میں نے اس وقت کو یاد کر کے گہری سانس لی تھی۔

''دنیا کا ہر ڈاکٹر اپنے مریض کی زندگی بچانے کے لیے کوشش کرتا ہے، میں کیونکر اس معصوم کی جان لے لیتی؟ جو لوگ ایسا بھیانک کام انجام دیتے ہیں، وہ ڈاکٹر تو کیا انسان کہلانے کے بھی قابل نہیں ہوتے۔'' انہوں نے کہا۔ ''پہلے ایک دو وزٹ کے بعد تم ہمیشہ تنہا آئیں، میں نے اس سارے عرصے میں کبھی تمہارے شوہر کو تمہارے ساتھ آتے ہوئے نہیں دیکھا...... حتیٰ کہ تب بھی نہیں جب یہ علم ہوا کہ تم کس مہلک بیماری کا شکار ہو گئی ہو۔''

''ہاں، وہ اصل میں ان کی مصروفیت......''

''سب جانتی ہوں میں، تمہارے شوہر اپنے فیملی بزنس کو ہی اپنے والد کے ساتھ سنبھال رہے ہیں ناں! تمہاری ساس کی بھی مصروفیات اور اس کی بھی مگر تم سے بڑھ کر اس کے لیے اور کیا اہم ہو سکتا ہے؟''

''نہیں، ایسا نہیں ہے......'' میں نے تردید کی۔ ''سب لوگ میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔''

''تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا؟'' انہوں نے براہ راست میری آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔

''میں کسی زارا کو نہیں جانتی۔''

''اچھا......'' لمبی سی اچھا کے ساتھ انہوں نے ابرو اچکائے۔ ''کوئی تو ہے کہ تمہیں ڈر ہے کہ زین اس کی خاطر تمہیں چھوڑ رہا ہے...... زین تمہارے شوہر کا نام ہے ناں؟''

''ہو سکتا ہے کہ کوئی خیال میرے ذہن میں آیا ہو...... ممکن ہے کہ کوئی ڈراما دیکھا ہو یا کوئی فلم!'' میں نے بات بنائی۔ ''مجھے تو قطعی یاد نہیں آ رہا کہ زارا نام کی کوئی لڑکی میرے اسکول یا کالج میں بھی ایسی رہی ہوگی کہ وہ میرے تحت الشعور میں رہ جائے۔''

میری بات سے وہ مطمئن ہوئیں یا نہیں مگر اسی وقت سب لوگوں کے آنے کا شور ہوا، مبارک سلامت کی دبی، دبی سی آوازیں، کچھ بجھے، بجھے سے لہجے...... گرمجوشی مفقود۔

☆☆☆

سب لوگ باری، باری جا کر نرسری میں بچے کو دیکھ کر آئے تھے۔ ''کیا نام سوچا ہے بھئی تم دونوں نے؟'' چاچو نے اپنے لہجے میں بشاشت پیدا کرنے کی کوشش کی مگر مجھے ان کا لہجہ بھی پھیکا سا لگا۔

''چاچو آپ اور ماما نام رکھیں ناں اس کا۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''یوسف کی کال آئی تھی، وہ بہت سلام اور مبارک باد کہہ رہا تھا۔'' ماما نے بتایا۔

''اچھا پہنچ گیا یوسف؟'' میں نے سوال کیا۔

''ہاں پہنچ گیا ہے......'' ماما نے جواب دیا۔ ''تم بتاؤ، تم نے اور زین نے کیا نام سوچا ہے؟''

''ہم نے؟'' میں نے کھوئے، کھوئے انداز میں کہا۔ ''کچھ بھی نہیں، واقعی کچھ بھی نہیں۔''

''آپ بتائیں بھابی!'' چاچو نے امو جان سے کہا۔

''میں!'' وہ مسکرا دیں۔ ''میں کیا بتاؤں، آج کل تو بچوں کو خود ہی علم ہوتا ہے مگر انہوں نے تو کچھ بھی نہیں سوچا ہوا، چلیں تسلی سے سوچ کر نام رکھ لیں گے۔''

''چلیں بھئی سب کے پاس تین دن ہیں۔'' چاچو نے کہا۔ ''تین دن کے بعد، جمعے کو اس کا نام فائنل ہوگا۔''

''انشاء اللہ!'' امو جان نے کہا۔

''زین بھائی ملے تم سے؟'' تمنا نے میرے پاس بیٹھ کر سوال کیا۔

''نہیں...... کہاں ہے وہ؟'' میں نے کمرے میں اسے نہ پا کر سوال کیا، سب لوگ مٹھائی کھانے اور نام کے بارے میں بات چیت کرنے میں مصروف تھے۔

''وہ تینوں آئے تھے شام کو...... زین بھائی نے بتایا کہ وہ کمرے میں آئے تو تم سو رہی تھیں۔''

''اچھا......'' میں نے بے خیالی سے کہا۔ ''میں سو رہی تھی تو جگا لیتے......'' میں رکی۔ ''ویسے کن تینوں کی بات کر رہی ہو تم؟''

''زین بھائی، ارسل بھائی اور میثاق۔''

''اچھا۔'' میں نے بے یقینی سے اسے دیکھا، وہی ارسل بھائی جن کے بارے میں زین کو مجھ پر شکوک تھے، نہ صرف زین کو بلکہ ماما کو اور زائنہ کو بھی۔ ''زائنہ نہیں آئی؟'' اچانک مجھے یاد آیا۔

''نہیں!'' اس نے جواب دیا۔ ''تم نے دیکھا اپنے بیٹے کو، کس کی طرح لگا تمہیں؟'' تمنا نے سوال کیا۔

''ہاں دیکھا ہے...... جس کی طرح بھی ہے، ہے بہت پیارا، چھوٹا سا بیچارہ اور کتنا بے بس...''

''مجھے تو تمہاری طرح لگا ہے......'' وہ مسکرائی۔ ''ٹھیک ہو جائے گا، اللہ کا لاکھ، لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں کسی مزید نقصان سے بچا لیا ہے۔''

''مزید نقصان؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔ ''کس نقصان کی بات کر رہی ہو تم؟''

''میرا مطلب ہے......'' وہ ہکلائی۔ ''میں کہنا چاہتی تھی کہ کسی بھی قسم کے نقصان سے۔'' اس نے بات بنائی تھی یا شاید واقعی وہ بات صرف گرامر کی غلطی تھی۔

☆☆☆

''میڈم...... دودھ بچے کی ضرورت اور بھوک سے بہت زیادہ ہے، اگر اس کا نکاس نہ کیا گیا تو مسئلہ ہو سکتا ہے، آپ بیمار پڑ جائیں گی۔'' آیا نے نرسری میں مجھے کہا۔ بچہ تو جاگا ہوا تھا، رو رہا تھا، میں نے گود میں لیا اور اپنے ساتھ لگا لیا، دو منٹ میں ہی وہ تھک کر غنودگی میں چلا گیا تھا۔ ''میں پمپ لاتی ہوں، دودھ نکالنا پڑے گا، فیڈر کے ساتھ اس کو پلائیں گے کیونکہ اس میں تو اتنی طاقت نہیں کہ زور لگا کر اپنی خوراک حاصل کر سکے۔''

''میں پہلے ہی بہت تکلیف میں ہوں۔'' میں سسکی۔

''ایک اور حل ہے میرے پاس، اگر آپ اس کو مانیں تو!'' اس نے رازداری سے کہا تھا۔

''وہ کیا؟'' میں نے پوچھا۔

''دو دن پہلے یہاں ایک بچی پیدا ہوئی تھی، اس کی ماں چل بسی، اسے ڈبے کا دودھ لگایا ہے مگر وہ بچی اسے قبول نہیں کر رہی، اگر آپ کو مناسب لگے تو آپ اپنے شوہر سے بات کر لیں، اسے اتنے دن تک دودھ پلا دیں کہ آپ کا مسئلہ بھی حل ہو جائے اور اس بچے کا باپ بھی کوئی مناسب حل پا سکے......''

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟'' میں نے حیرت سے اس کی نفی کی۔ ''اس دودھ پر صرف میرے بچے کا حق ہے، میرے وجود میں رہ کر وہ پلا ہے، اب یہ اس کی خوراک ہے، اس میں کوئی اور حصہ دار کیسے بن سکتا ہے؟''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ آپ اپنے بچے کے علاوہ کسی اور کو دودھ نہیں پلا سکتیں...... اللہ نے آپ کو یہ حق بھی دیا ہے کہ آپ چاہیں تو اپنے بچے کو بھی دودھ پلانے سے انکار کر دیں۔ رضاعت کے قوانین ہمارے مذہب میں بڑی وضاحت سے بیان کیے گئے ہیں، اسی لیے ناں کہ جس عورت کو اللہ نے اس دولت سے مالا مال کیا ہوا اور

وہ کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری کر سکے...... جس بچی کا میں کہہ رہی ہوں، اس کی ماں تو چل ہی بسی ہے مگر اسے دودھ نہ ملا تو بلک، بلک کر وہ بھی مر جائے گی۔ ایک جان بچانے کا معاملہ ہے...... آپ کو علم ہو گا ہی کہ ہمارے نبی پاک ﷺ کو دودھ پلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بی بی حلیمہ سعدیہ کا انتخاب کیا تھا، ماں تو ان کی اپنی بھی زندہ تھیں مگر جو درجہ اللہ تعالیٰ نے حلیمہ سعدیہ کو عطا کرنا تھا، اس نے رہتی دنیا تک کے لیے مثال بننا تھا۔''

''ہوں......'' میں نے گہری سانس لی۔ درد کندھوں سے پھیل کر کمر تک جا رہا تھا۔

''آپ اپنے شوہر سے بات کر لیں۔'' آیا نے غالباً جان لیا تھا کہ اس کے لیکچر نے مجھے متاثر کیا تھا۔ ''ان سے اجازت لے لیں۔''

''مجھے ان سے بات کرنے یا اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے...... آپ نے خود ہی تو کہا ہے کہ مجھے حق حاصل ہے کہ اگر میں چاہوں تو اپنے بچے کو بھی دودھ نہ پلاؤں۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔ اپنی حالت سے میں خود بھی گھبرا رہی تھی، جس کے نصیب کا تھا اسے تو غالباً اتنی ضرورت ہی نہ تھی...... چلو اچھا ہے کہ اسی بہانے نیکی بھی ہو جائے گی۔

''اللہ کا لاکھ، لاکھ شکر ہے...... اس نے آپ کے ذریعے اس بچی کی جان بچانا تھی۔'' آیا خوش ہو گئی تھی۔

''آپ انتظار کریں، میں اسے یہاں لے کر آتی ہوں۔''

''ارے آیا اماں...... آپ پہلے اس بچی کے وارثوں سے تو بات کر لیں، ہو سکتا ہے کہ انہیں ہی کوئی اعتراض ہو۔'' میں نے جوشِ جذبات میں بہتے ہوئے اسے روکا۔

''انہیں کیا اعتراض ہو گا بھلا...... انہوں نے تو مجھ سے کہہ رکھا ہے کہ میں کوئی ایسی عورت ڈھونڈوں جو کہ ضرورت مند ہو، اس کے ہاں حال ہی میں بچہ ہوا ہو یا وہ پہلے سے اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہو...... یا کوئی ایسی

عورت جس کا بچہ پیدا ہوتے ہی مر گیا ہو۔'' میرے دل میں یکدم ٹیس سی اٹھی۔ 'آہ، میں ایسی عورت بھی ہو سکتی تھی، غم سے چور مگر پھر بھی کسی کے کام آنے کے قابل ہوتی۔ اللہ کا لاکھ، لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے اس صدمے سے بچا لیا، میں اس کا کتنا شکر ادا کروں۔' میں نے سوچا۔

آپ کشمکش میں ہیں تو میں ان سے پھر بات کر لیتی ہوں، صرف ان کی ایک شرط تھی کہ اسے دودھ پلانے والی خاتون مسلمان ہی ہو۔''

''اچھا!'' میں نے کہا۔ ''کوئی بہت مذہبی لوگ ہیں کیا؟''

''نہیں...... یہ تو مجھے علم نہیں۔'' اس نے کچھ توقف سے کہا۔

''لیکن میرا خیال ہے کہ انہیں یہ تو بتانا پڑے گا ناں کہ مجھے کینسر ہے؟'' میں نے نقطہ اٹھایا۔

''یہ بتانے کی کیا ضرورت ہے؟'' وہ فوراً بولی۔ ''آپ کا علاج ہو چکا ہے...... مزید یہ کہ اگر آپ اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہیں تو کسی بھی بچے کو پلا سکتی ہیں۔ اگر کوئی ایسا مسئلہ ہوتا تو کیا ڈاکٹر صاحبہ آپ کو منع نہ کرتیں کہ آپ اپنے بچے کو دودھ پلائیں؟''

''ہاں، مجھے تو ڈاکٹر یاسمین نے کہا ہے کہ دودھ پلانے سے کینسر کا خطرہ کم ہوتا ہے اور یوں بھی انہوں نے کہا ہے کہ جب انہیں لگا کہ میرے علاج کے لیے جو دوائیں مجھے دی جا رہی ہیں وہ بچے کے لیے کسی بھی طرح نقصان دہ ہو سکتی ہیں تو وہ مجھے خود ہی روک دیں گی کہ میں اسے دودھ نہ پلاؤں۔''

''چلیں آپا اماں...... میں پھر بھی ڈاکٹر یاسمین سے پوچھ لیتی ہوں کہ میں اس بچی کو دودھ پلا سکتی ہوں کہ نہیں۔''

''سچ بات بتاؤں۔'' اس نے رازداری سے میری طرف جھک کر کہا، میں نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ ''یہ انوکھا خیال آیا ہی ڈاکٹر یاسمین کے ذہن میں تھا کہ میں آپ کو اس بچی کو دودھ پلانے کا کہوں، ان کا کہنا تھا کہ اس سے دونوں کے مسائل حل ہو جائیں گے۔''

☆☆☆

اسے گود میں لیتے ہی مجھے ہنسی آ گئی، اس کا سائز میرے بیٹے سے دوگنا تھا، وہ پانچ پاؤنڈ کا ننھا سا وجود اور یہ تگڑی آٹھ پاؤنڈ کی بچی، اوپر سے اس کے جسم پر سوجن تھی جس سے وہ دیکھنے میں دس بارہ پونڈ سے کم کی نہ دکھتی تھی۔ لال گلابی رنگت اور اس پر بڑی، بڑی سیاہ آنکھیں۔ میری گود میں آ کر وہ بے چینی سے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔

''ساتھ لگائیں اس کو بی بی!'' میں نے آپا کے کہنے پر اسے ساتھ لگایا تو میرا دل بھر آیا، اس معصوم کو تو یہ بھی علم نہ تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے، اسے کس محرومی کے ساتھ زندگی کا سفر طے کرنا ہے۔ ''تھپکیں جی اس کو!'' میں نے اسے ذرا سا جھلایا تو میرے وجود میں درد کی ٹیس اٹھی۔

''کوئی نام رکھا ہے انہوں نے اس کا؟'' میں نے سوال کیا۔

''اس کا تو مجھے علم نہیں۔'' جواب ملا۔ ''اس کے کارڈ پر لکھا ہوا گا، میں پڑھ کر بتا دوں گی۔''

''چلیں جی شروع کریں، اللہ کا نام لے کر۔'' آپا نے اسے میرے ہاتھ سے لیا اور میری گود میں کشن رکھ کر اس پر اسے سیٹ کیا۔ میرے ساتھ مدد کی، میں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر آغاز کیا۔

وہ صحت مند بھی تھی، اس میں طاقت بھی تھی اور اس پر مستزاد وہ جانے کتنی دیر سے بھوکی بھی۔ چند لمحوں میں ہی اس نے میرے وجود سے سارا درد نچوڑ لیا۔ ''اب ذرا دم لیں اور میں اسے دوسری طرف کرتی ہوں۔'' آپا اماں نے اسے اٹھا لیا۔ اب وہ بے چین نہ تھی، مسکرا رہی تھی، مجھے اس پر پیار آیا، شاید یہ نظام قدرت ہے کہ نہ صرف جنم دینے والے وجود سے بلکہ اس وجود سے بھی آپ کو انسیت ہو جاتی ہے جس کا رزق اللہ تعالیٰ آپ کے وجود میں پیدا کرتا

ہے۔ چند منٹوں میں دودھ پیتے، پیتے وہ گہری نیند میں چلی گئی تھی۔ آپا نے اسے میرے ہاتھ سے لیا اور نرسری چلی گئی، یہ کہہ کر کہ میں وہیں بیٹھوں وہ میرے بیٹے کو لے کر آتی ہے کیونکہ اب اسے دودھ پینے میں آسانی ہو گی۔ اس بار مجھے اس کو بھی گود میں لے کر ہنسی آ گئی، کہاں وہ صحت مند گپلو سی اور کہاں یہ منحنی سا وجود۔ مگر شکر ہے کہ اب واقعی اسے آسانی ہو گئی تھی۔

☆☆☆

کامل نے ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ جانے اسے میرے وجود میں پہلی بار انوکھی سی کشش کیوں محسوس ہوئی تھی، پہلی نظر میں ہی۔ اب تک کی عمر میں وہ ہمیشہ مخلوط تعلیمی اداروں میں ہی پڑھتا رہا تھا جہاں اس کا واسطہ ہمہ وقت لڑکیوں سے رہتا تھا۔ اللہ نے اسے شکل صورت بھی ایسی دی تھی کہ لڑکیاں خود مرتی تھیں مگر اس نے خود کو بچا کر رکھا تھا۔ اس نے خود کو کسی کے ساتھ اس طرح منسوب نہ ہونے دیا تھا کہ کوئی اس پر انگلی اٹھاتا مگر مجھے دیکھ کر اس کے وجود میں کچھ ایسا سرایت کر گیا تھا کہ وہ خود کو مجبور پانے لگا۔

ایسا تو ہونا ہی تھا، میں نے بہت بعد میں سوچا تھا، جب مجھے یہ علم ہوا کہ اس کے اور میرے بیچ خونی رشتہ بھی تو تھا۔ اس سے ذکر کیا تو اس نے میرے اس نظریے کو جھٹلا دیا۔

''تمنا بھی تو میری اتنی ہی خونی رشتے دار ہے امرت۔''

''سو تو ہے......'' اس کی دلیل پر میں کہے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

''جب کوئی چیز آپ کے لیے بنی ہوتی ہے تو اس کی طرف آپ کا دل یونہی کھنچتا ہے۔'' اس نے مسکرا کر کہا تھا۔

''اچھا؟'' میں نے لمبی سی اچھا کی۔ ''یہ کس نے فرمایا ہے؟''

''کس فرمان کی بات کر رہی ہو؟'' اس نے بھی میرے ہی انداز میں سوال کیا۔

''کہ کچھ آپ کے لیے بنا ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''کوئی شک ہے تمہیں؟'' اس نے مصنوعی ناراضی سے پوچھا تھا۔

''اتنا یقین بھی نہیں۔''

''کوئی مجھ سے میرا نصیب چھین کر تو دکھائے۔'' اس نے دعویٰ کیا تھا۔

یہ سوچ کر ہی میری سسکی نکل گئی تھی، اسے کتنا مان تھا اپنی قسمت پر اور یقین تھا کہ کوئی اس سے امرت کو چھین نہیں سکتا تھا۔ اب امرت نہ صرف چھن گئی تھی بلکہ رُل کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

میں اپنے بیٹے کو دودھ پلا رہی تھی اس لیے آپا سے کہہ رکھا تھا کہ اس حصے کی لائٹ بند کروا دیں کیونکہ نرسری میں اور بچوں کے رشتے دار اور والدین بھی آتے تھے۔ میں نیم اندھیرے میں تھی، میں نے نرسری کے دروازے سے ان دونوں کو اکٹھے داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا، بلاشبہ وہ ارسل بھائی اور حسنہ ہی تھے۔ میں نے اپنا کام بند کیا اور اپنا حلیہ درست کیا۔ مگر وہ دونوں میری طرف آنے کے بجائے دوسری طرف چلے گئے تھے...... کیا وہ کسی اور کا بچہ دیکھنے آئے تھے یا وہ سمجھ رہے تھے کہ میرا بیٹا اس طرف ہے؟ میں نے سوچا۔

تبھی وہ آپا کی ہمراہی میں میری طرف آتے دکھائی دیے۔ میں نے سر پر چادر درست کی اور اپنی نشست سے کھڑے ہونے کی کوشش کی۔ وہ میرے قریب پہنچ چکے تھے اور میں کھڑی نہ ہو سکی تھی۔

''ارے، ارے بیٹھی رہیں۔'' ارسل بھائی نے کہا تھا۔ ''کیسی ہیں آپ؟''

''جی اللہ کا کرم ہے......'' میں نے ہولے سے کہا۔ ''آپ سنائیں۔''

''میں ٹھیک ہوں۔''
''کیا حال ہے اب جوان کا؟'' انہوں نے یقیناً میرے بیٹے کے بارے میں پوچھا تھا۔ حسنہ اس کے ساتھ لاڈ کررہی تھی اور وہ گہری نیند میں تھا، ابھی تو اس کا پیٹ بھرا تھا۔
''جی ٹھیک ہے۔'' میں نے جواباً کہا۔ ''آپ سنائیں...... زائنہ اب کیسی ہے؟''
''چلیں ارسل بھائی......'' حسنہ نے اسی سے پلٹ کر کہا تھا۔
''چلتے ہیں......'' انہوں نے کہا۔ ''امرت مجھے آپ سے کوئی بات کہنا تھی۔''
''جی کہیے؟'' میں نے سوال کیا۔
''مجھے اکیلے میں آپ سے کچھ کہنا ہے۔''
''چلیں ناں ارسل بھائی۔'' حسنہ نے اصرار کیا۔
''آپ کو جو کچھ کہنا ہے، یہیں پر اور حسنہ کے سامنے کہیں۔'' میں نے حتمی انداز میں کہا۔
''ارسل بھائی پلیز چلیں۔'' حسنہ کی آواز بلند ہوئی۔
''بی بی ذرا آرام سے بات کریں۔'' آپا نے قریب آ کر حسنہ کو سرزنش کی۔
''مجھے اکیلے میں......'' وہ کہتے، کہتے رکے۔ ''مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنا تھا......''
''کس بات کا؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔
''ارسل بھائی!'' حسنہ نے دبے لہجے میں درشتی سے کہا۔ ''آپ رہیں یہیں پر، میں جارہی ہوں۔'' وہ کہہ کر پیر پٹختی ہوئی چلی گئی، مجھے اس کا یہ انداز بہت برا لگا۔
''میرے پاس الفاظ نہیں ہیں......'' وہ گویا ہوئے۔
''آپ پلیز جائیں یہاں سے...... ابھی اسی وقت۔'' میں نے اٹل لہجے میں کہا۔ آپا بھی وہیں آ گئی تھی۔
وہ خاموشی سے نکل گئے...... یقیناً کوئی ایسی بات تھی جو وہ بتانا چاہ رہے تھے اور حسنہ نہیں چاہ رہی تھی کہ وہ مجھے بتائیں۔ میں نے سوچا۔ ایسی کیا بات ہو سکتی ہے، مجھے تجسس ہوا، میں انہیں واپس بھی بلا سکتی تھی مگر چند ماہ قبل ہونے والے واقعے کے باعث میں ان سے سلام کے بعد دوسری بات بھی نہ کرتی تھی۔ 'کیا کہنے کے لیے ان کے پاس الفاظ نہیں ہیں؟' میں سوچے بنا نہ رہ سکی تھی۔ 'انہیں دوسری بار میں نے اپنی آنکھوں سے اسپتال آتے ہوئے دیکھا تھا اور زائنہ ایک بار بھی نہ آئی تھی۔' ایک اور سوچ۔

☆☆☆

''بھئی مجھے تو اسد نام بہت پسند ہے۔'' ماما نے اپنی رائے دی تھی۔
''لیکن اسد کا مطلب خوب صورتی تو نہیں ہوتا۔'' چاچو نے فوراً اس نام کو مسترد کردیا۔
''تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟'' ماما نے چتون چڑھائے۔
''بھئی حسن کدہ میں رہنے والے ہر شخص کے نام کا مطلب خوب صورتی سے متعلق ہے۔'' چاچو نے وضاحت کی۔
''لیکن یہ آپ نے پہلے تو نہیں بتایا تھا پاپا۔'' حسنہ نے فوراً کہا۔
''تو ہم کون سا آج نام فائنل کررہے ہیں۔'' چاچو نے تحمل سے کہا۔
''آپ بتائیں جمال کہ آپ نے کیا نام سوچے ہیں؟'' اموجان نے سوال کیا۔
''بھئی حسن ہے، صبیح ہے، وجیہہ ہے، شمائل ہے...... اور اسی طرح کے کئی نام ہیں مگر مجھے ان سب ناموں میں صبیح سب سے زیادہ پسند ہے۔''

''حسن بھی اچھا ہے پاپا!'' حسنہ نے فوراً کہا۔
''کیونکہ اس کے ساتھ تمہارا نام میچ ہوتا ہے ناں۔'' عارب نے جوابی وار کیا۔
''جو بھی ہے۔'' حسنہ نے ناک سکوڑ کر کہا۔
''آپ بتائیں بھابی؟'' چاچو نے اموجان سے پوچھا۔
''مجھے تو شمس نام بہت پسند ہے۔'' اموجان نے کہا۔ ''مگر اس کا تو مطلب ظاہر ہے کہ خوب صورتی نہیں ہے۔''
'اس مطلب کا نام تو مجھے ویسے بھی نہیں چاہیے اموجان!' میں نے دل میں سوچا، چاچو کے نزدیک ہو سکتا ہے کہ خوب صورتی اہم ہو مگر میرا اس خوب صورتی کے پیچھے چھپے ہوئے بدنما خیالات، اذہان اور سوچوں والے لوگوں سے بہت برا پالا پڑا تھا۔
''...کوئی اور اچھے سے مطلب کا نام بھی تو ہو سکتا ہے، چاچو!'' میں نے ہولے سے اور جھجک کر کہا۔
''ہاں، ہاں بیٹا...... بتاؤ تمہیں کیا نام پسند ہے؟'' انہوں نے مجھ سے سوال کیا۔
''میں نے تو کچھ سوچا ہی نہیں......'' میں نے تھوڑا سا جھوٹ بولا۔ ''آپ سے جو کہہ دیا تھا کہ آپ نام سوچیں۔''
''آیئے آیئے والد صاحب!'' زین کچھ ڈبے اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ ''آپ بھی تو شامل ہوں اپنے ولی عہد کے نام کے انتخاب کے اہم موقع پر!'' چاچو نے خوش دلی سے کہا۔
زین نے وہ ڈبے حسنہ کو پکڑائے، سب کو سلام کیا اور میرے پاس آ کر مبارک باد دی۔ اس کے بعد اس نے میری گود سے اپنے ولی عہد کو اٹھایا، اس کے ساتھ منسلک کئی نالیاں اب اتار دی گئی تھیں۔ اس نے احتیاط سے اور ڈرتے، ڈرتے اسے اٹھایا تھا۔ عارب مسلسل تصویر لینے میں مصروف تھا۔
''ارسل کہاں ہے؟'' ماما نے سوال کیا تھا۔
''وہ نرسری تک گیا ہے!'' زین نے کہا۔
''یہاں آئے گا بھی کہ نہیں؟'' ماما نے سوال کیا۔
''نہیں...... اس کے والدین بھی ساتھ ہیں، وہ لوگ واپس چلے جائیں گے۔'' زین نے کہا۔ بچہ اس نے احتیاط سے مجھے واپس کردیا۔ ''کیسی ہو؟'' بچے کو پکڑاتے ہوئے اس نے سب کی طرف اپنی پشت رکھی اور جھک کر میرے سر کا بوسہ لیا اور پیار سے پوچھا۔ میں ہونقوں کی طرح اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی، میرے اندر کچھ عجیب سا ہوا، اس کے سوال کا جواب میں کیا دیتی سو خاموش رہی۔
''بتاؤ بھئی ابا میاں!'' میثاق نے ہنس کر پوچھا۔ ''کیا نام رکھنا چاہتے ہو تم اپنے بیٹے کا؟''
''مجھے تو ناموں کا اتنا علم ہی نہیں...... بتائیں کہ کیا کیا نام تجویز کیے گئے ہیں؟''
''بھئی چاچو کا کہنا ہے کہ اس کے نام کا مطلب بھی خوب صورتی ہونا چاہیے...... مگر امرت کا خیال ہے کہ ایسا ضروری نہیں۔'' میثاق نے بتایا۔ ''زیبا ممانی کو اسد نام پسند ہے اور ممانی عائشہ کو شمس......''
''تم تو چپ رہو ذرا دیر کے لیے......'' تمنا نے اسے ٹوکا۔ ''مجھے عبداللہ نام بہت پسند ہے، شاید آپ چاہیں کہ آپ کے بیٹے کا نام اس کی خالہ رکھیں۔'' تمنا نے اپنی طرف سے شرارت سے کہا۔
''ارے...... یہ تو بہت ہی پیارا نام ہے۔'' ایک ساتھ کئی آوازیں آئیں۔
''ایکسکیوزمی!'' میثاق نے چلا کر احتجاج کیا۔ ''یہ نام میں نے اپنے بیٹے کے لیے سوچ کر رکھا ہے، اسے کوئی اور نہیں رکھ سکتا۔'' اس کی بات پر سب ہنس پڑے اور تمنا بلش کر گئی۔ نام کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تھا۔
حسنہ نے ڈبے کھول کر گتے کی پلیٹوں میں رکھ کر سب کو پزا پیش کیا اور ساتھ کچھ گلاب جامن تھیں جو پزا کے

بعد کھائی گئیں۔

"میرا خیال ہے کہ اس سے اگلی نشست دو دن کے بعد رکھ لی جائے اور اس روز کوئی نام ضرور فائنل کر لیا جائے۔" چاچو نے اختتامی کلمات کہے تھے۔ سب لوگ روانہ ہوئے تو بچے کو آپا نے نرسری واپس لے جانے کا کہا۔

"آپ کو بھی چلنا ہوگا بی بی...... وہ بچی رو، رو کر ہلکان ہو رہی ہے۔" آپا نے کہا تو میں نے ہمت کی اور اس کے ساتھ ہی چل دی۔

☆☆☆

"زائنہ اور ارسل بھائی کے بیچ کچھ چل رہا ہے کیا؟" شام کو تمنا ڈرائیور کے ساتھ میرا کھانا لے کر آئی تھی۔ امو جان نے اسپیشل دیسی گھی میں میرے لیے ہلکے نمک مرچ کے ساتھ سالن بنوا کر بھیجا تھا۔

"اللہ ہی جانتا ہوگا۔" اس نے کندھے اچکائے اور بچے کے گالوں پر پیار سے انگلیاں پھیرنے لگی۔

"ہوں......" میں نے گہری سانس لی۔ "سوچتی ہوں کہ کہیں میری وجہ سے کوئی مسئلہ نہ ہو گیا ہو۔"

"تمہاری وجہ سے...... وہ کیوں؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"کیونکہ زائنہ اور ماما کو شک ہے کہ میرے اور ارسل کے بیچ......"

"کیا......؟" وہ چیخی۔ "دماغ درست ہیں ان لوگوں کے؟"

"ہاں شاید وہیں خرابی ہے ساری!" میں نے رسان سے کہا، اور اسے ساری بات بتائی۔ "میں تو اس دن سے ارسل بھائی سے کنی کتراتی ہوں تمنا، سوائے سلام دعا کے کوئی اور بات نہیں کرتی۔ مجھے نہ ان کے سامنے جانے کا شوق ہے نہ ان سے بات کرنے کا۔"

"اچھا کرتی ہو تم۔"

"کل ارسل بھائی آئے تھے حسنہ کے ساتھ۔"

"کیوں؟" اس نے سوال کیا۔

"ظاہر ہے کہ چھوٹو کو دیکھنے کے لیے......" میں نے کہا۔ "وہ مجھ سے کوئی بات کرنا چاہتے تھے، اکیلے میں...... اور حسنہ نے انہیں ایسا نہیں کرنے دیا، اچھا ہے، جانے وہ کیا بات کہہ دیتے۔"

"ہوں...... تم زائنہ کو معاف کر دو۔" تمنا نے زائنہ کی سفارش کی۔

"تم جانتی نہیں ہو کہ اس کی اس حرکت اور شک نے میری زندگی میں کیسا زہر گھولا تھا۔ زین کو تو اب تک یہی شک ہے کہ اس کی ماں اور بہن غلط نہیں ہو سکتیں اور ماما...... انہیں تو اس بچے کی ولدیت پر بھی شک ہے۔"

"کیا؟ ان کا دماغ تو بہت خراب ہے۔" تمنا چلائی۔ "تم اس بچے کا ڈی این اے ٹسٹ کروا کر انہیں دکھا دو بلکہ ان کے منہ پر مارو۔" اس نے تجویز دی۔

"جس دن اس کی ضرورت پڑی اس دن وہ بھی کر لوں گی۔"

"تم زائنہ کو معاف کر دو۔"

"کیوں، اس نے معافی مانگی ہے تمہارے ذریعے......؟"

"ایسا ہی سمجھ لو۔"

"اسے معافی مانگنے کے لیے تمہاری سفارش کی ضرورت بہر حال نہیں تھی۔" میں نے کہا۔

"اس پیارے سے بیٹے کی جان کے صدقے میں اسے معاف کر دو۔"

"تم نے کہہ دیا ہے تمنا تو اتنا بھی کافی ہے...... اتنا بڑا واسطہ دینے کی کیا ضرورت ہے۔" میں نے اس کا ہاتھ

تھاما۔ "تم کہتی ہو تو میں نے اسے معاف کیا۔"

"اسے دل سے معاف کرنا۔"

"اگر آئندہ ایسا نہیں کرے گی تو دل سے ہی معاف کر دوں گی۔"

"نہیں کرے گی کبھی!" تمنا نے اس کی گارنٹی دی۔ "اچھا بتاؤ کہ تمہیں کیا نام پسند ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا کہ تم نے اور زین بھائی نے مل کر کوئی نام نہ سوچا ہو؟"

"واقعی نہیں کچھ سوچا۔" میں نے اسے حقیقت بتائی۔ "میرے ذہن میں ایک نام ہے۔" میں رکی۔ "بلکہ یہ نام میں نے بہت پہلے خواب میں دیکھا تھا، مجھے تو علم بھی نہیں تھا کہ میرا بیٹا ہوگا!"

"اچھا! جلدی بتاؤ گھنی!" اس نے فوراً سوال کیا۔

"میں نے خواب میں خود کو بہت دشوار گزار جگہ پر اور انتہائی ناہموار راستوں پر دیکھا تھا، میرے پیروں کے نیچے کوئی سیاہ گاڑھا سیال بہہ رہا تھا اور میں اس سے بچنے کی کوشش کر رہی تھی...... میں نے ایک ہیولا دیکھا کہ مجھ سے دور جا رہا تھا، میں نے اسے پکارا تو اس نے پلٹ کر دیکھا تھا، پھر میرا ہاتھ پکڑ کر اس نے مجھے اس جگہ سے نکالا تھا۔ میں نے جب اسے پکارا تھا تو میں نے کہا تھا۔ "میرے حبیب!"

"حبیب تو دوست کو کہتے ہیں...... اللہ کو بھی ہم بسا اوقات میرے حبیب کہتے ہیں۔" تمنا نے کہا۔

"جو بھی ہے مگر مجھے اچھا لگا تھا، جب میں اسے گود میں لیتی ہوں، پہلی دفعہ گود میں لینے سے لے کر اب تک تو میں اس سے باتیں کرتی ہوں، اسے حبیب کہہ کر مخاطب کرتی ہوں۔ جب یہ پیدا نہیں ہوا تھا، تب بھی میں اسے حبیب کہہ کر مخاطب کرتی اور اس سے باتیں کرتی تھی۔"

"اگر بیٹی ہو جاتی تو؟" اس نے ہنس کر سوال کیا۔

"تو اسے حبیبہ کہہ لیتی۔" میں نے بھی ہنس کر کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ حبیب نام پکا ہوا؟" اس نے سوال کیا۔

"نہیں، میں چاہتی ہوں کہ چاچو نام رکھیں۔ جو بھی ہو مگر میں اسے حبیب ہی کے نام سے پکاروں گی اور اسے اس کے نام کا حصہ بناؤں گی۔" میں نے کہا۔ "میں چاچو کا دل نہیں توڑنا چاہوں گی۔"

☆☆☆

"اسے اسپتال میں کیوں رکھا ہوا ہے اب تک؟" میں نے آپا سے سوال کیا۔ "اسے کوئی ملنے کے لیے بھی نہیں آتا۔"

"جی آتے رہتے ہیں اس کے باپ اور باقی رشتے دار بھی۔" آپا نے کہا۔ "اسے اوپر کا دودھ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں، ڈاکٹر یاسمین کا کہنا ہے کہ جب تک آپ اسپتال میں ہیں اسے بھی رکھا جائے۔ جب آپ کو چھٹی دی جائے تو تب تک آپ ہی اسے دودھ پلائیں۔"

"لیکن اس طرح تو اس کی عادت اور بھی پختہ ہو جائے گی۔" میں نے کہا۔

"اب ہم دن میں ایک بار اسے فیڈر سے دودھ دے رہے ہیں...... مگر اس دودھ سے اس کا پیٹ خراب ہو جاتا ہے۔"

"اوہو...... تو پھر کس طرح کام چلے گا؟" مجھے تشویش ہوئی تھی۔

"ڈاکٹر صاحبہ نے ایک دودھ بتایا ہے جو کہ پاکستان سے نہیں ملتا، وہ امریکا سے اس بچی کی پھوپی لے کر آ رہی ہیں۔"

''اس بچی کی پھوپی صرف دودھ کے لیے آرہی ہیں؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔

''نہیں جی!'' وہ ہنسی۔ ''اصل میں وہ اس بچی کی ماں کی وفات پر نہیں آسکی تھی، اس لیے اب آرہی ہے، اس کے علاوہ اس کی اپنی کوئی اولاد نہیں ہے تو جی وہ اس بچی کو لینے کے لیے آرہی ہے، اسے اپنی بیٹی بنالے گی۔ کچھ قانونی پیچیدگیاں تھیں، اس کے لیے وہاں سے کچھ کاغذات کی ضرورت تھی تو وہ اب آرہی ہے۔''

''اوہ اچھا......'' میں نے ہونٹ سکوڑے۔ مجھے اس بچی کے یوں ماں کے ساتھ، ساتھ باپ اور دیگر رشتوں کی شفقت سے محروم ہوجانے کا خیال آیا تو آنکھ بھر آئی۔ کیا مجھے اس بچی سے انسیت یا لگاؤ ہوگیا تھا؟

اگلے روز میں نرسری میں گئی تو وہ وہاں نہیں تھی، اسے گھر لے گئے تھے۔ میرے وجود میں ایک محرومی سی سرایت کرگئی، مجھے اس سے جدا ہونا اچھا نہ لگا تھا، اسے میں اپنی گود میں لیتی تھی، اس سے پیار کرتی تھی اور اپنے وجود سے اس کی رگوں میں زندگی اتارتی تھی۔ اتنا لگاؤ ہوجانا قدرتی امر تھا۔

☆☆☆

''بھئی ہم نے سوچا کہ اس کا نام وہ رکھا جائے جو بہت منفرد سا ہو۔'' چاچو نے اعلان کیا اور میں خوب صورتی کے معنی والے کسی اور نام کو سننے کے لیے ہمہ تن گوش تھی۔

''جی فرمائیں!'' ماما نے طنز کا وہ موقع بھی ضائع نہ کیا تھا۔

''حبیب کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' چاچو نے کہا تو میں نے چونک کر تمنا کو دیکھا، اس کے سوا یہ کارروائی کوئی اور نہیں کرسکتا تھا، اس نے مجھے آنکھ ماری اور فرضی کالر جھاڑے۔

''نام تو خوب صورت ہے...... بامعنی ہے مگر یاد ہے جمال ہمارا ایک منشی ہوتا تھا اسی نام کا......'' امو نے چاچو کو یاد دلایا۔

''وہ جو چھت سے گر کر مرگیا تھا، جب ہم شادی کے بعد پہلی دفعہ گاؤں گئے ہوئے تھے اور گاؤں میں ہماری شادی کی خوشی میں دعوت کے لیے انتظامات کروا رہا تھا؟'' ماما کی یادداشت میں بھی وہ تھا۔ مجھے ان کا یوں اسے یاد کرنا عجیب سا لگا تھا۔

''اسے حبیب کوئی نہیں کہتا تھا...... سب بیبا ہی کہتے تھے۔'' امو جان نے کہا۔

''کوئی بھی نام اس وقت بگڑتا ہے جب اسے گھر والے خود بگاڑیں......'' تمنا نے فوراً نفی کی۔ ''اور یوں بھی چاچو کو یہ نام بہت پسند ہے، اسے بیبا کوئی نہیں کہے گا اور بیبا بچہ ہونا کوئی بری بات بھی نہیں ہے امو جان! اس کی بیوی کو سہولت رہے گی وہ اسے جبی hubby کہا کرے گی۔'' تمنا نے تو اس نام پر پوری ریسرچ کی تھی اور چاچو کو بھی قائل کرلیا تھا کہ انہوں نے اس روز ایک ہی نام تجویز کیا تھا اور اکثریت کے ووٹ سے وہ نام منظور بھی ہوگیا تھا۔

''تم خوش ہو ناں بیٹا اس نام سے؟'' چاچو نے مجھے مٹھائی کھلاتے ہوئے سوال کیا۔

''جی چاچو...... تھینک یو!''

''اب بتاؤ کہ حبیب میاں کو ڈاکٹر گھر پر کب بھجوائیں گی؟'' چاچو نے پوچھا۔

''دیکھیں چاچو!''

''یوں تو حبیب میاں کا اپنا گھر بھی تیار ہے مگر پہلے میں اسے حسن کدہ میں لے کر جاؤں گا، بہت بڑا فنکشن کریں گے اور پھر ہم خود اسے چھوڑ کر آئیں گے اس کے گھر۔'' چاچو نے کہا۔

''ہم تو کل واپس جارہے ہیں چاچو۔'' تمنا نے کہا۔

''نہیں بھئی ایسے کیسے جاسکتے ہو تم لوگ!'' چاچو نے اسے گھُرکا۔ ''سارا خاندان تقریب کے لیے یہاں جمع ہوگا اور اس کے بعد تم جانا...... یوں بھی میں اپنی بیٹی کو اچھی طرح سے وداع کروں گا، حبیب کی اکلوتی خالہ کو!''

یوں تمنا کا جانا رک گیا مگر میثاق اگلے روز چلا گیا تھا، تقریب کے لیے واپس آنے کے وعدے کے ساتھ۔ امو جان بھی ایک دفعہ واپس جانا چاہ رہی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ جب تک میں اسپتال میں تھی وہ ایک بار جاکر فاطمہ اور کمیل کو مل کر لوٹ آئیں گی۔

☆☆☆

''کیا؟'' میں چیخی تھی۔ ''میں خواب تو نہیں دیکھ رہی؟''

''سچا والا خواب میری پیاری بہنا!'' شامیر نے مجھے اپنے ساتھ لگالیا تھا۔

''اتنے دن کے بعد آئے ہو...... جو میں مر مرا جاتی تو؟'' میں نے آنسو بھری آنکھوں سے پیار بھرا شکوہ کیا۔ اسے دیکھ کر جو دل کو تقویت ملی تھی اسے لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں تھا۔

''اس صورت میں تو میں سی او کو بتا کر ہر ممکن جنازے پر پہنچتا۔'' اس نے ہنس کر کہا تو میں ٹھٹکی، تمنا کا بھرپور قہقہہ نکلا۔ ''چونکہ سی او خود چھٹی پر تھے اور مجھے چھٹی ملنا نہیں تھی اس لیے اللہ میاں نے حالات ہی تبدیل کردیے۔''

''اچھا......'' میں نے مصنوعی ناراضی سے کہا۔ ''بہت انتظار تھا میرے جنازے کا؟''

''اوں ہوں! ہرگز نہیں...... میں نے جتنی دعائیں تمہاری اور اپنے بھانجے کی زندگی کے لیے مانگی تھیں ناں، مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ میری دعاؤں کو رد نہیں کرے گا۔'' میرے سر پر ہاتھ رکھ کر اس نے کہا۔ ''جو شخص موت کے دہانے پر بیٹھا ہو، اللہ تعالیٰ اس کی دعائیں ضرور سنتا ہے۔''

''شامیر!'' میں اور تمنا بیک وقت چلائی تھیں۔

''اچھا بھائی کہاں ہیں مسٹر حبیب زین جمال نور صاحب؟'' اس نے مسخرے پن سے کہا۔
''میں لے کر آتی ہوں اسے۔'' تمنا کہہ کر گئی۔
''ارے، ارے اتنا لمبا نام کس نے بتایا تمہیں؟'' میں نے ہنس کر اس سے سوال کیا۔
''اصل میں مجھے تمنا نے ابھی بتایا ہے کہ اس کا نام حبیب تو فائنل ہو گیا ہے لیکن پورا نام کیا ہو گا، اس کا علم نہیں۔'' اس نے ہنس کر کہا سو میں نے سارے ممکنہ ناموں کا دم چھلا ساتھ لگا دیا۔''
''نام کیسا ہے؟'' میں نے سوال کیا۔
''بہت پیارا نام ہے۔'' اس نے کہا۔ ''کس نے رکھا ہے، کس کی پسند ہے؟'' تمنا کے آنے تک میں نے اسے مختصراً تمنا کی ساری سازش کی کہانی سنائی۔
''اچھا...... تمنا بڑی چالاک ہے......'' تمنا اتنی دیر میں حبیب کو لے کر آ گئی تھی۔ شامیر نے اسے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر اٹھایا، اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ ''واہ ننھے مجاہد، تم نے اتنا چھوٹا ہو کر بھی اتنی بڑی جنگ لڑی اور اس میں فتح یاب بھی ہوئے...... ماشاءاللہ! اللہ تمہیں ایمان، عقل اور صحت والی زندگی عطا کرے۔'' میرے دل سے آمین کی آواز نکلی۔ ''اس کا نام تو مجاہد یا غازی ہونا چاہیے تھا۔'' اس نے ہنس کر کہا۔ ''اور ہاں تم دونوں پھوپیاں موجود ہو، میرے بیٹے کی......'' ہماری ہنسی نکل گئی۔ ''میرے بیٹے کا نام غازی رکھنا چاہے اس کا باپ شہید بھی کیوں نہ ہو جائے۔'' اس پر ہماری ہنسی کو بریک لگے۔
''ایسی باتیں بھی کرتا ہے کوئی!'' میں نے سسکی لے کر اس کے کندھے پر ایک دھموکا لگایا۔
''موت اتنی ہی بڑی حقیقت ہے جتنی بڑی حقیقت زندگی ہے......'' اس نے مجھے اپنے ساتھ لگا لیا، تمنا دوسری طرف اس سے لپٹ گئی۔ ''شہادت ایک مجاہد کی سب سے بڑی خواہش ہوتی ہے، جب مرنا امر ٹھہرا تو شہادت کی خواہش کیوں نہ ہو؟''
''ہمارے سامنے ایسی باتیں نہ کیا کرو شامیر!'' تمنا نے سسکی لے کر کہا۔
''اچھا...... مجھے بھوک لگ رہی ہے، کچھ کھانے پینے کا بندوبست ہو سکتا ہے یہاں؟'' شامیر نے پوچھا۔
''میں اسے نرسری واپس چھوڑ کر آتی ہوں پھر کیفے ٹیریا چلتے ہیں......'' تمنا نے کہا۔ ''تم چلو گی ناں ساتھ امرت؟''
''ہاں...... تم جاؤ تب تک میں شامیر کو تھوڑی سی مٹھائی کھلا دیتی ہوں۔'' میں نے اسے بیٹھنے کا کہا اور خود کمرے میں رکھے فریج میں سے مٹھائی نکال کر اس کے سامنے رکھی۔ اس نے برفی کا ایک ٹکڑا اٹھایا اور کھانے لگا، اس کے بعد ایک گلاب جامن اٹھا کر کھائی۔ ''اور لو بھائی!''
''بس بھئی...... اب کھانا بھی کھانا ہے۔'' اس نے غسل خانے میں جا کر اپنے ہاتھ دھوئے اور ٹشو پیپر سے ہاتھ تھپتھپاتا ہوا واپس آیا۔ ''تمنا بتا رہی تھی زائنہ کے بارے میں......'' اسی سمے دروازہ کھلا اور تمنا اندر داخل ہوئی۔
''چلیں شامیر بھائی!'' اس نے کہا۔ ''چلو امرت۔''
''تمنا کیا بتا رہی تھی زائنہ کے بارے میں؟'' کمرے سے نکلتے ہوئے میں نے سوال کیا۔
''کتنی چھٹی ملی ہے شامیر بھائی؟'' تمنا نے سوال کیا۔
''پانچ دن...... صرف!'' اس نے جواب دیا۔
''یہاں رکیں گے؟'' میں نے سوال کیا۔
''نہیں...... کھانا کھاتے ہی نور پور کے لیے روانہ ہو جاؤں گا، ایک دوست کے پاس گاڑی ہے...... وہ لنچ پر اپنی منگیتر کو ملنے کے لیے گیا ہے، اس کے بعد میں اس کے ساتھ ہی نکلوں گا اور وہ مجھے گھر تک اتار دے گا۔''

''تو آپ نے نہیں کسی کو ملنا یہاں پر؟'' تمنا نے ہنس کر پوچھا۔
''اس کو تو بتانا بھی نہیں......'' وہ بھی ہنسا۔ ''میں تو سوچ رہی ہوں کہ اسے فون کر کے بلا لوں، آپ بھی اپنے ست کے ساتھ ذرا ٹور شور بنا لینا کہ آپ بھی اپنی......''
''تمنا کیا فضول باتیں کر رہی ہو؟'' میں نے تمنا کو ڈانٹا۔
''اوہو، بھئی ان سے اپنی نند کی باتیں برداشت نہیں ہو رہیں۔'' تمنا نے ہنس کر کہا۔
''مجھ سے کسی کے بھی بارے میں بے بنیاد باتیں برداشت نہیں ہوتیں۔''
''ویسے امو جان نے کیا چاچو تک انکار کہلا دیا ہے کہ نہیں؟'' شامیر نے پوچھا۔
''مجھے تو یہ بھی علم نہیں ہے کہ چاچو نے کھل کر امو جان سے اس مطالبے کی بات کی بھی ہے کہ نہیں۔'' میں نے ں لاعلمی کا اظہار کیا۔ ''میرے لیے تو یہ سرپرائز ہے۔''
''چاچو نے امو جان سے کہا تھا کہ زیبا چچی اور خود حسنہ کو شامیر بہت پسند ہے اور بیٹی کا باپ ہونے کے باوجود اس رشتے کی بات ان کے ساتھ کر رہے ہیں کیونکہ یہ روایت ابو جان نے قائم کی تھی سو بیٹی کے باپ کی طرف بیٹی کے رشتے کے لیے بات کرنے میں کوئی قباحت بھی نہیں...... ہمارے نبی پاک ﷺ کو نکاح کا پیغام خود رت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا تھا۔''
''تو پھر امو جان نے کیا کہا؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔ چاچو کو بھی وہاں مذہب یاد تھا جہاں ان کے اپنے ات تھے۔ مجھے اپنا وجود ابو جان کی اس بات کے حوالے سے کتنا بے وقعت لگا تھا۔ اس میں اگرچہ حرج کوئی نہ مرزین بھی کئی بار جتلا چکا تھا کہ مجھے اس کے سر پر منڈھ دیا گیا تھا اور اب چاچو کی بات سے بھی مجھے احساس ہوا ان کو میرا رشتہ ابو جان نے زبردستی دیا تھا۔
''امو جان نے کہا ہے کہ وہ شامیر سے پوچھ کر بتائیں گی۔'' تمنا نے کہا۔
''کیا واقعی؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔ ''کیوں شامیر کیا کہو گے آپ امو جان کو؟''
''کہنا کیا ہے...... مجھے کسی کا دل توڑنے کی عادت نہیں ہے امرت۔'' اس نے بیچارگی سے کہا، اسی لمحے مجھے پاؤں پر سرسراہٹ محسوس ہوئی، میں نے فوراً میز کا کپڑا اٹھا کر نیچے جھانکا کہ شاید کوئی چوہا نہ ہو، تمنا کا پاؤں ر کے پاؤں کو ٹھوکر مار کر واپس جا رہا تھا۔ میں تمنا کی ساری شرارت سمجھ گئی۔
''اچھا ہے شامیر...... میں تو خود یہی چاہتی ہوں کہ میری نند خوش رہے۔'' سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے میں نے منا کو اچھو لگا تھا اور شامیر کا قہقہہ نکل گیا۔
''تم نے تمنا کو پکڑ لیا ہے امرت...... اور میں نے تمہاری اس جملے کے پیچھے چھپی شرارت کو، تم ہمیشہ سے ایک اداکارہ رہی ہو۔'' ہنستے ہوئے اس نے جملہ پورا کیا تھا۔
''مذاق کر رہی تھی امرت!'' تمنا نے میرا ہاتھ تھپکا۔
''لیکن میں ہرگز مذاق نہیں کر رہا ہوں۔'' شامیر نے کہا اور کھانا ختم کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ ''ہاتھ دھو کر آتا ہوں۔'' ں کا فون میز پر ہی پڑا تھا اس پر کال آ رہی تھی، فون میرے قریب تھا، اس پر کوئی نام آ رہا تھا۔
''ببلی۔'' میں نے اسکرین پر دیکھ کر نام دُہرایا۔ ''یہ ببلی کون ہے؟'' فون بند ہوا تھا پھر کال آئی تھی پھر بند ہو ری بار کال آئی تھی۔
''فون اٹھا کر بات کرو۔'' تمنا نے کہا۔
''نہیں ایسی بدتہذیبی میں نہیں کر سکتی، جانے کون ہے۔'' میں نے انکار کر دیا۔

"فون اٹھا لیتے تم لوگ...... کال پھر آ رہی تھی۔" شامیر نے واپس آ کر فون اٹھاتے ہوئے کہا۔ "ہاں بھئی بلی...... کہاں پر ہے تو؟" اس نے سوال کیا تھا۔ "مجھے اتنا نہیں پتا یہاں کا یار، وقت ضائع ہوگا، تو ایسا کر مجھے اسپتال کے گیٹ کے پاس سے لے، لے۔" کہہ کر الوداعی کلمات کہہ کر اس نے فون بند کیا۔

"کون تھی؟" تمنا نے سوال کیا۔

"تھی؟ ہیں......؟ بلال تھا بھئی...... بلال بلی!" اس نے کہا۔

"اسکرین پر تو بلی نام آ رہا تھا...... بلی تو لڑکیوں کا نام ہوتا ہے؟" میں نے جھجک کر کہا۔

"اسی لیے تم لوگوں نے فون نہیں اٹھایا، بھئی اٹھا لیتے تو اچھا تھا ناں، گپ شپ ہو جاتی تم لوگوں کی، تمہارے خیال کے مطابق تمہاری ہونے والی بھابی سے۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"مگر اس کا نام بلی کیوں ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"اصل میں دو بلال ہیں تو پہچان کے لیے......"

"تو دونوں کے سرنیم تو فرق ہوں گے ناں؟" تمنا نے پوچھا۔

"مزے کی بات یہ کہ دونوں ہی بلال احمد ہیں۔" شامیر نے بتایا۔ "یہ ہر وقت منہ میں ببل گم رکھتا ہے.... اس لیے اس کا نام بلی رکھا ہوا ہے اور دوسرے کو ٹھنڈ بہت لگتی ہے تو اس کا نام 'قلفی' رکھا ہوا ہے......" اس پر ہم دونوں کی ہنسی نکل گئی۔

"بیچارے......" تمنا نے کہا۔

"اچھا چلتا ہوں اب!" اس نے اٹھ کر ہم دونوں کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "کیپٹن حبیب کو میرا اسلام دینا۔"

"کوئی فوج میں نہیں جائے گا میرا بیٹا؟" میں نے تنک کر کہا۔

"کیوں بھئی؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"جانے تم لوگ اس کا کیا فضول سا نام رکھ دو گے۔" میں نے مصنوعی ناراضی سے کہا۔

"ناموں سے کیا فرق پڑتا ہے...... میں سمجھا کہ تمہیں لگتا ہے کہ وہ چھوٹے قد کی وجہ سے فوج میں سلیکٹ ہی نہیں ہو سکے گا۔" اس نے ہنس کر کہا۔ "فکر نہ کرو، قد تو اس کا ابھی بڑھے گا۔"

"شامیر......" میں اس کی شرارت کو سمجھ گئی تھی، وہ ہمیشہ سے اسی طرح تھا، اس کی باتیں ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دیتی تھیں۔ "پٹو گے اب مجھ سے۔"

"شامیر کی پیاری سی بہنا!" اس نے میرے کندھے کو تھپکا۔ "اس چیز کو تو شامیر مس کرتا ہے وہاں!" وہ پلٹا۔ "دعاؤں میں یاد رکھنا، اللہ تعالیٰ تمہیں ہمیشہ خوش و خرم رکھے...... سلامت رکھے۔"

"آمین!" تمنا نے بہ آواز بلند اور میں نے آہستہ سے کہا۔ "تم کمرے میں چلو میں شامیر کو رخصت کر کے آتی ہوں۔" تمنا کہہ کر اس کی ہمراہی میں نکل گئی۔ میں اس وقت تک انہیں دیکھتی رہی جب تک مجھے شامیر نظر آتا رہا، جہاں سے اسے مڑنا تھا، وہاں وہ رکا اور پلٹ کر مجھے ہاتھ ہلایا، اسے جانے کیسے معلوم تھا کہ میری نظریں اس کی پشت پر جمی تھیں۔

☆☆☆

"تمہیں نہیں لگا کہ شامیر میں کچھ مختلف تھا؟" تمنا نے مجھ سے پوچھا۔

"کیا مختلف تھا؟ میں سمجھی نہیں......" میں نے کہا۔ "اس میں تو سب کچھ ہی مختلف ہو گیا ہے۔"

"میرا مطلب ہے کہ حسنہ کے ذکر پر......" وہ رکی۔ "مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کس طرح وضاحت کروں؟"

"کس چیز کی وضاحت؟" میں نے سوال کیا۔

"راستے میں مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ میرے خیال میں حسنہ کیسی لڑکی تھی۔" اس نے بتایا۔

"واقعی؟" مجھے حیرت ہوئی تھی۔

"کہہ رہا تھا کہ ضروری تو نہیں کہ جہاں مرد چاہے وہیں اس کی شادی کی جائے...... ایسا حق تو مذہب لڑکی کو بھی دیتا ہے اور جب میری کوئی اور پسند نہیں ہے...... تو اس کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے جسے میں پسند ہوں۔ شادی اس سے کرنی چاہیے جو کہ آپ سے محبت کرتا ہو۔" اس نے بتایا۔

"یہ سب کہا اس نے؟" حیرت سے میرا منہ کھل گیا۔

"ہاں اور کہہ رہا تھا کہ تم سے بھی رائے مانگوں اس بارے میں۔"

"شامیر کی شخصیت تو واقعی بہت بدل گئی ہے۔" میں نے کہا، دل میں سوچا کہ اسے تو میرے حالات کا علم نہیں اس لیے ایسا سوچنا ناممکن نہیں کہ اس کی حسنہ سے شادی سے یہ رشتہ اور بھی مضبوط ہو جائے گا۔

"شخصیت تو تمہاری بھی بدل گئی ہے......" اس نے کہا۔

"میری شخصیت کیا بدلی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"میں نوٹ کر رہی ہوں کہ تم زین بھائی سے کوئی بات نہیں کر رہی ہو؟" تمنا غضب کی نظر رکھتی تھی۔

"کیا بات کروں میں اس کے ساتھ؟" میں نے بے نیازی سے کہا۔

"انہوں نے تمہیں اس دن مبارک باد بھی دی تھی تو تم نے منہ ہی منہ میں کوئی جواب دیا تھا...... امو جان نے اس بات کو نوٹ کیا تھا۔" اس نے بتایا۔ "میں نے تو کچھ اور بھی نوٹ کیا تھا جب وہ حبیب کو تمہاری گود میں لٹا رہے تھے تو......" اس کے لہجے میں شرارت تھی اور میں بلش کر گئی۔ "مگر تمہارا ردعمل ان کی اس حرکت پر بھی ناراضی سا تھا۔"

"ہوں......" میں نے گہری سانس لی۔ "اس کی اس بے وقوفی پر میں سب کے سامنے اپنے گلے سے لگا لیتی اسے؟"

"میں ہوتی تو ایسا ہی کرتی۔"

"میں تم جیسی بے شرم نہیں ہوں۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"اس کے لیے بے شرم نہیں بلکہ بہادر ہونا پڑتا ہے۔ یار...... شوہر ہے وہ تمہارا۔"

"نہیں ہے وہ میرا......" میں چلائی تھی، اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ ہم دونوں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا تھا۔

"مے آئی کم ان؟" شائستہ سی آواز، انگریزی لب و لہجہ۔

"یس پلیز!" میں نے جواباً کہا۔

"السلام علیکم......" دروازہ کھول کر انگریزی نما اردو میں اس نے سلام کیا۔ اس نے انگریزی طرز کا لباس پہنا تھا، دکھنے میں بھی وہ چست اور سمارٹ تھی۔ بلو ڈرائے کر کے سنورے ہوئے بال، قدرتی انداز کا ہلکا سا میک اپ، اونچی ہیل کا مہنگے برانڈ کا جوتا اور اس کا ہم رنگ شولڈر بیگ۔

"وعلیکم السلام!" ہم دونوں نے جواب دیا۔

"میں سیما ہوں......" اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے اس سے مصافحہ کیا، نرم سے ہاتھ اور

انتہائی نفاست سے تراشے ہوئے ناخن، معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہر لحاظ سے ٹپ ٹاپ کا خیال رکھنے والی خاتون تھی۔

''آپ حبیب کی مام ہیں؟'' اس نے مجھ سے سوال کیا۔

میرے دل کی کئی دھڑکنیں اتھل پتھل ہوئیں، پہلی بار کسی نے مجھے اس لقب سے پکارا تھا۔ ''حبیب کی ماں!'' ماں بنے ہوئے کئی دن ہو گئے تھے مگر اس لفظ سے پہلی بار کانوں میں کسی نے رس گھولا تھا۔ اس سے پہلے میں کیا تھی؟ پہلے کمال احمد کی بیٹی اور کبیر احمد اور شامیر احمد کی بہن۔ فلاں کی بھانجی، فلاں کی بھتیجی...... پھر میں زین جمال کی بیوی بن گئی اور جمال احمد کی بڑی بہو۔ اب ایک اور چھوٹا سا مرد اس دنیا میں آ گیا تھا جس کے حوالے سے میں پہچانی جاؤں گی۔ میری اپنی تو کوئی شناخت نہیں ہے۔ میں نے اسے خالی نظروں سے دیکھا۔

''ہاں...... میرا نام امرت ہے اور حبیب میرا بیٹا ہے، الحمدللہ!'' میں نے اسے جواب دیا۔ ''یہ میری بہن ہے تمنا!'' اس نے تمنا سے بھی مصافحہ کیا۔

''کیا میں بیٹھ سکتی ہوں؟'' اس نے سوال کیا۔

''اوہ شیور......'' میں نے شرمندگی سے کہا۔ ''بیٹھیں پلیز!'' وہ بیٹھ گئی، اپنا قیمتی بیگ اس نے اپنے ساتھ ہی صوفے پر رکھا۔

وہ اپنے ہاتھ اپنے سینے کے گرد باندھے ہوئے تھی، بیٹھ کر اس نے ہاتھ اپنی گود میں رکھ لیے۔

''کچھ پئیں گی آپ؟'' تمنا نے سوال کیا۔

''ہاں پلیز...... سادہ پانی!'' اس نے نزاکت سے کہا۔

''میں نے آپ کو پہچانا نہیں؟'' سوالیہ نظروں سے میں نے اسے دیکھا۔

''آپ بھلا کیسے پہچانیں گی مجھے مگر میں آپ کو ایک نہیں، دو حوالوں سے جانتی ہوں۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''اچھا اور وہ دو حوالے کون سے ہیں؟'' میں نے سوال کیا۔

''شفاف یاد ہے آپ کو؟'' اس نے پوچھا۔ میں نے ایک لمحے کے لیے ذہن پر زور دیا، وہی ہو سکتی ہے میں نے سوچا مگر مجھ سے پہلے ہی۔

''ہاں، ہاں...... کیوں نہیں۔'' تمنا نے فوراً کہا۔ ''آپ اس کی بہن ہیں کیا؟''

''شفاف تو ایک ہی بہن تھی، باقی اس کے بھائی تھے غالباً!'' میں نے یاد کیا۔ ''وہ امریکا میں ہوتی ہے اسی کی بات کر رہی ہیں ناں آپ؟''

''ہاں ہاں وہی شفاف......'' اس نے بتایا۔ ''وہ آپ دونوں کی یونیورسٹی کی کلاس فیلو تھی مگر آپ کو علم بھی نہیں ہوگا کہ وہ دور پار سے آپ کی رشتے دار بھی بن چکی ہے......''

''اچھا واقعی؟'' جوش سے تمنا نے کہا۔ ''اس کی شادی کس کے ساتھ ہوئی ہے؟'' میرے ذہن میں بھی یہی خیال آیا تھا کہ کسی جگہ سے گھوم پھر کر ہمارے خاندان میں یا کسی قرابت دار کے ہاں اس کی شادی ہوئی ہوگی۔

''اس کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی......'' اس نے انکشاف کیا۔ ''اس نے کچھ عرصہ اپنے ایک یونیورسٹی فیلو کے ساتھ اس ارادے سے ملاقاتیں کیں، شفاف اس سے شادی کرنے میں سیریس تھی مگر اس نے مان کر نہیں دیا، شفاف کا دل بہت دکھا مگر اس نے کہا کہ اس نے بہت کوشش کی ہے کہ شفاف کے لیے اس کے دل میں جگہ بن جائے مگر اسے یقین ہے کہ وہ شفاف کو وہ مقام اپنی زندگی میں نہیں دے پائے گا جس کی اہل بیوی مستحق ہوتی ہے۔''

''اوہ......'' میں نے کہا۔ ''وہ کہیں اور انٹرسٹڈ ہوگا غالباً!''

''پہچان کا دوسرا حوالہ تمہاری شادی کے حوالے سے ہے...... شفاف کی شادی ہو جاتی تو وہ پہچان کا تیسرا بن جاتا۔'' وہ پہیلیوں پر پہیلیاں پیش کیے جا رہی تھی۔

''کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''میں پنکی کی پھپھو ہوں۔'' اس نے کہا۔

''کون پنکی؟'' میں نے سوچا کہ پنکی کون تھی۔

''جسے آپ دودھ پلا رہی ہیں۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''اوہ...... اچھا!'' میں نے گہری سانس لی۔ ''تو اس کا نام آپ نے پنکی رکھ لیا ہے!''

''نہیں، اس کا نام تو اس کی ماں نے اس کی پیدائش سے بہت پہلے رکھ دیا تھا، میں نے اسے آج پہلی بار دیکھا تو اس کے گلابی گال دیکھ کر میرے ذہن میں پہلا لفظ پنکی ہی آیا تو میں نے اسے پیار سے پنکی پکارا......'' اس نے بڑے پیار سے کہا۔ ''یوں بھی اس کی ماں کا رکھا ہوا نام امریکا میں پکارے جانے کے لیے بہت مشکل ہے تو اس کا آسان سا حل نکالا ہے۔''

''اچھا کیا نام رکھا تھا اس کی مرحومہ ماں نے؟''

''اس نے اس کا نام پرنیاں رکھا تھا۔'' اس نے بتایا۔ ''اس کا مطلب ہوتا ہے ایک طرح کا پھولدار ریشمی کپڑا۔'' اس نے بنا پوچھے وضاحت کر دی تھی ورنہ میرا اگلا سوال وہی ہوتا۔

''آپ امریکا سے آئی ہیں؟'' میں نے سوال کیا۔

''ہاں میں پنکی کو اڈاپٹ کر رہی ہوں۔'' اس نے بتایا۔

''اللہ مبارک کرے اور آپ کو ہمت دیے رکھے۔''

''تھینک یو!'' اس نے کہا۔ ''اس دعا کے لیے بھی اور اس سب کے لیے بھی جو تم نے ابھی تک پنکی کے لیے کیا ہے۔''

''اس کے لیے یہ سب اللہ تعالیٰ نے رکھا تھا، میرا اس میں کیا کمال ہے...... یہ اس کا نصیب تھا جو اسے ملا ہے۔''

''تم سے ایک درخواست کرنا تھی؟''

''جی کہیں؟''

''میں ایک ماہ کے لیے پاکستان میں ہوں، جب تک میں یہاں ہوں، میں چاہتی ہوں کہ کم از کم ایک وقت کے لیے تم پنکی کو دودھ پلاتی رہو...... باقی سارا وقت ہم اس کو ڈبے کا دودھ پلائیں گے جو کہ میں امریکا سے لائی ہوں مگر اس بچی کو تمہارے وجود سے جو ممتا ملی ہے اس نے اسے زندگی کی طرف لوٹایا ہے، اسے یک دم کھو دینے کا خطرہ مول لینا نہ پڑ جائے۔''

''مگر میں تو اگلے دو تین روز میں ڈسچارج ہو کر گھر چلی جاؤں گی۔'' میں نے کہا۔ ''اور میرے گھر میں کوئی نہیں جانتا کہ میں حبیب کے ساتھ ساتھ کسی اور بچی کو بھی دودھ پلا رہی ہوں۔'' میری اس بات پر تمنا نے پہلو بدلا۔

''سب کو علم ہے امرت کہ تم اس بچی کو دودھ پلا رہی ہو......'' تمنا نے کہا۔

''وہ کیسے؟'' میں نے حیرت سے کہا۔ میں تو یہی سمجھ رہی تھی کہ میں اکیلی اس راز کی امین تھی اور اب تمنا کو بھی علم ہو گیا تھا۔

''امو جان کے کہنے پر ہی ڈاکٹر یاسمین نے آپا سے بات کی تھی اور اس نے تم سے...... تمہیں بھی بہت مسئلہ ہو

رہا تھا، جبیب میں دودھ پینے کی سکت نہ تھی اور تم بیمار پڑ سکتی تھیں، اس بچی کو بھی بچانا ضروری تھا۔''

''ہاہ! تم سب لوگ جانتے تھے تو مجھے بتا ہی دیتے...... میں یوں ہی ڈرتی رہی کہ کہیں پکڑی نہ جاؤں۔''

''تم سے پنکی کا باپ ملنا چاہتا ہے...... شکریہ کہنے کے لیے، میرا بھائی!'' اس نے کہا۔

''ارے نہیں سیما...... اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے فوراً کہا، اس سے قبل آیا نے بھی مجھے کہا تھا کہ مجھ سے بچی کا باپ مل کر شکریہ ادا کرنا چاہتا ہے تو میں نے انکار کر دیا تھا۔ یہ سوچ کر کہ وہ اس بات کو میرے منہ پر کہے گا کہ میں اس کی بیٹی کو اپنا دودھ پلا رہی ہوں تو مجھے کس طرح شرمندگی محسوس ہوگی۔ ''آپ نے کہہ دیا، وہ کافی ہے۔''

''نہیں، نہیں...... کافی نہیں ہے یہ......'' اس نے اپنے بیگ میں سے فون نکالا، عینک نکال کر نمبر ڈھونڈ کر ڈائل کیا۔ ''ہاں ہاں، کہاں ہو تم...... آ جاؤ!'' بات ختم کر کے اس نے فون بند کیا۔

''میں بات کو کسی اور طریقے سے کہنا چاہ رہی تھی مگر......'' تمنا نے مبہم سا فقرہ کہا۔

''کیا؟'' میں نے اس کی طرف دیکھا۔

''وہ...... اصل میں......'' دروازے پر دستک ہوئی۔

''لیں کم ان!'' میں نے کہا۔

السلام علیکم!'' ارسل بھائی آئے تھے۔ اب بھی وہ تنہا ہی تھے، زائنہ پھر بھی نہیں آئی، تمنا نے اس کی طرف سے معافی مانگی تھی اور میں نے معاف کر بھی دیا تھا لیکن شاید اس کا دل صاف نہیں ہوا تھا۔

''وعلیکم السلام!'' ہم سب نے جواب دیا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' انتہائی احترام سے انہوں نے پوچھا۔

''بیٹھیں ارسل بھائی!'' تمنا نے انہیں بیٹھنے کو کہا تو اس خاتون نے سمٹ کر صوفے پر ان کو جگہ دی، وہ بھی بلا جھجک اسی صوفے پر بیٹھ گئے۔

''زائنہ کیسی ہے؟'' میں نے سوال کیا، ان کے چہرے پر الجھن نظر آئی۔

''زائنہ کا تو آپ کو علم ہے کہ وہ گر گئی تھی......'' ارسل بھائی نے تھوڑے توقف کے بعد کہا۔

''وہ اسے بہت شدید چوٹ لگ گئی تھی ناں...... امرت!'' تمنا نے ان کی بات کاٹی۔

''اوہو...... اب وہ کیسی ہے؟'' میں نے شرمندگی سے پوچھا۔ جانے اس کے بارے میں، میں نے کیا کیا گمان کیے تھے، ایک بار بھی کسی سے پوچھا نہ تھا کہ وہ کیوں نہیں آئی تھی ورنہ میں اس وقت ارسل بھائی کے سامنے شرمندہ نہ ہو رہی ہوتی۔

''امرت......'' تمنا نے میرا ہاتھ تھاما اور مجھے اپنے ساتھ لگا لیا۔ ''ٹھیک ہے وہ اب!''

''کیا کہہ رہی ہو تم تمنا...... مجھے کچھ عجیب سا لگ رہا ہے۔''

''امرت......'' سیما اٹھ کر میرے پاس آئی، میرے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔ ''کیوں عجیب لگ رہا ہے، کچھ......'' اس نے میرا ہاتھ تھپکا۔ ''تم تو بہت بہادر ہو ناں۔'' میں اس کا منہ تک رہی تھی۔ ''میں کہنا چاہ رہی تھی میرا بھائی تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہے...... ارسل میرا بھائی ہے اور پرنیاں، یعنی پنکی کا باپ!''

نہیں......'' میں پوری قوت سے چیخی۔ میرے پیٹ کے نچلے حصے سے درد اٹھا اور دماغ تک پھیل گیا، میں دل ٹکڑوں میں پھٹ گئی تھی، لگا کہ پوری چھت میرے اوپر گری تھی......

(جاری ہے)

میری جنت لاجواب

رفاقت جاوید



تین کمروں کے فلیٹ میں پروان چڑھنے والی بانو اپنی ہم عمر لڑکیوں سے بالکل مختلف تھی۔ خود بھی بہت بڑی، بڑی باتیں کرتی اور دوسروں کی باتوں پر غور و خوض کرنے کے بعد بحث و مباحثہ کرنا، انہیں کنونس کرنا اس کا شیوہ بن چکا تھا۔ اپنے پاپا کی لاڈلی اور اماں کی پیاری ہونے کے باوجود ماں کی ایک نہ سنتی تھی۔

آج کالج سے واپسی بس میں معمول کے مطابق ہو رہی تھی...... زیادہ تر لڑکیاں اسی بلڈنگ کی رہائشی تھیں۔

جن کا تعلیم سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہاں وہاں جگہ، جگہ پھیلا ہوا کوڑا، پان کی پچکاریوں کے خونی دھبے اور اِدھر اُدھر گھومنے پھرنے والے نوجوان نشئی انہیں خوش آمدید کہا کرتے تھے۔ اس بلڈنگ کے پار ایک پارک تھا جسے دیکھ کر پارک کم جنگل کا گمان زیادہ ہوا کرتا تھا۔ جہاں بے شمار درخت اور خودرو جھاڑیاں اِدھر اُدھر پھیلی ہوئی تھیں۔ کرکٹ کھیلنے کی وجہ سے سبزے کا نام ونشان تک باقی نہیں تھا۔ بوگن ویلیا کی پھیلی ہوئی بیلیں اور ان کے کاغذی پھول ہوا میں اڑتے ہوئے ایک کونے سے دوسری دیوار تک ہر وقت ہجرت میں مصروف رہا کرتے تھے۔ موسم بہار کب آیا اور کب خزاں نے دھاوا بولا۔ کسی کو اس کی خبر تک نہ ہوا کرتی تھی۔ ٹوٹی ہوئی بینچوں کے آس پاس کھانے پینے کی خالی بوتلیں، ٹن اور گتے کے ڈبے بکھرے ہوئے یہاں کے مکینوں کی ذہنیت کا اندازہ لگانے کے لیے کافی تھے۔ حالانکہ بہار کے موسم میں ہر درخت، جھاڑی اور پودے پر جوانی آجاتی ہے۔ پھول مسکراتے ہیں، کلیاں کھل اٹھتی ہیں۔ زمین سے سبزہ سر نکالنے لگتا ہے۔ اور سب کے مردہ چہروں پر بھی مسکان بکھر جاتی ہے۔ لیکن یہاں ایسا کچھ نہیں تھا۔ جبکہ بانو کا دل چاہتا کہ وہ اپنے سامنے والے پارک میں صفائی کرائے، کیاریاں بنوائے، پھول اگائے اور وہ پودے جو جھاڑیوں کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ ان کی کانٹ چھانٹ کرائے...... زمین پر سبز مخملیں چادر بچھوائے اور تمام ٹوٹی ہوئی... بینچوں کی جگہ نئی رکھوادے اور پنجروں میں ہر نسل کے خوب صورت پرندے چھوڑ دے۔ اور پھر اپنی ہمجولیوں کے ہمراہ سرِ شام یہاں چہل قدمی کرنے آئے اور پرندوں کو دانہ کھلائے۔ لیکن شومئی قسمت کہ یہ سب کچھ کرنا اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ وہ جب بھی اپنی اماں سے اپنی دلی خواہش کا ذکر کرتی تو وہ جھولی پھیلا کر اسے دعا دیتیں۔

''یا الٰہی میری بانو کو وسیع وعریض لان والا گھر نصیب کرنا۔ تیرے پاس تو رحمتوں کی بہتات ہے۔ تو میری بانو پر اپنی نعمتوں اور رحمتوں کے تمام دروازے وا کردے، آمین...... ثم آمین......''

بانو، اماں کی دعا سن کر پُرامید نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگتی اور ان نگاہوں کی زبان ماں بھی خوب سمجھتی تھی۔ اس چھوٹے سے فلیٹ کی بالکونی میں اس نے اپنے بیٹا (کتے) کے لیے گھر سا بنا رکھا تھا۔ اسی بالکونی میں اس کی بلی بھی رہائش پزیر تھی لیکن ایسا موقع بہت کم ہی آتا تھا۔ وہ تو گھر کی ''لاڈلی'' ہر بستر پر سوتی اور صوفے پر بیٹھ کر ٹی وی پر نظریں گاڑے رکھتی یا کلاک کی ٹک، ٹک کو سنتی اور سوئیوں کی حرکت کو گھورتی رہتی تھی۔ جونہی بانو کی بس سڑک پر رکی وہ وال کلاک سے نگاہیں ہٹاتی اور چھلانگ لگا کر نیچے اتر لی اور دیوانوں کی طرح مین ڈور کی طرف بھاگ پڑتی۔ بانو دروازہ کھول کر اندر آتی تو وہ اپنی خوشی کا اظہار اس ... پاؤں میں لوٹنے سے کرتی۔ بانو جھک کر اسے اٹھا لیتی اور دن بھر کی تھکن اور بھوک و پیاس کو یکسر بھول کر اس ... کھیلنے لگتی۔ وہ جب اسے بیٹا کہہ کر پکارتی تو ماں کبھی ہنس جاتی اور کبھی درگزر کر جاتی۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوتی تو اسے بازوؤں میں اٹھائے اپنے کمرے میں چلی جاتی۔ وہ سو جاتی اور بلی اس کے جاگنے کے انتظار میں ٹکٹکی باندھے نیچے کارپٹ پر لیٹی اسے دیکھتی رہتی...... اس ... والد ساجد صاحب ایک مڈل اسکول میں ماسٹر تھے۔ ان کی قلیل تنخواہ گھر کے اخراجات کے لیے ناکافی ہونے ... باوجود بانو کی امی راحیلہ اپنے سگھڑاپے سے شوہر کو کم مائیگی کا کبھی احساس نہیں ہونے دیتیں۔ گھر کے اندر کا سلیقہ ... قرینہ دیکھ کر ان کی کسمپرسی و بے کسی کی ہلکی سی رمق بھی نظر نہیں آتی تھی۔ ایسے تو عورت کے لیے نہیں کہا گیا ناں ... عورت گھر کو جنت اور جہنم بنانے کی ذمے دار ہوتی ... کیونکہ عورت اگر سوئی برابر فضول خرچی کرنے لگے تو سونے کے گھر کو بھی مٹی بنا ڈالتی ہے اور مرد اگر دونوں ہاتھ سے لٹاتا بھی رہے تو گھر پھر بھی آباد و شاد ہی رہتا ... والدین کی نظریں اپنی ذہین و فطین بیٹی پر بھی مرکوز رہتیں ... وہ دن دور نہیں جب ان کی بیٹی اس گھر کے دلدر دور کر ... میں ان کا ساتھ دے گی۔ یہ والدین کی دور اندیشی کا ... تھا کہ وہ یونیورسٹی کے خواب دیکھ رہی تھی...... لیکن بانو ایسے مزاج کی بچی تھی کہ ہر ضرورت مند کی مددگار رہ ... اور مسیحا بن جایا کرتی تھی۔ وہ اپنی کامیابیوں کو خود تک ... محدود رکھنے کے بجائے دوسروں کو اس ذائقے سے آ ...

... کرنے کی خواہش مند تھی۔ اس کی تعلیم کا اِک مقصد تھا۔ ... کمانے کی مقصدیت سے تو ہر کوئی واقف ہوتا ہے۔ اپنی ... کے مطابق سب ہاتھ پاؤں مارتے ہیں۔ نوکری پر ... لگتے ہوتے ہی شادی کے بکھیڑوں میں زندگی گزار ... دیتے ہیں لیکن کبھی اپنے گردو پیش کا جائزہ لینے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں نہ ہی انہیں اس کی توفیق ہوتی ... کیونکہ خودغرضانہ خیالات کے سامنے ایسے لوگ بے بس اور تہی دست ہی رہتے ہیں۔ خوشی کا تصور غم اور دکھوں کے بغیر بالکل ادھورا ہے۔ بانو اسی امید و بیم ... میں گھری اپنی شخصیت کو سنوارنے کی کوشش ... اپنے کردار کو مضبوط اور پائیدار رکھنا اس کا اک ... سپنا تھا...... وہ اسی سپنے کے تحت اس بلڈنگ ... کا خیز تبدیلی لانے کی خواہش مند تھی۔ جب کبھی وہ ... اس دیرینہ خواہش کا اظہار اپنی اڑوس پڑوس کی ... سے کرنے کی غلطی کرتی تو سب اس کا تمسخر ... اور اس کے قلب و ذہن سے اس قسم کی خواہشات ... کے لیے انہونی اور عجیب تھیں نکالنے کی کوشش کرتیں ... تم کس دنیا میں رہتی ہو...... ہم نے ایسی دنیا نہ تو کبھی ... ہے نہ ہی سنی...... ہمیں یہ علم ہے کہ ہم آج اس ... میں رہ رہی ہیں، کل کسی اور فلیٹ کی رہائشی بن ... گی۔ اس کرایے کی چھت کا کیا مان؟ آج ہماری اور ... اور کی...... اسے سجانے، سنوارنے اور صاف ستھرا ... کیا فائدہ ہے ہمیں۔ تم تو چار جماعتیں پڑھ کر نہ ... کس دنیا کی باسی بن گئی ہو، یہ سب بکواس چھوڑو...... کوئی فائدہ نہیں......'' بانو مسکرا کر جواب دیتی۔

''فائدہ ہی فائدہ ہے۔ زندگی گھاٹے کا نام نہیں ... میری سہیلیوں...... تم سب ایسا کیوں سوچتی ہو۔ یہ ... دلنشین اس رب کی تخلیق کردہ دنیا خسارے کی جگہ ... یہ تو تحفہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بخشا ہے۔ یہ ... تو اسی رب کی امانت ہے۔ جس کی حفاظت کرنا ... فرض ہے اور عبادت بھی...... زندگی کو سنوارو اور دنیا ... طریقوں سے حسین وجمیل بنالو...... کیونکہ اللہ ... نے ہمیں با اختیار بنایا ہے کہ اس زمین کا چپا، چپا ... اپنا حق ادا کر سکیں۔ ہم جس گھر میں اپنوں کے ساتھ رہتے ہیں وہ گھر ہمارا اپنا ہی تو ہوتا ہے۔ چاہے کرایے کا ہی کیوں نہ ہو......؟ دیکھو یہ باتیں انسان کو زیب نہیں دیتیں۔ چلو کہ اس دنیا کا قیام ہی عارضی ہے تو پھر ان عارضی چھتوں سے ہمیں شکوہ کیونکر ہے۔ اسی کے سائبان میں ہم جنت کی بنیاد رکھ سکتے ہیں۔ ہمیں مل جل کر اپنے گھروں اور اس کے گردو پیش کے علاقے کو صاف ستھرا رکھنے اور سنوارنے کے لیے زیادہ محنت کی ضرورت نہیں ہوگی بھلا ہمارے پاس جتنا بھی وقت ہے، ہم اسے یکجہتی، عزت، وقار، محبت اور اپنائیت سے کیوں نہ گزاریں...... دنیا حسین بھی لگنے لگے گی اور... بامقصد بھی...... میرے دادا جی کو اس دارِ فانی سے کوچ کیے ہوئے چند سال ہی تو ہوئے ہیں لیکن میں انہیں کبھی فراموش نہیں کرسکی۔ ان کی یاد میں، میں ویسے ہی کام کرنا چاہتی ہوں جیسے انہوں نے اپنی زندگی میں دوسروں کو ذہنی وجسمانی سکون بہم پہنچانے کے لیے وہ مراجعت فرما گئے۔ اور ہماری اس بلڈنگ کے اردگرد کوڑے، کچرے اور غلاظت کے ڈھیر لگ گئے۔ ان کی ٹیم کہاں چلی گئی جبکہ اس ٹیم کے بیشتر فرد حیات ہیں، بے شک یہ زندگی عارضی ہی سہی لیکن ہے تو انمول ناں...... اس کا زیاں ناقابلِ معافی اور سزا بہت عبرت ناک ہے۔ کیونکہ ہم اللہ کی سونپی ہوئی امانت میں خیانت کررہے ہیں۔'' وہ اچھی خاصی تقریر کر بیٹھی تھی۔

''یار طولانی تمہید چھوڑو...... جیسا تم ہم سے چاہتی ہو یہ کام مردوں اور لڑکوں کا ہے، ہمارا ہرگز نہیں......'' ایک نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

''ارے تم تو پگلی ہو، ان بے ہودہ سوچوں سے باہر نکل کر دیکھو...... ورنہ بیمار پڑ جاؤ گی۔ ڈگری حاصل کرو اور شادی رچالو...... بچے پیدا کرو اور انہیں پال پوس کر بڑا کرو...... اور پھر انہیں رخصت کر کے مصلیٰ پکڑ لینا...... اس وقت سوچ بچار کرنا۔ ابھی یہ وقت سوچنے کا ہرگز نہیں۔ بس قدم اٹھائی چلو...... رستہ سجھائی دیتا چلا جائے گا...... اور پھر منزلِ مقصود تک پہنچنا آسان ہوجائے گا......'' ایک دوست نے جل بھن کر کہا۔

''مان لیا...... چلو اِک کام کرنے کا تہیہ کرتے

ہیں۔" بانو پُرامید لہجے میں بولی۔
"مثلاً اب وہ کون سا کام ہے جو تم نے سوچ لیا ہے ضرور نرالا اور فضول ہی ہوگا......" سب بیک زبان ہو کر بولیں۔
"کام اِک چیلنج ہے......اور ہم میں اس کا سامنا کرنے کی ہمت اور جراٗت ہے۔ ہم سب اپنے اردگرد کے علاقے سے بکھرا ہوا کوڑا اٹھانے کی ذمّے داری سنبھال لیں تو کیسا رہے گا......ہاں یہ مت بھولیں کہ عورت مرد سے زیادہ مضبوط اور ثابت قدم ہستی نہ ہوتی تو اس معاشرے کے مرد کے ساتھ گزارہ کیسے کر پاتی؟ ہم بے مثال ،باکمال مخلوق ہیں، خود پر بھروسا کرنا سیکھیں......ہم اس بلڈنگ کو چار چاند لگانے کی ہمت رکھتی ہیں۔ یہاں سفید پوش مکین بستے ہیں اپنے طرزِ زندگی کو بہتر بنانے کے خواہش مند......لیکن ان میں کوئی بھی لیڈر شپ کوالٹیز کا مالک نہیں......ورنہ دادا جی کے بعد کوئی تو ہیڈ بن جاتا......مگر ایسا نہیں ہوا تو اب ہماری جنریشن پہلا قدم اٹھانے کی تیاری پکڑے اور میدان میں اتر آئے......اور سب سے پہلے ہمارے فرض کی شروعات ہوگی کہ ہم دس لڑکیوں کا گروپ ہر فلیٹ میں وزٹ کرے گا اور ہاؤس وائف کو اس بات پر ٹھوس دلائل دے کر کنونس کرے گا کہ کوڑا بالکونی سے نیچے سڑک پر پھینکنے کے بجائے ایک بیگ میں جمع کریں اور جب نیچے اتریں تو اسے کوڑے دان میں ڈال دیں۔ یہ ہے پہلا ٹارگٹ ہم اس بلڈنگ میں رہائشی تمام چھوٹی ،بڑی لڑکیوں کو اس کام پر مامور کرسکتی ہیں۔ لیکن پہلا قدم ہمیں خود اٹھانا پڑے گا۔ نیکی کی شروعات اپنے گھر سے ہونی چاہیے ناں......"
"بالکل فضول اور سراسر ناکام آئیڈیا ہے حقیقت سے آنکھیں چرانا تو آسان ہے، سپنے دیکھنا بھی خوب ہے......لیکن عملاً کچھ کامیابی نہیں ہوتی۔ کیونکہ خواب کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔" اسی کی کلاس فیلو نے کندھے اچکا کر کہا۔
"لوگ ہم پر ہنسیں گے بانو......کہ چار جماعتیں کیا پڑھ لیں ہم سب کی امائیں بن گئیں۔ مردوں کے کام کا طریقہ ہوتا ہے کہ رعب داب سے دوسروں سے بات منوالینا اور ہار نہ ماننا......" ایک نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔
"لڑکیوں ہمارے گروپ میں سب نے میٹرک تو ہوا ہے ناں تو سب کو تمام طریقے بھی آجائیں گے۔ جاہل اور نادان لوگوں کی اماں بننا بہت اچھا لگے گا۔ کاش ہوجائے۔" وہ مستحکم لہجے میں بولی۔ "ہمیں سب کو محبت، اپنائیت سے رام کرنے کی ضرورت ہے۔"
"بھئی ہم تو ساتھ نہیں دیں گے، تم اپنی اماں بات کرو......وہ بھی تمہاری اس سوچ سے اتفاق نہیں کریں گی۔ کیونکہ لڑکی کی بات بھاری نہیں سمجھی جاتی۔ تمہاری منطقی باتیں سب کے سر سے گزر جائیں گی۔ کس دنیا کی بات کرتی ہو بانو......"
"تم سب پڑھی لکھی لڑکیاں ہو، بہت مایوس کیا ہے تم سب نے مجھے......میں جو بھی کہہ رہی ہوں اسے سمجھنے میں قطعاً مشکل نہیں ہونی چاہیے۔" وہ پُرامید لہجے میں بولی۔
"سمجھنے اور سوچنے کی کوشش تو کرو ناں......ناامیدی ...تو کفر ہے۔"
"بانو مجھے تو تم پر بے حد ترس آنے لگا ہے یار، تمہارے دادا حیات ہوتے تو وہ تمہیں ان جھمیلوں سے دور رکھتے۔ کیونکہ وہ اس زمانے یہاں کے معاشرے کے حالات اور ماحول کا علم رکھتے تھے۔ طوعاً و کرہاً سب ان کا ساتھ دینے لگے تھے ناں......لیکن ان کے بعد سب ٹھنڈے کیوں پڑ گئے۔" "یہ تو سوچو......" امبر نے سنجیدگی سے کہا۔
"امبر یہ جھمیلے نہیں ہیں، ذرا سوچو کہ جب رب العزت نے یہ دنیا بنائی ہوگی تو یہ زمین کس قدر خوب صورت، حسین ... دلنشین اور پاک صاف ہوگی انسان کے قدم رکھتے ہی یہاں گندگی ،غلاظت اور نجاست پھیلنے لگی۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم شکر بجالانے کے بجائے زمین کو بگاڑنے لگے۔ اس زمین کی قدردانی کرنا ہمارا فرض ہے، ہمیں اپنے فرض کو نبھانا ہے ورنہ یوں سمجھیں کہ ہم نے امانت میں خیانت کرڈالی
"بھئی میں تو یہ ہی فیصلہ کر پائی ہوں کہ

اور خواب دیکھنے محل کے......تم عجیب نرالی سی لڑکی بن ہو، خواہ مخواہ ہمیں لیکچر دینا، نصیحتیں کرنا، کم از کم مجھے نہیں......" صوفیہ نے زچ ہوتے ہوئے کہا۔
"ہم پڑھائی کریں گی یا صفائی، تم خود ہی فیصلہ کرو؟"
"بھئی غصہ کیوں کرتی ہو؟ ایک بار اس مینٹل بلاک نکلنے کی کوشش تو کرو......میں جس نظر سے پارک کو دیکھنا چاہتی ہوں اور اپنی اس بلڈنگ کو ایک بے مثال نمونہ دنیا والوں کے سامنے پیش کرنا چاہتی ہوں۔ وہ ٹیم سے ممکن ہے۔ جیسا دادا جی نے کیا تھا، میں اکیلی کچھ نہیں کرسکوں گی۔ پلیز کوشش سے ہی مقصدیت کو ...ہیں۔ اس لیے کوشش تو کرنی لازم ہے۔"
"ویسے آپس کی بات ہے تم کہہ تو درست رہی ہو۔ ٹیم ورک" آزمایا جاسکتا ہے۔ اس طرح اور لوگ بھی ...ہوجائیں گے۔ یہ درست ہے کہ عادات کو بدلنا آسان نہیں لیکن ہم سب سے پہلے خود کو بدلیں گے۔ ہمیں ...کو یہ احساس دلانا ہے کہ کتا بھی اپنی بیٹھنے کی جگہ کو دم سے صاف کرتا ہے۔ اور ہمارا نعرہ ہوگا......" ہم انسان ہیں......ہمیں اپنا فرض پہچاننا ہے۔"

☆☆☆

"بانو تم نے تو ہمیں مہترانی بنا ڈالا ہے۔ کالج سے ...ہی ہمارا پہلا کام ہے کوڑا اٹھانا۔ لوگ ہم پر ہنستے مذاق اڑاتے ہیں، گھر والوں نے ناک میں دم کر ...۔" سب مضطرب سی نظر آرہی تھیں۔
"اس طویل سفر کا سوچ کر ہار مان لینا ہم نے سیکھا ......ہم عنقریب جھونپڑیوں کی قسمت بھی بدل ڈالیں ...وہ خوش دلی سے بولی۔
...بالو یہ غربت و افلاس میں جکڑے ہوئے کثیر ...والدین کچھ سیکھنا نہیں چاہتے۔ پیٹ میں بھوک ...لے، زبان میں تشنگی اور سر پر سیلن زدہ سال خوردہ ...یا اپنی جھونپڑی بولو کہ انہیں اس کوڑے سے ...لگے؟ سب اپنی آزادنہ زندگی گزارنے کے ...چکے ہیں، انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو......"
...رائے دی تو وہ پژمردگی سے ان کی طرف

"ہرگز نہیں......ابھی سے حوصلہ ہار بیٹھے تو تمام معاملہ ہی بگڑ جائے گا۔ آپ سب اس وقت کا انتظار کریں جو بہت قریب ہے آج کی بات یاد رکھیے کہ اس بلڈنگ کا ہر بچہ ہماری ٹیم کا ممبر بننے میں فخر محسوس کرے گا۔ ایک بار جسے صفائی کی عادت پڑ جاتی ہے۔ وہ دوبارہ واپس نہیں پلٹ پاتا......یہ میرا تجربہ ہے، ہم نے صاف ستھرے ماحول سے ان کی عادات کو بدلنا ہے۔ کیونکہ ماحول ہی انسان پر اثر انداز ہوتا ہے۔"
"تمہارا فلسفہ صرف تمہاری ذہنی اختراع ہے، لوگوں کو پینے کے لیے صاف پانی چاہیے۔ سب کی یہی ڈیمانڈ ہے ناں یہ مت بھولو کہ دادا کا دور دوسرا تھا۔ لوگ زندگی سے تنگ ہیں، تم صفائی کی منطق جھاڑنے لگتی ہو۔ جسے پیٹ بھرنے کے لیے دو عدد روٹیاں چاہئیں تم انہیں کیک کے خواب دکھانے لگتی ہو......جنہیں اپنی ذاتی چھت چاہیے، تم انہیں رنگ و روغن کی تلقین کرنے لگتی ہو۔ جنہیں ہانڈی کے لیے سبزی چاہیے، تم فرماتی ہو کہ سامنے والے پارک میں کیاریاں بنائیں اور سبزی اگائیں۔ اس بلڈنگ میں رہنے والوں کو کبھی سبزی کی قلت محسوس نہیں ہوگی۔ انہیں تو میسر ہی نہیں ہے ناں......یہ لوگ تمہارے کہنے کے مطابق کچھ بھی نہیں کریں گے۔ مجھ سے شرط لگالو......یہ لوگ ہمارا ساتھ ہرگز نہیں دیں گے۔"
"ہمارا مقصد ہے اس ساکت و جامد ماحول میں انقلاب لانا۔ وہ اسی طریقے سے لایا جاسکتا ہے۔ جیسا ہم کررہی ہیں۔ ہمیں ہمت کو یکجا رکھنا ہے......اور ہم میں استقامت ہونی چاہیے، تم دیکھنا کہ اس بلڈنگ کا ہر بچہ ہمارا گروپ جوائن کرلے گا۔"
"بانو تم اور تمہارا گھسا پٹا فلسفہ......تم تو سراسر اک عجوبہ ہو ڈیئر......اور ہمیں بھی اپنے اس رنگ میں رنگ کر ہی چھوڑو گی۔"
"ہاں ایسا ہی ہے جانم......میں نے خود کو پہچان لیا ہے اب آپ سب کی باری ہے۔ جس دن تم سب اپنی ذات سے آشنا ہوگئیں کہ آپ سب میں مرد سے کئی گنا زیادہ صلاحیتیں پوشیدہ ہیں انہیں سب کے سامنے لاکر خود کو منوانا ہے پھر تم سب کو زندہ رہنے کا مقصد سمجھ آجائے

گا۔ فی الحال ہم سب کو مل کر ان بالکونیوں سے نادان اور معصوم گھر والیوں کا بے باکانہ انداز میں نیچے پھینکا ہوا کوڑا ایک جگہ جمع کرنا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان خواتین کو دوبارہ کوڑا پھینکتے ہوئے شرم تو آئے گی ناں......"

"تم بھی اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آؤ گی۔ یہاں شرم مر چکی ہے، احساس سو چکا ہے۔ چھوڑو اس چیلنج کو...... مزے کرو یار......" سب نے اسے سمجھایا۔

"ہرگز نہیں...... کیونکہ میں نے غلط سوچا ہے نہ ہی نامناسب فیصلہ کیا ہے۔ آج سے پندرہ سال پہلے دادا جی نے مثال قائم کر کے مجھے ایک درس سکھا دیا تھا۔ ہمارا نعرہ کیا ہے؟ سب مل کر نعرہ لگائیں۔ ہم انسان ہیں، ہم انسان ہیں ہمیں اپنا فرض پہچاننا ہے۔ دیکھنا ہر ذی شعور ہمیں جوائن کرے گا۔" اور پھر نعرہ لگاتے ہی بلڈنگ کے باہر گلی ڈنڈا کھیلنے والے تین لڑکے ان کی ٹیم کے فوری ممبرز بن گئے۔ اور پھر ان کی یکجہتی اور ثابت قدمی دیکھ کر چند دنوں میں کئی لڑکے انہیں جوائن کرنے لگے اور اپنی خوشی کا اظہار اس جملے سے کیا۔

"آپی اب ہمیں گلی ڈنڈا کھیلنا بہت فضول لگنے لگا ہے وقت کے زیاں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے یہ۔ ہم جاوید میاں داد اور عمران خان بنیں گے کرکٹ گراؤنڈ بنا کر۔"

"اوہو تو یوں کرتے ہیں ناں پارک کی صفائی ستھرائی کا کام آپ کو کیوں نہ سونپ دیا جائے۔ اس کے بعد وہاں نیٹ لگا کر بیڈ منٹن کھیلیں گے۔ سب مل کر پھر کرکٹ فیلڈ بنا کر اس کا افتتاح بھی کسی مشہور کرکٹر سے کروائیں گے۔"

"آپی کیا ایسا ممکن ہے؟ لگتا نہیں......" ایک لڑکے نے نظریں جھکائے، جھکائے کہا۔ تو بانو نے اچنبھے سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم میرا مذاق اڑا رہے ہو ناں...... یقین کرو کہ ایسا ہو کر رہے گا۔ میں آپ سب کی ملاقات عمران خان یا وسیم اکرم سے کرانے کا وعدہ کرتی ہوں۔ آپ نے جس دن کامیابی حاصل کر لی ایسا ہو کر رہے گا۔" وہ مستحکم لہجے میں بولی۔

"آپی آپ بہت اچھی ہیں، دراصل میں چاہتا ہوں کہ جلد از جلد ہماری بلڈنگ اور پارک سے کچرا ختم ہو جائے یہاں گیمز کے گراؤنڈ بنیں پھر کھیلنے کا بھی مزہ یہاں رہنے کا بھی فخر اور پڑھائی کا بھی لطف دوبالا ہو جائے گا لیکن آپی اس منوں کچرے کو کیسے اٹھائیں گے؟ یہ کام چند دنوں یا ہفتوں کا نہیں...... اس میں مہینوں لگ جائیں گے۔"

بانو نے فتحمندانہ مسکراہٹ سے اپنی تمام پڑوسی سہیلیوں کی طرف دیکھا جن کی آنکھوں میں امید کے ستارے جگمگا رہے تھے اور چہرے پر مسرت و کامرانی ہلکورے لے رہی تھی۔ امبر نے بلند آواز میں سب سے پوچھا۔

"میرے بھائیوں ایک نعرہ ہو جائے تا کہ اس بلڈنگ کے در و دیوار گونج اٹھیں۔" سب مل کر فلک شگاف نعرہ لگانے لگے۔ "ہم انسان ہیں۔ ہم انسان ہیں۔" اور اسی طرح اسی ٹیم میں انسانوں کی تعداد بڑھنے لگی۔

جونہی ان ٹین ایجرز کو اسکول سے چھٹی ہوتی یہاں پہنچتے ہی وہ ہوا کے جھونکے کی طرح بلڈنگ کے احاطے میں بکھرا کر کوڑا کچرا اٹھاتے اور کوڑے دان میں ڈال کر گھروں کو چل دیتے۔ شروع میں والدین سے پٹائی بھی ہوئی، سختی بھی ہوئی۔ لیکن انہوں نے پروا نہیں کی...... آخر جانور سے انسان تک کا سفر اتنا آسان تو ہرگز نہیں تھا کہ فوراً کٹ جاتا۔ کامیابی مستقل مزاجی میں ہی پنہاں ہوتی ہے، جس نے اس کی پردہ کشائی کا گر سیکھ لیا۔ اس نے زندگی کے رازوں کو پالیا۔ بلڈنگ کے لوگوں نے اب ان کے کام کو سراہنا شروع کر دیا تھا اور کئی عمر رسیدہ مرد حضرات صبح کی نماز کے بعد پارک کے کونوں میں ہوا سے اڑتے ہوئے پلاسٹک کے لفافوں کا کچرا اٹھا کر سڑک کے کونے میں رکھے ہوئے کوڑے دان میں ڈالنے لگے تھے۔

خواتین نے بالکونیوں سے کوڑا پھینکنا چھوڑ دیا تھا۔ کالج کے لڑکوں نے اپنی پاکٹ منی سے پارک کے لیے دو مالی بھرتی کر لیے...... جن کی مدد سے پارک کے چاروں طرف کیاریاں بننے لگیں۔ سایہ دار بوڑھے درختوں کی مضبوط ٹہنیوں پر بچوں کے لیے پینگیں ڈالی گئیں۔ جن کا خرچہ کم لیکن فائدہ ایسا ہوا تھا کہ ہر فلیٹ کے مکین نے اپنی حیثیت کے مطابق اس کارِ خیر کے لیے

چندہ دینا شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس بلڈنگ کا تمام علاقہ اِک اعلیٰ نمونہ بن کر دوسروں کے لیے سبق آموز بن گیا...... اپنی جگہوں اور گھروں کو صاف رکھنے کا کام ہمارا ہے نہ کہ حکومت کا...... حکومت صاف پانی، کوڑا اٹھانے اور نکاسی کا انتظام تو کر سکتی ہے لیکن شہر کے چپے، چپے پر بکھرا کوڑا کیونکر اٹھائے گی۔ جب کوڑا پھینکنے اور بکھیرنے والے ہم خود ہیں تو ہمیں انسان ہونے کے ناتے رہنے سہنے کا ڈھنگ تو آنا ہی چاہیے جس میں یہ ٹیم خوب کامیاب رہی۔

☆☆☆

"ارے بیٹا...... تم ڈیفنس کے علاقے کے رہائشی ہو اور دلہن لانا چاہتے ہو گلشن آباد میں مقیم ایک خاندان سے جن کے فلیٹ کی عمارت کوڑے کچرے کے ڈھیر کے درمیان کھڑی ہے۔" ممی نے غصے سے اس کا کان مروڑ کر کہا۔

"ہاں ممی، میرا یہی فیصلہ آپ کو قبول کرنا پڑے گا۔ اس کا گھر چاہے جھونپڑی ہو وہ ایسی لڑکی ہے کہ اسے بھی محل بنا کر چھوڑے گی...... آپ اس کی strength سے لاعلم ہیں ممی......" وہ ڈھٹائی سے بولا۔

"یہ دیکھو ذرا میرے سامنے اس کی تعریف میں زبان بھی قینچی کی طرح چل پڑی ہے۔ اب سمجھی کہ اس لڑکی نے تم پر کوئی جادو کر دیا ہے۔ میری بات کان کھول کر سن لو کہ میں کچرے سے کیڑا اٹھا کر اس بنگلے کی زینت ہرگز نہیں بناؤں گی۔ یہ میرا اٹل فیصلہ ہے۔ تم مانو یا نہ مانو...... میں تو اپنی پسند کی بہو لاؤں گی۔ آخر تمہاری ماں ہوں۔ کس چاؤ سے تمہاری پرداخت میں نہ دن کا چین نہ رات کے آرام کا خیال کیا۔" وہ اپنا حق جتاتے ہوئے بولیں۔

"ممی...... آپ بانو سے مل کر فیصلہ کریں...... اس کے فلیٹ کے اندرونی حصے کا وزٹ کریں۔ گرد و پیش کا جائزہ لیں۔ ممی آپ جیسا سمجھ رہی ہیں، بانو کا گھر اور اس کے آس پاس رہنے والے پڑوسی ایسے نہیں ہیں بلکہ مڈل کلاس کے لوگ بعض اوقات اپنے طور و اطوار اور رہن سہن سے اعلیٰ اسٹیٹس کے زمرے میں آجاتے ہیں۔ اور ہائی کلاس اپنے رزق کی فراوانی کے باوجود لوئر کلاس کی فہرست میں لکھ دیے جاتے ہیں...... ایسا کیوں ہے؟ آپ نے اس کے بارے میں بھی کبھی سوچا ہے؟" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"دیکھو بیٹا، میں ایک پریکٹیکل عورت ہوں اور اپنے خاندان کی بھلائی چاہتی ہوں۔ تمہاری طرح جذباتی ہرگز نہیں۔ میں نے دنیا دیکھی اور پرکھی بھی ہے، تم نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے۔" وہ اکڑ کر بولیں۔ "محض دو ٹکے کی چھوکری۔"

"ممی آپ تو سمجھنا ہی نہیں چاہتیں تو میں اب کیا کہوں آپ سے؟ وہ تو ایک ہیرا ہے، جس کی قیمت کا اندازہ آپ یہاں بیٹھ کر تو ہرگز نہیں لگا سکتیں۔" وہ مضطربانہ لہجے میں بول کر خاموش ہو گیا۔

"کیونکہ تم خود کو ہیرا شناس سمجھتے ہو ناں...... تو چلو

اظہارِ مسرت

خوش ہو کے میں کیوں نہ گنگناؤں
کیوں نہ لفظوں میں رنگ لاؤں
موم بتی اور کیک منگواؤں
گھر کو سارے کیوں نہ سجاؤں
میک اپ کر کے بن ٹھن جاؤں
آج تھا کچھ خاص ہوا
تم نے کیا یہ جان لیا؟
لفظوں سے جس کے رس ٹپکے
جس کی محفل میں ڈھیروں پریاں
ان پریوں کی رانی ہے اک
اس کو مبارک سالگرہ ہو
ڈائجسٹوں کا راجا میرا پیارا پاکیزہ
آج کے دن تاروں کے جھرمٹ میں چاند بنا
سب کو مبارک اس کی سالگرہ
رہے سلامت یونہی سدا
میرا پیارا، پیارا پاکیزہ

دعا گو: طیبہ عنصر مغل، راولپنڈی

تمہیں اصلی ہیرا دکھاتی ہوں۔ ہمیں کل رحیم صاحب نے اپنے گھر چائے کے لیے مدعو کیا ہے، ان کی اکلوتی بیٹی تمام جائداد کی واحد وارث ہے۔ اور ان کی جائداد اور بے حساب بینک بیلنس اگلی نسلوں تک میں بھی ختم نہیں ہوگا۔ میرے گھر بھی تو دو خوبرو جوان ہیں۔ ماشاء اللہ...... تم دونوں کو سلامت رکھے اور خوب بڑے مقتدرہ خاندانوں کا داماد بنائے۔ تم پر دنیا بھر کی نظریں جمی ہوئی ہیں۔ اور ماشاء اللہ ایک سے ایک بڑھ کر اعلیٰ و ارفع خاندان ہمارے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہوا ہے، کیا حسینائیں اور کیسا بینک بیلنس کہ وارے نیارے ہو جائیں گے۔ سعد یقین جانو کہ ان رشتوں میں ایک کا چناؤ ہمارے لیے مشکل ہو گیا ہے۔ جی تو چاہتا ہے کہ تمہارے لیے چار بہوئیں بیاہ کے لے آؤں؟"

"اور تم ہو کہ کچرے پر گرنے کا تہیہ کیے بیٹھے ہو۔" وہ نخوت سے بولیں۔

"خیر میری زندگی میں تو ایسا ہونے سے رہا۔ تم میری ضد اور ہٹ دھری کو جانتے ہو ناں......"

"ممی خدا کے لیے...... اپنے رب سے خوف کھائیں، اس کی لاٹھی بے آواز ضرور ہے لیکن کمزور نہیں...... غرور و تکبر کرنے والوں پر جب برستی ہے تو ان کے پرخچے اڑا دیتی ہے۔" وہ تلملا کر بولا۔ "توبہ استغفار کا ورد جاری رکھیں تاکہ آئندہ ایسے گناہِ کبیرہ سے محفوظ رہ سکیں۔ ایسی کبر و نخوت میں ڈوبی ہوئی باتیں آپ کو زیب نہیں دیتیں۔ کیونکہ آپ میری ممی ہیں، میری آئیڈیل......"

"سعد! ہوش کے ناخن لو، خدا کی قسم خفا ہو جاؤں گی...... یہ جان لو کہ مجھ پر تمہاری اس بکواس کا کوئی اثر نہیں ہونے والا۔ بولتے جاؤ اور خوب جی بھر کر اس کم بخت کی تعریفوں میں زمین آسمان کے قلابے ملا دو۔ ہے تو وہ اک نالی کی اینٹ ناں جو چوبارے میں لگ بھی گئی تو اگلے لمحے نالی میں ہی جا گرے گی۔" وہ غیظ و غضب میں بولیں۔

"اُف خدایا...... یا اللہ ہمیں معاف فرمانا۔ ممی کو کیا ہو گیا ہے؟ ممی گستاخی معاف...... ڈیڈ کو بھی میرا اٹل فیصلہ سنا دیجیے گا کہ زندگی میری ہے، اس پر مجھے ہی اختیار ہے کہ کیسے گزاروں......؟ کس کے سنگ گزاروں؟ اور کہاں گزاروں؟" وہ ماں کے ہاتھوں کو مضبوطی سے پکڑ کر التجائیہ لہجے میں بولا۔

"ممی آپ کو مجھ سے بے تحاشا پیار ہے ناں......"

"ہاں، اس میں شک کی گنجائش نہیں اسی لیے تو کہتی ہوں کہ اس فیصلے سے باز آ جاؤ...... یہ فیصلہ تمہاری زندگی کی خوشیوں کو نگل لے گا بیٹا...... میری زندگی کے تجربات و مشاہدات تمہیں اس گری ہوئی سوچ سے باز رکھنا چاہ رہے ہیں۔ میری بات سیدھے طریقے سے مان جاؤ جہاں بھی ہاتھ رکھو گے میں ہرگز انکار نہیں کروں گی...... لیکن ایک تنگ فلیٹ کی رہائشی لڑکی کا تصور بھی مت کرو۔" وہ پژمردگی سے بولیں۔

"ممی وہ کیسے؟ میں آپ کی منطق سمجھنے سے قاصر ہوں۔ ہم لڑکی اپنے گھر بیاہ کر لانا چاہتے ہیں، وہ ہمارے خاندان کا حصہ بننے کا شرف حاصل کرے گی۔ اس کے آنے سے ہمارے ایسے کون سے مسائل بڑھ جائیں گے۔ جن کا آپ کو خدشہ ہے۔" وہ انجان بنتے ہوئے بولا۔

"اوہ مائی گاڈ...... اس قدر عاقبت نا اندیش ہو تم...... بے جوڑ رشتہ کبھی پروان نہیں چڑھتا۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ سوچنے سمجھنے کی قوت ہی اس نے سلب کر لی ہے۔ بیٹا تم اتنی سی بات سمجھ نہیں سکے...... تو کل کلاں بڑے مسائل کو کیسے حل کرو گے؟ اس لڑکی کا جادو اور تمہارا عشق تمہاری تمام عقل و شعور کو نگل چکا ہے۔ اب تمہیں کچھ بھی نظر نہیں آئے گا...... جب پانی سر سے گزر گیا تو پھر ہوش و حواس میں آنے کا کیا فائدہ؟ خیر ایسا ظلم تو کبھی میں ہونے نہیں دوں گی۔ چاہے مجھے زہر ہی کیوں نہ کھانا پڑے؟" وہ روہانسی سی ہو گئیں۔

"یعنی آپ اپنی ضد سے باز نہیں آئیں گی۔ زہر پہ ہی اکتفا کریں گی ایسا مت سوچیں ممی...... اچھا آپ سے ایک سوال کا جواب چاہتا ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں تو پوچھ سکتا ہوں؟" وہ متذبذب سا ہو کر رہ گیا۔

"اجازت...... فرمانبردار اولاد کے لیے ضروری ہوتی ہے، تم تو ہو ہی نافرمان...... چلو پھر بھی پوچھو...... کہ کون سی نئی گل افشانی کرنے چلے ہو اس منحوس لڑکی نے میرے بیٹے کو ماں کے دو بدو کھڑا کر کے ہرگز اچھا نہیں کیا...... یہ لڑکیاں اپنے ماحول سے ایسے ہتھکنڈے بچپن میں ہی سیکھ جاتی ہیں کہ ساس سے گلو خلاصی کیسے کی جائے؟ میاں کو ہاتھ میں کیسے لیا جائے؟" وہ بڑی بے رحمی اور روکھائی سے بولیں۔

"ممی آپ ہر مہینے لڑکی دیکھنے کتنے گھروں میں جاتی ہیں؟" وہ سنجیدگی سے بولا۔ "کچھ تو حساب رکھا ہوگا ناں آپ نے۔"

"میں نے اپنے شیڈول میں ہر ہفتے ایک گھر کا وزٹ مقرر کر رکھا ہے۔ چھان بین کر کے بہو کا انتخاب کرنا میرے فرائض کے زمرے میں آتا ہے۔ آخر بیٹے والی ہوں، سیکڑوں لڑکیاں دیکھنے کے بعد ہی ایک کو بہو بنانے کا میں اختیار رکھتی ہوں۔ اس پر تو میرا حق ہے ناں کہ اب تمہیں اس پر بھی اعتراض ہے؟" وہ تلملا کر بولیں۔

"سعد بیٹے...... مائیں تو اپنے لائق فائق، خوبرو اور تعلیم یافتہ بیٹے کو کیش کراتی ہیں۔ اسی میں ان کی عزت اور بڑائی ہے کہ بہو اپنے میکے سے کتنا کیش، پراپرٹی اور کس ماڈل کی گاڑی اپنے ساتھ لائی ہے۔ دولت میں ایسی کشش ہوتی ہے کہ وہ آس پاس کی دولت کو اپنی طرف کھینچ لاتی ہے۔ میں نے تو اپنی زندگی میں یہ ہرگز نہیں دیکھا کہ سکون کی دلفریب جھنکار اور نوٹوں کی... کڑکڑاہٹ نے کبھی کوڑے، کچرے کو اپنی طرف کھینچا ہو......" وہ الجھ کر نفرت آگیں لہجے میں بولیں۔

"میرے رب میری ممی کو نیک ہدایت عطا فرما...... اُف میرے خدایا...... ممی! اس قدر خود غرضانہ اور طمع سے بھرپور سوچ کی میں مذمت کرتا ہوں۔ ممی کاش میں آپ کا بیٹا نہ ہوتا...... میرا فخر تو آپ نے چکنا چور ہی کر دیا ہے۔" وہ تاسف بھرے لہجے میں اپنا سر پکڑ کر بولا۔ اسے ممی کے خیالات پر سخت افسوس ہو رہا تھا۔

"سعد یہ مت بھولو کہ تمہاری باتیں ادب کے خلاف ہیں۔ ذرا عقل سے کام لو...... میری بات اب غور سے سنو کہ کل تم میرے ساتھ رحیم صاحب کے دولت کدے پر لڑکی دیکھنے جا رہے ہو... اور اچھی طرح سن لو میرے جگر کے ٹکڑے...... خدمت کرنا...... میں تجھ پر واری جاؤں، لڑکی کو میں نے ایک شادی میں دیکھا تھا۔ قابلِ قبول ہی سمجھو...... ہمارے گھر میں خوب جچے گی۔" وہ ڈھٹائی سے بولیں۔

"ماشاء اللہ، دیکھو گے تو دنگ رہ جاؤ گے کہ کس شان و شوکت میں اس کی پرداخت ہوئی ہے۔"

"مثلاً آپ نے اسے قابلِ قبول کیسے سمجھ لیا؟ آپ کی پسند تو بیسیوں کیا سیکڑوں میں بھی ملنی مشکل ہی نہیں ناممکن تھی۔ یہ کیسے دل کو بھا گئی کہ جسے آپ نے اپنے بیٹے کے قابل سمجھ لیا ہے۔ کیا صرف پیسہ ہی جادو کر گیا ہے؟" وہ طنزیہ لہجے میں بولا تو ماں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے شگفتہ لہجے میں کہا۔

"سب سے پہلی خوشخبری کہ خوب بھاری بینک بیلنس کے ساتھ تمہاری زندگی میں شمولیت اختیار کرے گی۔ خاندان میں واہ، واہ ہو جائے گی۔ پیسے کے علاوہ بھی اس میں بے شمار خوبیاں ہیں۔ ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سنو...... جان میں نے اس کے بعد اس کی شخصیت کا جائزہ لیا۔ خوش لباس ہونے کے ساتھ بے حد سلجھی ہوئی اور کم گو لگی۔ تعلیم کم ہونے کے باوجود بہت سمجھدار بھی لگی۔ ہلکا سا نمکین رنگ اور خوب موٹی آنکھوں کی نیلاہٹ میں بہت پُرکشش دکھائی دے رہی تھی۔ اس کا لمبا قد تو میرے دل کو بھا گیا۔ تقریباً تمہارے برابر کی ہی ہوگی۔ لیکن ہڈیوں کا ڈھانچا ہے نہ ہی لکڑی کی سیڑھی بھرا ہوا تندومند جسم اس لمبے قد کے ساتھ اسے خوب زیب دے رہا تھا۔ یوں سمجھو کہ مثالی دلہن کہلائے گی جو تمہارے ساتھ جچ کر میرے رشتے داروں کے دلوں پر چھریاں چلانے کا کام کرے گی۔"

"یعنی موٹلی ہے، کالی اور اس پر ستم یہ کہ نیلی آنکھوں والی ہے۔ اور میرے برابر یعنی چھ فٹ دو انچ کی اونچی لانبی ممی میں تو آپ کو سلیوٹ کرتا ہوں اور ایوارڈ دیتا ہوں کہ واہ کیا حسینہ ڈھونڈ نکالی ہے آپ نے میرے لیے......؟ پرفیکٹ کپل کا ایوارڈ آپ کا بیٹا حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔" وہ طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔

"ہاں، ہاں سعد تم نے خوب سمجھا...... قسم سے خوش

قسمتی سے اسے فل پیکج سمجھو۔ بیٹا سعد، میں تمہاری ماں ہوں، تمہارے حال کی طرف سے فکر مند رہتی ہوں تو مستقبل کے روشن اور کامیاب ہونے کے بارے میں بھی تو ہر وقت سوچ بچار کرتی رہتی ہوں، غریب اور بھوکے گھر کی بہو لے کر آجاؤ تو وہ سسرال کے رزق سے اپنا میکا بھر ڈالتی ہے۔ ہمارا رزق بہت محنت کا حاصل ہے بیٹا...... شب و روز کی محنت کے بعد ہم یہ مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں، تم اپنی ماں کو جانتے ہو ناں کہ میں نے آج تک اپنی زندگی میں کبھی گھاٹے کا سودا نہیں کیا ......اب اپنے بچوں کی باری آئی ہے تو نقصان اٹھالوں......ایسا تو ہے ہی ناممکن ......کہ اس محنت سے بنائی ہوئی دولت کا رخ ایک جھونپڑی کی جانب کردوں۔ ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گی میں۔'' وہ سختی سے بولیں۔

''مجھے آپ کی ہمدردی اور مجھ سے بے تحاشا محبت کی سمجھ تو آتی ہے تو اسی کے تعلق اور رابطے سے ایک بار بانو کو تو دیکھ لیں۔'' وہ ملتجیانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''جہاں آپ نے بیسیوں لڑکیوں کو جانچا، دیکھا اور پرکھا ہے وہاں ایک اور سہی......اسے ٹھکرا بھی سکتی ہیں اور بڑھ کر گلے بھی لگا سکتی ہیں۔ دونوں پر آپ کو اختیار ہے ممی......''

''ہاں سعد......اس نظریے کے مطابق تو تم نے خاصی عقلمندانہ بات کی ہے۔ آج کل وہ جاب کہاں کر رہی ہے؟ ضرور باپ کی طرح کسی اسکول کی ٹیچر ہی ہوگی۔ اس طبقے کی سوچ کو نہ تو تعلیم بدل سکتی ہے نہ ہی خوش کن ماحول......خود سوچو کہ اس غلیظ .... کچرے میں سانس لینے والوں کی سوچ کیسی ہو سکتی ہے؟ گھٹیا ترین اور قابلِ مذمت و قابلِ ندامت......''

''ممی یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ ایسے ہی لوگ تو جب آگے بڑھتے ہیں تو پھر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے......ہاں مگر سبق ضرور حاصل کرتے ہیں۔ میں اس کے بارے میں فی الحال مزید کچھ بھی بتانا نہیں چاہتا۔ آپ اس سے ملنے کے بعد ہی تمام ادراک حاصل کر سکتی ہیں کہ وہ مڈل کلاس کی لڑکی آپ کی ہائر کلاس کی لڑکیوں کے مقابلے میں کیسی ہے؟ ممی میں نے بھی اپنی زندگی میں کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔ آخر بیٹا کس کا ہوں، ایک جہاندیدہ ماں کا......اپنے جیون ساتھی کا فیصلہ نہ تو سطحی ہوگا نہ ہی جذباتی......آپ مجھ پر مکمل بھروسا رکھیں۔'' وہ خوشامدانہ لہجے میں بولا۔

''آپ کو میری چوائس پر رشک آئے گا۔ آخر بیٹا تو اپنی اس دور اندیش اور دانشمند ماں کا ہی ہوں ناں......''

''یہ ہوئی ناں بات......تمہارا مشورہ قابلِ غور ہے......تمہیں سوچ کر بتاؤں گی کہ اسے کب دیکھا جائے۔ فی الحال تو اس کے فلیٹ میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔'' وہ سنجیدگی سے بولی اور ایک دم سے سوچوں میں گھر گئیں۔

''کس مصیبت اور امتحان میں گھر گئی ہوں کہ لاکھ کوشش کے باوجود اپنی ضد سے یہ باز نہیں آرہا۔ سعد تو میرا ایسا بیٹا تھا کہ کسی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا تو درکنار کسی کو گھاس نہ ڈالتا تھا۔ اس لڑکی میں ایسی کون سی خاصیت ہے کہ اپنی ضد پر اڑا ہوا ہے۔ سعد کی وہ ساری اکڑ، غرور اور نخرہ کہاں چلا گیا کہ ایک ایسی لڑکی کے گن گانے لگا ہے جو کسی صورت بھی ہمارے خاندان میں قابلِ قبول ہوگی نہ ہی قابلِ عزت سمجھی جائے گی۔'' وہ اسی ادھیڑ بن میں اپنے کمرے کی جانب چل دیں۔

☆☆☆

سعد اور بانو کریک کلب میں سمندر کے سامنے بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ محبتوں اور چاہتوں کے ہنڈولوں میں جھولے لیتے ہوئے وہ آکاش کی وسعتوں میں پہنچ چکے تھے۔ یک دم سعد نے موضوع بدلا۔

''بانو ایک بات کہوں؟''

''ہاں سعد......کیوں نہ کہو؟ ہم دل کی ہر بات ایک دوسرے سے شیئر کرتے ہیں، ایک دوسرے کے مسائل حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تم کہو کہ اب تمہاری ممی صاحبہ کیا فرماتی ہیں؟ یہی انکشاف کرنا چاہتے ہو ناں......''

''خوب سمجھی ہو......کافی سمجھدار ہوگئی ہو مابدولت کی کمپنی میں......فی الحال وہ تمہارے دیدار کے لیے رضا مند ہو چکی ہیں۔ اب یہ دھماکا کب ہوگا وہ یہ فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتی ہیں۔ محو انتظار ہوں اور تم بھی

میرے ساتھ شاملِ حال رہو......'' وہ تسلی بخش لہجے میں بولا۔ ''ایک بار وہ تمہیں دیکھ لیں، بشرطیہ تمہارا جلوہ برداشت نہیں کر پائیں گی اور گھٹنے ٹیک دیں گی میری خواہش اور پسند کے سامنے۔''

''چلو سعد یہ بھی دیکھ لیتے ہیں، مجھے ایسی خوش فہمی ہے نہ ہی میں پُر امید ہوں کیونکہ آپ کی کلاس میں تمام کاروبار ہی پیسے کا ہے۔ وہی قسمت کا دھنی سمجھا جاتا ہے۔ جس کا بینک بیلنس قارون کے خزانے کو بھر دے۔ لیکن آج میں تمہیں اپنے دل کی وہ بات بتاتی ہوں اور اپنی وہ سوچ شیئر کرنا چاہتی ہوں کہ ایک مخلص اور مربی دوست کو محض اس لیے کھو دیا جائے کہ وہ شادی کرنے سے قاصر ہے۔ اپنے خاندانی اصولوں اور روایات کو چھوڑ کر مجھے اپنا لینا، ضد اور ہٹ دھرمی ہے، یہ سراسر زیادتی ہے۔ تم بھی میری سوچ سے اتفاق کرو گے تو تمہاری زندگی آسان ہو جائے گی۔ تمہیں بیویاں تو بیسیوں مل سکتی ہیں لیکن میرے جیسی سچی لگن اور محبت کرنے والی دوست چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی۔ اس لیے مجھے کھونے کے بجائے مجھے اپنے قلب و ذہن میں محفوظ کر لو سعد......'' وہ خود اعتمادی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔ ''اس میں خسارہ ہرگز نہیں......بے حساب فائدہ ہی فائدہ ہے۔''

''سب جانتا ہوں میں......ایسے ہی تو تمہیں زندگی میں شامل نہیں کرنا چاہتا ناں تم میری زندگی کی وہ مشعل ہو......'' وہ مستحکم لہجے میں بولا۔ ''جسے حاصل کرنے میں ہی میری حیات ہے۔''

''لیکن مجھے اس نئے رشتے کی اتنی چاہ نہیں ہے۔'' وہ بے پروائی سے بولی۔

''تم حیران و پشیمان ہو کر دیکھنے لگے ہو، میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں سعد......میری مجبوری سمجھو اس لیے کہ ایسے رشتوں میں بہت جلد دراڑ آجاتی ہے۔ جسے خاندان قبول کرنے سے انکار کرے۔ وہ اس لڑکی کو عزت جیسی دولت دینے سے محروم رہتا ہے۔ تم جانتے ہو کہ میں دولت کی نہیں......عزت کی بھوکی ہوں۔ اپنے اجلے نام کی پذیرائی کی پیاسی ہوں جو تمہارے خاندان حاصل کرنا ناممکن ہے۔ میری غذا، پانی اور ہوا پران کا قبضہ میری حیات لے، لے گا سعد...... مجھے معاف کر دو......مجھے بخش دو......مجھے بیوی کے روپ میں دیکھنا چھوڑ دو......میں فقط اِک دوست ہوں۔''

''بانو......آج کیسی عجیب باتیں کر رہی ہو......مجھے لگتا ہے کہ تمہارا صبر جواب دے گیا ہے۔ لیکن میرے حوصلے اب بھی بلند ہیں۔'' وہ اضطراری کیفیت میں بولا۔

''وہ محبت ہی کیا جس میں آزمائش کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ وہ عشق ہی کیا جس میں دیوانگی نہ ہو......وہ دیوانگی ہی کیا جس میں ہوش و حواس معطل نہ ہوں۔''

''تم درست کہہ رہے ہو، میں تمہاری محبت کے لیول کو محسوس کرتی ہوں۔ تم بھی یہ تو جانتے ہو ناں کہ مجھے تم سے بے پناہ محبت ہے۔ لیکن میں نے کبھی اونچے خواب نہیں دیکھے کہ میں دولت مند اور مقتدرہ خاندان کی بہو... بن کر اس معاشرے میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں...... مجھے اپنے اسی علاقے سے بے پناہ پیار ہے۔ جس کا چپا، چپا ان ہاتھوں نے سنوارا ہے۔ میرا فلیٹ اور آس پاس رہنے والے مکینوں کی رہائش گاہیں ان محلات سے بڑھ کر وسیع و عریض ہیں کیونکہ وہاں حلال کمانے والوں کا بسیرا ہے۔ جب کہیں بھی دولت کی بہتات دیکھو تو سمجھ جاؤ کہ نہ جانے کتنے ہی حقدار لوگوں کے حقوق پر ڈاکا زنی کی گئی ہوگی، کتنے ہی حسین و پرامید خوابوں کو چکنا چور کیا گیا ہوگا......اور کتنی ہی زندگیوں سے سانس لینے کی سہولتیں چھین لی گئی ہیں، آئی ایم سوری سعد میں تاحیات بے حد محبت کرنے والی دوست کے رشتے میں ہمیشہ تمہارے سنگ چلتی رہوں گی۔ یہ رشتہ تو بہت پاکیزہ بھی ہے اور قابلِ فخر بھی......میں اسی رشتے کو رہتی دنیا تک ابدی بنانا چاہتی ہوں۔''

''بانو ایسی باتیں کر کے مجھے پریشان مت کرو...... بہ مشکل ممی کو منانے میں کامیاب ہوا ہوں۔ اب تم اِک غیر مناسب نئی سوچ پر کیوں چل نکلی ہو؟ میری مددگار بنو ناں کہ میرے رستے کی رکاوٹ بن جاؤ۔'' وہ تڑپ کر بولا۔

''میری یہ سوچ بہت پارینہ ہے......نئی تو ہرگز نہیں......میں نے اپنی کلاس فیلوز کو محبت کے زور آور

جذبات کی طاقت میں بڑے گھر کی بہو بنتے دیکھا ہے، ان سے میں نے یہ سبق سیکھا ہے کہ ہم جب اپنی حیثیت سے بڑے سپنے دیکھنے لگتے ہیں ناں تو اپنی ذات کو گہری کھائیوں کے حوالے کر دیتے ہیں......اور پھر وہاں سے نکلنا محال ہو جاتا ہے۔ میں اس گہری کھائی سے بچنے کے لیے حفظ ماتقدم کے طور پر ایک ایسے رشتے کا اقرار کر چکی ہوں جو میری بے حیثیت اور وقت کے لیے باکمال ثابت ہوگا۔'' وہ پُرامید لہجے میں بولی۔

''تم نے مجھے دھوکا دیا......فریب دیا......اور... پرچار کرتی ہو محبت کا...... وہ اس کی بات سن کر تھرا کر رہ گیا تھا۔

''مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی، اب بھی سوچ کو بدلنے کا وقت ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک دوسرے کے لیے نہ بنایا ہوتا تو ہمارا ملنا اتفاق ہوتا اور کب کا دنیا کے جھمیلوں کی نذر ہو چکا ہوتا......تم اپنے اقرار کو فوراً واپس لو ورنہ تمہیں میرا وہ روپ بھی دیکھنا پڑے گا جو تمہاری نگاہوں سے اوجھل تھا۔''

''سعد یقین جانو کہ میں نے تم سے شادی کا خواب نہیں دیکھا تھا۔ اِک بہترین دوست اور محبت کرنے اور اسے ہمیشگی دینے کا اِک خواب نہیں دیکھا تھا۔ اک بہترین دوست اور محبت کرنے اور اسے ہمیشگی دینے کا اک خوب صورت سپنا دیکھا تھا۔ میں تمہاری خواہش کا احترام کرتے ہوئے اس لیے خاموش رہ گئی کہ تم ہزار کوشش کرو تمہارے والدین تین کمرے کے فلیٹ سے ایک ٹیچر کی بیٹی کو اپنے محل کی زینت اور عزت بنانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے......تم ہار جاؤ گے کاوش کرتے۔ اس لیے اب تم اب کامرانی کی خوشیاں مناؤ۔ ڈھول بجاؤ اور کسی اپنے خاندان جیسے امیر گھرانے کی بیٹی سے اپنا جیون سکھ اور خوشی کے ہمراہ بتا دو......'' وہ پُرتسکین لہجے میں بولی۔

''ایسا نہیں ہو سکتا بانو......تم نے مجھے ٹھکرا دیا تو میں عمر بھر شادی نہیں کروں گا۔'' وہ تڑپ کر بولا۔

''ذرہ نوازی کا شکریہ...... آج شام اپنی ممی کو ہمارے غریب خانے کا دیدار کرا ہی دو جو جنت کا گہوارہ ہے۔ اینٹ بجری اور سیمنٹ کے گھر چھوٹے ہوں یا وسیع و عریض اسے جنت بنانے کے لیے ہم انسانوں کو ہی محنت کرنا پڑتی ہے۔ انہوں نے میری جنت کو پاس کر دیا تو پھر میں ان سے ملاقات کا شرف حاصل کروں گی۔ میرا تم سے وعدہ ہے۔''

''مجھے وعدہ منظور ہے بانو......انشاء اللہ میں اس امتحان میں بھی کامیاب رہوں گا۔''

''اللہ کرے ایسا ہی ہو......ہمیں گوشت پوست کا انسان سمجھ کر جو بھی فیصلہ ہوگا مجھے منظور ہے۔'' وہ مستحکم لہجے میں بولی تو سعد نے اس کی عظمت و بڑائی کو سلیوٹ کیا۔

☆☆☆

''ممی آپ اس قدر خاموش کیوں ہیں؟ وہاں تو آنٹی کے ساتھ خوب چہک رہی تھیں......اور بانو کے چہرے سے نظر ہٹانا مشکل لگ رہا تھا۔ ابھی گھر پہنچتے ہی کیا ان کی کم مائیگی کا احساس جاگ اٹھا ہے۔'' سعد نے فکر مندانہ لہجے میں پوچھا۔

''بیٹا ایسی بات ہرگز نہیں......تم نے غلط سوچ لیا ہے۔ دراصل میں اپنے اندر اِک خلا محسوس کرنے لگی ہوں، جانتے ہو وہ خلا کیا ہے؟ اور اس قدر جان لیوا ہے؟'' وہ سرد آہ بھر کر بولیں۔

''نہیں ممی ... میں نہیں جان پایا......آپ بتائیں۔'' وہ پُراشتیاق لہجے میں بولا۔

''ہم کس قدر دولت پرست لوگ ہیں کہ اس شے کی پوجا کرتے ہیں جو ہاتھوں کی میل ہے۔ اور اس اصل کو بھول جاتے ہیں جس کی حیات ابدی ہے۔ جو نسل در نسل منتقل ہوتی رہتی ہے۔ جسے زمانے کے جھکڑ، طوفان اور وقت کی آزمائشیں اور امتحان نہ کمزور کر سکتی ہیں نہ ہی ان پر دھول رک سکتی ہے۔ میرے بچے میری باتوں کو درگزر کر دینا۔ یہ سچ ہے کہ دولت کی چمک انسان کو اندھا اور اس کی جھنکار بہرہ کر دیتی ہے۔ مگر بیٹا تم نے مجھے اس قہر و ظلم سے محفوظ کر لیا۔ میرے اندر جو خلا تھا اسے تمہاری ثابت قدمی نے پر کر دیا، بیٹا اللہ تم دونوں کو سدا خوش رکھے......'' یہ سنتے ہی سعد نے ماں کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا تھا۔

دوستی ایسا ناتا

شمیم فضل خالق

میں اور شہاب آپس میں گہرے دوست تھے۔ یوں سمجھیں کہ ایک جان دو قالب تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ہماری دوستی کیسے شروع ہوئی تھی؟ میں نے تو جب سے شعور کی دنیا میں آنکھ کھولی تھی شہاب کو اپنے آس پاس دیکھا تھا اور شاید تب سے ہمارے درمیان دوستی کا لازوال رشتہ استوار ہو گیا تھا......ہمارے گھر پاس، پاس تھے۔ ہم دونوں ایک اسکول میں پڑھتے تھے، ایک ساتھ اسکول جاتے تھے، اسکول میں بھی ایک ساتھ رہتے اور گھر بھی ایک ساتھ آتے تھے۔ گھر آنے کے بعد ہمارا گھر میں ٹکنا محال تھا......کتابیں پھینک، پھینک کر کھانے کے نام پر دو چار نوالے حلق میں ٹھونس کر میں شہاب کے گھر جاتا اگر مجھے جانے میں تھوڑی دیر ہو جاتی تو وہ آ جاتا پھر ہم دونوں



کی بیرونی سرگرمیاں شروع ہو جاتیں...... شام کو کسی ایک کے گھر ہم دونوں مل کر اپنا ہوم ورک کرتے...... ٹی وی دیکھتے اور رات گئے ہم ایک دوسرے سے جدا ہوتے...... دونوں گھروں میں ہمارے آنے جانے پر کوئی پابندی نہیں تھی...... ہم دو بھائی اور دو بہنیں تھیں اور شہاب سے بڑی دو بہنیں تھیں...... مجھے اس کے گھر سے محبتیں ملتیں، اس کے ماں، باپ اور دونوں بہنیں مجھے شہاب کی طرح ہی ٹریٹ کرتیں۔ اسی طرح میرے والدین بھی شہاب کو میری جیسی محبت اور اپنائیت دیتے۔

وقت اپنی مخصوص چال لیے چل رہا تھا...... ہم اسکول سے کالج اور کالج سے یونیورسٹی آ گئے پھر ہم دونوں نے ایم بی اے کیا اور آج کل فارغ تھے اور جاب کا انتظار کر رہے تھے۔ اس دوران میں میرے اور شہاب دونوں کے حالات میں کوئی خاص تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی...... ہم دونوں کے گھر اسی پرانے محلے میں تھے اور مزید پرانے ہو گئے تھے۔ ہم دونوں کے والد اپنی، اپنی نوکریوں سے ریٹائر ہو گئے تھے۔ میرا بڑا بھائی ہمارے والد کی جاب پر لگ گیا تھا تو اس لیے حالات ویسے کے ویسے رہے تھے۔ شہاب اپنے والدین کا واحد بیٹا تھا اور اس کی ابھی نوکری بھی نہیں لگی تھی۔ والد بھی اس کے ریٹائر ہو گئے تھے لیکن گھر کے حالات پہلے جیسے ہی تھے۔ شہاب کی بڑی بہن کسی سرکاری اسکول میں ٹیچر تھیں دوسری بہن گھر میں ماں کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔ ہمارا مڈل کلاس طبقہ تھا جہاں سالوں سال گزر جاتے ہیں لیکن حالات میں کوئی خاص تبدیلی رونما نہیں ہوتی...... ہم دونوں کے گھرانے بھی کسی تبدیلی کے بغیر چل رہے تھے۔ ہاں ایک خاص بات ضرور تھی کہ گزرتے وقت نے میرے اور شہاب کی دوستی کو اور زیادہ مضبوط بنا دیا تھا...... ہم اب بھی ایک دوسرے کے بغیر ایک پل نہیں رہ سکتے اور اسی طرح آزادانہ ایک دوسرے کے گھر آیا جایا کرتے تھے...... اب ہمارا مقصد کوئی اچھی جاب ڈھونڈنا تھا اور اسی مقصد کے لیے ہم ساتھ، ساتھ سی وی دیتے...... انٹرویو کے لیے بھی ساتھ ہی جاتے لیکن تاحال ہمیں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

ان دنوں شہاب کی پھوپی آئی ہوئی تھیں ساتھ ان کی بیٹی شمائل بھی...... شہاب کی یہ پھوپی لاہور کے ایک کھاتے پیتے گھرانے میں بیاہی تھیں۔ ان کا ایک بیٹا وسیم اور ایک بیٹی شمائل تھی...... دونوں گھرانوں کی آپس میں بہت محبت تھی سو وہ اکثر بھائی کے گھر اپنے بچوں کے ساتھ رہنے آ جایا کرتی تھیں...... وسیم ہمارا ہم عمر تھا اور شمائل، وسیم سے چھوٹی تھی...... وسیم اکثر ماں کے ساتھ نہ آتا لیکن شمائل ضرور آتی...... سنہری بالوں اور بھوری آنکھوں والی شمائل ایک معصوم سی حسین لڑکی تھی...... میں شام کو جب شہاب کے گھر گیا تو اس کی پھپو پندرہ دن گزارنے کے بعد رات کی ٹرین سے اب لاہور واپس جانے کو تیار تھیں اور شہاب انہیں روکنے کی کوشش کر رہا تھا...... مجھے دیکھا تو فوراً بولا۔

''سعد...... تم ہی پھپو کو سمجھاؤ...... کہ کچھ دن اور رک جائیں ان کے جانے کے بعد تو گھر میں جیسے سناٹا اتر آتا ہے۔''

''ہاں پھپو...... شہاب ٹھیک کہتا ہے...... چند دن اور گزار لیں...... اس بار تو آپ ہمارے گھر بھی نہیں آئیں۔'' وہ جب بھی آتیں تو ہمارے گھر بھی ضرور آتیں۔

''ارے بیٹا......'' پھپو ہنس کر بولیں۔ ''ایک بار تمہاری ماں سے ملنے آئی تھی...... تم گھر پر نہیں تھے۔''

اتنے میں شہاب کی امی کچن کی طرف سے آئیں اور دوپٹے کے پلو سے ہاتھ پونچھتے ہوئے بولیں۔

''رک جاؤ ناں دردانہ...... بچے کتنا زور دے رہے ہیں۔''

بھابی...... دو ہفتے تو گزار لیے...... کل سے وسیم بار، بار کال کر رہا ہے...... وہ اکیلے بور ہو رہا ہے...... شمائل کے بھی چند دن بعد کالج کھل جائیں گے۔'' پھر وہ شہاب کو پیار کرتے ہوئے بولیں۔

''بیٹا...... تم اور سعد بھی چکر لگاؤ ناں لاہور کا...... تمہارے گھر والے تو کسی خاص موقع کے بغیر آتے ہی نہیں ہیں...... تم اور سعد ہی آ جاؤ...... ہماری بھابی تو گھر سے نکلتی ہی نہیں۔''

وہ پھر سے اپنے کام میں لگ گئیں...... میں اور شہاب بھی گھر سے باہر آ گئے...... شہاب کچھ، چپ چپ سا تھا۔ میں نے اسے چھیڑا۔

''کیا بات ہے شہاب...... پھپو کے جانے کا بہت غم ہے یا کوئی اور بات ہے......؟'' میں نے آنکھیں گول، گول گھماتے ہوئے شرارت سے کہا۔ ''میرا خیال

تھا کہ وہ پُرزور انداز میں میری بات کی تردید کرے گا...... لیکن ایسا نہیں ہوا...... وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر سنجیدگی سے کہنے لگا۔

''میں آج کل میں تمہیں یہی بات بتانے والا تھا۔''

''کیسی بات......؟'' میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''وہ...... یار...... دراصل...... مجھے شمائل سے محبت ہو گئی ہے۔'' وہ کچھ جھجک کر بولا تو میں بڑے زور سے اچھل پڑا۔ بے یقینی سے اسے دیکھا...... اور کتنی دیر دیکھتا رہا۔

''کیا دیکھ رہے ہو؟'' وہ قدرے شرما کر بولا۔

''اپنے یار کو دیکھ رہا ہوں...... جو ماشاء اللہ جوان ہو گیا ہے۔ اور لڑکیوں کو دانہ ڈالنے لگا ہے۔'' میں نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا تو وہ اسی سنجیدگی سے کہنے لگا۔

''نہیں یار...... تو غلط سمجھنے لگا ہے...... میں شمائل سے کوئی رابطے بڑھانے کے حق میں نہیں ہوں بلکہ سیدھے سبھاؤ اس کا ہاتھ مانگ کر اسے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔'' اس کی سنجیدگی دیکھ کر میں بھی سنجیدہ ہو گیا اور ہم اسی بارے میں بات چیت کرنے لگے۔

اس کے بعد ہماری باتوں میں شمائل کا ذکر بھی ہونے لگا تھا۔

''یار مجھے معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ کب شمائل میرے دل کے اندر گھس کر بیٹھ گئی۔ میں نے کوشش کی کہ اس کے متعلق اتنا نہ سوچوں لیکن مجھے نہ خود پر اختیار رہا نہ اپنی سوچوں پر...... میرے خیالوں اور خوابوں پر اسی کا قبضہ ہے اور مجھے اب اس کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔'' میں نے اسے ڈھیروں تسلیاں دیں...... لیکن سچ تو یہ تھا کہ شہاب بہت بدل گیا تھا۔ شمائل کی محبت نے اسے سرتاپا بدل دیا تھا وہ اب مجھ سے زیادہ تر شمائل کی باتیں کرتا رہتا...... اسے اب کسی اور بات سے کوئی سروکار نہ تھا۔

اس دن وہ صبح، صبح میرے گھر آ گیا اور چھوٹتے ہی بولا۔

''یار سعد...... رات سے مجھے ایک نئی الجھن نے گھیر لیا ہے۔''

''کیسی الجھن بھئی......؟'' میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''سعد...... تم تو جانتے ہو کہ شمائل کتنی حسین ہے، اچھا پڑھ رہی ہے، پھوپا کا اچھا خاصا بزنس بھی ہے۔''

''ہاں تو پھر......؟''

''میرا مطلب ہے کہ شمائل کا کسی اور جگہ رشتہ نہ طے ہو جائے...... ظاہر ہے اتنی خوبیوں والی لڑکی کے لیے رشتوں کی کیا کمی......''

''ہوں......'' میں پُرسوچ انداز میں ہنکارا بھرتے ہوئے بولا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو...... لیکن یہ تو کوئی فکر والی بات نہیں، تم خالہ سے بات کر لو کہ وہ تمہارے لیے رشتہ ڈال لیں۔''

''یہی تو مشکل ہے...... میں امی اور بابا جان سے بات نہیں کر سکتا......'' وہ سنجیدگی سے کہنے لگا۔

''لیکن کیوں شہاب......؟ ظاہر ہے ان دونوں کی انوالومنٹ کے بغیر تو کچھ نہیں ہو سکتا ناں......؟'' میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ہاں...... لیکن تم جانتے ہو...... میری دو بہنیں ابھی تک کنواری ہیں...... دونوں کے لیے امی اور بابا جان بہت فکرمند ہیں کہ دونوں کی عمر نکلی جا رہی ہے اور ڈھنگ کا کوئی رشتہ دستیاب نہیں...... تو میں ان حالات میں کیسے اپنی شادی کی بات کر سکتا ہوں...... امی اور بابا جان کو برا تو لگے گا ہی لیکن وہ مجھے خود غرض بھی سمجھیں گے کہ میری بہنوں کی عمر نکلی جا رہی ہے۔ لیکن مجھے ان کی فکر نہیں ہے اور اپنی شادی کی پڑی ہے۔''

اس کی بات بالکل صحیح تھی...... ہم کچھ دیر اسی بات پر سوچتے رہے لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے تو میں نے اسے کہا۔

''دیکھو اتنی جلدی تو ہم کسی حتمی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے...... یہ بہت اہم معاملہ ہے...... سو ہم کو سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا ہوگا...... جلدی کا فیصلہ شیطان کا ہوتا ہے...... ہم دونوں خوب سوچ سمجھ کر اس کا مناسب حل نکالیں گے......'' وہ میری بات سمجھ گیا...... بعد میں، میں کچھ گھریلو الجھنوں میں گھر گیا...... بڑے بھائی نے کوئی لڑکی پسند کی تھی جس سے وہ شادی کرنا چاہتے تھے جبکہ والدین اس کے خلاف تھے بس اسی بات کی وجہ سے گھر میں ہر روز معرکہ ہوتا...... گھر کا ماحول خراب ہو رہا تھا اور ہم بھی اس کی لپیٹ میں آ رہے تھے...... وقتی طور پر شہاب کے مسئلے کی طرف سے بھی میرا دھیان ہٹ گیا تھا۔ چند دنوں سے شہاب بھی نظر نہیں آیا تھا...... اس دن کئی دنوں کے بعد میں شہاب کے گھر جانے کا سوچ رہا تھا

کہ اچانک وہ آگیا...... اس کے چہرے پر دبے، دبے جوش کی سی کیفیت تھی اور یہ کیفیت تبھی ہوتی جب وہ مجھے کچھ بتانے کو بے چین ہوتا...... میں نے غور سے اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھا اور پوچھا۔

''کیا بات ہے شہاب...... تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟''

''ہاں......'' وہ میری بات ختم ہونے سے قبل بولا۔ ''میں نے اس مسئلے کا حل ڈھونڈ لیا ہے۔''

''اچھا......'' میں نے تعجب سے پوچھا۔ ''کیسا حل؟''

''دیکھو سعد...... تم میری بات غور سے سنو...... ہم دونوں یعنی میں اور تم لاہور جائیں گے پھپو کے گھر...... اور...... اور شمائل کا ہاتھ پھپو سے مانگیں گے۔''

''کیا...... کیا؟'' میں چیخ کر حیرت سے بولا۔ ''یعنی تم اپنا رشتہ خود مانگو گے؟''

''میں نہیں...... تم مانگو گے میرا رشتہ......''

''کک...... کیا...... کیا کہہ رہے ہو...... میں بھلا...... میں نے ایسے کام کب کیے ہیں شہاب......'' میں حیرت کی انتہاؤں پر تھا۔

''دوستوں کی خاطر وہ کام بھی کیے جاتے ہیں سعد جو بندے نے کبھی نہیں کیے ہوتے۔'' شہاب اطمینان سے بولا...... میں ہکا بکا منہ پھاڑے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی بات کو بڑھاوا دیتے ہوئے بولا۔

''میں نے بہت سوچا سعد...... اور اس نتیجے پر پہنچا کہ پھپو کوئی غیر تو نہیں ہیں...... ہم انہیں اعتماد میں لے سکتے ہیں...... اس طرح امی اور بابا جان کے سامنے میں شرمندہ ہونے سے بھی بچ جاؤں گا...... اور شمائل پر میرے نام کا ٹھپا بھی لگ جائے گا۔''

''لیکن شہاب......'' میں پریشان سا ہو کر بولا۔ ''یہ سب بڑوں کے کرنے کے کام ہیں...... کہیں کچھ غلط نہ ہو جائے...... یا پھر اگر تمہاری پھپو نے خالہ کو بتا دیا تو...... تو کیا ہوگا۔ اور میری میرے، امی، ابا تک بھی بات پہنچے گی......''

''اب تم بات کو الجھاؤ مت......'' وہ بگڑ کر بولا۔ ''پھپو ایسی نہیں ہیں...... تم انہیں سمجھا دو گے کہ یہ معاملہ امی اور بابا جان سے خفیہ رہے گا...... ویسے بھی وہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں بس تم لاہور جانے کی تیاری کرو......''

''اتنی جلدی......'' میں گڑبڑا کر بولا۔ ''شہاب...... گھر میں ٹینشن چل رہی ہے، میں چلا گیا تو اماں، ابا کو اچھا نہیں لگے گا۔''

''اور میں...... میرے اندر جو توڑ پھوڑ ہو رہی ہے...... کیا ایک دوست ہونے کے ناتے تم اس کا مداوا نہیں کرو گے......'' اس نے میری دوستی کو للکارا۔

''بس...... اب بہانے بنانے بند کر دو...... اور بیگ میں ایک دو جوڑے کپڑوں کے رکھ کر تیار ہو جاؤ...... ہم ابھی نکلیں گے......'' وہ مجھے کسی بھی بات کا موقع دیے بغیر بولا۔

اسی شام ہم ٹرین میں بیٹھے لاہور کی طرف رواں دواں تھے...... راستے میں ہم دونوں اسی مسئلے پر بات چیت کرتے رہے وہ مجھے سمجھا رہا تھا کہ پھپو سے کیسے بات کرنی ہے جبکہ لاکھ نڈر ہونے کے باوجود مجھے اس مسئلے پر بات کرنی مشکل لگ رہی تھی لیکن شہاب مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز تھا اور اس کی زندگی بنانے کے لیے میں ایسے بہت سارے رسک لے سکتا تھا...... رات گئے ہم لاہور پہنچے اور جب ٹیکسی پھپو کی کوٹھی کے سامنے رکی تو مجھے سچ مچ کی گھبراہٹ نے آگھیرا۔

پھپو ہمیں دیکھ کر بہت حیران ہوئیں پھر بے انتہا خوش بھی ہوئیں اور کھنکتے ہوئے لہجے میں بولیں۔

''ارے...... یہ آج دو، دو چاند کیسے میرے گھر میں اتر آئے ہیں۔''

''بس پھپو...... یوں سمجھیے کہ آپ کی یاد بھی آرہی تھی اور فارغ بھی تھے سو پروگرام بنا لیا آنے کا......'' شہاب پھپو کے گلے لگ کر بولا۔

''تم لوگوں نے بہت اچھا کیا...... اب میں جلدی نہیں جانے دوں گی۔'' پھپو ہنس کر بولیں۔ پھوپا بھی بڑی محبت اور گرمجوشی سے ملے...... وسیم جو ہمارا ہم عمر تھا ہم سے مل کر بہت خوش ہوا...... اور مختلف جگہوں پر جانے کے پروگرام بنانے لگا۔ شمائل کالے اور سرخ رنگ کے امتزاج سے بنے لباس میں بہت حسین لگ رہی تھی...... وہ بار، بار شہاب سے کہہ رہی تھی۔

''اگر آپ کے ساتھ نوشی باجی اور عائزہ باجی بھی آجاتیں تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی۔''

''اور اگر میرے بھیا اور بھابی بھی آجاتے تو مجھے اور خوشی ہوتی۔'' پھپو ہنس کر بولیں۔

''گویا ہمارے آنے کی خوشی صرف وسیم کو ہوگی اور

کسی کو نہیں......'' شہاب کی مزاحیہ انداز میں کہی بات پر سب نے قہقہہ لگایا۔

''نہیں...... شہاب تم تو میرے دل کا ٹکڑا ہو...... اور سعد بھی میرے دل کے بہت قریب ہے...... تم دونوں کے آنے کی خوشی تو بہت زیادہ ہے لیکن تم دونوں کے گھر کے باقی لوگ بھی آجاتے تو یہ خوشی دوبالا ہو جاتی...... خیر...... پھر سہی......'' پھر وہ بولیں۔ ''اچھا تم دونوں کمرے میں جا کر فریش ہو جاؤ...... میں کھانا، چائے سب اکٹھا میز پر لگواتی ہوں۔''

ہم دونوں گیسٹ روم میں آگئے...... نوکر ہمارے بیگز پہلے ہی وہاں رکھ گیا تھا...... پھپو کی یہ چھوٹی سی کوٹھی لاہور کے دل گلبرگ میں واقع تھی۔ کوٹھی بہت آراستہ و پیراستہ تھی...... ہر کمرا دوسرے سے بڑھ کر تھا...... آرائش کی ساری چیزیں بہت قیمتی تھیں۔ فرنیچر لاکھوں کی مالیت کا تھا۔ ہر کام کے لیے الگ، الگ نوکر تھے۔ گیسٹ روم میں استعمال کی تمام ضروری اشیا تھیں اور ہر چیز ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ واش روم صاف ستھرا جگمگ کر رہا تھا اور اس میں ضرورت کی ساری اشیا موجود تھیں۔ میں حیران ہونے کے ساتھ، ساتھ پریشان بھی ہو گیا تھا۔ شہاب اور شمائل کے طرزِ زندگی میں واضح فرق تھا۔ ہم مڈل کلاس طبقے سے تعلق رکھتے تھے جبکہ وہ اعلیٰ سوسائٹی کے رہن سہن کے عادی تھے...... اس کے علاوہ شہاب کو ابھی جاب بھی نہیں ملی تھی اور اگر جاب مل بھی جاتی تو اس سے کیا ہوتا...... وہ جاب ہرگز ایسی نہیں ہوتی جس سے وہ شمائل کو ایسی زندگی دیتا جس کی وہ عادی تھی...... میں سوچنے لگا کہ اگر ان سب باتوں میں کوئی حوصلہ افزا بات تھی تو یہ کہ شہاب کی پھپو اپنے بھائی اور اس کے سارے گھرانے سے محبت کرتی تھیں اور شاید اسی محبت کے طفیل وہ شہاب کا رشتہ شمائل کے لیے قبول کرلیں۔

☆☆☆

اگلا سارا دن وسیم ہمیں لاہور کی مشہور جگہوں پر پھراتا رہا اس نے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ہمیں کھانا کھلایا۔ وسیم انجینئرنگ کر چکا تھا اور آج کل ایک سرکاری ادارے میں جاب کر رہا تھا۔ لیکن اس دن اس نے چھٹی کی اور سارا دن ہمیں سیریں کرواتا رہا...... اس رات جب ہم اپنے کمرے میں تنہا ہوئے تو شہاب بولا۔

آؤ کہ ہم

سنو
آؤ کہ ہم
اس راہ سنگ چلیں
جہاں دکھ کا کوئی پتا
اداسی کا کوئی چہرہ
ویرانی کا کوئی راستہ نہ ہو
جہاں ہمارے سنگ
خوشیاں ہوں
آؤ کہ موروں کے سنگ چلیں
جھومیں ہم
ہر قدم پر ناچیں
آؤ ساز کے سنگ
سوز میں ڈوبیں
بیتے لمحوں کو یاد کریں
رو کر ہنسیں
آؤ کہ ہم
بس اب ہم خوشیاں منائیں

کاوش، نرمین سرھیو، سندھ

''یار سعد...... تم جانتے ہو ہم یہاں سیریں کرنے نہیں آئے بلکہ ایک خاص مقصد سے آئے ہیں۔ مجھے بہت بے چینی ہو رہی ہے...... تم جلد سے جلد پھپو سے بات کرلو......''

''میری کوشش ہوگی کہ کل ہی بات کرلوں...... ذرا ماحول بھی تو سازگار ملے۔'' میں نے اسے تسلی دی لیکن مجھے یہ بات بڑی عجیب لگ رہی تھی کسی ماں سے اس کی بیٹی کے متعلق ایسی بات کرنا...... مجھے کچھ توہین آمیز لگ رہی تھا...... لیکن شہاب عشق کی ایسی اسٹیج پر تھا کہ اسے کچھ سمجھایا نہیں جا سکتا تھا سو میں دل ہی دل میں اس امتحان سے گزرنے کے لیے خود کو تیار کرنے لگا۔

اگلے دن خاصی سردی پڑ رہی تھی...... پھپو دھوپ

میں کرسی پر بیٹھی کینو چھیل کر کھا رہی تھی انہوں نے نوکر کو ہمیں بلانے کے لیے بھیجا...... شہاب مجھ سے کہنے لگا کہ بس یہی موقع ہے پھپو سے بات کرنے کا...... پھپا اور وسیم اپنے کام کے چلے گئے تھے...... شمائل کالج گئی ہوئی تھی...... پھپو تنہا تھیں میں لان میں آ گیا...... شہاب جان بوجھ کر کمرے میں رہ گیا۔ پھپو میری طرف کینو کی پلیٹ بڑھاتے ہوئے بولیں۔

''اس سال لاہور میں بہت سردی پڑ رہی ہے ورنہ لاہور کا موسم بڑا معتدل رہتا تھا۔''

''جی پھپو......'' میرا دل دھڑ، دھڑ کر رہا تھا لگتا تھا جیسے دل سینے کے بجائے کانوں میں دھڑک رہا ہو...... میں مردہ ہاتھوں سے کینو چھیل رہا تھا۔

''شہاب نہیں آیا۔ کیا کر رہا ہے کمرے میں؟'' وہ پوچھنے لگیں۔

''پھپو...... مجھے آپ سے ایک ضروری بات کہنی ہے۔'' میں اپنے دھڑ دھڑ کرتے دل کو قابو میں کرتا ہوا بولا۔

''ہاں...... ہاں...... کہو......'' وہ بڑے اچھے موڈ میں کینو کی قاش منہ میں رکھتے ہوئے بولیں۔

''وہ...... میرا مطلب ہے...... مجھے شہاب کے بارے میں کچھ بات کرنی ہے۔'' میں نے دل کڑا کر کے کہہ ہی دیا۔

''شہاب کے بارے میں؟'' وہ بڑی شدت سے چونکیں...... ''شہاب کے بارے میں کیا بات کرنی ہے؟'' وہ ذرا الجھ گئیں۔

میں کچھ دیر خاموش رہا...... سوچتا رہا...... لیکن بات تو کرنی تھی سو رک، رک کر دھیمے لہجے میں بولا۔

''وہ...... شہاب شادی کرنا چاہتا ہے۔''

''کیا......؟'' وہ حیران نظروں سے مجھے دیکھنے لگیں...... پھر بے اختیار ہنس پڑیں۔

''اب سمجھی...... شہاب چاہتا ہے کہ میں اس کی سفارش کر دوں...... بھیا اور بھابی سے...... یہی بات ہے ناں......؟'' وہ مجھ سے اپنی کہی بات کی تصدیق چاہنے لگیں۔

''نہیں......'' میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ایسی بات نہیں ہے۔''

''کیا......؟'' ان کی ہنسی کو اچانک بریک لگ گیا...... ''اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر کیا بات ہے؟'' ان کی حیرت میں اضافہ ہو گیا تھا میرا شدت سے دل چاہ رہا تھا کہ میں ساری بات ادھوری چھوڑ کر یہاں سے بھاگ جاؤں...... وہ مجھے الجھی نظروں سے دیکھ رہی تھیں لیکن مجھے بات تو بہرحال کرنی تھی اور ہر حال میں کرنی تھی...... سو میں بہ مشکل خود کو بات کرنے کے لیے آمادہ کرتے ہوئے بولا۔

''پھپو...... شہاب...... دراصل شہاب، شمائل سے شادی کرنا چاہتا ہے۔'' میں اب نظریں نہیں اٹھا پا رہا تھا میں نیچے گھاس کو گھور رہا تھا...... مجھ میں ہمت نہیں تھی کہ میں نظریں اٹھا کر پھپو کو دیکھتا...... لیکن جب پھپو کی خاموشی بہت زیادہ طویل ہونے لگی تو میں نے ڈرتے، ڈرتے نظریں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تو ان کا رنگ ہلدی کی طرح پیلا پھٹک ہو گیا تھا اور جانے وہ ضبط کی کن، کن منزلوں سے گزر رہی تھیں۔ میں نے معاملے کی وضاحت ضروری سمجھی تو جلدی سے کہنے لگا۔

''دراصل پھپو...... شہاب نے اس ڈر سے اپنے والدین کو نہیں بتایا کہ ابھی اس کی بہنوں کی شادیاں نہیں ہوئیں۔ کہیں اس کے والدین اسے خود غرض نہ سمجھیں کہ بہنوں سے زیادہ اسے اپنی شادی کی فکر ہے جبکہ دوسری طرف اسے یہ خدشہ بھی تھا کہ لاعلمی میں آپ کہیں شمائل کا رشتہ کہیں اور نہ طے کر دیں۔''

''شہاب کے پھوپا نے شمائل کا رشتہ اپنے بھائی کے بیٹے سے طے کر رکھا ہے...... اگرچہ باقاعدہ منگنی وغیرہ تو نہیں ہوئی لیکن دونوں بھائیوں کے درمیان بات پکی ہو گئی ہے...... اور تم جانتے ہو کہ ساری بات زبان کی ہوتی ہے...... یہ بات شہاب کو بھی سمجھا دینا۔'' پھپو میری بات کاٹ کر بولیں۔

وہ مزید کچھ کہنے بنا اٹھ کھڑی ہوئیں اور اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں...... لیکن ان کی بات سے مجھے ایسے لگا جیسے بم کا گولہ کسی نے میرے سر پر پھوڑ دیا ہو...... میں حواس باختہ سا بیٹھے کا بیٹھا رہ گیا۔ میرے وجود نے جیسے ہلنے جلنے سے انکار کر دیا تھا...... میرا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ شہاب سے میرا سامنا ہو لیکن ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔ شہاب سے نہ صرف میرا سامنا ضروری تھا بلکہ یہ کونین سے زیادہ کڑوی بات بھی اس کے کانوں میں انڈیلنی تھی...... اور یہ کام مجھے ہی کرنا تھا۔ شہاب کمرے

میں ٹہل، ٹہل کر بے چینی سے میرا انتظار کر رہا تھا۔ مجھے دیکھا تو لپک کر میرے پاس آیا۔ بے چینی اس کے سارے وجود سے عیاں تھی۔

''کیا ہوا...... پھپو نے کیا کہا؟'' میرے چہرے پر اس کی نظریں پڑیں تو وہ بدک کر پیچھے ہٹ گیا اور مردہ لہجے میں بولا۔

''کیا...... کیا...... پھپو نے انکار کر دیا......'' اور تب میں نے اسے ساری بات بتا دی۔

''نہیں...... ایسا نہیں ہو سکتا...... شمائل میری ہے صرف میری...... میرے جیتے جی اسے مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا......'' وہ وحشت زدہ انداز میں بولا۔

''شہاب......'' میں نے اسے سنبھالتے ہوئے نرمی سے کہا۔ ''بعض چیزیں قسمت میں نہیں ہوتیں...... شادی کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے...... جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں...... شمائل کے ساتھ تمہارا جوڑا اللہ نے نہیں بنایا ہوگا۔''

''بکواس مت کرو......'' وہ مجھ پر چڑھ دوڑا...... ''اگر اس کا جوڑ خدا نے میرے ساتھ نہیں بنایا تو میرے دل میں اس کی خواہش، اس کی محبت کیوں پیدا کی......؟'' وہ دھاڑ کر بولا۔

''چلو اٹھو...... ہم اسی وقت واپس جائیں گے......'' وہ بیگ میں کپڑے ٹھونستے ہوئے بولا۔

''ہاں شہاب...... لیکن ہمیں پھپو سے تو اجازت لینی چاہیے......'' میں اسے روکتے ہوئے بولا لیکن اس پر جیسے ایک جنون سا سوار ہو گیا تھا، اس کے چہرے اور آنکھوں کا رنگ لال شربتی ہو گیا تھا۔

''اگر تم نے ٹھہرنا ہے تو ٹھہر جاؤ...... میں اب ایک سیکنڈ بھی یہاں نہیں گزاروں گا۔'' وہ بیگ کندھے پر لٹکا کر تیزی سے گھر سے نکل گیا میں بادلِ ناخواستہ اس کے پیچھے، پیچھے پھپو کے گھر سے نکل آیا۔ سارے راستے میں اسے سمجھاتا رہا...... اسے تسلیاں دیتا رہا۔ وہ میری باتیں کیا سنتا وہ تو جیسے اپنے حواسوں میں نہیں تھا...... میں اس کی عشق کی شدت دیکھ کر حیران تھا...... وہ ایسا تو نہیں تھا وہ تو ایک معصوم سا اپنے آپ میں مگن رہنے والا بندہ تھا۔ لیکن یہ محبت کیا چیز ہوتی ہے جو بندے کو حال سے بے حال کر دیتی ہے۔ جیسے تیسے سفر گزرا اور میں اسے اس کے گھر دروازے پر چھوڑ کر اپنے گھر آ گیا۔ اماں، ابا کے چھوٹے، بڑے کاموں نے کچھ دن مصروف رکھا لیکن مجھے ہر آن شہاب کی فکر ستاتی رہی۔ دوسرے مجھے یہ بھی فکر تھی کہ کہیں پھپو نے شہاب کے گھر میں کچھ کہہ نہ دیا ہو...... آخر ہم ان سے ملے بغیر آ گئے تھے جو سیدھے سبھاؤ بدتمیزی کے زمرے میں آتا تھا لیکن ایسا تو کچھ نہ ہوا لیکن شہاب کے بہت بیمار ہونے کا عندیہ آ گیا۔ میں گھبرا کر سب چھوڑ چھاڑ حواس باختہ سا شہاب کے گھر میں گھسا تو اس کی ماں کو روتا پا کر میرے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے...... اس کی بہنیں الگ ہراساں سی کھڑی تھیں۔

''شہاب کو کیا ہوا خالہ؟'' میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

''ہونا کیا ہے بچے......'' وہ دوپٹے کے پلو سے اپنے آنسو پونچھتی ہوئی بولیں۔ ''جب سے لاہور سے آیا ہے...... بس بستر کا ہو کر رہ گیا ہے۔ بخار اس کی جان ہی نہیں چھوڑ رہا......''

میں خالہ کو کوئی جواب دیے بغیر تقریباً دوڑتا ہوا شہاب کے کمرے میں داخل ہو گیا تو شہاب اٹوائی کھٹوائی لیے بستر پر پڑا تھا...... میں اس کی حالت دیکھ کر سکتے میں آ گیا...... وہ بخار میں تپ رہا تھا اور بہت کمزور لگ رہا تھا...... میں نے بے چینی سے اسے آوازیں دینی شروع کیں تو اس نے بڑی دقت سے آنکھیں کھولیں اور خالی، خالی نظروں سے مجھے دیکھنا شروع کیا...... میں نے اس کے ماتھے پر اپنا ہاتھ رکھا تو وہ آگ کی طرح جل رہا تھا...... میں حد سے زیادہ گھبرا گیا اور شہاب کو لے کر فوراً اسپتال کی طرف دوڑا...... وہاں سارا دن میں اسے ٹسٹوں کے پیچھے اور ایک ڈاکٹر سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے کے پیچھے دوڑتا رہا، وہ تو بخار سے بے حال تھا میں اسے وھیل چیئر پر لے کر گھومتا رہا...... آخر کار ڈاکٹروں نے اسے ایڈمٹ کرنے کا فیصلہ کر لیا...... رات کو بھی میں اس کی پٹی سے لگا بیٹھا رہا اور خالہ اور خالو کو زبردستی گھر بھیج دیا...... اس کا بخار کسی طرح نیچے نہیں آ رہا تھا...... رات کے کسی پہر وہ کمزور آواز میں مجھ سے کہنے لگا۔

''مجھے گھر لے جاؤ سعد...... تم جانتے ہو کہ میرا علاج ان ڈاکٹروں کے پاس نہیں...... مجھے گھر میں سکون سے مرنے دو......'' میں اس کی بات پر بھڑک اٹھا۔ پہلے تو اسے خوب بری بھلی سنائیں پھر اسے سمجھانے لگا کہ وہ

اپنی جان کو ایک لڑکی کے پیچھے گنوا رہا ہے، آخر وہ اتنا کمزور کیسے پڑ گیا...... وغیرہ...... وغیرہ۔

وہ آنکھیں بند کیے میری باتیں میری نصیحتیں سنتا رہا اور اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں بولتے، بولتے تھک گیا تو خود ہی چپ ہو گیا۔ لیکن میں نے دل میں ایک فیصلہ کر لیا تھا اور اگلے دن اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے تیار ہو گیا۔

اگلے دن میں نے شہاب کی دیکھ بھال کے لیے خالو کو بلایا اور خود ایک ضروری کام کا بہانہ بنا کر اسپتال سے نکل آیا...... اسپتال سے نکل کر میں سیدھا ریلوے اسٹیشن گیا اور لاہور جانے والی ٹرین کے لیے ٹکٹ لے لیا۔ میرے کپڑے ملگجے تھے، جیب میں پیسے بھی کم تھے لیکن میں گھر جانے کا تردد کر کے وقت ضائع نہیں کر سکتا تھا سو میں نے کسی بات کی پروا نہیں کی...... بھوک بھی لگی تھی کل سے ایک نوالہ تک میرے منہ میں نہیں گیا تھا...... دراصل شہاب کی حالت دیکھ کر میری اشتہا ہی ختم ہو گئی تھی...... اب ٹرین کے باہر پیالیوں کی ٹک، ٹک اور پراٹھوں کی سوندھی، سوندھی خوشبو نے مجھے احساس دلا دیا تھا کہ میرا پیٹ بالکل خالی ہے لیکن میں اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ جیب میں جو تھوڑے بہت پیسے تھے وہ ناشتے پر لٹا دیتا سو دل مسوس کر رہ گیا...... ٹرین کب روانہ ہوئی...... میں کب اس میں بیٹھا اور کب ٹرین لاہور پہنچی...... مجھے اپنی پریشانی میں پتا ہی نہیں چلا...... لیکن جب میں نے رکشے والے کو پیسے دے کر فارغ کیا اور پھپو کے گیٹ کے سامنے رکا تو گھبراہٹ اور پریشانی نے مجھے بری طرح اپنے گھیرے میں لے لیا۔

''کیا پتا پھپو میری بات نہ سمجھیں اور مجھے دھکے دے کر نکال دیں تو شہاب کی زندگی کی کیا ضمانت ہوگی اگر پھپو نہ مانیں تو...... کیا میرا عزیز از جان دوست مر جائے گا......'' میرا دل جیسے کسی نے زور سے دبوچا...... اس خیال کے ساتھ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا اور قدم لڑکھڑانے لگے...... میں نے خود میں ہمت پیدا کی اور اطلاعی گھنٹی پر ہاتھ رکھ دیا۔ کچھ وقفے کے بعد نوکر باہر آیا تو میں نے کہا۔ ''مجھے پھپو سے ملنا ہے۔'' نوکر مجھے پہچان گیا ابھی کچھ دن پہلے تو ہم رہنے کے لیے آئے تھے...... وہ مجھے سیدھا لاؤنج میں بٹھا کر پھپو کو خبر کرنے چلا گیا...... کچھ دیر بعد پھپو آ گئیں۔

''سعد...... تم......؟'' ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں...... ''شہاب کہاں ہے؟ وہ تمہارے ساتھ نہیں آیا۔''

''پھپو...... شہاب بہت بیمار ہے......'' میں پھوٹ، پھوٹ کر روتے ہوئے بولا...... ''وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں ہے۔''

''کک...... کیا......؟'' پھپو کا چہرہ یک بیک پیلا پڑ گیا...... ان کے ہونٹ لرزنے لگے...... ''کیا کہہ رہے ہو؟''

''میں سچ کہہ رہا ہوں پھپو...... وہ اسپتال میں ایڈمٹ ہے...... ڈاکٹرز کوئی امید افزا بات نہیں کر رہے۔''

''نہیں سعد نہیں...... ایسا مت کہو......'' وہ رو کر بولیں۔ ''میرے بھائی کے آنگن کا پھول ہے وہ...... بھائی، بھابی کی امیدوں کا مرکز ہے...... ان کے بڑھاپے کا سہارا ہے۔'' میں اور پھپو جب جی بھر کر رو چکے تو انہوں نے مجھ سے پوچھا۔

''لیکن شہاب اتنا اچانک کیسے اس قدر سیریس بیمار ہو گیا۔'' ان کی بھیگی آنکھوں میں شدید حیرت تھی۔

''پھپو...... آپ کے جواب نے اس سے زندہ رہنے کی امنگ چھین لی۔'' میں کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر بولا۔

''مم...... میرا جواب؟'' وہ اب بھی حیران پریشان تھیں۔

''ہاں پھپو...... وہ شمائل کو بے اندازہ چاہتا تھا۔ وہ کسی اور کی ہو جائے...... یہ وہ برداشت نہ کر سکا...... اور بستر کا ہو کر رہ گیا۔ پھپو......؟'' میں صوفے سے اٹھ کر ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

''شہاب کو آپ ہی بچا سکتی ہیں...... اپنے بھائی کے گھر کا یہ واحد چراغ آپ ہی گل ہونے سے بچا سکتی ہیں۔''

''مم...... میں......؟'' پھپو کی حیرت زدہ آواز میں لرزش تھی۔

''ہاں پھپو...... آپ......'' میں ان کے پیروں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے گلوگیر آواز میں بولا۔

''پھپو...... شمائل کو شہاب کی زوجیت میں دے دیجیے...... شہاب اسے بہت خوش رکھے گا...... شہاب کے پاس دولت کی کمی ضرور ہے لیکن شمائل کو شہاب کے گھر میں محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ملے گا...... شہاب کی بے پناہ محبت کے ساتھ، ساتھ اسے اپنے ماموں، ممانی کا پیار

اور ماموں زاد بہنوں کا خلوص اور ساتھ بھی ملے گا۔ اور شہاب پڑھا لکھا ہے اسے جلد ہی اچھی جاب بھی مل جائے گی۔ شمائل کو کوئی مسئلہ نہیں ہوگا اس گھر میں...... دوسرے آپ کی ریلیشن شپ بھی اس رشتے سے اور مضبوط تر ہو جائے گی۔''

''لیکن سعد...... شمائل کی بات طے ہو چکی ہے اور وہ بھی اس کے تایا کے گھر......'' پھپو کے لہجے میں گہری تشویش تھی...... ''تمہارے پھوپا کیا مان جائیں گے؟''

''ان کو منانا تو آپ کا کام ہے پھپو...... فی الحال تو مجھے اس خوشی سے سرشار ہونے دیجیے کہ آپ مان چکی ہیں۔'' میں بشاش لہجے میں بولا لیکن ان کے چہرے پر اب بھی تشویش کے آثار تھے اور ان کے ہونٹ آپس میں ایسے بھنچے ہوئے تھے جیسے مسکرانے کے فن سے نا آشنا ہوں...... اس دوران نوکر چائے اور دوسرے لوازمات ساتھ لے آیا تو میں نے پیٹ بھر کر ناشتا کیا...... اس دوران پھپو گہری سوچ میں بیٹھی رہیں، میں نے بھی انہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا...... پیٹ پوجا کے بعد میں نے ان سے اجازت چاہی تو وہ حیران ہو کر بولیں۔

''اتنی جلدی...... ابھی تو آئے ہو......؟''

''ہاں پھپو...... لیکن شہاب اسپتال میں ہے...... میں خالو کو بٹھا کر آیا ہوں...... بس آپ میری بات کو ہلکا نہ لیجیے کہ یہ شہاب کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔''

سارے راستے میرا دل اچھے اور برے خیالوں کی آماجگاہ بنا رہا...... جانے کیا ہوگا...... میری اس جرأت کو پھپو اچھی نظر سے دیکھتی ہیں یا بری نظر سے...... دل میں بہت سے وسوسے آتے رہے...... راستہ بھی بہت لمبا تھا سوچوں نے مجھے آدھ موا کر رکھا تھا لیکن جب میں دھڑکتے دل اور لرزتے قدموں سے اسپتال پہنچا تو شہاب کی امی سامنے ہی برآمدے میں کھڑی تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی وہ لپک کر میرے پاس آ گئیں...... ان کا چہرہ مارے خوشی کے چمک رہا تھا مجھے دیکھتے ہی وہ دبے دبے جوش سے بولیں۔

''کہاں غائب ہو گیا تھا تو...... شہاب بار، بار تجھے یاد کر رہا ہے۔''

''کیا شہاب...... میرا مطلب ہے...... کیسا ہے وہ......؟'' میں گھگیا کر بولا۔

''ارے اس نے تو اب ٹھیک ہی ہونا ہے۔'' وہ چہک کر بولیں۔

''کیا مطلب......؟'' میں بری طرح چونک اٹھا۔

''ارے...... اس کی پھپو نے فون کر کے کہہ دیا ہے کہ اس نے شمائل کا رشتہ شہاب سے طے کر دیا ہے...... وہ دونوں یہاں آنے کے لیے تیار ہیں...... شہاب کو یہ خوش خبری سنا دی گئی تو بس...... اس کی بیماری تو ایسی اڑنچھو ہو گئی کہ ڈاکٹر تک حیران ہیں۔''

''کک...... کیا......؟'' میرے منہ سے مسرت بھری چیخ نکلی اور میں قلانچیں بھرتا ہوا شہاب کے کمرے تک جا پہنچا...... شہاب واقعی بالکل صحت مند تھا...... مجھے دیکھا تو اپنے بازو پھیلائے میں اس کے بازوؤں میں سمٹ گیا۔

''دیکھا...... دیکھا میرے جذبوں کی سچائی کو...... اب تو مان گیا ناں میری محبت کو...... سچا پیار کیا ہوتا ہے...... تو سمجھ گیا ناں......'' وہ میرے کانوں میں دھیرے، دھیرے بول رہا تھا۔

''ہاں...... بالکل سمجھ گیا......'' میں رندھے ہوئے لہجے میں بولا...... کمرے میں جیسے خوشیاں سمٹ آئی تھیں میں چپکے سے باہر آ گیا اور اسپتال کے لان میں ایک درخت کے نیچے بینچ پر بیٹھ کر سوچنے لگا...... شمائل کو دیکھ کر میرے دل نے بھی خواب بنے تھے، مجھے پہلی بار معلوم ہوا تھا کہ محبت کسے کہتے ہیں لیکن شاید دوستی وہ جذبہ ہے جو محبت سے زیادہ قوی ہے...... شہاب کی حالت دیکھ کر میں خود اپنی محبت کو بھول گیا اور بس یہ یاد رکھا کہ شہاب کو اس کی محبت دلوانی ہے...... اپنی محبت پر دل ہی دل میں فاتحہ پڑھی تو آنکھوں سے بے اختیار آنسو ابل پڑے۔

ایک آنٹی جانے کب سے مجھے دیکھ رہی تھیں مجھے روتے دیکھا تو میرے پاس آ کر پوچھنے لگیں۔

''بیٹا کوئی مر گیا ہے کیا......؟''

''ہاں آنٹی...... محبت مر گئی ہے۔'' میں نے سر اٹھا کر دکھ سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

اُن کے حیران چہرے پر دوسری نظر ڈالے بغیر میں نے اپنے آنسو پونچھے اور دل میں عہد کیا کہ یہ شمائل کی یاد میں میرے آخری آنسو ہوں گے۔

▼▼▼

ناولٹ

دریار

بنتِ سحر



رابو اداس ہوگئی تھی...... بے چاند سا وجود............

بے چاند شب پر نینوں میں دیپک جل اٹھے تھے۔ لاج کی ڈلی آن کی آن میں ہی قندھاری انار ہوگئی تھی۔ کھڑکیوں سے بیرن ہوا نے کمرے کے اندر جھانکی ماری تھی اور رابو کے لال گلال چہرے پر نظر پڑتے ہی جھینپ گئی تھی اور وہ تو سیدھا دل پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی...... ایسی خاموشی کہ بس...... مانو دل نہ ہوا شمالی سڑک ہوگیا جو صدیوں سے راہ گیروں کو تک رہی تھی...... ساعتوں کے بالکل پاس جیسے اللہ یار نے قہقہہ لگایا تھا۔

''ہر شام دل کی جگہ ہاتھ رکھ کر تسلی کرلیا کرو...... کیا پتا کسی دن اپنی جگہ سے کھسک جائے اور تم گلیوں، کوچوں میں ڈھونڈتی پھرو...... خیر...... ملنا تو وہاں بھی نہیں...... اگر کہیں دھڑک رہا ہوگا تو وہ اللہ یار کا سینہ ہوگا۔ تمہارا دل میرے سینے میں دھڑکے گا رابو......'' ہمیشہ کی طرح اس نے اللہ یار کی یہ بات بھی سنجیدگی سے نہیں لی تھی اور اب جو دل کی جگہ ہاتھ پڑا تو ہوش ٹھکانے آئے تھے۔ سارا وجود

شمشان گھاٹ تھا...... دھپ سے موڑھے پر بیٹھی تھی۔

''ہائے اور با...... میرا دل تو اپنی جگہ ہے ہی نہیں...... تو میں زندہ کیسے ہوں؟'' جھٹ سے اٹھی گھا گرے میں .... الجھتی دروازے، کھڑکیاں سب بند کردیے اور ساری بتیاں بھی بجھا دی گئیں۔ گھپ اندھیرا تھا...... خاموشی تھی...... آنکھیں بند کرلی گئیں......

دھڑک...... دھڑک...... ''اے لو...... دل تو اپنی جگہ دھڑک رہا ہے...... اللہ یار تو کملا ہے۔'' سانس میں سانس آئی مگر یہ کیا...... دل کے دھڑکنے کا انداز پرایا تھا۔ دل پر ہاتھ رکھے وہ باہر بھاگی تھی...... پاس رکھی سرسوں کے تیل کی بوتل الٹ گئی تھی اب تیل سیڑھیوں کی طرف بہہ رہا تھا...... اماں سکینہ باڑے میں مویشیوں کو چارا ڈال رہی تھیں جب اسے ننگے پاؤں اُدھر آتے دیکھا تھا...... موٹی آنکھیوں میں اتھروں تھے...... کالی لٹیں بکھر گئی تھیں...... وہ چار قدم فاصلے پر رک گئی تھی...... بکری کے شریر میمنے اس کی اور بھاگے تھے اور وہ ڈر کر کچی دیوار پر چڑھ گئی تھی۔ ان شریر میمنوں سے اس کی جان جاتی تھی...... اماں اس کی حواس باختگی پر مسکراتی اس کی طرف آئی تھیں روئی، روئی آنکھوں میں کاجل پھیل گیا تھا۔

''کیا ہوا میری دھی......؟'' اماں نے محبت سے دوپٹے کے پلو سے آنکھوں میں آتے ساون کا رستہ روکنے کی کوشش کی تھی۔

''اللہ یار میرا دل لے کر بھاگ گیا۔'' وہ سسکیاں بھرتے ہوئے بولی تھی۔

☆☆☆

''کھڑکیاں دروازے بند کر کے، کمرے میں اندھیرا کر کے خاموشی سے دل کے دھڑکنے کی آواز سنے گی ذرا مطمئن بھی نہ ہوئی ہوگی کہ پھر چونک اٹھے گی، ننگے پاؤں باہر بھاگے گی اور ضرور کوئی نہ کوئی شے گرائے گی...... کچھ دیر بعد باڑے کی کچی دیوار پر بیٹھی اماں کے سینے سے لگی مجھے قتل کردینے کی دھمکیاں دے رہی ہوگی...... وہ ایسی ہی ہے...... سارے جگ سے نرالی......'' اللہ یار نے چھڑی سے پہاڑوں پر جمی برف کو کریدا تھا...... اس کی گھنی پلکوں پر ہلکی، ہلکی برف کی تہ جم رہی تھی...... پہاڑوں سے فاصلے پر کھڑے جنگلات تک برف کی ٹوپیاں پہنے کھڑے تھے...... وہ اور جابر خیمے سے ابھی باہر نکلے تھے...... برف پگھلا کر کافی بنائی تھی اور اب باہر ایک پتھر پر براجمان ہوگئے تھے...... دور، دور تک سفیدی ہی سفیدی تھی...... جابر نے جھرجھری سی لی تھی۔

''کیا اسے بہت غصے میں دوسروں کو قتل کرنے میں مزہ آتا ہے؟''

''ارے نہیں، قتل تو صرف وہ مجھے کرنا چاہتی ہے۔'' اللہ یار کی آنکھیں مسکرائی تھیں۔

''وہ کیوں......؟'' جابر نے ٹانگ چڑھاتے ہوئے پوچھا۔

''کیونکہ اس کا دل لے کر جو بھاگ آیا ہوں اور اپنا دل اسے دے آیا ہوں۔''

''بڑی خوش قسمت ہے جو کیپٹن اللہ یار کے دل کی مالک ہے۔''

برف پوش درختوں میں سرد سی خاموشی تھی......

''نہیں جابر نہیں...... خوش قسمت تو میں ہو جو رابو کا دل لیے پھرتا ہوں۔'' جابر نے اتنی پیاری مسکراہٹ کبھی کسی کی نہیں دیکھی تھی جیسی اس وقت کیپٹن اللہ یار کے چہرے پر تھی۔

کشادہ پیشانی، کھڑی ناک، گہری آنکھیں اور مسکراتے لب وہ بلاشبہ اپنی فیلڈ میں سب سے خوب صورت شخص تھا...... اللہ یار نے کپ خالی کر کے اچھال دیا تھا...... اس کی آنکھیں دور، دور تک پھیلی برف کو حصار میں لیے ہوئی تھیں۔ کچھ دیر بعد اس نے اپنی آنکھوں کو نم ہوتا محسوس کیا تھا...... تبھی اس نے پہاڑ چڑھ کر آتے ماجو بابا کو دیکھا تھا۔

''سر آپ کا خط آیا ہے۔'' اللہ یار نے سبز لفافے والا وہ خط پہلی نظر میں پہچان لیا تھا...... رنگ برنگے لفافوں میں خط بھیجنے کی اس کی بڑی پرانی عادت تھی...... اور ہر لفافہ خوشبوؤں میں بھیگا ملتا تھا۔

''السلام علیکم......!

اماں کی طرف سے سلامتی بھیج رہی ہوں ورنہ تم پر سلامتی بھیجنے کا میرا فی الوقت کوئی ارادہ نہیں...... دنیا جہان کے سارے چور ایک طرف اور تم ایک طرف...... تمہیں ذرا حیا اور شرم نہیں آئی کسی کا دل چراتے ہوئے۔ جلد ایسا قانون پاس کروانے کی درخواست لکھتی ہوں بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ نہ پوچھا اور دل لے کر چل دیے...... ساری کر قیدیں شروع گئے، سڑو کہیں کے...... اماں تمہارے صدقے واری جا رہی ہیں، مجھے تو سخت تاپ چڑھا ہے...... اپنا دل دے گئے ہو اور یہ تمہارا دل، دل ہے یا کوئی گھڑیال؟ بجتا ہی چلا جا رہا ہے، تم پر گیا ہے...... رات کو دو تکیے لے کر کانوں پر سوتی ہوں...... تمہاری بکری نے تین میمنے دیے ہیں، دو سفید رنگ کے ہیں اور ایک سیاہ ہے...... سیاہ میں نے رکھنے کا سوچا ہے کیونکہ جلدی میلا تو نہیں ہوگا...... سنا ہے وہاں خوب برف پڑتی ہے تو وہاں برف کے گھر بناتے ہو؟ میں بھی کتنی پاگل ہوں، تم فوجی بھی کتنے پاگل ہوتے ہو اور خرد ماغ اور خشک مزاج بھی...... تمہیں کہاں برف کے گھر بنانے آتے ہوں گے...... جس طرح ریت کے گھر بنتے ہیں ناں ویسے ہی برف کے بھی گھر بنتے ہیں...... تم ایک کوشش ضرور کرنا...... اور ہاں کھڑکیاں ضرور بنانا...... کھڑکیوں کے بنا گھر بڑے ادھورے ہوتے ہیں...... اور اماں کہہ رہی ہیں اس بار زیادہ چھٹی لے کر آنا۔ آنے سے پہلے ضرور خط لکھ کر مطلع کردینا...... اماں خود تمہیں ریلوے اسٹیشن لینے آئیں گی ہمیشہ کی طرح...... اور رہی بات میری تو کبھی بھول کر بھی مت سوچنا کہ ریل کے ڈبے سے باہر آؤ گے اور سامنے اسٹیشن پر مجھے کھڑا پاؤ گے...... سامان والا بکسا چھوٹ کر فرش پر گر پڑے گا...... اور تم محبت سے مسکرا دو گے، جی نہیں...... ایسا کبھی نہیں ہوگا...... ہونہہ، رابو کو اللہ یار سے محبت تھوڑی نہ ہے......؟ خط لمبا ہو رہا ہے اور مجھے خوب علم ہے لمبے خطوط تمہیں بڑے مزے کے لگتے ہیں...... ہل، ہل کر پڑھتے ہو اور قہقہے لگاتے ہو اسی وجہ سے گفتگو ختم کر رہی ہوں...... اماں کہہ رہی ہیں اپنا خیال رکھنا...... (مجھ سے ایسے جملے کی امید بھی نہ رکھنا)

والسلام......'' (اماں کی طرف سے)''

درختوں کی چوٹیوں سے برف گری تھی سفید غبار ذرا دیر چھایا رہا...... اور خط پڑھتا اللہ یار قہقہے لگاتا رہا...... جابر پاس کھڑا آنکھوں پر دوربین لگائے کھڑا تھا...... جابر نے مڑ کر اسے دیکھا تھا۔

''بھابی ایسا کیا لکھتی ہیں یار کہ تم ہر بار گھر سے آیا

خط پڑھ کر قہقہے لگاتے ہو؟'' انگلی کی پور سے اس نے آنکھوں میں آیا پانی صاف کیا تھا۔

''کہتی ہے مجھ سے محبت نہیں کرتی......'' جابر نے دوربین آنکھوں سے ہٹالیا تھا۔ اور پوری طرح اللہ یار کی طرف متوجہ ہوا تھا جس کے چہرے کے سارے نقوش کھل اٹھے تھے۔

''یہ تو پریشانی کی بات ہے اور تم قہقہہ لگا رہے ہو؟'' یہ سوال وہ کئی سو مرتبہ اللہ یار سے کرچکا تھا اور ہر سو مرتبہ ایک ہی جواب ملا تھا۔

''تیری بھابی کی ہر بات الٹی ہوتی ہے...... جب کہتی ہے یاد نہیں کرتی تو یاد کررہی ہوتی ہے اور جب کہتی ہے، محبت نہیں ہے تو محبت ہوتی ہے۔'' جابر دونوں ہاتھ جیبوں میں ڈالے خیمے کے بانس سے لگ کر کھڑا ہوگیا تھا...... اس نے محبتوں کے بڑے قصے سنے تھے مگر یہ قصہ بڑا انوکھا تھا۔ سارے جگ سے نرالا تھا...... اور اس کے سوال جواب بھی بڑے وکھرے تھے۔ برف کے غبار کو دیکھتے جابر نے بڑا مشکل سوال آخر کر ڈالا تھا۔

''اگر اس نے کسی دن کہہ دیا کہ تم سے محبت کرتی ہے تو......؟'' اس بات کا متضاد کیا ہوسکتا تھا...... کیپٹن اللہ یار ہولے، ہولے چلتا اس تک آیا تھا...... جابر کے بالوں میں برف کے ذرات پھنسے تھے جو اللہ یار نے پھونک مار کر اڑا دیے۔

''جس دن اس نے کہہ دیا وہ محبت کرتی ہے تو وہ محبت نہیں کرے گی بلکہ......'' جملہ ادھورا تھا جابر کو مچھلی کے کانٹے کی طرح چبھا تھا۔

''بلکہ کیا......؟'' اور اللہ یار اپنی سب سے پیاری ہنسی ہنسا تھا۔

''رابو، کیپٹن اللہ یار سے عشق کرے گی۔''

☆☆☆

سارے آنگن میں سردیوں کی دھوپ پھیلی ہوئی تھی...... بھوری بلیاں کچھ دیر کی لڑائی کے بعد اب فرش پر ستا رہی تھیں۔ چند کوّے پنکھ پھیلائے دیواروں پر ٹہل رہے تھے...... رابو کیاریوں سے پالک توڑ رہی تھی اور اماں مکھن تڑکا رہی تھیں...... دیسی گھی کی مہک سارے گھر میں چکرا رہی تھی...... رابو نے گہری سانس لی تھی...... تبھی

دروازہ بجا تو اماں نے رابو کو آواز دی تھی۔

''رابو دیکھ تو کون آ گیا...... اِدھر مکھن جل جائے گا اگر میں اٹھی تو......'' وہ پالک کی ٹوکری کیاریوں کے پاس رکھتی دروازے کی طرف آئی۔

''کون ہے......؟''

''جی میں ہوں اچھوڑا کیا...... آپ کی رجسٹری آئی ہے۔'' رابو نے سائن کر کے خط پکڑ لیا تھا اور اماں کی طرف چلی آئی تھی۔

''اماں، اللہ یار کا خط آیا ہے......'' وہ خاکی لفافہ الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔

''ماں صدقے، چل پیڑھی پر بیٹھ کر پڑھ......''

ہمیشہ کی طرح وہ پہلے خود پڑھتی تھی اور پھر اماں کو پڑھ کر سناتی تھی...... اماں بھی اندر رکھ کر کیاریوں کی طرف بقیہ پالک توڑنے آ گئی تھیں تاکہ وہ اطمینان سے خط پڑھ لے...... رابو نے احتیاط سے لفافہ چاک کیا تھا...... اور جیسے ہر طرف ٹھنڈی ہوائیں چل پڑی تھیں...... وہ جیسے خط کے ساتھ موسم نتھی کر کے بھیجتا تھا...... رابو کی نظریں ان موتیوں جیسے لفظوں پر پھسلنے لگیں۔

''السلام علیکم......!

اس پر بھی ڈھیروں سلامتی ہو جسے میری سلامتی سے کوئی غرض نہیں...... خیر مجھ جیسے غریب کی کون پروا کرتا ہے، تم عظیم ہستی ہو یار...... جانتا ہوں تمہیں لفظ ''یار'' سخت ناپسند ہے...... سخت جھنجلاؤ گی، غصے میں چار پانچ گالیاں بھی دو گی...... تم جو بھی کرو اللہ یار حاضر ہے...... اور سناؤ کیسی ہو؟ کیسی گزر رہی ہے میرے دل کے ساتھ......؟ بڑی قدر ہے تمہیں میرے دل کی جو گھڑیال کہہ ڈالا توقع تو کافی خطرناک لقب کی تھی مگر شکر کہ سب خیریت رہی...... چھوٹا سا تو دل ہے میرا جانے تمہاری یہ جھڑکیاں سہہ بھی پاتا ہوگا یا نہیں...... اری پاگل تم اللہ یار کے دل کی مالک ہو اور نظر رکھتی ہو بکری کے میمنوں پر...... اس سے مجھے میری اوقات پتا چل گئی ہے...... اور تمہیں کس نے کہا کہ فوجی خرد ماغ ہوتے ہیں؟ اپنے دماغ کی فٹنگ کروالو جانِ من...... ہم سے بہتر گانا اور ہم سے بہتر رقص کسی کو نہیں آتا...... تم کہاں سمجھو گی......؟ اور ہاں میں نے برف کا اِک گھر بنایا تھا تمہارے لیے، وہ ایک ہفتہ سلامت رہا مگر آٹھویں دن وہ پگھل گیا، میں اس دن سورج سے بہت خفا رہا۔ تم ناراض مت ہونا میں تمہارے لیے چار کھڑکیوں والا برف کا ایک اور گھر ضرور بناؤں گا...... اب تو مسکرا دو...... اماں کو کہنا اس بار آؤں گا تو باجرے کی روٹی اور سرسوں کا ساگ کھاؤں گا، قسم سے بڑا دل کرتا ہے رابو...... اور تم بھی کوئی چیز بنانا وہ جو تم رسالوں سے ترکیبیں نوٹ کر کے الم غلم بناتی ہو...... اب منہ پھلا کر مت بیٹھ جانا...... بڑی پرانی عادت ہے تمہاری، دیکھ لو آج تک یاد رکھے ہوئے ہوں...... پچھلے دنوں مردم شماری کے سلسلے میں قریبی پہاڑی علاقے جانا ہوا تو وہاں کی لڑکیاں مجھے دیکھ کر مسکراتی تھیں۔ جابر کہتا ہے ساری لڑکیوں کو عادت ہوتی ہے خوب صورت لڑکوں کو دیکھ کر مسکرانے کی...... مگر مجھے رتی برابر بھی اس بات کا یقین نہیں...... کیونکہ مجھے دیکھ کر تم جو کبھی نہیں مسکرائیں...... جانے اس کی کیا وجہ ہے؟ شاید میں تمہیں خوب صورت نہیں لگتا...... اور ہاں ریلوے اسٹیشن پر مجھے لینے ہمیشہ کی طرح اماں کو ہی بھیجنا...... تم آئیں تو میرا سامان کا بکسا نہیں گرے گا تمہیں دیکھ کر...... پورے کا پورا اللہ یار گر پڑے گا...... خوشی سے وہیں کھڑے، کھڑے مر جاؤں گا...... بھلا رابو آئے اور اللہ یار جان نہ دے ناممکن...... جانتا ہوں لمبے خطوط پڑھنا تمہیں غصے میں مبتلا کر دیتا ہے اور میں تو تمہارے غصے سے بہت ڈرتا ہوں...... اجازت چاہتا ہوں...... اپنا اور اماں کا خیال رکھنا......

والسلام......

(صرف اور صرف تمہارا ''یار'' اللہ یار......)''

جانے کب سے آنگن میں لڑتی بلیوں میں صلح ہوئی تھی...... دیواروں پر ٹہلتے کوّے کب کے اڑ چکے تھے...... اماں درانتی سے پالک کاٹ رہی تھیں...... اور ''وہ'' تو جیسے اب بھی کسی برف کے گھر میں قید تھی جس کی چار کھڑکیاں تھیں...... اس کا سارا وجود سرد ہوا تھا...... وہ بہت عجیب سے انداز میں مسکرائی تھی جس کی کوئی وجہ نہ تھی اور جس کا کوئی نام بھی نہیں تھا۔

''اس بار ریلوے اسٹیشن میں تمہیں لینے آؤں گی اللہ یار...... اور دیکھوں گی کہ تمہارے سامان کا بکسا گرتا

ہے یا تم......'' وہ بڑبڑائی تھی۔ اور وہ بڑبڑاہٹ نیل کنٹھ ...ن چکے تھے...... دھوپ سمٹ گئی تھی۔

☆☆☆

رابعہ عرف رابو کو وہ شاہی محلہ کبھی شاہی نہیں لگا تھا ...اس کی وجہ یہ تھی کہ اس محلے میں ایسی کوئی بات تھی ہی ...نہیں جو قابلِ غور ہوتی اسے کبھی پسند نہ آیا تھا وہ محلہ، گلیاں ...اتنی تنگ تھیں جیسے سرمہ دانیاں...... لوگ ایک دوسرے ...سے ٹکراتے پھرتے تھے' ہر ٹکراؤ پر قہقہے ابل پڑتے ....معنی خیز مسکراہٹوں کے تبادلے ہوتے۔ اکلوتی ڈسپنسری ...کے آگے کوڑا کرکٹ اکٹھا تھا، ٹافیوں کے کاغذ سے بچوں ...کے پوتڑوں تک...... گلیاں پان کی پیکوں سے سرخ تھیں ...جنجو علاقے کا گمان ہوتا تھا۔ دیوار سے دیوار ملی تھی ...پاس، بہو ٹرا کمیشن بلا ناغہ دیکھنے کو ملتی تھی' باسی سالن کی ...کٹوریاں گلیوں میں دھڑلے سے الٹا دی جاتی تھیں...... ...بچے سارے شیطانی چیلے تھے، تعلیم کیا خاک حاصل کرتے ...ماسٹر سے ڈنڈے کھا، کھا کر ڈھیٹ ابن ڈھیٹ ...ہو گئے...... ماں، باپ نے ہاتھ کا چھالا بنایا ہوا تھا۔ ہندی ...فلمیں اور کارٹون تو از بر تھے فر، فر سناتے تھے...... کھلاڑی ...ایسے کہ کسی گھر کا آج تک شیشہ سلامت نہ چھوڑا تھا۔ ...نانیاں، دادیاں پرانے وقتوں کو روتی پیٹتی تھیں۔ زمانے ...کی قیامت کی چال نے سانسیں کم کر رکھی تھیں۔ تارِ ...عنکبوت تھا...... مار دھاڑ، شور شرابے والے اس محلے میں ...بس اذان کے اوقات میں پن ڈراپ سائیلنس دیکھنے کو ...ملتا تھا۔ سارے کھلونوں کی چابیاں گم ہو جاتی تھیں...... ...چھن کا اسٹیریو خاموش ہو جاتا، پاپڑی والے کا پاپڑی ...نامہ بھی...... اِدھر اذان تمام ہوئی اور اُدھر سارے کھلونوں کو چابیاں مل جاتیں...... شکیرا سے لے کر نصیبو لال ...تک سے فیضیاب ہوا جاتا تھا۔ سلمٰی ہاتیک سے لے کر ...ریما خان تک کے دیوانے تھے...... الیکشن کے دنوں میں ...ووٹوں کی بولیاں لگتی تھیں...... ووٹ بکتے تھے، تقریریں ...ہوتیں، چاول یا بھات بانٹا جاتا اور شاہی محلے کی ان دنوں ...صحیح معنوں میں عیش ہوتی تھی...... تقریر ختم ہوتی، کھانا ...کھلتا وہ دھکم پیل ہوتی کہ بس...... یہاں زندگی میلے جیسی ...تھی، جو روز لگتا تھا، بار، بار لگتا تھا...... بارشیں ہوتیں اور ...ان کی چھتیں سارے انترے گاتی تھیں...... انگریزوں کے زمانے کی پختہ چھتیں کبھی اگر ٹپک پڑتیں تو سیلاب آ جاتا...... دیگچیاں، بالٹیاں، اگلدان تک بارش کے پانی سے بھر جاتے اور یہ بھرے برتن مرکزی سڑک کے گندے نالے میں خالی کیے جاتے تھے اور واپسی پر یہی برتن چمچ سے بجاتے ہوئے ٹپے، ماہیے گائے جاتے تھے...... سارے برساتی مینڈک ایک ساتھ ٹراتے تھے اور یہ بے ہنگم شور بہت سوں کو ناگوار بھی گزرتا تھا مگر اب عادت ہو چکی تھی...... میدان میں ٹاہلی کے گھنے درختوں پر کپڑے سکھائے جاتے تھے اور محلے کے تین چار ذہین فطین طالب علم جو کہ گنتی کے ہی تھے اسی میدان میں تختیاں سکھاتے اور اونچے، اونچے پہاڑے پڑھتے پائے جاتے...... بسنت کا تہوار منانا سب کا محبوب مشغلہ تھا۔ سب ''دلوں'' کے بچے تھے...... بسنت کا میلا بھی میدان میں ہی سجتا تھا...... جہاں رنگ برنگی پتنگوں کے ساتھ، ساتھ کبھی، کبھی ہاں بس کبھی کبھار آنکھوں کے پیچ بھی لڑ جاتے تھے۔ اور ان سب باتوں سے پرے کی بات یہ بھی تھی کہ شاہی محلے کی محبتیں کبھی ناکام نہ ہوئی تھیں...... یہاں محبت ہونا مشکل تھا مگر محبت پانا بہت ہی آسان...... وہ خود میں مگن رہنے والے لوگ تھے، ان کے پاس محبت کے لیے بھی وقت نہیں تھا اور جن کے پاس وقت تھا وہ کر لیتے تھے اور زندگی جیتے تھے...... شاہی محلے کی لڑکیاں لاج کی ڈلیاں تھیں اور لڑکے جدت کو بس ٹی وی اسکرین تک ہی پسند کرتے تھے۔ چاہے جو بھی تھا اور جیسا بھی تھا شاہی محلے والے سب جانتے تھے کہ وہ سب بہو، بیٹیوں والے تھے...... لڑکیاں اب بھی خواتین کے رسالوں میں چھپنے والی رومانوی کہانیاں پڑھ کر دوپٹے دانتوں میں دبا لیتی تھیں...... ایک بات تھی کہ پھر بھی وہ نمکین رنگت والی سانولی لڑکیاں اس بات سے آگاہ تھیں کہ ان کے لیے کوئی راجکمار گھوڑے کی باگیں تھامے نہیں آئے گا...... بلا کا ایکا تھا ان سب میں...... وہ عطر لگا کر اور کانچ کی چوڑیاں پہن کر نامحرموں کو متوجہ نہیں کرتی تھیں...... ان کا ہار سنگار بس ایک ''کاجل'' تھا۔ شاہی محلے والے رکے ہوئے وقت میں زندہ تھے۔ وقت کا گھڑیال اسٹل تھا حرکت ہی نہیں کرتا تھا...... وہ بس جی رہے تھے اور جیے ہی جا رہے تھے...... یہی ان کی زندگی

تھی اور یہی ان سب کی خوشی تھی...... ایک طرف تو ''وہ'' سب تھے اور دوسری طرف وہ تھی ''رابو'' جو وقت کے گھڑیال کی سوئی پکڑ کر بھاگنا چاہتی تھی...... اسے شاہی محلے سے، چھیلے بانکے لڑکوں سے، لجی لجائی لڑکیوں سے بے انتہا ''نفرت'' تھی۔

''رابو کو پھر انہی سب سے عقیدت ہونے والی تھی...... جانے کب؟ کیسے اور ہاں...... کیوں؟''

☆☆☆

اسی محلے کے بالکل وسط میں رابو کا غلام گردشوں والا گھر تھا، بقول دادی کے وہ انگریزوں کے زمانے کا تھا...... اس گھر میں رہنے والے لوگوں میں دادی (جنہیں حقے سے فرصت نہ تھی) اجمل اور اکمل چچا اپنی بیویوں اور بچوں سمیت رہائش پزیر تھے۔ ایک اسلم چچا تھے جو کنوارے تھے ابھی تک اور انہیں کبوتروں سے فرصت نہ ملتی تھی...... ساجدہ اور ماجدہ پھپھو تھیں جن کے بالوں میں تو چاندی اتر آئی تھی مگر ان کے بیاہ کا دور، دور تک کوئی بھی امکان نہیں تھا، دونوں گھنگرالے بالوں میں آج بھی گلابی ربن باندھتی تھیں اور تھرڈ کلاس ہندی فلموں کی ہیروئنوں کو بھی مات دیتی دکھائی دیتی تھیں...... دونوں ایک پرائیویٹ اسکول میں استانیاں تھیں۔ عقیلہ اور فضیلہ چچی دونوں بہنیں تھیں، عقیلہ کی دو بیٹیاں فری اور رخشی تھیں جبکہ فضیلہ کا ایک ہی بیٹا جاوید عرف جاجی تھا۔ محلے کا وہ واحد لڑکا تھا جو کالج جاتا تھا اور کالج کا بھی اکیلا لڑکا تھا جو اردو اور اسلامیات جیسے مضامین میں بھی شاندار طریقے سے فیل ہو جاتا تھا......

ایک رابعہ عرف رابو تھی جو کہ پڑھائی میں اچھی تھی اور حال ہی میں میٹرک پاس کر کے کالج میں داخل ہوئی تھی......

اپنے باپ کی وفات کے بعد وہ اپنی ماں بانو کے ساتھ یہیں اسی غلام گردشوں والے گھر میں دادی کے ہاں رہتی تھی...... ننھیال میں نشئی ماموں، بوڑھے نانا کے سوا کوئی نہ تھا۔ بانو سارا دن کولہو کے بیل کی طرح یہاں کام میں جتی رہتی...... شاہی محلے اور اپنے گھر کے حالات سے تنگ رابو کے لیے گورنمنٹ کالج تو جیسے ایک ونڈر لینڈ تھا......

جہاں حیرتیں ہی حیرتیں تھیں۔ لمبے، لمبے دالان، ٹھنڈی، ٹھنڈی راہداریاں، کھلے برآمدے، نیم اور سفیدے کے خوشبودار پیڑ...... انگریزی گلابوں کی لاتعداد قسمیں، نت نئے فیشن کیے ہوئے وہ ساری لڑکیاں جو منہ پر ہاتھ رکھے بغیر اونچے قہقہے لگاتی تھیں...... فر، فر انگریزی میں ایک دوسرے کو ڈانٹتی تھیں...... روٹھتی تھیں، مناتی تھیں...... گول گپوں کی ایک پلیٹ کو چار لڑکیاں کھاتی تھیں اور کھٹا پانی پی کر کاجل سے سجی آنکھیں میچ لیتی تھیں...... لائبریری تو خاموش کمرا تھا جہاں صرف اور صرف کتابوں کو بولنے کی اجازت تھی...... لڑکیاں شاعری کی کتابیں ایشو کروا کر من پسند غزلیں اپنے رجسٹروں میں نوٹ کرتی تھیں...... یہاں کی بھاگتی دوڑتی زندگی کے رنگوں نے رابو کو حیرت زدہ کر دیا تھا۔'' زندگی تو ایسی ہوتی ہے، مطمئن اور پُرسکون...... خوشیوں اور شرارتوں بھری...... میں کیسی زندگی گزار رہی ہوں...... مجھے خود کو بدلنا ہوگا...... میں ایسے نہیں رہ سکتی' بالکل بھی نہیں۔'' اس نے اپنے آپ سے وعدہ کیا تھا۔

☆☆☆

فری اور رخشی چھت پر میک اپ کٹ کھولے بیٹھی تھیں...... آسمان ہلکے، ہلکے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا مگر دھوپ کہیں، کہیں سے ان کا حصار توڑ کر ضرور جھانک لیتی تھی، وہ سیڑھیاں چڑھتی اوپر منڈیر کے پاس آگئی تھی...... فری اسے دیکھ کر عادتاً مسکرائی تھی۔

''کیسا رہا پھر تمہارا کالج کا پہلا دن......؟'' رخشی نے اب مڑ کر اس کی موجودگی کو محسوس کیا تھا۔

''بہت اچھا...... پتا ہے وہ تو کوئی اور ہی دنیا لگتی ہے...... نئے لوگ نئی باتیں...... وہاں سب کچھ اتنا نیا اور حیران کر دینے والا ہے کہ میں سوچتی ہوں ہم جانے کس دور میں زندہ ہیں......'' اسلم چچا کے کبوتر چھت پر ادھر اُدھر ٹہل رہے تھے۔

''جیسے ان کبوتروں کے پر بندھے ہیں ناں ویسی حالت ہماری ہے...... ہم قیدیوں کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں... روایات، حالات اور جانے کیا، کیا......'' وہ قنوطی ہو رہی تھی، وہ دونوں بھی اٹھ کر اس کے پاس منڈیر تک آگئیں۔

''جب بندہ باہر کی دنیا دیکھتا ہے ناں پھر اپنا آپ واقعی کنویں کا مینڈک لگتا ہے...... ورنہ زندگی تو یہاں بھی گزر رہی ہے رابو......'' وہ دونوں ایک پارلر سے بیوٹیشن

کورس کر رہی تھیں...... رخشی کی اپنی ہی فلاسفی ہوتی تھی جہاں ہوا سے وہیں خوش رہنا چاہیے۔

''تم اس زندگی سے خوش ہو؟'' رابو نے رخشی سے پوچھا تھا...... جو کبوتر کے پیروں سے الجھے دھاگے نکال رہی تھی اسے الجھے دھاگے سلجھانے میں بڑا مزہ آتا تھا...... فری کو لگا تھا شاید اس نے وہ سوال سنا ہی نہیں تھا مگر وہ سوال سن چکی تھی۔

''زندگی کیا ہوتی ہے رابو......؟ کھانا، پینا، ہنسنا، رونا، جاگنا، سونا...... شاید یہی ہوتی ہے میرے نزدیک تو زندگی کی بس یہی تعریف ہے...... اگر تم دونوں مجھے کنویں کا مینڈک کہو گی تو میں ہوں...... میں جیسے ہوں، جیسی ہوں، ٹھیک ہوں......'' وہ دور آسمانوں پر بادل چھٹتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ رابو اس کے ایک دم سامنے آگئی تھی کہ اسے سنبھلنے کا موقع بھی نہ مل سکے...... وہ حرکت تک نہ کر سکے۔

''پھر تو تمہیں جاجی سے شادی پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا...... ہے ناں......؟'' سیدھا دل پر وار ہوا تھا...... رخشی سیاہ پڑ گئی۔

''میں جاجی سے کیسے...... میں تو......'' وہ بات ادھوری چھوڑ گئی تھی مگر اس کی آنکھوں کی نمی نے رابو کو شرمندہ کیا تھا۔

فری نے الٹے ہوئے آبخورے کو سیدھا کیا تھا اور ہنسی سے ہنسی تھی۔

''تم نے اگر دنیا کی سب سے جھوٹی لڑکی دیکھنی ہو ناں رابو...... اپنی رخشی کو دیکھ لینا۔ سارے جہاں کی جھوٹی ہے یہ......'' رابو کو وہ کاجل پھیلی آنکھیں نہیں بھول رہی تھیں...... وہ نیچے آئی تھیں تو دیکھا چچا اپنے کبوتر کو لہسن کھلا رہے تھے' دادی پاندان میں جھانکی مار رہی تھیں جو ہمیشہ سے خالی تھا، آخر تھک کر پرے ڈال دیا...... عقیلہ اور فضیلہ ترکاری کھولے بیٹھی تھیں...... تبھی شور کرتا جاجی آیا تھا۔

''آئے ہائے مر گیا لوگو......'' دادی تڑپ گئیں۔

''اے بیٹے کا ہے اول فول بکتے ہو، مریں تمہارے دشمن......'' وہ دادی کے تین پایوں والے تخت پر ڈھے گیا۔

''خیال سے نامراد...... بوڑھی دادی کو گرائے گا کیا......؟'' وہ شاپر پاس رکھتا دادی سے لپٹ گیا تھا۔

''یہ شاپر میں کیا ہے؟'' دادی نے نتھنوں کو سکوڑا تھا۔

''حلیم ہے دادی......'' جاجی ہنسا تھا اور یہ بات پکی تھی کہ اس گھر میں حلیم ایسی چیز تھی جو کسی کے بھی جی کو نہ بھاتی تھی سوائے رخشی کے...... خود جاجی کو بھی نہیں مگر حلیم ہمیشہ اس گھر میں رخشی کے لیے ہی آتی تھی اور اس راز سے صرف رابو واقف تھی۔

''کاہے پیسے برباد کیے بھلا کوئی کھاتا ہے تو بھی نہیں کھاتا تھا تو اب کیوں......؟'' دادی کو یقین نہیں آیا تھا...... الگنی سے دوپٹا اتارتی رابو نے بے ساختہ مڑ کر جاجی کے چہرے کو دیکھا تھا اور اس کو سنا تھا جو کہہ رہا تھا۔

''اب حلیم مجھے بہت پسند ہے دادی......'' وہ شاپر اٹھا کر کچن کی طرف آگیا تھا جہاں وہ دراز کھولے جانے کیا ڈھونڈ رہی تھی۔

''سنو رخشی......'' وہ بہت پیار سے بولا تھا۔

''کیا ہے؟'' وہ تنفر سے کہہ رہی تھی...... وہ مسکراتا ہوا اس کے پاس آگیا تھا۔

''میں تمہارے لیے حلیم لایا ہوں۔''

''کیوں لائے ہو......؟'' اسٹیل کا گلاس رخشی نے شور کے ساتھ پٹخا تھا۔ وہ ڈر سا گیا تھا۔

''تمہیں پسند ہے ناں......'' وہ شریر بار نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں اگر کہوں مجھے چاند بھی پسند ہے تو کیا وہ بھی لادو گے؟ اب نہیں پسند مجھے حلیم......'' وہ حیران سا اس کے غصے سے سرخ چہرے کو دیکھتا رہا تھا پھر ذرا آگے بڑھ کر کچن کی کھڑکی جو گلی کی طرف کھلتی تھی اس سے حلیم کا شاپر باہر اچھال دیا...... رخشی کے قریب آکر وہ نادم سا مسکرایا تھا۔

''اگر... جاجی کے بس میں ہو تو چاند بھی اٹھا کر رخشی کی ہتھیلی پر رکھ دے۔''

☆☆☆

''ہمیشہ کی طرح آئے، کھایا اور ڈکار لے کر کہا ہم معذرت خواہ ہیں' آپ کی بچیوں کی عمریں زیادہ ہیں...... اماں تم کو بڑا شوق ہے نوٹنکی لوگوں کو بلوانے اور ہر بار ہماری بے عزتی کروانے کا...... اپنا کماتے ہیں اور اپنا کھاتے ہیں کسی پر بوجھ نہیں ہیں ہم۔'' ٹھا کر کے دروازہ بند ہو گیا تھا...... دادی نے سر جھکایا تھا پھر جاجی کو پکارا۔

''اے میرا بچہ...... ذرا اسٹول پر چڑھ کر روشندان سے جھانک ذرا ساجدہ تکیے میں سر دیے پھوٹ، پھوٹ کر نہ رو رہی ہو۔'' اور... جاجی، دادی کے حکم سے پہلے ہی اپنی ڈیوٹی انجام دینے کو پہنچ گیا تھا...... اس گھر میں یہ نئی بات تو تھی نہیں سب عادی تھے، یہ روز، روز کا ڈراما تھا...... جاجی نے روشندان سے گردن اندر کر کے دیکھا تھا...... ساجدہ مصلے پر بیٹھی تھی اور دونوں ہاتھ دعا کو اٹھے ہوئے تھے...... جاجی نے پلٹ کر حاضرینِ محفل کو دیکھا۔

''مصلے پر بیٹھی ہیں، بغیر بتیسی والی خالہ کو بددعائیں دے رہی ہیں جو رشتے سے انکار کر کے گئی ہیں۔'' جاجی ہاتھ جھاڑتا اسٹول سے اتر آیا تھا...... بانو سارا بچا کھچا سامان اندر لے آئی...... رابو نے ابھی تکی اٹھائی ہی تھی کہ دادی آگئیں۔

''ارے کھاؤ، کھاؤ...... بہت خوش ہوگی تم ماں بیٹی...... تم دونوں کی نحوست کی وجہ سے میری بچیوں کے رشتے نہیں ہو رہے......'' وہ بکتی جھکتی واپس چلی گئی تھیں...... رابو جواب دینے لگی تھی مگر بانو نے ہاتھ پکڑ لیا۔

''بوڑھی ہیں...... پریشان ہیں دل کو کسی نہ کسی طرح تو تسلی دیں گی ناں......''

''ہر بار وہ ایسا ہی کرتی ہیں۔'' اس کے آنسو گالوں پر لڑھک آئے تھے۔

''بڑی ہیں کچھ بھی کہہ سکتی ہیں۔ تم دل برا مت کیا کرو۔''

''اماں ایک تو آپ کی مجھے سمجھ نہیں آئی، جانے کس سیارے کی مخلوق ہیں آپ......'' وہ آنسو پونچھتی ہوئی باہر نکل گئی تھی...... بانو نے گندے برتنوں کے ڈھیر کو دھوتے ہوئے سوچا تھا۔

''تمہیں کیا پتا میری بچی...... دو وقت کی روٹی اور سر پر چھت کتنی ضروری ہوتی ہے اور ان دونوں کے لیے بڑا ضبط چاہیے ہوتا ہے...... دل مارنا پڑتا ہے۔'' برتن پانی کے ساتھ، ساتھ بانو کے آنسوؤں تلے بھی بھیگ رہے تھے...... رابو ہمیشہ کی طرح چھت پر چلی آئی تھی... اسلم چچا کبوتروں کے ننھے بچوں کو ہتھیلیوں پر اٹھا کے ان کا معائنہ کر رہے تھے۔ وہ ڈربے سے ٹیک لگا کے کھڑی ہوگئی۔

☆☆☆

رخشی کا اسٹاپ آگیا تھا، وہ اتر گئی تھی۔ موسم دلکش تھا چھ دن پہلے کی ہوئی بارش نے ابھی تک موسم کو خوشگوار بنا رکھا تھا...... چادر سے ڈھکے وجود، مخروطی انگلیوں ... تھاما بیگ اور سیاہ سرمے سے سجی اس کی آنکھوں نے حیدر کو پتھر کر دیا تھا، وہ بت ہو گیا تھا...... وہ لڑکی اس کی ... عذرا کے ہاں بیوٹیشن کا کورس کر رہی تھی۔

''آہ...... قلوپطرہ...... مصر کے زمانے کی ضرور ... نہیں...... آج کے زمانے میں بھی قلوپطرائیں وجود رکھتی ہیں......'' حیدر نے اپنے آپ کو جیسے مدہوش ہوتا پایا تھا رخشی نے اس لڑکے کو اکثر اپنی طرف تکتے پایا تھا اور آج وہ پہلی بار اس سے مخاطب بھی ہوا تھا اور آج ہی رخشی کو ... ہوئی تھی کہ دلوں کی دنیا کیسے زیر و زبر ہوتی ہے...... وہ ... پر ہاتھ رکھتے اندر کی طرف بھاگی تھی اور حیدر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی تھی۔

دوپہر کو جب وہ اور رابو دری پر بیٹھی کھانا کھا رہی تھیں جب رخشی نے جھجکتے ہوئے اس سے وہ سوال کیا تھا۔

''رابو...... قلوپطرہ کون تھی؟'' رابو نے نوالے میں ... مرچ رکھ کر منہ میں ڈالا تھا۔

''قلوپطرہ مصر کی ایک خطرناک حد تک حسین ملکہ تھی جو مردوں کو اپنے حسن سے گونگا کر دیتی تھی۔'' ... کے وجود کا سارا خون اس کے چہرے پر سمٹ آیا تھا۔

''مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟'' رابو نے استفسار کیا تھا۔

''میں...... میں تو ویسے ہی......'' شاہی محلے کی ... گھنی پلکوں والی چنچل لڑکی نے اپنے آپ کو واقعی قلوپطرہ سمجھ لیا تھا...... دل کی ڈور حیدر کو تھما دی تھی اور حیدر ... سے واقف تھا۔

''تم نے واقعی پہلی نظر میں مجھ سے محبت کر لی ...'' رخشی کی حیرت ہی ختم نہ ہوتی تھی۔

''تمہارے حسن کا حق ہے کہ تم سے محبت کی جائے تو پہلی نظر میں ہی کی جائے......'' وہ مخمور لہجے میں کہتا تھا سفیدے کے تنے سے ٹیک لگائے وہ محبت سے اس شخص کو دیکھتی تھی جو اسے ''قلوپطرہ'' کہتا تھا۔

''تم مجھ سے کتنی محبت کرتے ہو؟''

''آسمان کے تاروں جتنی۔''

''فلمی باتیں مت کرو حیدر......''

''میری باتیں تمہیں فلمی لگتی ہیں؟'' وہ روٹھ ...

... تا تھا...... قلوپطرہ کی جان نکلنے لگتی تھی۔

''ارے رکو...... مذاق تھا۔''

اور وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیتا تھا۔

''کبھی بھولے سے بھی میری محبت کو مذاق نہ کہنا۔''

... ی۔

''نہیں کہوں گی۔'' محبت نے قلوپطرہ کو اب بات ... نا سکھا دیا تھا...... جانے کیوں اسے حیدر سے عجب ... کا لگا رہتا تھا۔

''تم مجھے چھوڑ تو نہیں دو گے؟''

''تمہارے سر کی قسم......'' اور وہ ایمان لے آتی......

''میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ مجھے بھی محبت ... ے گی ورنہ تو کہانیوں میں یہ لفظ پڑھا تھا...... تب بڑا ... لگتا تھا۔'' وہ کانچ کی چوڑیوں کو گھمانے لگتی...... حیدر ... ہو جاتا۔

''اب تو بڑا خاص لگتا ہوگا ناں...... تم میرے لیے ... سکتی ہو؟'' رخشی نے چونک کر حیدر کو دیکھا تھا۔

''کیا مطلب......؟''

''تمہارے پیار کی شدت جاننا چاہتا ہوں۔'' رخشی ... ایک پل کو بھی نہیں سوچا تھا۔

''جاجی کو چھوڑ سکتی ہوں۔''

''وہ کون ہے......؟'' حیدر نے اس کے چہرے کو ... بڑے غور سے دیکھا تھا۔

''میرا منگیتر ہے مگر میں اس سے محبت نہیں کرتی۔''

''یہ میرے لیے اعزاز ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتی ... کتنا خوب صورت احساس ہے ناں یہ۔'' وہ قہقہے ... لگا تھا۔

... کسرتی بدن، گوری رنگت اور کشادہ پیشانی والا ... دیوتا تھا اور وہ اس کی پجارن......

☆☆☆

''رابو...... دیوتا کون ہوتا ہے؟'' چراغ کی لو ... کی رابو نے پلٹ کر حیرت سے رخشی کو ضرور دیکھا۔

''دیوتا سا نجھا ہوتا ہے......'' رخشی پہلی پڑ گئی تھی۔

''کیا مطلب؟'' رابو کی نظریں تھرتھراتی ہوئی لو پر ... یں۔

''اس کی ایک داسی نہیں ہوتی اس کا من ایک پجارن سے نہیں بھرتا۔'' قلوپطرہ نے زمین کو پیروں تلے سے غائب ہوتا پایا تھا...... پجارن نے اگلے دن وہی سوال دیوتا کے آگے رکھ دیا تھا...... وہ شاطرانہ انداز میں ہنسا تھا۔

''ہر دیوتا ایک جیسا نہیں ہوتا۔'' اور رخشی ایمان لے آئی تھی...... عشق اور مشکل چھپائے نہیں چھپتے...... یہاں بھی ایسا ہی ہوا تھا...... سفیدے کی خوشبو نے شور مچایا تھا یا پھر رخشی کی ہنسی نے......؟

''وہ کون ہے رخشی؟'' رابو نے پوچھ لیا تھا۔

☆☆☆

اللہ یار کی زندگی کا ایک ہی مشن تھا ''بڑا آدمی'' بننا جو کہ شاید ہر کسی کا ہوتا ہے۔ اللہ یار کے والد کی وفات کے بعد سکینہ اماں نے اسے ماں اور باپ دونوں بن کر پالا تھا۔ شوہر کے بعد وہ ہی ان کا واحد رشتہ تھا۔ انہیں اس سے بے تحاشا محبت تھی اور اللہ یار بھی اپنی ماں پر جان چھڑکتا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے تھے...... چھوٹا سا دو کمروں، غسل خانے اور طویل صحن پر مشتمل گھر تھا اور مویشی باڑا تھا...... اماں نے ایک بھینس سے چار کی تھیں اور پانچ مرغیوں کی گنتی کو پچیس میں بدلا تھا...... شوہر کی وفات کے بعد ہر طرف سے ایک جملہ سننے کو ملا تھا۔

''سکینہ...... ابھی تیری عمر ہی کیا ہے، دوسرا بیاہ کر لے۔'' اور انہوں نے گھٹنوں کے بل کچے آنگن میں گرتے اللہ یار کو دیکھ کر کہا تھا۔

''ایک دوسرے کو میں اور میرا بیٹا اللہ یار کافی ہیں۔'' اور وہ دونوں اللہ کے بعد ایک دوسرے کو کافی تھے۔ آنگن میں کیاریاں بنا رکھی تھیں، پالک، آلو اور ٹماٹر اگائے جاتے تھے، توری، کدو کی بیلیں دھریک سے لپٹی ہوتی تھیں۔ سبز مرچ کی علیحدہ کیاریاں تھیں۔ ہر شام مرغیوں کی گنتی کرنا اللہ یار کے ذمے ہوتا...... جو بخوبی نبھاتا تھا...... انڈے بھی وہی جمع کرتا تھا۔ بھینسوں اور بکریوں کے چارے میں بھی مدد کرتا تھا۔ بستی کے اسکول کا سب سے لائق لڑکا تھا...... سلیٹ اور تختی پر اس کے لفظ سچے موتیوں کی طرح بکھرے ہوتے...... ہر جماعت میں وہ اول آتا...... وہ سب سے الگ تھلگ سا رہتا تھا اور

اماں کئی بار اسے ٹوکتی تھیں۔
''کوئی سنگی ساتھی بنا...... اکیلا پھرتا رہتا ہے......'' لسی پیتا وہ ہنس دیتا تھا۔
''تیرے علاوہ کسی سے دوستی نہیں کرنی۔''
''جھلا......'' میٹرک میں اس نے پوزیشن لی تھی اور سکینہ نے اسے پاس بٹھا کر کہا تھا۔
''میں چاہتی ہوں تو بڑا آدمی بنے اللہ یار...... یہ میری آخری خواہش سمجھ لے پتر...... میں چاہتی ہوں آگے کی پڑھائی کے لیے تو شہر چلا جا...... وہاں میری اماں کی سہیلی رہتی ہے کلثوم اسی کے ہاں رہنا......'' اور اللہ یار کی سانس رک گئی تھی۔
''مگر اماں تجھے چھوڑ کر......'' اماں نے اس کی پیشانی چوم لی تھی۔
''اللہ ہے میرے ساتھ...... اور تیری ماں تو بڑی بہادر ہے...... اور تو پھر چھٹی پر گھر بھی تو آیا کرے گا ناں......'' اللہ یار کی ماں تھیں وہ سب سمجھتی تھیں، وہ آنکھوں میں موٹے، موٹے آنسو لیے انہیں دیکھ رہا تھا۔ اماں نے خود سے لپٹا لیا تھا۔
''اللہ یار تو میری ایک بات مان جا اور میری لاج رکھ لے، میں تیری سو باتیں مانوں گی۔'' وہ روتا، روتا ہنس پڑا تھا۔
''یاد رکھنا یہ بات...... کہیں بھول مت جانا......'' وہ نفی میں سر ہلا گئی تھیں۔ اور آج وہ ریلوے اسٹیشن پر بیٹھا گاڑی کا انتظار کر رہا تھا...... ریل کی پٹریاں دھوپ میں چمک رہی تھیں...... قلی اپنی ٹوپیاں سر پر جمائے چہل قدمی کر رہے تھے...... ان کی چال میں عجب سی بے نیازی تھی۔ اللہ یار نے بڑا سا صندوق اٹھا رکھا تھا جس میں اس کا ضرورت کا سامان اور گاؤں کی سوغات تھیں جو شہر والوں کو دی تھیں۔ ''اماں نے جانے کیوں اتنی دور بھیج دیا ہے جانے وہ کیسے لوگ ہوں گے۔ جانے وہاں میرا دل لگے گا بھی یا نہیں...... اماں تو موم تھیں جانے اب کیوں دل پتھر کر لیا۔'' سوچ کے دھاگے الجھتے چلے جا رہے تھے...... تبھی گاڑی کی سیٹی اور چنگھاڑیں مارتے انجن کی آواز سنائی دی تھی اور وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا...... جہاں وہ جا رہا تھا وہاں بچپن میں دو تین بار جا چکا تھا...... یادداشت کے خانے سے وہ سب مٹ چکا تھا...... کھڑکی کے ساتھ والی نشست پر وہ سمٹ کر بیٹھ گیا تھا...... ٹھنڈی ہوا نے اس کے سلیقے سے جمے بال بکھیر کے رکھ دیے تھے۔

☆☆☆

نیم کے درخت سے ٹیک لگائے کھڑی رخشی کی جان رابو نے نکال لی تھی......
''میں پوچھ رہی ہوں کون ہے وہ؟'' رخشی نے تھوک نگلا تھا۔
''ک...... کون...... کس کی بات کر رہی ہو تم؟'' چھڑی سے کچی زمین کریدتی رابعہ نے طنزیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
''بات بے بات قہقہے نہیں چھوٹا کرتے...... یہ تب ہوتا ہے جب کوئی دوسرا دل میں شرارت گھول جاتا ہے۔''
''تمہیں وہم ہوا ہے......''
''کنواری لڑکیاں ہی کنواریوں کے راز پکڑتی ہیں۔ میں نے تمہاری چوری پکڑ لی ہے...... تمہیں تو قصے، کہانیاں پسند نہیں تھے ناں...... اب کیوں ہر بار ہم سے رومانوی کہانیوں کا پوچھتی ہو۔'' رخشی نے آنکھوں کے کاجل کو پھیلتا محسوس کیا تھا، وہ ہر بار کی طرح اس بار بھی رابو سے ہار گئی تھی۔
''وہ بہت خوب صورت ہے رابو......'' رابو نے اسی تنی ہوئی شاخ کو گرتے دیکھ لیا تھا۔
''جاجی سے بھی......؟''
''ہاں جاجی سے بھی...... دنیا کے سب مردوں سے بھی...... قلوپطرہ کہتا ہے مجھے......'' رخشی کی آواز سرگوشی میں ڈھل گئی تھی۔
''جب مرد کسی عورت کو قلوپطرہ کہتا ہے تو کیا واقعی وہ اس سے محبت کر رہا ہوتا ہے، رخشی......؟'' رابعہ کے سوال نے رخشی کا وجود مفلوج کر دیا تھا۔
''مگر وہ مجھ سے واقعی محبت کرتا ہے...... مجھے اس کا پکا یقین ہے رابعہ...... میں سچ کہتی ہوں۔'' رابعہ نے چھڑی دور پھینک دی تھی اور ہاتھ جھاڑتی اس کی ناک کی سیدھ میں آن کھڑی ہوئی تھی۔
''مجھے بھی ایک بات کا پکا یقین ہے اور سچ کہتی ہوں رخشی، جاجی سے بڑھ کر کوئی محبت نہیں کر سکتا تم سے...... جان دے، دے گا تمہارے لیے وہ......''

''اور حیدر میرے لیے کسی کی بھی جان لے، لے ......'' رابعہ نے ہنسی کو روکا تھا۔
''جان دینے اور جان لینے میں بڑا فرق ہوتا ہے ...ری...... جس دن اس فرق کو سمجھو گی تو مر مٹو گی جاجی ......'' رابعہ آگے بڑھ آئی تھی۔ گھر کے عقبی حصے کا منظر تھا ...اں بوڑھا نیم کا پیڑ تھا...... رخشی نے درشتی سے رابعہ کا ...ھ پکڑ کر روکا تھا۔
''تو تم کر لو ناں جاجی سے شادی......'' رابعہ حیرت سے مڑی تھی سینے پر انگلی رکھی۔
''میں کر لوں؟ ضرور کر لیتی اگر مجھے جاجی سے ...بت ہوتی یا پھر جاجی کو مجھ سے محبت ہوتی۔'' ہاتھ چھڑاتی ... آگے بڑھ گئی تھی اور رخشی وہیں کی وہیں کھڑی رہ گئی ...ی۔ ہمیشہ کی طرح دادی نے دوپہر کے کھانے پر ...مینان سے بم پھوڑا تھا۔
''سکینہ کا بیٹا آ رہا ہے...... کالج میں داخلہ لے گا ...ر یہیں پڑھے گا۔'' دادی نے سب کو دیکھا تھا سارے ...مینان سے کھانا کھانے میں مگن تھے۔
''اور وہ یہیں رہے گا۔'' پہلے اچھو رابو کو لگا تھا۔
''اُف...... اس چڑیا گھر میں ایک اور نئے جانور کی ...مد......'' ساروں کی بے نیازی اڑنچھو ہو گئی تھی۔
''مگر اماں ایسے کیسے...... جوان لڑکیاں ہیں...... ...ڑکا......'' دادی نے غصے سے چنگیر پرے پھینکی تھی۔
''اس...... غیر لڑکا...... بتیسی کھینچ لوں گی جو دوبارہ کہا ...... اپنی سکینہ کا بچہ ہے۔ ہر سال نئی گاؤں کی سوغات ...اتے تو غیر نہ لگیں اب کا ہے، یتیم لڑکا ہے بھئی...... جیسا ...ی ویسا وہ......'' اسلم چچا نے آج کبوتر بھونا تھا وہ اس سب ...ے بے نیاز وہی کھانے میں لگے تھے۔
''اور وہ رہے گا کہاں...؟'' اصل سوال اجمل کی ...ف سے آیا تھا۔
''جاجی کے کمرے میں رہے گا اور کہاں رہنا...... ...وں بھائی اکٹھے رہ لیں گے۔'' دادی کا فیصلہ ہمیشہ کی ...ح حرفِ آخر ثابت ہوا تھا...... حاضرینِ محفل کی بولتی ...ہو گئی تھی...... دادی نے جاجی کو مخاطب کیا تھا۔
''شام چھ بجے اسے اسٹیشن سے لے آنا......'' ...ی نے سر ہلا دیا تھا...... چائے کے کپوں سے اٹھتی بھاپ نے انہیں سب بھلا دیا...... ابھی تین ہی بجے تھے اور آسمان کو گہرے کالے بادلوں نے ڈھانپ لیا تھا۔
ٹین کی کچھ چھتوں پر بارش نے ساز بکھیرے تھے...... نیم کی شاخیں ٹوٹ رہی تھیں...... بارش نے جل تھل کر دیا تھا...... اللہ یار نے ریلوے اسٹیشن کی عمارت پر برستی بارش کو تشویش سے دیکھا تھا اور پھر کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا تھا...... شام ہو چکی تھی، چھ بج چکے تھے۔ اسٹیشن کے زرد بلب جل اٹھے تھے...... لوگ موسم سے بے پروا ہو کر اپنی مستی میں مگن تھے۔ جب وہ بالکل مایوس ہو چکا تھا اور پریشانی کی آخری حدوں پر تھا، تبھی اس نے ایک ٹھٹھری ہوئی آواز سنی تھی۔
''السلام علیکم......'' اللہ یار نے سر اٹھا کر دیکھا تھا دبلا پتلا سا، ٹھنڈ سے اکڑا ہوا جاجی مسکرانے کی ناکام کوششوں میں تھا۔
''وعلیکم السلام......'' وہ دونوں گلے لگ گئے تھے۔
''سفر کیسا رہا؟'' جانے یہ سوال آج تک پرانا کیوں نہیں ہو سکا۔ اللہ یار اس کے ساتھ، ساتھ تانگے کی طرف جا رہا تھا۔
''اچھا رہا......'' وہ دونوں تانگے پر بیٹھ گئے تھے...... گیلی سڑک پر تانگے کی آواز عجیب سی سنائی دے رہی تھی۔ سارا شہر اندھیرے کی لپیٹ میں تھا شاید بجلی کے فیڈرز ٹرپ کر گئے تھے...... سڑک کنارے کھڑے درختوں کی گھنی چھاؤں سے رات سے خوف آ رہا تھا...... کچھ دیر میں وہ شاہی محلے کی گلیوں میں سے گزر رہے تھے...... تنگ و تاریک گلیوں سے گزرنا جان جوکھم میں ڈالنے جیسا تھا...... اللہ یار سنبھل، سنبھل کر قدم رکھ رہا تھا اور اس کے سامنے جاجی تین بار اوندھے منہ گر چکا تھا۔
''اللہ یار...... سنبھل کے قدم رکھنا......'' سنبھل کر قدم رکھنے والا اللہ یار بھی ایک بار گر چکا تھا اس نے بہ مشکل اپنی ہنسی چھپائی تھی وہ تو شکر کہ اندھیرے میں جاجی نہیں دیکھ پا رہا تھا ورنہ کتنی شرمندگی ہوتی...... آخر گلیوں کی پل صراط عبور کر کے وہ گھر کے دروازے پر پہنچے تھے...... اسے پلروں والے برآمدے میں کھڑا کر کے جاجی اندر کہیں بھاگ گیا تھا۔ سرد ہوائیں جسم چھید رہی تھیں......

اندھیرے برآمدے کے آخرے سرے پر روشنی نقطے کی طرح ابھرتی ہوئی دھیرے، دھیرے پاس آرہی تھی...... پلکوں کی جھالر مٹی کے دیے پر جمی تھی...... گیلی لٹیں پیشانی پر بکھری ہوئی تھیں...... وہ پوری طرح دیے کی لو کی طرف متوجہ تھی، دونوں ہتھیلیوں کے حصار میں وہ اس روشنی کے نقطے کی حفاظت پر مامور دربان کا کردار ادا کر رہی تھی......

وہ بالکل اس کے پاس آن کھڑی ہوئی تھی...... اللہ یار نے دل کو پہلو سے کھسکتا پایا تھا۔

”کون ہو تم؟“ روشنی کے نقطے سے نظریں ہٹ کر اللہ یار کی طرف اٹھی تھیں اور اس نے سرسراتے لہجے میں پوچھا تھا۔

”اللہ یار......“ وہ دل سے مسکرایا تھا۔

☆☆☆

وہ جاجی کے بستر میں دبک کر بیٹھا تھا جب بانو کھانا لے کر اندر آئی...... دیوار کے کیل پر ٹنگی لالٹین کی روشنی پورے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔

”تمہاری اماں کیسی تھیں؟“

”جی، وہ اچھی تھیں۔“ بانو نے غور سے اسے دیکھا تھا وہ اپنے باپ کی شکل پر گیا تھا۔

”تمہیں شاید یاد نہ ہو مگر بچپن میں تم یہاں تین، چار بار آچکے ہو۔“

”بچی تائی......؟“ جاجی نے بانو کو دیکھا تھا۔

”ہاں چھوٹا سا تھا تو سکینہ کے ساتھ آتا تھا۔“ اللہ یار رغبت سے اب کھانا کھا رہا تھا وہ کب سے بھوکا تھا...... جب پیٹ بھر چکا تو اس نے بانو کو شرمندگی سے دیکھا تھا۔

”میں کچھ زیادہ کھا گیا کھانا...... کھانا بہت ذائقے دار تھا۔“ بانو نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

”کھانا کھانے کے لیے ہی تو ہوتا ہے۔ آئندہ کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو بے جھجک کہہ دینا۔“ اللہ یار کو وہ بہت اچھی اور اپنی، اپنی سی لگی تھیں...... صبح کو ناشتے کی میز پر وہ باقی سب سے متعارف ہوا تھا...... اور تقریباً سبھی اسے پسند آئے تھے...... دادی اس سے بہت محبت اور شفقت سے پیش آئی تھیں۔

”پتر...... اسے اپنا ہی گھر سمجھنا...... ہم سب تمہارے اپنے ہیں...... آج ہی جاجی کے ساتھ کالج میں داخلہ کروا آنا......“ وہ اور جاجی کالج داخلہ کروانے آئے تھے۔ اللہ یار کو وہ کالج بہت پسند آیا تھا...... داخلہ ہو گیا تو وہ، بہت خوش ہوا تھا...... واپسی پر وہ سڑک پر چہل قدمی کرتے آئے تھے جاجی نے راستے کے ہر پتھر کو جوتے کی نوک سے اڑایا تھا۔

”تم نے پڑھائی کیوں چھوڑ دی......؟“ جاجی کھل کر ہنسا تھا۔

”بس یار پڑھائی وڑھائی میرے بس کی بات نہیں ہے...... ایسے ہی ٹھیک ہوں۔“ اللہ یار نے حیرت سے اس کا کھلنڈرا پن دیکھا تھا۔

”مستقبل کے لیے کیا سوچا ہے؟“

”بھئی وقت آنے پر سوچیں گے...... ابا نے کاروبار کروا دیا تو......“ وہ گھر آئے تو ساجدہ اور ماجدہ دفتر کھولے بیٹھی تھیں...... ہر کسی کو پیسے دیے جا رہے تھے بعد میں اعلان کیا کہ تنخواہ ملتے ہی وہ گھر کے افرادِ خانہ کو جیب خرچ دیا کریں گی...... ماجدہ نے کچھ نوٹ اللہ یار کو تھما دیے تھے۔

”رکھ لو...... تمہارے ہیں۔“

”مگر میرے پاس ہیں......“ وہ ہچکچایا تھا۔

”تمہاری اماں کے بڑے احسان ہیں ہم نا بلونگڑے......“ انہیں اللہ یار اچھا لگا تھا۔ بانکا سجیلا سا چھوکرا تھا۔ اللہ یار اپنے ساتھ دیسی گھی، انڈے اور حلوے لایا تھا...... جس کے لیے سب مشکور ہو رہے تھے اسلم چچا کے کبوتروں کو زکام ہو گیا تھا...... وہ انہیں اسپغول گھول، گھول کر پلا رہے تھے۔ دادی حقہ تھامے ٹہل رہی تھیں...... اجمل اور اکمل ایک ٹھیکیدار کے ملازم تھے وہ شام کو کہیں جا کے لوٹتے تھے۔ جمعے کے روز دوپہر آ جاتے تھے...... وہ چھت پر آ گیا تھا...... یقیناً اس پورے محلے میں صرف یہی گھر کچھ کام کا تھا...... اور جس کا چوبارہ بھی سرخ اینٹوں والا تھا جن کا رنگ کب کا اڑ چکا تھا۔ فری ٹیوزر تھامے اپنی بھویں درست کر رہی تھی اسے دیکھا تو رک گئی...... مسکراہٹ بھی پیش کر ڈالی تھی۔

”میں فری ہوں۔“ اللہ یار بھی جواباً مسکرایا تھا رخشی منڈیر کے پاس کھڑی تھی۔

”میں رخشندہ ہوں...... سب رخشی کہتے ہیں۔“ موسم صاف تھا۔ سموسے تلنے کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی

آسمان نیلا سر پر تنا کھڑا تھا...... اللہ یار نے چوبارے کی منڈیر سے نیچے جھانکا تھا۔ آنگن میں الگنی پر رابعہ کپڑے ڈال رہی تھی۔

”ان کا کیا نام ہے؟“ اللہ یار نے دور نیچے صحن کی طرف اشارہ کیا تھا۔

”رابو۔“ رخشی نے منڈیر سے نیچے کی طرف دیکھا اور مسکرائی۔

☆☆☆

”میں رابو ہوں۔“ رابعہ نے مسکراتے ہوئے اپنے سامنے کھڑی مقدس سے ہاتھ ملا تھا۔ وہ ان کی دوستی کا پہلا دن تھا...... رابو نے کالج میں پہلی کوئی دوست بنائی تھی اور یہی حال مقدس کا بھی تھا۔ بقول اس کے اسے برداشت کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں...... رابو کو مقدس پر رشک آتا تھا وہ ویل آف فیملی سے تعلق رکھتی تھی۔ ہمیشہ ٹپ ٹاپ رہتی...... گھنگرالے بال اور شہد گھلی رنگت کے ساتھ جب وہ گردن پیچھے کر کے ہنستی تھی تو کوئی اپسرا لگتی تھی۔ رابو کو اس کی خوب صورت ہنسی سے مانو عشق تھا...... رابو کو اس کی اکثر باتیں حیران پریشان کر دیتی تھیں۔ وہ ڈیزائنرز کی باتیں کرتی۔

”یار تم کس جہان میں رہتی ہو؟“ اس کی لاعلمی پر مقدس ہنستی چلی جاتی۔ اس کے سرد نقرئی قہقہے نے رابو کو بے حد شرمندہ کیا تھا۔

”یقین نہیں آتا یار...... تم اب بھی تانگے پر کالج آتی ہو، بالوں کو سرسوں کے تیل سے شرابور کرتی ہو...... امیزنگ یار...... کیسا ماحول ہے تمہارے ہاں کا......“

”ہاں بس ایسا ہی ہے سب کچھ......“ رابو نے چپس کا ٹکڑا منہ میں رکھا تھا۔

”تمہارے ہاں کی لڑکیاں اب بھی رضیہ بٹ کے ناول پڑھتی ہیں؟“ رابو کے تصور میں ماجدہ پھپھو آئی تھیں۔

”میری پھپھو پڑھتی ہیں۔“ مقدس نے سر جھٹکا تھا۔

”جین آسٹن اور اگاتھا کرسٹی پڑھنا چاہیے۔“ رابو ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئی تھی۔ وہ دونوں عجیب طریقے سے ایک دوسرے کے قریب آئی تھیں دونوں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ مگر پھر بھی وہ دونوں اچھی سہیلیاں تھیں...... دونوں کو ایک دوسرے کو برداشت کرنا آتا تھا...... مقدس ڈرائیور کے ساتھ گاڑی پر آتی تھی مگر کچھ دنوں سے اسے لینے اس کا کزن آ رہا تھا...... وہ دونوں سڑک کنارے کھڑی تھیں رابو تانگے کی منتظر تھی...... تبھی نزدیک ہی گاڑی کے ٹائر چرچرائے تھے۔ مقدس گاڑی میں بیٹھ چکی تھی۔ فردین علی نے شیشہ نیچے کر کے اس نقاب پوش لڑکی کو دلچسپی سے دیکھا تھا۔

”آپ نہیں چلیں گی ہمارے ساتھ......؟“ رابو کی فائل پر جمی انگلیاں کپکپا گئی تھیں...... آنکھوں میں...... بے تحاشا حیرت تھی...... وہ جان لیوا مسکراہٹ کے ساتھ گاڑی آگے بڑھا لے گیا تھا۔

”تمہارے کزن کو ذرا بھی تمیز نہیں......“ اگلے دن سائنس بلاک کی سیڑھیوں پر بیٹھے ہوئے رابو نے اپنا غصہ مقدس پر اتارا تھا۔ مقدس سر نیچا کیے ہنستی رہی تھی۔

”تم ہنس رہی ہو؟“ رابو کو جیسے شاک سا لگا تھا...... کچھ لڑکیوں گروپس میں چہل قدمی کر رہی تھیں...... کچھ امرودوں پر نشانے باندھ رہی تھیں...... دو چار پڑھاکو قسم کی لڑکیاں نوٹس کا طوفان اپنے گرد بکھرائے بیٹھی تھیں۔

”اِدھر تم فردین کی برائیاں کر رہی ہو اور اُدھر وہ تمہاری تعریفیں کر کر کے میرا سر کھا گیا ہے......“ رابو کا دل عجب لے پر دھڑکا تھا۔

”ہونہہ فردین خان کہیں کا......“

”پلیز نہیں...... بریڈ پٹ کا زمانہ ہے۔“ مقدس نے ہاتھ جوڑے تھے۔ رابو چاہنے کے باوجود بھی ذہن سے وہ دو چمکتی آنکھیں نہیں نکال سکی تھی...... اب وہ روز مقدس کو لینے آ رہا تھا...... دلچسپی سے اسے دیکھتے وہ اس کی طرف ایک مسکراہٹ ضرور اچھال دیتا تھا۔ اور وہ ایک مسکراہٹ رابو کو جانے کیوں سارا دن سرشار رکھتی۔ ڈیزائنر شرٹ...... باس کی مہک اور جیل سے سنورے بال وہ ٹی وی اسکرین پر نظر آتے ہیرو جیسا تھا۔ رابو کو ایک دم سے اپنے ماحول سے نفرت ہوئی تھی...... ایک دن کسی وجہ سے جلدی چھٹی ہوئی تو مقدس نے اس کا بازو پکڑ لیا تھا۔

”پلیز چلو ناں...... بس کافی پی کر واپس آ جائیں گے...... ابھی تمہارا تانگا بھی دیر سے آئے گا......“ وہ ہچکچائی تھی۔

”نہیں مقدس...... ایسے کیسے...... کسی نے دیکھ لیا

تو؟'' وہ ڈر رہی تھی...... مقدس نے ناراضی دکھائی تو وہ آمادہ ہوگئی...... فردین نے بیک ویو مرر اس پر سیٹ کردیا تھا۔ ان دونوں کی آنکھیں چار ہوئی تھیں...... رابو کی ہتھیلیاں بھیگ گئی تھیں...... پرفیوم کی خوشبو مدہوش کن تھی...... مقدس ہیڈ فون لگائے شکیرا کی طرف متوجہ تھی۔ فردین علی نے پلکوں کی چلمن کو اٹھتے، گرتے دیکھا تھا اور دلکش انداز میں مسکرایا تھا۔ ''آنکھوں کی گستاخیاں معاف ہوں۔'' کافی شاپ کے ماحول نے رابو کو حیرت زدہ کردیا تھا...... وہ بالکل ٹی وی ڈراموں کے جیسی جگہ تھی...... روشنیاں دھبوں کی طرح دیواروں پر بکھری ہوئی تھیں...... رنگوں کا اِک جہان تھا...... میوزک کا خوب صورت سا شور تھا...... مقدس اٹھی تھی۔

''ایکسکیوزمی...... میں واش روم سے ہو کر آتی ہوں۔'' وہ چلی گئی تو فردین، رابو کی طرف جھکا۔

''آپ کو کسی نے بتایا ہے کہ آپ کتنی خوب صورت ہیں؟'' رابو کی جان ہتھیلی پر آگئی تھی۔

''آپ کیسی باتیں کررہے ہیں؟'' تھوڑا دور ہوا اور بھاپ اڑاتی کافی کا کپ اٹھالیا تھا۔

''خوب صورتی مجھے متاثر کرتی ہے اور آپ بہت خوب صورت ہیں۔'' شاہی محلے کی وہ سادہ سی لڑکی لفظوں کے مخمل میں پھنستی چلی گئی تھی...... اس بات سے بے خبر کہ راستے تو ہزار ہوتے ہیں مگر منزل ایک ہوتی ہے...... رابو نے دل کو بڑا ڈپٹا تھا...... کچھ دنوں بعد جب رخشی مسکارا لگانے کی تیاری میں تھی تو رابو اس کے پاس آن کھڑی ہوئی تھی۔

''واقعی...... رخشی جب مرد، عورت کو قلوپطرہ کہہ رہا ہوتا ہے تو واقعی اس سے محبت کررہا ہوتا ہے۔'' رخشی کے ہاتھ سے مسکارا چھوٹ گیا تھا۔ اس نے رابو کو جھنجوڑا۔

''تمہیں یہ بات کسی نے کہی ہے رابو......؟'' رابو کے سینے سے دل غائب ہوچکا تھا۔

''ہاں رخشی...... کہا ہے کسی نے۔''

رخشی نے اسے اپنے پاس بٹھالیا تھا۔

''کس نے کہا ہے رابو؟'' رابعہ نے وحشت کے عالم میں اپنی بھیگی پلکیں اٹھائی تھیں۔

''فردین علی نے......'' کچھ نام پتھر کی طرح لگتے ہیں...... اور فردین علی کا نام دروازے میں کھڑے اللہ یار کو کسی پتھر سے کم نہیں لگا تھا...... اندر کہیں ٹیس اٹھی تھی...... دو سال گزر جانے کے بعد بھی اسے وہ روشنی کی دربان لڑکی یاد تھی بھلا اللہ یار کیسے بھلا دیتا...... اسے تو پہلی نظر میں محبت ہوئی تھی...... مگر آج کلیجے پر چوٹ پڑی تھی۔

☆☆☆

''تم ہی بات کرو اس سے...... جانے کیوں کھوئی، کھوئی سی رہنے لگی ہے، کھانے پینے میں بے پروائی دکھا رہی ہے...... تم تو دوست ہو ناں اس کے وہ تمہاری تو ہر بات سن لیتی ہے......'' بانو روٹی بیل رہی تھیں اور وہ ساتھ اسٹول پر بیٹھا تھا دل چاہا ان سے کہہ دے۔

''اب وہ اللہ یار کی نہیں سنتی، اپنے دل کی سنتی ہے......'' بانو نے روٹی سینکتے اسے مخاطب کیا تھا......

''کرو گے ناں اس سے بات... شاید امتحانوں کی وجہ سے پریشان ہے۔'' وہ اداسی سے ہنسا۔

''محبت امتحانوں کے دنوں میں ہو تو بڑا فائدہ دیتی ہے۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''آپ فکر مت کریں، میں اس سے بات کروں گا۔'' وہ برآمدے میں آیا تو اِک جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ رخشی، جاجی پر بگڑی ہوئی تھی۔

''دھیان کہاں ہوتا ہے؟ میں نے دوپٹے ڈائی کروانے کو دیے تھے...... اگر دل نہیں تھا تو منع کردیتے...... میں نے چار رنگ کہے تھے چھ نہیں......'' وہ سخت غصے میں تھی...... دوپٹے اس نے تخت کی طرف اچھال دیے تھے...... جاجی نے ضبط کے عالم میں رخشی کو دیکھا۔

''تم نے چھ رنگ ہی کہے تھے رخشی......'' اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہوا تھا۔

''مجھے اچھی طرح علم ہے کہ میں نے کیا کہا تھا... تمہیں کوئی کام کہہ دو تو موت آنے لگتی ہے۔ بس روٹیاں تڑوا لو ان سے......'' وہ دکھی چہرے کے ساتھ رخشی کو دیکھ رہا تھا...... اس نے اس کے کلیجے پر ہاتھ ڈالا تھا۔ وہ چپ چاپ چھت کی طرف جاتی سیڑھیاں چڑھ گیا تھا...... اللہ یار بھی اس کے پیچھے چلا گیا تھا...... فری نے تخت سے دوپٹے اٹھائے اور تن فن کرتی رخشی کی طرف آئی۔

''دماغ درست ہے تمہارا......؟ تم نے جاجی کو اتنی

باتیں سنا دیں اور میرے سامنے ہی تم نے اسے چھ رنگ کہے تھے۔'' رخشی تخت پر گر گئی تھی...... وہ جیسے غائب دماغی کے عالم میں تھی۔

''مجھے لگا...... میں نے چار رنگوں کا کہا تھا۔'' فری دوپٹے اس کی طرف پھینکتی اندر بڑھ گئی...... رخشی نے سر اٹھا کر سیڑھیوں کی طرف دیکھا تھا جہاں سے وہ ابھی، ابھی اوپر گیا تھا۔

☆☆☆

''وہ دل کی بری نہیں ہے جاجی...... بس کبھی، کبھی انسان پریشانی میں کسی اپنے پر ہی غصہ اتار دیتا ہے۔'' اللہ یار ہمیشہ کی طرح اسے سمجھا رہا تھا اور یہ تو خیر اس کی اب ڈیوٹی بن چکی تھی کہ گھر کے ہر فرد سے ان کی پریشانیاں اور مسائل کو سننا اور پھر مشوروں سے نوازنا...... اب بھی وہ یہی کررہا تھا۔

''یار...... اللہ یار...... دل کی اور اپنے پن کی باتوں کو تو رہنے ہی دے تو...... خار کھاتی ہے وہ مجھ سے...... شکل نہیں دیکھنا چاہتی میری...... میں بھیڑا لگتا ہوں اسے......'' اللہ یار اس کی پیٹھ تھپکتا ہنس پڑا تھا۔

''چھڈ یار...... تو نے کچھ زیادہ ہی دل پر لے لیا ہے۔'' جاجی اس کے ہاتھ جھٹکتا چوبارے کی منڈیر کے پاس جا کھڑا ہوا...... اس کی نظریں شاہی محلے کی کاٹھ کباڑ سے اٹی چھتوں پر تھیں کبوتروں کے پیروں کے چھلوں کی آوازیں آرہی تھیں...... آسمان دو، تین پتنگوں سے سجا نظر آرہا تھا۔

''تیرے لیے یہ سب کہنا بہت ہی آسان ہے اللہ یار...... بہت آسان......'' وہ طنز تھا اللہ یار سمجھ گیا تھا۔

''وہ کیسے؟'' اس نے اپنے لہجے میں بلا کی سنجیدگی بھرلی۔ جاجی نے پتنگ کو پھڑ پھڑا کر زمین کی طرف آتے دیکھا تھا۔

''کیونکہ تو نے محبت نہیں کی...... جس دن کرکے دیکھے گا ناں تو تب سمجھے گا......'' کاش وہ اس وقت مڑ کر ایک نظر اللہ یار کو دیکھ لیتا...... تو وہ سارے سوال بھول جاتا...... دیر تک خاموشی رہی...... پھر چوڑیوں کے کھنکنے کی آواز آئی تھی۔ جاجی نے اب مڑ کے دیکھا...... اللہ یار کی جگہ اب وہاں رخشی کھڑی تھی...... وہ سخت الجھن میں تھی...... سرخ اور سیاہ لان کے جوڑے میں سرمئی آنکھوں والی وہ لڑکی جاجی کو بڑی عزیز تھی۔

''کیوں آئی ہو......؟'' وہ چاہ کر بھی اپنا لہجہ سخت نہ کرپایا تھا۔

''میں تم سے معافی مانگنے آئی تھی۔'' وہ شرمندہ نظر آنے کی پوری کوشش کررہی تھی۔

''کس بات کے لیے؟''

''وہ میں نے نیچے تمہیں اتنی باتیں سنا دیں...... سوری...... میں غلط تھی......''

''میں ناراض نہیں ہوں رخشی......'' رخشی نے ان بولتی نگاہوں کو دیکھا۔

''تمہیں ناراض ہونا چاہیے جاجی......'' جاجی اس کے قریب آیا...... اور بڑی بے بس سی مسکراہٹ تھی اس کے چہرے پر......

''محبت کرتا ہوں تم سے...... ناراض ہو ہی نہیں سکتا......'' رخشی نے جاجی کے کندھوں کے پار نظر آتے آسمان کو دیکھا تھا۔

''تو پھر حیدر اس سے کیوں ناراض ہوگیا تھا...... صرف اتنی سی بات پر کہ وہ رات کے اندھیرے میں اس سے ملنے نہیں آسکتی......'' وہ سوچ کر رہ گئی تھی۔

''جاجی...... میری ایک بات مانو گے......؟'' رخشی منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''جان چاہیے؟'' وہ شرارت سے پوچھ رہا تھا۔

''نہیں، تمہاری جان نہیں چاہیے......'' اس نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''تو پھر......؟'' کبوتروں کے پیروں کے چھلے شور کررہے تھے...... ہوا میں نمی جانے کہاں سے آئی تھی...... رخشی نے ہاتھ کے دباؤ سے اپنی چوڑی توڑ دی تھی...... کانچ کلائی میں کھبا ہوا تھا۔

''تم مجھے اپنے دل سے نکال دو...... مجھ سے محبت کرنا چھوڑ دو...... اتنا کرسکو گے میرے لیے؟''

☆☆☆

کسی کو دل سے نکال دینا اور محبت کرنا اگر ذرا سی بھی آسان بات ہوتی ناں تو اللہ یار کب کا کرچکا ہوتا۔ ''فردین علی'' کا نام اسے نیزے کی انی کی طرح چبھا تھا۔

اسے وہ دن یاد آ رہے تھے جب وہ پہلے پہل یہاں آیا تھا سب کچھ کتنا اجنبی سا تھا...... اسے بہت وقت لگا تھا ان سب سے قریب ہونے میں، تب سے آج تک وہ دادی کو حقہ تازہ کر کے دے رہا تھا...... بانو کے ساتھ کچن میں کام کرا دیتا تھا...... ساجدہ اور ماجدہ کے اسٹوڈنٹس کی مارکس شیٹ بنوانے میں مدد کرتا...... جاب کے لیے سرگرداں جاجی کی ہمت بڑھاتا، اجمل اور اکمل کے سر کی مالش کر دیتا...... وبا کے دنوں میں اسلم چچا کے کبوتروں کی حفاظت کیا کرتا...... بارشوں میں چھتیں ٹپکتی تھیں تو وہ جاجی کے ساتھ مل کر پانی نکالتا...... اور ان سب کے بعد وہ تھی...... جس کے ہونے سے اللہ یار کو وہ گھر بہت پسند تھا۔ اس کا معاملہ تو سب سے الگ اور جدا تھا...... بڑی نک چڑھی تھی مگر رام ہو ہی گئی...... اخروٹ جیسی تھی...... چھوٹی، چھوٹی باتوں پر الجھتی رہتی۔

”یہ ڈسکو ہر وقت نصیبو لال کیوں سنتا ہے؟“ وہ اپنی مسکراہٹ دباتا تھا۔

”تو بیچارہ پھر کیا سنے؟“

”کوک اسٹوڈیو......“

”یہ سب اتنا اونچا کیوں بولتے ہیں؟“

”یہ سارے بوڑھے لوگ اپنی موجودگی کا احساس دلانا چاہتے ہیں۔“

”مگر ایسے کیسے......؟“

”بڑھاپے کی آوازوں پر لوگ کان نہیں دھرتے ناں اسی لیے......“

”اور یہ چھوٹے بچے پورے کپڑے کیوں نہیں پہنتے؟“

”انہیں گرمی لگتی ہے رابو......“

”ماجدہ اور ساجدہ پھپھو ہر وقت کیوں جھگڑتی ہیں؟“

”وہ زندہ ہیں اور زندہ لوگوں کو جھگڑے کرنے چاہئیں۔“

”اماں کو بہت شوق ہے سب کی جی حضوری کا...... ہونہہ......“

”جی حضوریاں کبھی شوق نہیں ہوتیں رابو...... یہ کبھی مروت ہوتی ہیں اور کبھی مجبوری۔“ اور رابو کا دل چاہتا وہ حیرت سے مر جائے۔

”تم نے ایسی باتیں کہاں سے سیکھیں اللہ یار......؟“ سارے جہان کے جگنو اللہ یار نے اپنی آنکھوں میں بھر لیے تھے۔

”زندگی سے...... لوگوں سے...... وقت اور حالات سے بھی۔“ وہ املی کھاتی، آنکھیں میچ لیتی تھی۔

”کاش...... میں بھی زندگی سے کچھ سیکھ جاتی۔“ یہ اس کا بہت بڑا صدمہ تھا۔

”فکر نہ کرو...... وقت آنے پر سیکھ جاؤ گی۔“ وہ ہاتھ جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوتی۔

”جانے وہ وقت کب آئے گا...... اللہ یار......“ وہ جانے کب سے اس وقت کی منتظر تھی کہ جب وہ بھی اللہ یار کی طرح سمجھداری کی باتیں سیکھ جائے گی جن باتوں کے لیے سارا گھر اس کا دیوانہ تھا...... ماجدہ صدمائی کیفیت میں اللہ یار کے پاس آتی تھیں۔

”تم نے رضیہ بٹ کا ناول پڑھا......؟“ وہ شرمندگی سے سر ہلاتا اب کیا کہتا، رابو کی وجہ سے اگاتھا کرسٹی کو پڑھ رہا تھا۔

”جلد پڑھ ڈالو یار...... پھر پاپڑ بنا کر کھائیں گے اور تبصرے کریں گے۔“ وہ جیسے سب کا راز دار بن گیا تھا...... ساجدہ نے بہار کے دنوں میں اللہ یار سے کیا سوال کر ڈالا تھا۔

”جب کوئی آپ کو کہے کہ وہ آپ سے محبت کرتا ہے اور آپ کو زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہے تو کیا کرنا چاہیے؟“ اور اس وقت اللہ یار نے ان کی آنکھوں میں قطاروں میں دیپک جلتے دیکھے تھے اور وہ ان آنکھوں میں اندھیرا نہیں دیکھ سکتا تھا۔

”محبت کو انکار نہیں کرتے......“ اور ساجدہ نے بھی اپنے راز دار کی بات سے انکار نہیں کیا تھا...... دادی اماں تو غصے سے لال ہو گئیں۔

”ارے رنڈوے سے کیسے بیاہ دوں تجھے؟“ ساجدہ بڑی حقیقت پسند تھیں...... سر سے دوپٹا اتار کر اماں کے پیروں میں ڈال دیا اور ننگے سر تن کر کھڑی ہو گئیں۔

”تمہاری سفید چونڈے والی بیٹی کو بیاہنے دور دیس سے اب کوئی شہزادہ نہیں آئے گا اماں......“ اس دن ساجدہ نے اپنا کیس خود چپکے سے لڑا تھا اور جیت بھی گئیں...... لال جوڑے میں دلہن بنی ساجدہ نے رخصتی

بد نصیبی

باوردی محافظ نے بادشاہ کو آ کر بتایا۔

”شہر بھر میں زہریلا دھواں پھیل رہا ہے۔ وجہ معلوم نہیں ہو سکی...... اور نہ ہی اس کا سدباب ممکن نظر آتا ہے۔ اگر یہی حالت رہی تو لوگ چیخ، چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیں گے۔“ بادشاہ یہ سن کر پریشان ہو گیا۔

چند لمحے بالکل خاموش رہنے کے بعد بولا۔

”عوام کو میری طرف سے حوصلے سے کام لینے اور پُرعزم رہنے اور اپنی مدد آپ کے تحت پریشانیوں سے مقابلہ کرنے کا پیغام بھجوا دو اور محل کی کھڑکیاں دروازے اچھی طرح بند کروا کے گراموفون کی آواز بڑھا دو......“

از: ناظمہ اعوان، واہ کینٹ

کے وقت اللہ یار کی پیشانی چومی تھی اور راز کی بات چپکے سے کہہ دی تھی۔

”جس سے تو بہت محبت کرے گا ناں وہ تجھ سے عشق کرے گی اللہ یار......“

☆☆☆

”تمہارے ہاتھوں میں مہندی بڑی پیاری لگتی ہے۔“ فردین نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے...... وہ شرم سے لجا گئی تھی۔

”وہ پھپھو کی شادی پر لگائی تھی۔“ وہ دونوں کافی شاپ میں بیٹھے تھے، آج مقدس نہیں آئی تھی۔

”تم لڑکیاں اتنا شرماتی کیوں ہو یار......“ وہ اور سرخ پڑ گئی...... ”آج کل ایسی معصومیت، ایسا بانکپن نایاب ہو چکا ہے۔ کہاں نظر آتا ہے......“ رابو اس کے پرفیوم کی مہک سے نڈھال ہوئی جا رہی تھی، وہ ساحر تھا...... سحر پھونکتا تھا۔

”تم مجھ سے بہت محبت کرتے ہو ناں؟“ وہ ہر ملاقات میں یہ سوال ضرور پوچھتی۔

”کوئی شک ہے تمہیں؟“ وہ سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھتا۔

”نہیں، نہیں آپ پر تو رابو کو خود سے بھی زیادہ یقین ہے۔“

”تمہارا یقین سلامت رہے گا۔“ کافی کی بھاپ کے پار بیٹھا وہ یقین دلاتا اور وہ ہمیشہ کی طرح یقین کر لیتی۔

”میں یہ گفٹ نہیں لے سکتی کسی کو پتا چل گیا تو......“ اس نے خوفزدہ ہو کر گفٹ لینے سے انکار کر دیا تھا۔

”بہت ڈرتی ہو گھر والوں سے؟“ وہ سرد نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا......

”ہر لڑکی ڈرتی ہے۔“ اس کی بات پر وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔

”ہر لڑکی نہیں ڈرتی اور ڈرپوک لڑکیوں کو محبت نہیں کرنی چاہیے۔“ اس نے خوف سے اس کے قہقہے لگاتے چہرے کو دیکھا تھا۔

”کیا مطلب......؟“ وہ کافی کے گھونٹ لیتا۔

”ارے مذاق تھا یار...... تم تو بات، بات پر سیریس ہو جاتی ہو...... تم کافی پیو ناں......“ کافی جیسا کڑوا مشروب ناپسند ہونے کے باوجود بھی وہ لبوں سے لگا لیتی۔ مدھم میوزک اور روشن رنگوں کے جلو میں وہ گھنٹوں باتیں کرتے رہتے۔ وہ بہت خوش تھی...... فردین علی کی محبت نے جیسے اسے آسمان پر پہنچا دیا تھا۔ وہ کھوئی، کھوئی سی رہنے لگی تھی...... امتحانات سر پر تھے مگر اس کی بے پروائی عروج پر تھی...... اور انہی بے پروا سے دنوں میں اللہ یار اس کے سامنے سوال جواب کا دفتر کھولے کھڑا تھا۔

”تم نے اتنی خاموشی سے محبت کر لی اور بتایا بھی نہیں۔“ رابو کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے اس نے گردن گھما کر اِدھر اُدھر دیکھا تھا۔

”منہ پھاڑ کر کیسے تم سے کہہ دیتی کہ میں نے محبت کر لی۔ میں ایک مشرقی لڑکی ہوں اللہ یار......“ اللہ یار نے اداسی سے مر جانے والی حالت میں اپنے سامنے کھڑی اس لڑکی کو دیکھا۔

”لڑکے بھی منہ پھاڑ کے یہ بات نہیں کہہ دیتے رابو......“ انگلش کی کتاب رابو نے میز پر رکھی تھی۔

”تمہیں بھی تو کہیں نہیں ہو گئی؟“ وہ کتابوں والی الماری صاف کر رہی تھی...... ہلکی، ہلکی دھول اٹھنے لگی تھی۔

''ہوگئی ہے......'' رابو کم ازکم اس جواب کی توقع اس سے نہیں کرسکتی تھی۔

''کس سے ہوگئی......؟ کسی دوست کی بہن سے یا جہاں ٹیوشن پڑھنے جاتے ہو وہاں کسی سے یا پھر شاہی محلے کی کسی لڑکی سے...... بتاؤ، بتاؤ......'' اللہ یار میز پر چڑھ کر بیٹھ گیا تھا۔

''بتادوں...... ؟'' وہ اب تکیوں کے غلاف اتار رہی تھی...... کھلی کھڑکی سے دادی کے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں...... وہ مکمل اللہ یار کی طرف متوجہ تھی جواب اپنا ناخن چبا رہا تھا۔

''ہاں بھئی...... بتا بھی دو......''

''تم سے......'' اور مسلسل حرکت کرتے رابو کے ہاتھ جھٹکے سے رکے تھے۔ وہ کچھ دیر کچھ کہنے کے قابل نہیں رہی تھی پھر اسے سخت غصہ آیا تھا۔

''میں تمہارا منہ توڑ دوں گی۔'' وہ میز سے اترا...... قدم، قدم چلتا اس تک آیا۔

''تم نے واقعی سچ سمجھ لیا...... بھلا تم سے اور محبت میں ابھی اتنا پاگل نہیں ہوا ہوں...... کسی سلمٰی ہائیک جیسی سے محبت کروں گا میں تو......'' یہ کہہ کر وہ دروازہ پار کر گیا تھا...... مگر وہ ایک بات اچھی طرح جانتی تھی اللہ یار ایسے مذاق کبھی نہیں کیا کرتا تھا۔

''اگر یہ سچ ہوا تو......؟'' وہ سب سوچیں جھٹک کر اپنے کام کی طرف متوجہ ہوگئی۔ اسی دن اس کے گھر مقدس آگئی تھی...... وہ شاندار شخصیت کی مالک لڑکی کافی خفا، خفا سی لگ رہی تھی...... اس نے اپنی گاڑی محلے سے کافی دور رکوالی تھی...... وہ بہ مشکل گلیاں ٹاپ کر اس سیلن زدہ غلام گردشوں والی عمارت تک پہنچ سکی تھی جو رابو کا گھر تھا۔ عقیلہ اور فضیلہ مٹر چھیل رہی تھیں...... صحن میں کبوتر اڑتے پھر رہے تھے...... رابو نے اسے صحن میں کھڑے دیکھا تو خوشی سے چیخ مار کر اس کی طرف دوڑی تھی۔

''ارے مقدس تم یہاں؟'' مقدس زبردستی مسکرائی تھی۔

''دیکھ لو، انسان کو دوستی کے لیے، کیا کچھ نہیں کرنا پڑتا......'' سب سے مل کر رابو اسے اندر لے آئی تھی...... جدید تراش خراش کے لباس میں، لیئرز میں کٹے بالوں والی مقدس نے چارپائی پر بیٹھتے بڑی بے چینی محسوس کی تھی۔

''اُف...... تم یہاں رہتی ہو...... اس دڑبے میں، میرا تو دم گھٹ رہا ہے۔'' رخشی اور فری میک اپ کا سامان کھولے بیٹھی تھیں۔ مقدس نے آئی شیڈ انگلی کی نوک پر چیک کیا تھا۔

''یہ تو بہت گھٹیا قسم کا ہے...... اس سے تو اسکن الرجی ہوجاتی ہے...... میرا میک اپ تو فرانس سے آتا ہے...... بہت اچھی کوالٹی ہوتی ہے......'' رخشی اور فری نے چپ چاپ سامان سمیٹنا شروع کردیا۔

''اور سناؤ کیسی گزر رہی ہے۔'' اتنے میں بانو ٹرے اٹھائے اندر آئی تھیں ٹرے میں سموسے، پکوڑے اور میٹھی ٹکیاں رکھی تھیں...... مقدس نے اپنے سامنے رکھی چیزوں کو دیکھا...... اور بانو سے مخاطب ہوئی۔

''آنٹی...... اتنی آئلی چیزیں میں نہیں کھاتی......'' بانو شرمندہ ہوگئیں انہوں نے جاجی کو بھیج کر ڈسکو سے خاص تاکید کے ساتھ سب کچھ تازہ بنوایا تھا انہیں عجیب سے تاسف نے گھیر لیا تھا...... رابو نے چائے کا کپ اس کی طرف بڑھایا تھا۔

''اچھا، چائے تو لو ناں......'' بادلِ ناخواستہ مقدس نے چائے کا کپ تھام لیا تھا۔

''اور تمہاری وہ پھپھو کہاں ہیں جو رضیہ بٹ کے ناول پڑھتی ہیں؟'' وہ طنز تھا۔

''وہ اسکول گئی ہیں......'' رابو نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی تھی۔ مقدس چائے کا کپ رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور ہینڈ بیگ سے دعوت نامہ نکال کر اس نے رابو کی طرف بڑھایا تھا۔

''یہ کیا ہے؟'' مقدس کے موتیوں جیسے دانت بج اٹھے تھے۔

''میری انگیجمنٹ ہے اس پیر کو...... اگر تم آؤ گی تو مجھے خوشی ہوگی۔'' رابو حیران ہوئی تھی۔

''اتنی اچانک کیسے...... ؟'' مقدس گھر کے دروازے کے باہر قدم رکھ رہی تھی۔

''فردین ہائر ایجوکیشن کے لیے اٹلی جارہا ہے تو سب نے سوچا انگیجمنٹ کا فنکشن رکھ لیا جائے۔'' ہیل کی نوک پر گلی میں غیر متوازن قدم رکھ کر آگے بڑھتی مقدس، رابعہ عرف رابو کی جان نکال کرلے گئی تھی۔

بانو نے ٹرے اٹھاتے ہوئے رابو کو مخاطب کیا تھا۔

''دوست ہمیشہ برابری کے ہی اچھے لگتے ہیں...... جن سے انسان کا قد اور سوچ میل کھاتی ہو...... ورنہ دکھ کے سوا کچھ نہیں ملتا میری بیٹی......''

رابو کی آنکھ سے کھارے پانی کا قطرہ چھوٹ کر فرش پر گرا تھا۔ معمول کے مطابق سیلن زدہ دیواروں پر چڑیاں قطار میں بیٹھی راز و نیاز میں مگن تھیں...... اسلم چچا پیالی میں اسپرین گھول رہے تھے...... بھورے رنگ کی بلی کہیں سے آکر مردہ کھڑی رابو کے قدموں میں آبیٹھی تھی۔

☆☆☆

فردین علی نے اپنے سامنے بیٹھی ٹپ، ٹپ آنسو بہاتی لڑکی کو کوفت کے عالم میں دیکھا تھا۔

''میں نے تمہیں کوئی دھوکا نہیں دیا...... تمہاری جو توقعات تھیں انہوں نے تمہیں دھوکا دیا...... مجھے جو چیزیں خوب صورت لگتی ہیں متوجہ ہوجاتا ہوں...... تم بھی خوب صورت ہو مگر زندگی میں صرف خوب صورتی تو کام نہیں آتی، کلاس میٹر کرتی ہے، اسٹیٹس اپلائی ہوتا ہے...... تم صرف خوب صورت ہو۔ تمہاری کلاس زیرو ہے...... بہرحال میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں......'' رابو کو اس مدھم میوزک سے خوف آیا تھا ست رنگی روشنیاں پہلی بار اندھا کررہی تھیں۔

''تو پھر وہ سب کیا تھا؟'' اس نے بہ مشکل اپنی سسکی کو روکا۔

''وہ...... ہا...... ہا...... ارے اسے فلرٹ کہتے ہیں...... ہماری کلاس میں ہر لڑکا، ہر چارمنگ لڑکی کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس کے ساتھ ڈیٹ پر جاتا ہے...... رومینس کرتا ہے اور جب دونوں کا دل بھر جاتا ہے تو وہ ایک دوسرے سے الگ ہوجاتے ہیں......'' خوب صورتی بھی، کبھی کتنی بھیانک ہوجاتی ہے اس سے پہلے رابو کو ہرگز بھی اندازہ نہیں تھا۔

''مقدس کزن ہے میری اور اس میں اتنے گٹس ہیں کہ وہ میری شریکِ زندگی ہو...... اور تم میں تو ایسا کچھ بھی نہیں......''

پچھلے آدھے گھنٹے سے وہ فردین علی کو بولتا سن رہی تھی اور وہ اسے حیرت ہوئی تھی کہ اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود وہ مر کیوں نہیں گئی......؟ کافی کے کپ پر تہ جم چکی تھی...... وہ سامنے بیٹھے شخص کے لہجے کی شیرینی میں ڈوب کر کافی کی کڑواہٹ اپنے اندر خوشی سے انڈیل لیتی تھی...... آج پیروں تلے سے زمین سرکی تھی...... وہ آج بھی شاہی محلے کی رابو تھی، وہ کتنا بھی بدل جاتی وہی رہتی...... اس نے ٹشو باکس سے ٹشو گھسیٹا تھا...... وہ اب بھی بول رہا تھا۔

''میرے دل میں جو کچھ بھی تھا وہ میں نے کلیئر کردیا ہے اگر تم چاہو تو اب بھی ہمارا ریلیشن قائم رہ سکتا ہے۔'' رابو نے نقاب درست کیا...... اور بیگ اٹھاتی کھڑی ہوئی...... فردین علی اب بھی بات جاری رکھے ہوئے تھا...... تھری پیس میں ملبوس ہیوگو باس میں نہایا وہ خوب صورت نظر آتا شخص رابو کو دنیا کے سب مردوں میں سب سے برا لگا تھا۔ فردین علی نے اسے اٹھتے دیکھا تھا اس کی آنکھوں میں اب نمی نہیں تھی۔

''سوری...... مجھے کچھ غلط فہمی ہوگئی تھی۔'' آنکھوں کی نمی پر قابو پالینے والی وہ لڑکی اپنی چال کی لڑکھڑاہٹ پر قابو نہیں پاسکی تھی...... فردین علی نے سامنے میز پر دیکھا تھا...... کافی کے کپ پر تہ جم چکی تھی...... اور شاید اس سے ایک گھونٹ بھی نہیں بھرا گیا تھا۔ اور ساتھ ہی آنسوؤں سے بھیگا ٹشو پیپر پڑا تھا...... جانے کیوں غیر ارادی طور پر نہ چاہتے ہوئے بھی فردین علی نے وہ ٹشو پیپر اٹھا کر کوٹ کی جیب میں ڈال لیا تھا...... کوئی ''وجہ'' نہیں تھی مگر زندگی میں بہت ساری چیزیں ''بے وجہ'' کرنی پڑتی ہیں جیسے محبت، شاید محبت نہیں ''فلرٹ'' ...... پڑھنے میں یہ لفظ شاید محبت سے بھی خوب صورت ہے مگر اکثر خوب صورت چیزیں بڑی بدصورت ہوتی ہیں۔ اللہ یار اس رات پڑھ رہا تھا اور روشنی میں دراڑ پڑی تھی...... رات کے اس پہر وہ وحشت کے عالم میں اس کے سامنے کھڑی تھی۔

''تم اتنی رات کو یہاں کیوں آئی ہو؟'' وہ شاید حواسوں میں نہیں تھی یا پھر اللہ یار کو ہی ایسے لگا تھا۔

''فکر مت کرو...... ابھی چلی جاؤں گی... میں نے تم سے بس ایک سوال پوچھنا ہے......'' اللہ یار نے متوقع نظروں سے اسے دیکھا تھا...... سوال والی سوال لے کر

کھڑی تھی اور ایک بات تو طے تھی کہ وہ کبھی سیدھے سوال نہیں کرتی تھی۔

''تمہیں پتا ہے فلرٹ کیا ہوتا ہے؟ اور محبت میں دھوکا ملے تو انسان کیا کرے اللہ یار......؟'' اللہ یار کا دل دھڑکنا بھول گیا تھا...... اس بار وہ سب سے مشکل اور آخری سوال لے کر آئی تھی۔

''بتاؤ ناں اللہ یار......؟''

''کیا بتاؤں رابو......؟'' وہ بے بسی کی انتہاؤں پر تھا۔

''محبت میں دھوکا مل جائے تو کیا کرنا چاہیے؟'' اس نے پاس پڑا پانی کا گلاس غٹاغٹ چڑھالیا تھا۔

''محبت زندگی کا ایک باب ضرور ہوتی ہے مگر پوری کتاب نہیں ہوتی...... زندگی کو اور جوش و جذبے سے، خوشی سے گزارنا چاہیے...... محبتیں مل جاتی ہیں رابو مگر زندگی دوبارہ نہیں ملتی۔'' ننگے پاؤں کھڑی وہ لڑکی سر ہلاتے ہوئے ہولے، ہولے چلتی دروازہ پار کر گئی تھی۔ سیلن زدہ کمرے میں نمی بڑھ گئی تھی۔ وہ رات اماوس تھی...... چاند سے خالی...... اس رات کی صبح بہت دیر سے ہوئی تھی...... بہت ہی دیر سے۔

☆☆☆

شاہی محلے پر اس سے پہلے کبھی ایسی بارش نہ برسی تھی۔ ٹین کی چھتوں پر تڑ تڑ برستی بارش خوف پیدا کر رہی تھی...... نیم کی ٹہنیاں درخت سے چھوٹ کر زمین پر آن گری تھیں...... رخشی لرزتی ہوئی دیوار سے لگی کھڑی تھی اور حیدر کا وجود اس کے قریب آ رہا تھا...... بہت ہی قریب...... اسے دادی یاد آ گئی تھیں......

''رخشی بیٹی آج پار لر مت جاؤ...... موسم کے تیور کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے......'' چھٹیوں کی شوقین فری نے تو موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا تھا۔ رخشی اوپری منزل پر اکیلی تھی جانے عذرا باجی کہاں تھیں...... کھڑکیوں پر بارش کے شور سے وہ چونکی تھی...... تبھی وہ اندر آتے حیدر کو دیکھ کر چونکی تھی...... وہ بارش میں مکمل طور پر بھیگا ہوا تھا...... بھیگی لٹیں پیشانی پر پڑی تھیں...... وہ رخشی کو دیکھ کر خاص انداز میں مسکرایا تھا۔

''ہم تم اِک کمرے میں بند اور چابی کھو جائے......''

''حیدر موسم خراب ہو رہا ہے، مجھے جانا ہوگا......'' چادر اور بیگ اٹھاتی وہ گھبرا گئی تھی...... وہ راستے کی دیوار ہو گیا۔

''اتنی جلدی بھی کیا ہے رخشی...... کچھ اپنی سناؤ اور کچھ ہماری سنو...... یہ موقع بار، بار تھوڑی آئے گا......'' رخشی کو اس کی چھٹی حس نے خبردار کیا تھا...... وہ آگے بڑھی تھی۔

''کیسی باتیں کر رہے ہو...... یہ وقت ٹھیک نہیں...... میں جا رہی ہوں......'' وہ حیدر کو پرے ہٹاتی دروازے کی طرف بڑھی تھی...... باہر بادل اب بھی گرج رہے تھے...... آوارہ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آ رہی تھیں...... حیدر نے اسے بازو سے پکڑ لیا تھا۔

''ایسے نہیں جانے دوں گا......''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ پسینے میں نہائی تھر، تھر کانپ رہی تھی۔

''مطلب تم اچھی طرح سمجھتی ہو۔'' رخشی نے خود کو دیوار کی طرف کر لیا تھا۔ جانے کہاں آسمانی بجلی گری تھی، اِک پل کو سارے میں روشنی سی ہو گئی تھی۔

''تم...... تم تو مجھ سے محبت کرتے ہو ناں......؟'' رخشی نے خوف سے لڑکھڑاتے لہجے میں پوچھا۔

''صرف محبت سے گزارے نہیں ہوتے...... کچھ اور بھی چاہیے ہوتا ہے۔''

''میں تمہیں ایسا نہیں سمجھتی تھی۔''

''تو اب سمجھ لو ناں......'' وہ گھناؤنے انداز میں رخشی کے قریب آیا تھا اور اس کے منہ پر پڑنے والے تھپڑ کا شور بادلوں کی گونج میں کہیں گم ہو گیا تھا...... وہ پوری قوت سے دروازے کی طرف بھاگی تھی...... بارش پورے زور شور سے برس رہی تھی...... اس کی چادر اور بیگ وہیں رہ گیا تھا۔ سیڑھیوں سے بھاگتے ہوئے وہ دو بار گری تھی، انگوٹھے کا ناخن ادھڑ گیا تھا۔ برستی بارش میں ننگے سر کے ساتھ شاہی محلے کی گلیوں میں رخشی نے اپنے آپ کو بھاگتا پایا تھا...... اس کے تعاقب میں اس کی محبت تھی...... اسے حیدر کے کہے لفظ یاد آ رہے تھے۔

''تمہیں دیکھتا ہوں تو سارا زمانہ بھول جاتا ہوں۔ تم سے خوب صورت آج تک کسی کو نہیں دیکھا۔'' اور اس نے کتنی خوشی سے یقین کر لیا تھا...... ہاں لڑکیاں تو خوشی سے کر لیتی ہیں...... وہ تو اسے ''قلوپطرہ'' کہتا تھا۔ قلوپطرہ ---- وہ کو دیکھنے کے لیے مصر کے پرانے زمانے کھنگالنے کی

ضرورت نہیں...... میری قلوپطرہ کا تو اسی زمانے میں وجود ہے......'' اور رخشی کتنا ہنستی تھی اس بات پر...... اور آج وہی ہنسی اس کے لیے جیسے صورِ اسرافیل بن گئی تھی...... شاہی محلے کی گلیوں کی دیواریں تھامتی وہ بے آواز رو رہی تھی۔ وہ قلوپطرہ نہیں تھی...... وہ ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ ٹین کی چھتوں پر ہلکی بارش کی آواز تھی...... بادل اب بھی گرج رہے تھے۔ وہ ننگے سر کے ساتھ گھر کے دروازے پر کھڑی تھی...... جانے کیسے اسلم چچا ڈربے کو تالا لگانا بھول گئے تھے اور بلیاں سارے کبوتروں کے گلے گھونٹ گئی تھیں...... اسلم چچا چوبارے سے مردہ کبوتر نیچے صحن کی طرف پھینک رہے تھے...... صحن میں مردہ کبوتروں کے لاشوں کی ڈھیریاں لگ گئی تھیں۔ ننگے سر پر ہاتھ رکھے رخشی نے سر اٹھا کر چوبارے سے کبوتر گرتے دیکھے تھے...... اگلے ہی پل دونوں ہاتھ منہ پر رکھے وہ پھوٹ، پھوٹ کر رو رہی تھیں...... آج کی بارش بہت بھاری تھی۔ اس محلے کے مکینوں پر...... اسلم چچا کے کبوتروں سے زیادہ چڑ رخشی کو ہی تھی۔ اور آج وہ وجہ ہی ختم ہو گئی تھی...... کبوتروں کے ڈھیر کے پاس کھڑی رخشی پر سب سے پہلی نظر رابو کی پڑی تھی...... بارش میں بھیگی، ننگے سر اور ادھڑے ہوئے ناخن کے ساتھ روتی ہوئی رخشی، رابو کو اپنے جیسی لگی تھی...... وہ اس کی طرف دوڑی تھی...... رخشی نے ہولے سے سرگوشی کی۔

''ہم دونوں غلط تھیں رابو...... ہم دونوں کو ہی محبت راس نہیں آئی......'' شاہی محلے کی وہ دونوں دوشیزائیں مصر کی قلوپطرائیں نہیں تھیں...... اللہ یار اور جاجی تھیلوں میں مردہ کبوتروں کے لاشے ڈالے کہیں دور پھینکنے جا رہے تھے۔ اور وہ دونوں نہیں جانتے تھے اس غلام گردشوں والے گھر میں صرف محبت کی موت ہوئی تھی۔ پھر کہیں کبوتروں نے زندگیاں ہاری تھیں...... قلوپطرہ کا قصہ تمام ہوا...... اور محبت کا بھی......

☆☆☆

''تم ترس کھا رہے ہو مجھ پر......؟'' رابعہ کی آواز بھرا گئی تھی۔ برسوں گزر گئے پر وہی چوبارہ تھا...... وہی محلہ تھا اور وہی دونوں تھے لیکن بیچ میں جانے کتنے سال آئے تھے۔

''خود پر ترس کھا رہا ہوں۔'' اللہ یار نے منڈیر سے ٹیک لگائے اسے دیکھا تھا، وہ شوخ و چنچل سی لڑکی آج کتنی بردبار اور سنجیدہ نظر آ رہی تھی...... رابو نے نظر لگ جانے کے ڈر سے اللہ یار کو دوبارہ نہیں دیکھا تھا۔ آرمی کے یونیفارم میں وہ بہت ہی جچ رہا تھا، شاندار لگ رہا تھا۔

''اماں آج ... ہم دونوں کے رشتے کی بات کرنے آئی ہیں۔'' رابو نے تڑپ کر اسے دیکھا تھا جس کا چہرہ جانے کیوں آج اتنا روشن تھا۔

''میں انکار کر دوں گی۔'' اس کا لہجہ قطعیت سے بھرپور تھا۔ وہ سیدھا چلتا اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا خوشبو نے گھیرا ڈال دیا تھا...... وہ بڑی مانوس سی مہک تھی اپنی، اپنی سی۔

''میں منہ توڑ دوں گا تمہارا...... اور تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں ایسا کر بھی سکتا ہوں۔'' وہ ڈر کر پیچھے ہٹی تھی۔

''تم ایسا کیسے کر سکتے ہو اللہ یار...... تم جانتے ہو کہ ماضی میں میری زندگی میں کوئی اور تھا۔''

''ماضی اور حال میں بڑا فرق ہوتا ہے رابو...... اور یہ اتنی بڑی بات نہیں......''

''دوستی کی خاطر کر رہے ہو ناں یہ سب۔'' لہجے کی کڑواہٹ اللہ یار کو دل پر محسوس ہوئی تھی۔

''نہیں، محبت کی خاطر کر رہا ہوں۔'' سر پر کیپ درست کرتا وہ سیڑھیاں اتر گیا تھا۔ پیچھے وہ گم صم سی کھڑی رہ گئی۔ وقت نے سب بڑی تیزی سے بدلا تھا۔ چوبارے کے ڈربے اب کبوتروں سے خالی تھے۔ اسلم چچا نے اس واقعے کے بعد خاموشی سادھ لی تھی۔

''رابو...... میں نے ان کی موت کا دکھ مرے ہوئے انسان جتنا محسوس کیا ہے، وہ لوتھڑے تھے تب سے ان کی دیکھ بھال کر رہا تھا...... دکھ تو ہوتا ہے ناں، دل تو دکھتا ہے۔'' وہ تسلی دے رہی تھی۔

''تو آپ اور کبوتر لے آیئے گا۔'' وہ اداسی سے ہنسے۔

''میرا بہت چھوٹا سا دل ہے اس بار سہہ گیا ہوں مگر اگلی بار مر جاؤں گا۔'' اور پھر ان گزرے سالوں میں رابعہ نے انہیں کوئی بھی مشورہ نہیں دیا تھا...... شاہی محلے کی رونقیں آج بھی ویسی ہی تھیں۔ بڑے میدان میں بسنت کے دنوں میں پتنگیں اب بھی اڑائی جاتی ہیں، الیکشن کے دنوں میں امیدوار حضرات بوریت والی

تقریریں کرنے آتے۔ ڈسکو کا اسٹیریو اب بھی بجتا...... جاجی کو کلرکی کی ملازمت مل ہی گئی۔ رخشی اور جاجی کا نکاح ہوگیا تھا۔ اور رخشی شاہی محلے کی سب سے خوب صورت دلہن بنی تھی وہ اب ہنستی ہے ماضی پر......

''سچی رابو...... اللہ یار سچ کہتا تھا محبت زندگی کا ایک باب تو ہوسکتی ہے مگر پوری کتاب نہیں۔'' رخشی نے رابو کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔

''پتا ہے رابو...... حسن کی تعریفیں کرنے والے مرد محبت نہیں کرتے...... حسن کی عزت کرنے والے محبت کرتے ہیں۔ اور اللہ یار سے بڑھ کر میں نے کوئی عزت کرنے والا نہیں دیکھا۔'' رابو کے تصور میں وہ آن ابھرا تھا۔ ہلکی بڑھی ہوئی شیو، روشن پیشانی، ستواں ناک اور کسرتی جسم...... وہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں تھا۔ رابو نے اداس ہنسی سے رخشی کو دیکھا تھا اور کہا تھا۔

''جا کر کہہ دو اللہ یار سے کہ میں اس سے شادی تو کروں گی مگر محبت نہیں کروں گی۔''

☆☆☆

بقول رابو کے اس نے شادی کر لی تھی مگر محبت نہیں کی تھی مگر کبھی، کبھی انسان کو اپنے جذبوں کی خبر تک نہیں ہوتی یا پھر وہ انجان بنا پھرتا ہے۔ اسے گاؤں کی زندگی بہت اچھی لگی تھی اور اماں سکینہ تو اس کی ساس نہیں بلکہ گوڑی سہیلی تھیں...... وہ کھلے صحن والا لپا ہوا گھر رابو کو زمین پر جنت جیسا لگا تھا...... لاتعداد مرغیاں تھیں جو اپنے شریر چوزوں کو پروں تلے چھپائے پھرتی تھیں۔ اب مرغیاں گننا اور ان کے چوزوں اور انڈوں کا حساب رکھنا رابو کی ذمے داری تھی۔ اللہ یار بہت کم چھٹیوں پر آتا تھا اس کی ملازمت ہی ایسی تھی...... اماں سکینہ اسے اللہ یار کے بچپن سے لڑکپن تک کے سارے واقعات سے آگاہ کر چکی تھیں...... انہوں نے ابھی تک اللہ یار کا بستہ اور سلیٹ سنبھال رکھی تھی...... گھر کے سارے کاموں میں وہ اماں کا ہاتھ بٹاتی...... اللہ یار کے خطوط ملتے اور وہ ان کے جواب لکھتی...... اماں اکثر اسے اللہ یار کی پسند سے آگاہ کرتی رہتیں۔

''اسے کھانے میں کیا پسند ہے اماں......؟''

''سرسوں کا ساگ شوق سے کھاتا ہے......'' اور رابو نے ساگ بنانا سیکھ لیا تھا۔

''اور دیسی گھی میں بنا آٹے کا حلوا بھی رغبت سے کھاتا ہے۔'' اماں مسکرائی تھیں رابو نے آٹے کا حلوا بھی بنایا اور اللہ یار کے سامنے رکھ دیا۔ اللہ یار حیرت سے مرنے کو تھا۔

''یہ تم نے بنایا ہے؟'' رابعہ نے تیکھے چتون سے گھورا تھا۔

''ہاں تو......''

''میرے لیے......؟'' رابو کا دل چاہا تھا سر دیوار میں دے مارے۔

''ہاں......''

''اماں تیری بہو مجھ سے محبت کرنے لگی ہے، دیسی گھی کے لڈو بانٹو......'' اللہ یار نے باہر کی طرف منہ کر کے ہانک لگائی تھی۔ وہ غصے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''خوش فہمیاں تو دیکھو حضور کی......'' وہ مزے سے حلوا کھا رہا تھا۔

''تو روز بروز پیاری ہوتی جا رہی ہے۔''

''ہونہہ نظر مت لگاؤ......''

''محبوب کی نظر نہیں لگتی۔'' وہ باہر نکل گئی تھی۔

وہ جب بھی گھر آتا تھا چوبیس میں سے اٹھارہ گھنٹے اس کے ساتھ لڑتا رہتا تھا۔ اماں اسے ٹوکتی تھیں۔

''کیوں لڑتا ہے اس سے؟''

''اماں، جب تک اس سے لڑائی نہ کروں مزہ نہیں آتا......'' اور ہر لڑائی کے بعد وہ روٹھ کر اماں کے پاس ہی آتی تھی۔ کبھی رات کے ایک بجے اور کبھی فجر کے چار بجے...... سارا دن دونوں کی بول چال بند رہتی......

''لڑاکا کہیں کا۔'' وہ کڑھتی رہتی......

چائے پیتا وہ ٹھنک جاتا تھا۔

''کیا مجھ سے کچھ کہا۔'' دودھ ابالنا ہوتا تھا اسے۔ وہ اس کی طرف سے پیٹھ موڑ لیتی تھی اور وہ ہولے سے گنگناتا تھا۔

''ایویں رسیا نہ کر میری جان سجناں...... چھڈ جانڑاں ای ایہہ جہان سجناں......''

دودھ ابل کر دیگچی کے کناروں سے باہر گرنے لگتا...... وہ اپنے آپ کو سنبھال لیتی...... لڑتے جھگڑتے، روٹھتے مناتے ہوئے جانے کب اور کیسے اسے اللہ یار سے محبت ہوگئی...... وہ حیران رہ گئی تھی...... جب بھی اسے چھٹی آنا ہوتا تھا، وہ خط میں بتا دیتا...... اور ہمیشہ ہی اماں اسٹیشن پر اس کی منتظر ہوتی تھیں اور وہ ہر بار رابو کو کہتا تھا...... ''میری آنکھیں چاہتی ہیں کسی روز ریلوے اسٹیشن پر تمہیں محو انتظار دیکھیں۔''

''اپنی آنکھوں کو کہو اوقات میں رہیں۔'' کیاریوں سے درانتی کی مدد سے گاجریں نکالتی وہ جواب دیتی...... وہ گھٹنوں کے بل اس کے قریب بیٹھ جاتا تھا۔

''جس دن میں نے تمہیں اپنا منتظر پایا ناں سچ کہتا ہوں خوشی کے مارے میرا دل دھڑکنا بھول جائے گا۔'' رابو نے ہاتھ میں پکڑی درانتی عین اس کے دل کے مقام پر رکھ دی تھی۔

''کسی روز تمہارے دل کو آزما کر ضرور دیکھوں گی اللہ یار......'' اور آج صبح ہی اس نے اماں سے کہا تھا۔

''اماں آج اللہ یار کو لینے میں بھی آپ کے ساتھ اسٹیشن جاؤں گی۔''

اس دن رابو نے اللہ یار کے لیے اپنے آپ کو دلہن کی طرح سجایا تھا، وہ اتنی تیار پہلی بار ہوئی تھی اور دل سے ہوئی تھی۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑی آنکھوں میں کاجل کی سلائی پھیر رہی تھی۔

''میری آنکھیں دیکھنا چاہتی ہیں کہ مجھے دیکھ کر تمہارے ہاتھ سے سامان کا بکسا کیسے چھوٹ کر اسٹیشن کے فرش پر گرتا ہے۔''

☆☆☆

پندرہ منٹ سے ٹیڑھی میڑھی پگڈنڈیاں عبور کرتی وہ دونوں چل رہی تھیں۔ سہ پہر کے تین بجے تھے۔ کھیتوں پر سفید دودھیا دھند سی چھائی ہوئی تھی...... ہلکی سرد ہوا سے فضا میں خنکی بڑھتی جا رہی تھی۔ کیکر کے درختوں کی ٹہنیوں سے ٹپ، ٹپ پانی گر رہا تھا...... گلاب کے کھیتوں سے سرخ گلابوں کی مہک اُڑ رہی تھی۔ اس نے ایک آدھ کھلی کلی توڑ کر مٹھی میں دبالی تھی...... اماں بار، بار مڑ کر اسے دیکھتی تھیں۔

''رابو...... تھک تو نہیں گئیں؟'' اس نے پندرہ منٹ سے ایک ہی جواب دیا تھا۔

''نہیں اماں...... بالکل بھی نہیں۔''

شہد کی مکھیوں کا مدھر شور سنائی دے رہا تھا...... نالے و پگڈنڈیاں پار کر کے کہیں ریلوے اسٹیشن کی دھند میں لپٹی قدیم عمارت نظر آئی تھی۔ رابو کو وہ عمارت بڑی پیاری اور مقدس لگی تھی...... وہ عمارت بڑی شان سے اپنی جگہ پر کھڑی تھی...... ریل کی دھاتی پٹڑیوں پر کچھ آوارہ کتے ٹہل رہے تھے...... چند قلی اوور کوٹ پہنے شاہانہ بانکپن سے گھوم رہے تھے۔ ایک ریلوے آفیسر افسرانہ تمکنت کے ساتھ پلیٹ فارم پر سگار پیتا ٹہل رہا تھا۔ ریلوے اسٹیشن کی عمارت کے زرد بلب جل رہے تھے جن پر کچھ پتنگے آوارہ پھر رہے تھے...... لکڑی کے بینچوں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں...... وہ اور اماں ایک لکڑی کی بینچ پر بیٹھ گئی تھیں...... ایک لڑکا چائے کے دو کپ لے آیا تھا...... وہ رابو کو دیکھ کر جیسے شرما سا گیا تھا۔

''یہ کیپٹن اللہ یار کی ووہٹی ہیں ناں......؟'' اس کے جھجکتے ہوئے سوال پر اماں نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

''اماں...... اللہ یار کو یہاں سب جانتے ہیں؟''

''ہاں بیٹا...... سارا عملہ جانتا ہے......'' کچھ مسافر ٹولوں کی صورت میں اِدھر اُدھر ٹہل رہے تھے...... تبھی فراٹے مارتی ٹرین کی سیٹی گونجی تھی اور چنگھاڑیں مارتی گاڑی کا انجن سکون میں آیا تھا...... بوگیوں کے دھاتی دروازے دھڑ دھڑ کرتے کھلے اور فوجی جوان باہر نکلے تھے۔ رابو کا دل دھڑکنا بھول گیا تھا۔ وہ دیوانگی کے عالم میں اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ بھانت، بھانت کی آوازیں آئی تھیں...... چار فوجی ایک تابوت کندھوں پر اٹھائے پلیٹ فارم پر اترے تھے۔ لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہوگیا تھا۔ رابو نے وحشت کے عالم میں اماں کو جھنجوڑا تھا۔

''اماں...... اللہ یار کہاں ہے؟'' لوگوں کے ہجوم نے راستہ چھوڑ دیا تھا۔ رابو اور اماں نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا...... فوجی جوان ایک طرف ہاتھ باندھے کھڑے ہوگئے تھے...... دس قدم سے دوری پر وہ تابوت پڑا تھا۔ رابو کا ہاتھ سینے پر پڑا تھا...... ریلوے اسٹیشن کی اس قدیم عمارت سے اسے خوف آ رہا تھا۔ تابوت کے شیشے پر اس کا پہلا آنسو گرا تھا۔

''ایک خطرناک آپریشن میں اللہ یار نے جان کی بازی ہاری......'' اماں اوندھے منہ فرش پر گری تھیں۔

رابو کے ہاتھ میں پسینے سے نہایا وہ ادھ کھلا گلاب تابوت کے شیشے پر گرا تھا۔

یہ بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
جیت گئے تو کیا کہنے ہارے بھی تو بازی مات نہیں

تابوت میں لیٹا اللہ یار جیسے مسکایا تھا۔ ''جان دینے کی بات ہوئی تھی دیکھ لو...... دے دی جان...... کیا کہتی ہو؟'' اس نے تابوت کے ٹھنڈے شیشے پر ہاتھ پھیرا تھا اور تڑپ، تڑپ کر روئی تھی۔

''اللہ یار...... میں چاہ کر بھی تم سے محبت نہیں کر پائی...... میں نے تم سے عشق کرلیا......'' ریلوے اسٹیشن پر کھڑے ہر شخص کی آنکھیں بھر آئی تھیں...... رابو کی ہتھیلیوں کی مہندی کے رنگ کچے پڑ گئے تھے...... وہ تابوت کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتی شیشے پر ہولے، ہولے دستک دے رہی تھی...... اسے لگا وہ ابھی ہنستا ہوا اٹھ بیٹھے گا۔

''ہر شام دل کی جگہ ہاتھ رکھ کر تسلی کرلیا کرو...... کیا پتا کسی دن اپنی جگہ سے کھسک جائے اور تم گلیوں، کوچوں میں ڈھونڈتی پھرو...... خیر...... ملنا تو وہاں بھی نہیں...... اگر کہیں دھڑک رہا ہوگا تو وہ اللہ یار کا سینہ ہوگا...... تمہارا دل میرے سینے میں دھڑکے گا رابو......''

''میں اس بات کا گواہ ہوں کہ اس نے آپ کے لیے برف کا چار کھڑکیوں والا گھر بنایا تھا۔'' کیپٹن جابر نے رابو کی طرف دیکھا اور ہولے سے کہا تھا۔ ''جہاں وہ گیا ہے وہاں کھڑکیاں نہیں ہوں گی۔'' وہ وحشت بھرے انداز میں ہنسی تھی۔

اماں نے اٹھ کر رابو کا ہاتھ تھاما تھا...... ''آخری ملاقات میں کہہ کر گیا تھا میری شہادت پر دونوں مت روئیے گا ورنہ دوبارہ جی اٹھوں گا......'' وہ لڑکھڑائی تھی۔ اماں نے تھام لیا تھا...... رابو اماں کا ہاتھ پکڑے، پکڑے کیپٹن جابر تک آئی تھی۔

''بہت اچھے گواہ ہیں ناں آپ...... تو جب مجھ سے سوال اٹھے تو کہہ دیجیے گا رابو نے اللہ یار کو محبت کے لائق نہیں سمجھا، اس نے تو اللہ یار کو عشق کے درجے پر رکھا......'' جابر کو اللہ یار کی کہی بات یاد آئی تھی۔

''جس دن اس نے کہہ دیا کہ وہ محبت نہیں کرتی تو وہ سچ میں محبت نہیں کرے گی...... وہ عشق کرے گی۔''

چاروں طرف گرتی دھند میں اماں کو ساتھ لپٹائے وہ لڑکھڑاتی ہوئی جا رہی تھی...... تابوت کے شیشے پر اب بھی وہ ادھ کھلا گلاب تر و تازہ پڑا تھا۔

☆☆☆

قبرستان کے کاسنی پھول ہوا سے اڑتے پھر رہے تھے...... وہ دونوں ہاتھ دعا کو اٹھائے کھڑی تھی...... پھر ہولے سے ہنس دی تھی۔

''رابو کا ظرف اتنا چھوٹا نہیں تھا کہ اللہ یار سے محبت کرلیتی...... تم نے زندگی کا صرف ایک باب مانگا تھا۔ مگر میں نے پوری کتاب تمہارے حوالے کردی...... تم سے عشق کرلیا۔''

فلک یار اپنی جھولی میں ڈھیروں کاسنی، نارنجی پھول جمع کرتا پھر رہا تھا...... رابو نے اسے آواز لگائی تھی۔

''اِدھر آؤ بیٹا فلک یار...... بابا سے بات کرو......''

وہ چھوٹے، چھوٹے قدم اٹھاتا شہید کیپٹن اللہ یار کی قبر کی طرف آیا تھا اور جھولی میں بھرے سارے پھول قبر پر پھیلا دیے تھے...... رابو اداسی سے مسکرادی تھی۔

''تم نے جانے میں بہت جلدی کی اللہ یار...... ورنہ میں تمہیں خوشخبری سنانے ہی تو آئی تھی...... مگر تم تو وعدے کے کچے نکلے...... بڑی ناک والے تھے ناں کہاں، کہاں کب، کب نہیں یاد آؤ گے۔'' وہ آنسو پونچھ رہی تھی۔ فلک یار ساتھ، ساتھ چل رہا تھا۔

''امی...... آپ رو رہی ہیں؟'' وہ فکرمند ہوا تھا۔

''ہاں بیٹا......'' وہ جیسے خفا ہوا تھا۔

''آپ بالکل بھی بہادر نہیں ہیں۔''

''میرا بیٹا جو بہادر ہے...... جلدی چلو...... دادی منتظر ہوں گی۔'' وہ دونوں چھوٹے، چھوٹے قدم اٹھاتے قبرستان کے احاطے سے باہر جا رہے تھے اور ہمیشہ کی طرح رابو نے پیچھے پلٹ کر ضرور دیکھا تھا۔

آج بھی کیپٹن اللہ یار کی قبر پر وہ ادھ کھلا لال گلاب تر و تازہ پڑا تھا۔



میراث

ریمل آرزو

میں توجہ سے ان کی بات سن رہی تھی۔ ان کی آواز خاصی پاٹ دار تھی۔ اب وہ کہہ رہی تھیں۔

''ماں، باپ اور رشتے داروں کے ترکے میں خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ لڑکوں کا حصہ ہے اور ماں باپ اور رشتے داروں کے ترکے میں خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ لڑکیوں کا بھی حصہ ہے اور یہ حصے خدا کی طرف سے مقرر کردہ ہیں۔''

سورۂ نسا کی آیت نمبر سات کا ترجمہ رومیصہ بھابی نے پڑھ کر سنایا تو مجھے بے ساختہ عبیرہ آپا یاد آئیں اور میری آنکھ بھر آئی، دل سے آہ نکلی...... ''کاش بھابی آپ کو یہ ارشاد ربانی اس وقت بھی یاد ہوتا جب آپا بابل کے در پر بہت مان سے آئی تھیں اور انہیں تھی

دست لوٹا دیا گیا تھا۔“

عبیرہ آپا ترکے میں اپنا حق مانگنے کے لیے رضا مند نہیں تھیں کیونکہ وہ انجام جانتی تھیں مگر پھر بھی اپنے شوہر قاسم علی کے اصرار پر چلی آئیں..... قاسم بھائی کو اچھے بھلے چلتے کاروبار میں نقصان ہوا تھا۔ وہ نیا کاروبار شروع کرنا چاہ رہے تھے مگر رقم کم پڑ رہی تھی سو انہوں نے آپا کو میکے بھیج دیا تھا کہ شاید کچھ بندوبست ہو جائے۔ اور جب عبیرہ آپا نے بھیا، بھابی سے بات کی تو گویا قیامت آ گئی ہو..... رومیصہ بھابی نے آسمان سر پر اٹھا لیا یوں جیسے آپا نے اپنا حق نہیں مانگا بلکہ ان کا حق چھین لیا۔

”توبہ، توبہ تمہاری ہمت کیسے ہوئی جائداد میں اپنا حصہ مانگنے کی..... آج سے پہلے خاندان کی کسی لڑکی نے ایسی حرکت نہیں کی..... اور تم چلی آئی ہو منہ اٹھا کر اپنے نکھٹو میاں کے کہنے پر اپنا حصہ منہ پھاڑ کر مانگنے..... عبیرہ تجھے ذرا بھی شرم نہ آئی..... ارے میں پوچھتی ہوں کہ تمہارا نکھٹو میاں دوسروں سے امید کیوں رکھتا ہے، خود کیوں نہیں ہاتھ پاؤں مارتا، کام کے لیے اور اگر کما کر کھلا نہیں سکتا تھا تو بیاہ رچا کر بچے کیوں پیدا کیے؟“

بھابی کی زبان آگ اگل رہی تھی اور آپا خاموشی کی چادر اوڑھے بھابی کی باتوں کی تپش سے جھلسے جا رہی تھیں۔

”جاؤ کہہ دو قاسم سے ایک روپیہ بھی نہیں دیں گے ہم اسے..... ہونہہ..... بڑا آیا ہمارے روپوں سے کاروبار کرنے والا تمہارا نکھٹو میاں۔“ رومیصہ بھابی نے نہایت سفاک دلی اور تمسخرانہ انداز میں کہا..... آپا کی جگہ اگر میں ہوتی تو بھابی کو منہ توڑ جواب دیتی کہ...

”بھابی میں آپ کی جائداد نہیں اپنے باپ کی جائداد سے اپنا حق مانگ رہی ہوں اور مجھے میرے حق سے کوئی محروم نہیں کر سکتا اور رہی بات نکھٹو میاں کی تو میں گھر سے نہیں بھاگی تھی، اس کے ساتھ اس نکھٹو انسان سے منسوب کرنے والے بھی آپ لوگ ہی تھے۔“ مگر یہاں آپا تھیں جو رومیصہ بھابی کی تمام کڑوی کسیلی باتوں کے جواب میں لبوں پر قفل چڑھائے مسلسل آنسو بہائے جا رہی تھیں..... ریحان بھائی بھی ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہنے لگے.....

”عبیرہ تمہاری بھابی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے ہمارے خاندان میں رواج نہیں ہے لڑکیوں کو وراثت میں حق دینے کا، ویسے بھی ابا جی ترکے میں چھوڑ کر گئے ہی کیا ہیں صرف ایک گھر اور دکانیں..... ابھی مجھے سویرا کا بھی فرض ادا کرنا ہے اور تمہیں اگر میں حصہ دے بھی دوں تو کل کو سویرا بھی اپنا حق مانگنے کو اٹھ کھڑی ہو گی تو پھر ہمارے پاس کیا بچے گا؟“

”مگر بھائی جان مجھے قاسم نے دھمکی دی ہے کہ اگر میں خالی ہاتھ آئی تو۔“ آپا کی بے بسی سے ہچکی بندھ گئی بات ادھوری رہ گئی۔

”ارے کچھ نہیں کرے گا وہ..... کان کھول کر سن لو عبیرہ، اب اگر دوبارہ تم اس مقصد کے لیے اس گھر میں آئیں تو ہم پر فاتحہ ہی پڑھ کر جانا..... اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے کہ تمہیں کیا چاہیے..... وارثت میں ورثہ یا بھائی، بھابی کا رشتہ؟“ رومیصہ بھابی نے دو ٹوک انداز میں کہا اور آپا نے آنسو پونچھتے ہوئے پل بھر میں فیصلہ کیا اور وہ خالی ہاتھ چلی تو گئیں۔

پر جا کر بھی آپا انہی قدموں سے لوٹ بھی آئیں..... قاسم بھائی کو بھیا اور بھابی کا انکار اپنی توہین محسوس ہوا سو انہوں نے جو کہا تھا وہ کر دکھایا..... بھیا کے گھر سے خالی ہاتھ آنے کے جرم میں آپا کے شوہر نے ان کے ہاتھ میں طلاق نامہ تھما کر انہیں گھر سے نکال دیا اور مزید ظلم یہ کیا کہ تین سالہ معصوم علی کو بھی آپا سے چھین کر اپنے پاس رکھ لیا۔

روتی پیٹتی آپا کو بھیا نے صبر کی تلقین کر کے اپنا فرض ادا کیا اور بھابی نے نہایت سفاک دلی سے بیٹے علی کو بھول جانے کا مشورہ دیا اور کہا کہ ”بچے کے حصول کا مطالبہ بند کر دو..... اس کی اولاد ہے وہی پالے، ہمارے پاس وکیلوں کی فیس کے لیے نہ تو اتنا فالتو پیسہ ہے اور نہ ہی فالتو وقت جو ہم تمہارے اور تمہارے بچے کی خاطر کورٹ کچہری کے چکروں میں برباد کریں..... چلو فرض

کرو اگر تمہیں تمہارا بچہ مل بھی جائے تو کیسے پرورش کرو گی اس کی، تمہارے پاس کون سا کوئی ڈگریاں ہیں جو کوئی تمہیں نوکری دے گا اور تم کرلو گی..... کسی سے کوئی آس مت رکھو کوئی بھی بیگانی اولاد کو نہیں پالتا..... ہم بھی تمہیں سدا اپنے پاس بٹھا کر نہیں کھلا سکتے..... اور ویسے بھی ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے، ہم تمہارا دوسرا بیاہ کریں گے تو تمہارا بچہ تمہارے بیاہ میں رکاوٹ بنے گا سو بہتر یہی ہے کہ وہ اپنے باپ کے پاس ہی رہے۔“ ابھی تو ایک دن بھی نہ ہوا تھا آپا کو آئے ہوئے اور ابھی سے انہیں آپا کے دوبارہ گھر بسانے کی فکر ستانے لگی تھی..... رومیصہ بھابی کے رویّے پر مجھے سخت حیرت ہوئی تھی کہ آخر وہ ایک عورت اور ماں ہو کر بھی اتنی سنگ دل کیوں ہیں۔ کیوں وہ آپا کا درد نہیں سمجھتیں؟

کہیں نہ کہیں عبیرہ آپا کی بربادی میں ان کا بھی ہاتھ تھا کیونکہ آپا کا رشتہ بھابی نے ہی طے کیا تھا۔ بھیا تو ہمیشہ اپنی بیوی کی ہاں میں ہاں ہی ملایا کرتے تھے..... بھیا نے اگر کچھ چھان بین کر کے آپا کا رشتہ کسی اچھی جگہ کیا ہوتا تو یہ سب نہ ہوا ہوتا..... عبیرہ آپا علی کے کھلونوں اور کپڑوں کو سینے سے لگائے دن بھر اس کی یاد میں کھوئی رہتیں اور رات کو تخیل میں اسے لوری دے کر روتی رہتیں..... مجھ سے آپا کی جہالت دیکھی نہ جاتی، مجھے ان پر جی بھر کر رحم بھی آتا اور ان کی بزدلی پر غصہ بھی آتا..... انہوں نے اگر اپنے حق کے لیے آواز اٹھائی ہوتی تو آج انہیں یہ دن نہ دیکھنے پڑتے.....

میں ان دنوں میٹرک کا امتحان دے کر فارغ ہوئی تھی۔ زیادہ تر وقت آپا کے ساتھ ہی گزارتی، ان کی دلجوئی کرتی کسی نہ کسی مشغلے میں انہیں مصروف رکھتی تاکہ وہ اپنا تلخ ماضی بھلا سکیں۔ اس واقعے کو چھ ماہ سے زائد کا عرصہ گزر چکا تھا۔ میری انہی کوششوں سے عبیرہ آپا قدرے سنبھل گئی تھیں۔

مگر ایک دن رومیصہ بھابی نے آ کر پھر سے عبیرہ آپا کے زخم ہرے کر دیے۔ زخم کیا ہرے کیے ایک نئے زخم کی نوید دے ڈالی۔ انہوں نے حکم صادر کیا کہ...

سنہری باتیں

☆ زندگی کی حقیقت بس اتنی سی ہے کہ انسان پل بھر میں ماضی بن جاتا ہے۔ اس لیے سب کے ساتھ ہمیشہ اچھا کرو تاکہ ماضی بن جانے کے بعد کوئی اچھے الفاظ میں یاد رکھ سکے۔

☆ جس گھر میں رات دیر تک جاگنا اور صبح دیر سے اٹھنا معمول بن جائے تو وہاں رزق کی تنگی اور بے برکتی کو کوئی نہیں روک سکتا۔

از: مسلم......65,74

☆ دعائیں دینے والے سے بڑھ کر دنیا میں کوئی سخی نہیں اور دعائیں سمیٹنے والے سے بڑھ کر کوئی دولت مند نہیں......

☆ دعا نصیب والوں کو ملتی ہے، اس لیے جب کوئی آپ کو دعا دے تو اس کے لفظوں پر صدقِ دل سے آمین کہیں..... کیونکہ خلوصِ نیت کو جانچنے کا کوئی پیمانہ اب تک ایجاد نہیں ہوا۔

از: مہرین ضیا بخش، کراچی

”جمعہ کو تیار ہو جانا، میرے بھائی راحیل سے تمہارا نکاح ہے..... نکاح کی جلدی اس وجہ سے ہے کہ راحیل کی بیوی کا انتقال ہو چکا ہے اور راحیل کے دو چھوٹے بچوں اور گھر کو سنبھالنے والا کوئی نہیں ہے۔“ رومیصہ بھابی، آپا کو سوچوں کے بھنور میں چھوڑ کر جا چکی تھیں..... میں جانتی تھی کہ آپا فی الحال دوسری شادی کے لیے تیار نہیں ہیں، مجھے پوری امید تھی کہ اب کی بار آپا ہمت دکھائیں گی، اپنا فیصلہ خود سنائیں گی مگر اب کی بار تو آپا نے بزدلی کی تمام حدیں ہی پار کر لیں.....

جمعہ کا دن آ پہنچا تھا بارات بھی آ گئی تھی..... نکاح کے لیے جب آپا کو بلوایا گیا تو انہیں بے ہوش پایا گیا..... آپا کو اسپتال پہنچا دیا گیا تھا..... اس وقت میں مہمانوں میں مصروف تھی اس ساری صورتِ حال سے بے خبر تھی کہ رومیصہ بھابی میرے پاس آئیں اور مجھے اندر لے جا کر کہنے لگیں ”عبیرہ نے عین نکاح

کے وقت پر اس رشتے سے انکار کر دیا ہے، اب دونوں گھروں کی عزت صرف تمہارے ہاتھ میں ہے اور اب تمہیں ہی راحیل سے نکاح کرنا ہوگا۔‘‘

میں جو بڑی، بڑی باتیں کیا کرتی تھی اس سے مر ہی گئی تھی۔ میرے اندر آپا کی روح سما گئی تھی...... میں سویرا راؤ جو حق بات کہنے کا حوصلہ رکھتی تھی، جو جی چاہتا تھا وہی کرتی تھی مگر زندگی کے اس موڑ پر آ کر اپنی تقدیر سے ہار گئی تھی، اپنی تمناؤں کا گلا دبا کر رومیصہ بھابی کے سامنے سر جھکا کر بیٹھی تھی اور دو بچوں کے باپ کی منکوحہ بن بیٹھی تھی۔

نکاح کے کچھ دیر بعد گھر میں کہرام مچ گیا جب اسپتال سے آپا کی لاش لائی گئی۔ ’’عبیرہ نے خودکشی کر لی‘‘ جنگل کی آگ کی طرح یہ خبر ہر طرف پھیل گئی تھی۔

ایک قیامت کے بعد دوسری قیامت مجھ پر ٹوٹ پڑی تھی۔ بظاہر موت صرف آپا کی ہوئی تھی مگر میں جانتی ہوں اس روز بھیا کے گھر سے دو جنازے اٹھے تھے، ایک میت کو خاک نصیب ہوئی تھی تو دوسری کو اپنے وجود کی تربت...... آپا کی موت کے صدمے نے میرے ذہن پر بہت برا اثر ڈالا تھا، میں ہر اک سے بدگمان و بیزار رہنے لگی تھی۔ راحیل سے بھی شدید نفرت کرتی تھی مگر میری توقع کے خلاف راحیل بہت اچھے انسان ثابت ہوئے، میری تمام تر گستاخیوں کو انہوں نے بہت تحمل سے برداشت کیا...... یقین نہیں ہوتا تھا کہ وہ رومیصہ بھابی کے بھائی ہیں ان کے پُرخلوص رویے نے میرا دل جیت لیا تھا...... وہ اس بات سے لاعلم تھے کہ مجھے ان کی زندگی میں زبردستی شامل کیا گیا ہے اور جب انہیں علم ہوا تو وہ بہت نادم ہوئے، وہ مجھے میری خوشی کی خاطر بخوشی آزاد کرنے کو بھی تیار تھے مگر میں خودغرض نہ تھی راحیل کے بچے مجھ سے بہت مانوس ہو گئے تھے، وہ مجھے مما جانی کہتے تھے تو میں کیسے دوبارہ ان سے ان کی ماں کو جدا کر کے گنہگار ہوتی...... سو میں نے ان معصوم فرشتوں کی خوشی میں ہی اپنی خوشی ڈھونڈ لی اور سب کچھ بھلا کر راحیل کے ساتھ نئی زندگی کا آغاز کر دیا۔

بہت جلد ہی میں محبت اور خدمت سے سب کے دلوں میں گھر کر چکی تھی بدلے میں، میں نے بھی راحیل اور بچوں کی جانب سے ڈھیروں محبتیں سمیٹی تھیں اور ابا جی (سسر) تو میرا دم بھرتے نہ تھکتے، ان کی اتنی محبت مجھے اکثر اشکبار کر جاتی۔ زندگی چین سے گزر رہی تھی کہ ایک دن ابا جی کو فالج کا اٹیک ہو گیا اور وہ چارپائی پر ایسے پڑے کہ پھر کبھی نہ اٹھے...... میں نے اور راحیل نے ان کی خدمت میں دن رات ایک کیے رکھا مگر ہوا وہی جو خدا کو منظور تھا۔ ابا جی اپنے آخری وقت تک اپنی بیٹی رومیصہ بھابی کو یاد کرتے رہے مگر وہ مصروفیت کا بہانہ بنا کر آنے سے انکار کرتی رہیں...... میرے سسر نے مجھے میرے سگے باپ سے بڑھ کر پیار دیا تھا۔ جب ہی تو ان کے جانے پر مجھے لگا کہ میں ایک بار پھر یتیم ہو گئی ہوں۔

آج ابا جی کا چہلم تھا۔ تمام دور پرے کے مہمان آ کر جا چکے تھے مگر کچھ قریبی عزیز اور رومیصہ بھابی ابھی موجود تھیں اور انتہائی مصروف رومیصہ بھابی کیوں موجود تھیں، یہ بات بھی جلد ہی کھل کر سامنے آ گئی تھی۔ وہ ابا جی کے ترکے میں سے اپنا حصہ مانگ رہی تھیں اور وہ بھی قرآن و سنت کی روشنی میں...... معلوم نہیں لوگوں کو اسلام کے احکام تب ہی کیوں یاد آتے ہیں جب ان کے اپنے فائدے کی بات ہو...... میں انہی سوچوں میں غلطاں تھی کہ رومیصہ بھابی کی آواز نے میری توجہ اپنی جانب کھینچی۔

’’اگر مگر کیا راحیل...... ابا جی کی جائداد میں تمہارے ساتھ، ساتھ میرا بھی تو حصہ ہے جو تم جلد از جلد مجھے پہنچا دو، ورنہ ابا جی کی روح کو تو تکلیف ہوگی ہی کل کو اللہ کے ہاں تمہاری بھی پکڑ ہوگی......‘‘ رومیصہ بھابی نے نخوت سے کہا اور میرا دل چاہا کہ انہیں انہی کے الفاظ لوٹا کر آئینہ دکھا دوں اور کھری، کھری سنا دوں جو کبھی انہوں نے میری آپا کو سنائی تھیں۔ مگر میں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ میں رومیصہ نہیں بننا چاہتی تھی اور نہ ہی رومیصہ کو عبیرہ بنانا چاہتی تھی۔



شروع گرما کی ایک حبس بھری دوپہر میں تبسم نے احمر کی جاں فزا آواز اپنے کانوں سے دہلیز پر سنی تھی۔ اس کے آس پاس جیسے ٹھنڈی ہوا چل پڑی۔ لبوں پہ ایسا جاندار تبسم ابھرا کہ چوکھٹ سے نکلتی اس کی بھاوج ٹھٹک کر رکی اور دروازے تک جاتے، جاتے شہر سے منگوائی گئی خاص اپنے نام کے ڈیزائن والی چوڑیوں کی ساری خوشی نیست و نابود ہو گئی۔ جیسے لانے والے نے اس کے ہاتھوں میں دینے کے بجائے زمین پر دے ماری ہوں اور ٹوٹے

ع عورت تہمت

ایک عام تاثر یہی ہے کہ عورت ایک کمزور اور کم تر ہستی ہے . . . مگر یہی کمزور اور کم تر ہستی صنف مخالف پر کس، کس طرح اثر انداز ہوتی اور وقت پڑنے پر چٹان جیسی مضبوطی بھی دکھاتی ہے۔ حروف تہجی کے اعتبار سے شروع ہونے والے اس نئے سلسلے عورت کہانی میں ہماری معروف قلم کار **فرحین اظفر** نے یہی بتانے کی کوشش کی ہے۔

جُداگانہ موضوعات لیے کہانیوں کا نیا سلسلہ آپ جیسے باذوق قارئین کی نذر



بکھرے کانچ پر اس کا پیر پڑ گیا ہو۔

''بھابی آپ کی چوڑیاں......'' احمر نے اسے دیکھ کر جلدی سے وہیں پکڑائیں اور واپسی کے پر تولے۔

''کیا بات ہے بڑی جلدی میں ہو اندر نہیں آؤ گے۔''

وہ چوکھٹ میں پھیل کر کھڑی اس کا راستہ روکے تھی۔ جانتی تھی اندر آنے کے لیے تو وہ یہاں باہر اور اس کی ہوتی سوتی وہاں اندر پوری جان سے بے قرار ہیں... پر یہی بے تابی ہی تو تھی جو اسے ایسے لکا چھپی پہ اکساتی تھی۔

''آں...... نہیں...... پھر بھی۔''

اس نے بھاوج کو سرتاپا دیکھا۔ جسے اپنے اور اس کے رشتے کی نزاکت اور تقاضوں کا یا تو احساس نہیں تھا یا پھر بھرپور طریقے سے تھا۔

چہرے پر بڑی چیلنجنگ قسم کی مسکراہٹ لیے وہ اسے ہی گھور رہی تھی۔

''خیر تمہاری مرضی...... خالہ کو میرا سلام کہہ دینا۔'' دروازہ دھڑ سے مار کر واپس پلٹتے اس کے حلق سے قلقاری سی نکل گئی اور ہونٹوں سے گنگناہٹ......

''تھاڑے رہیوا او بانکے یار وے......''

تبسم نے انہیں اکیلے آتے دیکھا تو مسکراتے لبوں پہ پپڑیاں سی جم گئیں۔

☆☆☆

پورن ماشی کو گزرے کتنی راتیں اتر گئی تھیں۔ اب بلوریں ٹھیکرے کی طرح خم کھائے چاند کی روشنی بس اتنی تھی کہ، اونچا لمبا وجود ایک سائے جیسا دکھتا تھا۔

''تو نے کاجل تک نہیں لگایا۔'' اس نے اس اندھیری روشنی میں بھی تاڑ لیا۔

چھت کی منڈیر سے ٹیک لگائے سایوں کے حلق سے نکلتی آواز سرگوشیوں کو شرما رہی تھی۔

''کیا کرتی...... دن کی روشنی میں تو تم نے اندر آنا بھی گوارا نہیں کیا۔''

نہ چاہتے ہوئے بھی شکوہ دل کی گہرائیوں سے نکلا تھا۔

''کیا کرتا آکر...... تیری وہ چھل پیری بھابی فردوس......'' اس نے چبا، چبا کر نام لیا۔ ''کسی چوکیدار کی طرح بیٹھی رہتی۔ نہ تجھے بلاتی اور بات کرنا تو دور کی بات......''

اس کا انداز بڑا دل جلا تھا۔ تبسم کے پیٹ میں زور کی ہنسی کا بگولا اٹھا۔ اس نے پوری جان لگا کے قابو کیا۔

''اچھا سن...... اگلے مہینے پکی ہو جائے گی نوکری...... بول...... اماں کو بھیج دوں!''

اس کے لہجے میں دنوں کے پیاسے کی تڑپ تھی اور سوال میں اندیشوں کے ناگ پھنکار رہے تھے۔

''ابھی نہیں۔''

ناگ نے اسے ڈنک مارا۔

''مجھے پتا تھا تو منع ہی کرے گی......'' اس نے ضدی بچے کی طرح پیر کو دھپ سے زمین پر مارا۔

''بات تو سن...... اسی مہینے کی بات ہے ناں۔ پکی ہو لینے دے۔ ورنہ تو میری بھابی کو بھی جانتا ہے اور اپنی اماں کو بھی۔ کچی نوکری کا بول کے بھابی نے انکار کر دیا ناں ایک بار تو، تیری اماں دوجی واری نہیں آنے والی۔''

اس نے تریاق پلانا شروع کیا۔ ڈسے ہوئے کے زخم میں تھوڑا آرام آیا۔

''تب تک میں کیا کروں۔'' اس کے انداز کی.... بے تابی بڑی بے باک تھی۔ اس نے تبسم کو شانوں سے جکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔

وہ سن سی ہو کر رہ گئی۔ وہ اس کو اتنے قریب کر بیٹھا تھا کہ اس کے چہرے اور احمر کے سینے کے بیچ ذرا سا ہی فاصلہ باقی تھا۔ اس کا وجود ایک بے خود کر دینے والی خوشبو سے مہک رہا تھا۔

قریب تھا کہ وہ اس خوشبو کے سمندر میں ڈوب ہی جاتی۔ اس کے من میں دھڑ کتا مرد بھی اسے ایسی قربت بخشنے ہی والا تھا کہ دو انگاروں جیسی آنکھیں چمکیں۔

تبسم کے منہ سے چیخ نکلتے، نکلتے رہ گئی۔ اور منڈیر سے جھانکتی سیاہ بلی سایوں میں جان پڑتی دیکھ کے دوسری طرف کود گئی۔

''چل ہٹ...... پاگل ہو گیا کیا۔'' اس نے رخساروں کے قندھاری سائے پہ سیاہ چادر کی بکل اوڑھ لی۔

اب اس سے نظریں ملانے کا یارا نہیں تھا۔ اور وہ تھا کہ اس کے دہکتے عارضوں کی رنگت کو دل میں جذب کر کے لہو رنگ بنانا چاہتا تھا پر اس کے لاکھ روکنے پر بھی وہ اس

کا عجلت میں دیا گیا پیکٹ اٹھا کر دھپ، دھپ کرتی سیڑھیاں اتر گئی۔

ہاتھ پیروں کی لرزش نے اسے شدید گرمی میں بھی چادر میں گھسنے پہ مجبور کر دیا۔ کانوں کے پیچھے سے جو تپش نکل رہی تھی وہ اس کے علاوہ تھی۔

اسے تو اس کے لائے ہوئے تحفے کو نظر بھر کے دیکھنے تک سے حیا آ گئی تھی۔

☆☆☆

سیاہ رنگ کے چھوٹے سے ڈبے میں سب کچھ تھا۔ آنکھوں کو دودھاری تلوار بنانے والا کاجل، رخساروں کی لالی، لبوں کا گلال اور ایرانی قالین کے جیسی دبیز تہ کی طرح نرم ملائم برش...... جسے چہرے پر پھیرتے ہی ایک پھریری سی رگ و پے میں دوڑ جاتی تھی۔

مگر...... وہ اتنا پیارا تحفہ پا کر نہال ہونے کے بجائے گئے دن کی ایک کسیلی یاد نکال کر بیٹھ گئی۔ جب بھابی نے ہری کانچ کی چوڑیاں لاڈ سے دیکھتے ہوئے احمر کے دروازے سے ہی لوٹ جانے کی اپنی طرف سے بڑی ٹھونک بجاتی توجیہہ پیش کی تھی۔

''سنا ہے چاچے کی لڑکیاں جہاں وہ رکا ہوا ہے، بڑی فیشنی اور ماڈرن ہیں......''

اس کا ڈوئی گھماتا ہاتھ یک دم جم گیا تھا۔

''مجھے مہرن خالہ نے بتایا تھا ایک دن...... پڑھی لکھی بھی ہیں...... اور ایسی لڑکیاں کس کو اچھی نہیں لگتیں۔''

اسے اوہام کی بھول بھلیوں میں چھوڑ کر وہ خود تو کمرے میں چلی گئی تھی۔ پر اس وقت سے رات تک تبسم ایک خلا میں معلق رہی تھی۔ رات میں اس کے پیر تب ہی دھرتی کو چھو پائے تھے جب احمر نے اس سے کاجل نہ لگانے والی بات کی تھی۔

وہ اب بھی اسے اتنے ہی غور سے دیکھتا تھا۔ تبھی تو اس نے تبسم کی سونی آنکھیں دیکھ لی تھیں۔ وہ کہتا تھا تبسم اس کے دل کی مکین ہے، ملکہ ہے...... اسے دیکھنے کے لیے اسے روشنی کی نہیں اپنے من کی آنکھوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جن کے آئینے میں اس کا عکس اسے سفید مرمر پر کھدے سیاہ لفظوں کی طرح شفاف نظر آتا ہے۔

پھر اب اس مصنوعی سنگار کا اہتمام چہ معنی......

بھابی فردوس کی باتیں پھر سے یادداشت کی پوٹلی سے اچک، اچک کر باہر آنے لگیں۔

وہ کشمکش کی ان دیکھی ڈور سے بندھی بے ارادہ بھابی فردوس تک آ کر رک گئی۔ وہ آئینے کے سامنے بیٹھی، لانبی زلفوں میں بل دے رہی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر نظر جما کے اسے دیکھتی رہی۔

اس کا بھائی، فردوس کا خاوند دل و جان سے اس کی

ہر، ہر ادا پر مر مٹنے کو تیار رہتا۔ فردوس کے پاس ظاہری حسن کا خزانہ تھا بھی قارون جیسا۔ سلیم جیسا شوہر اس کے قابل نہیں تھا اگر صرف صورت کا تقابل کیا جاتا۔ فردوس بھی کسی شہزادے کے لائق ہی تھی۔ سلیم کو بھی اس بات کا بخوبی احساس تھا، تبھی تو اس کے تلووں کے نیچے ہتھیلیاں بچھانے کو تلا رہتا تھا۔ اس کے تو دن رات فردوس کے بتانے سے ہی ڈھلتے چڑھتے تھے۔ تو فردوس کو کیا آگ لگی تھی جو اپنے حسن کو دو آتشہ کر کے مرے ہوئے پہ روز درے لگاتی۔

اس کا شوہر تو اس کی مٹھی میں بند پتنگے جیسا تھا۔ جس کی حالت یوں تھی گویا کسی بھی لمحے اس کے پر نوچ لے گی۔ پھر کیوں...... کیوں لگاتی تھی غازہ...... پہلے سے گلابی ہونٹوں پہ گلال مل مل کے ان کو رس دار سا بنا رکھتی۔ اور سلیم کے سامنے جب بادام سی لمبی آنکھوں کو اٹھا کے جھکاتی تو نچلے لب کا ایک کونا موتی جیسے دانت میں دبا لیتی۔ اور سلیم اس کی اس ادا پر مر مر جاتا۔

جب فردوس نے اپنے اتنے مرے دھرے شوہر کی لگا میں کسنے کے لیے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی تو پھر وہ خود تو عام سی شکل صورت کی تھی اور پھر اس کا اور احمر کا رشتہ بھی بہت کچا، صرف زبانی وعدوں کی اینٹوں سے بنا، بنا کسی منگنی، نکاح کے گارے کے یونہی منہ بولا سا تھا۔

چند لمحوں بعد ہی وہ فردوس کے سامنے تھی۔

''بھابی مجھے بھی...... مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلنا کسی دن......'' لفظ اس کے گلے سے ایسے گرتے پڑتے نکلے جیسے کسی نے اندر سے دھکا دے کے نکالا ہو۔

فردوس نے اس کی ادھوری بات میں کسی خواہش کے ادھورے پن کو بڑی فرصت سے جانچا۔

''کہاں؟''

☆☆☆

وہ محلے سے دور کوئی پارلر تھا جہاں فردوس تعریفوں کے اوور ہیڈ برج تعمیر کر کے ان پر قدم، قدم چلاتی اسے لے کر آئی تھی۔

فردوس ایک کھیلی کھائی جہاندیدہ عورت تھی۔ تبسم کی اپنی ذات پہ توجہ دینے کی آرزو جو رات ورات بانس کی طرح اس کے دل کی زمین سے نکل کر زبان تک آئی تھی تو بے سبب نہیں ہو سکتی تھی۔ اندر سے وہ بڑی احساس کمتری کی ماری ہوئی خود پہ ہر چڑھتے سورج کے ساتھ ترس کھانے والی بن چکی تھی۔

ایسے ہی گرما کے ایک گرم ترین دن میں سلیم نے..... بے اولادی کا ذمے دار صرف اور صرف اپنی بیوی کو ٹھہرا کر اس کی نسوانی کاملیت پہ بڑا زور کا طمانچہ رسید کیا تھا۔ کچھ دن گئے جب یہ حقیقت کھلی کہ فردوس تو صحت مند ہے۔ بلکہ بھرپور بھی...... تب سے اب تک اس نے صرف سلیم کو نیچا دکھانے کی خاطر خدا کی رحمت پر اپنی کوکھ کے دروازے بند کر رکھے تھے۔ یہ پارلر بھی اصل کام کے بجائے ایسے ہی گھناؤنے دھندوں میں ملوث تھا۔ جس کے بارے میں شہری آبادی سے جڑے اس چھوٹے سے قصبے کے تھوڑے سے مرد اور اس سے بھی تھوڑی عورتیں جانتی تھیں کہ حسن کی نگہداشت کے ٹوٹکوں، میک اپ کریموں، فیشل مساج کے ساتھ، ساتھ یہاں اور بھی بہت سی مطلب کی چیزیں مل جایا کرتی تھیں۔

فردوس بھی ایسی ہی قدرت کے کاموں کو من مرضی کی سمت موڑنے اور پھر نقصان اٹھانے والی مستقل گاہکوں میں شامل تھی۔

''تم یہاں بیٹھو، میں ذرا بازار سے کچھ ضروری سامان لے کر آتی ہوں۔ گھبرانا مت یہاں سب لڑکیاں ہی ہوتی ہیں۔ سبھی جان پہچان کی ہیں۔''

تبسم تذبذب میں تھی اور فردوس جلدی میں...... اسے کچھ کہنے کا موقع نہ ملا۔ اپنے تئیں اسے تسلی دے کر وہ سلیم کو بلانے نکلی تھی۔

کنواری لڑکی کا ایسی جگہ پہ کیا کام۔ جس کا نام مشہور اور ارادے مشکوک تھے۔

سر سے پیر تک سیاہ برقع میں ملفوف تبسم کے سان و گمان میں بھی آنے والی ساعتوں کا گزر نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔ وہ تو اپنے محبوب کی خاطر اچھا دکھنے کی معصوم سی خواہش لے کر بھاوج کے ساتھ اس دہلیز تک چلی آئی تھی۔

چار دیواری میں بند رہنے والی کچی مہیلائیں کیا جانیں کہ چار دیواری کے پار کی دنیا کیسی رنگ برنگی ہے۔

ان دیواروں کے پار گلیارے بھی ہیں جو باغوں میں نکلتے ہیں اور گڑھے بھی جو پاتال میں جا اترتے ہیں۔ گلاب بھی ہیں اور گندگی بھی...... گیندے بھی ہیں اور گٹر بھی......

صرف فردوس یہ جانتی تھی کہ وہ اپنی ذلت کا بول اپنی

معصوم نند کے کردار میں اتارنے، اسے وہاں چھوڑ کر پیچھے سے اس کے بھائی کو بلانے گئی تھی۔ فردوس صرف نام کی فردوس تھی اور اس نے تبسم کو بھی بس نام کی حد تک تبسم کر کے اس کی زندگی کو جہنم بنانے کی قسم اٹھائی تھی۔

آج اور ابھی سے نہیں۔ اسی دن سے جب سلیم نے پہلی بار فردوس کو بانجھ سمجھ کے تبسم کی بنائی ہوئی باسی روٹی کا پہلا لقمہ منہ میں ڈالا تھا۔

تبسم بنا کسی واردات کے فردوس کے کٹہرے میں بھائی کے ساتھ ہی مجرم قرار پائی تھی اور سزا کی حقدار بھی۔ اس کے سینے میں جلتے بھانبڑ اس روز اور بھی دہک گئے تھے جب اسے احمر اور تبسم کے درمیان کسی گرما گرمی کا ادراک ہوا تھا۔

کچی گولیوں کے کھلاڑی کی طرح اس نے گھر، گھر جا کر ان کے معاشقے نہیں گائے تھے۔ اس میں خود اس کی بھی بدنامی تھی۔ وہ تو ٹھنڈا کر کے پورے طریقے سلیقے سے کھانے کی عادی تھی۔ چھری، چمچ اور کانٹے کے ساتھ۔ اچار، چٹنی رائتے سلاد سے مزین کھانا...... جو چند منٹ کی دوری پر اس کے معدے میں اترنے کو بے تاب تھا۔

اس کی قسمت کہ موقع چل کے خود اس تک آیا لیکن......

''استاد تو دکان پہ نہیں۔'' آج کے دن کی سب سے منحوس خبر کے سائے اس کے منہ پر بھی نحوست بکھیر گئے۔

''منحوس......'' اس نے جانے قسمت کو گالی دی تھی کہ اپنے خاوند کو مگر دل سے نکلی بددعا کی طرح اس میں بھی اتنا دم تھا کہ گلی کا آخری موڑ مڑتے جہاں اسے اپنی ساری کوشش پہ پانی پھرتا دیکھ کر موت سی آرہی تھی۔ ایک منظر نے گویا جان ڈال دی۔ بجلی بھر دی۔ اس کے پیر کی ملائم ایڑھی سے لے کر کھوپڑی کی کھال تک ایسا کرنٹ دوڑا کہ رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

وہ پھرتی سے ایک کونے میں دبک گئی۔ سامنے کا منظر واضح مگر ہوش اڑا دینے والا تھا۔ اسے پل کی پل میں ایک گدگدا دینے والا احساس ہوا۔ وہ تو شاید ڈنڈے کی مارنا چاہتی تھی مگر یہاں ایک لوہار والی ہو گئی۔

پارلر کے سامنے، علاقہ پولیس کی گاڑی اور کسی خبری چینل کی وین کھڑی تھی۔

اس نے فانٹ چادر کی بکل ماری اور چھچھوندر کی طرح دیوار کے ساتھ، ساتھ چلتی دور ہوتی چلی گئی۔

☆☆☆

اس دن کی رات بڑی ہی تاریک تھی۔ پولیس موبائل بظاہر تو بہت احتیاط اور حفاظت سے اسے اس کے دروازے پر چھوڑنے آئی تھی پر حفاظت اور چیز ہوتی ہے صاحب، رازداری اور چیز......

فردوس نے اپنے راز کی حفاظت کی تھی۔ اس سے کوئی وعدہ نہیں لیا تھا۔ وہ از خود بری الذمہ تھی۔ عین چھاپے کے وقت سلیم کی دکان پہ اس کی موجودگی نے الگ گواہی دے دی تھی کہ اس کے ہاتھوں پر تبسم کی چادر پر لگنے والے ڈامر کا ایک چھینٹا تک موجود نہیں۔ رہ گئی بات رازداری کی تو وہ کس پنچھی کا نام ہے۔ پولیس کی گاڑی سے اترتی تبسم کو دیکھ کر محلے کے گھروں سے جھانکتے بیسیوں سروں کے پچھلوں کو بھی یاد نہ رہا......

فردوس نے تو کبھی کسی کو کان و کان خبر نہ دی تھی کہ وہ اس راستے کی باسی راہی ہے۔ پر جب کسی اور کو راستہ دکھایا تو دکھاتے ساتھ ہی آنکھیں پھوڑ ڈالیں، عقل کو خود تبسم کی محبت کے ذرا سے شبہے نے لات مار دی اور اب جبکہ وہ گونگوں کی طرح سلیم سے لاتیں کھا کے اور گھونسے کھا کے ایک کونے میں پڑی تھی تو عقل اس کے پہلو سے لگی اونگھ رہی تھی اور محبت تختۂ دار پر چڑھی سولی کی راہ تک رہی تھی۔

انگ، انگ پیپ زدہ پھوڑا تھا۔ روم، روم سے

سہارا

برسوں سے میرے خانۂ دل میں جو چھپا تھا
وہ شخص اچانک سرِ راہ مل گیا
آنکھوں نے دل سے، دل نے آنکھوں سے کچھ کہا
جا، جا کر اسے منالے ورنہ وہ پھر گیا
لیکن یوں جم گئے تھے میرے پاؤں زمیں سے
میرا وجود جیسے مٹی سے سل گیا
اک سمت مڑ گیا وہ مجھے دیکھتا ہوا
اک اجنبی اک غیر پہ کیوں میرا دل گیا
وہ اجنبی ناآشنا کب میرا اپنا تھا
بس یونہی ایک شخص سرراہ مل گیا

کلام: ہما علی، اسلام آباد

اٹھنے والے درد نے بڑے، بڑے دردوں کو بھلا دیا تھا۔ اس کے اندر سسکنے تک کی طاقت نہیں بچی تھی۔ بس دل اپنی جگہ تھا جو دھڑکتا تھا اور دہائی دیتا تھا۔ دہائی دے، دے کر دھڑکتا تھا اور رکنے کا نام نہیں لیتا تھا۔

رات گزری، دن چڑھ آیا پر اس کی قسمت کی اماوس نے ہر شے پہ سیاہی پھیر دی۔

''وہ نہیں آئے گا اب۔ مہرن خالہ نے قسم دی ہے۔ جس روز اس مرن جوگی کی منحوس شکل دیکھے گا اس کے بعد میرا مرا منہ دیکھے گا بس......''

تبسم ٹھٹھری سی بنی سنتی رہی۔ دن ڈھلے تک عورتیں فردوس کے پاس یوں آتی رہیں جیسے مرگ کی تعزیت کا ثواب حاصل کرنے کا آج آخری دن ہے۔

اس پہ فردوس کے اجلے جسم کے اندر سڑتے دل کی حقیقت کھلی تو مردار کی سی بو آنے لگی۔ زور کی ابکائی کو پوری طاقت سے روکا نیم جان جسم میں جان کتنی تھی۔ بس ایک جھٹکا لگا اور وہ مسہری سے نیچے جا پڑی۔

☆☆☆

وقت کے کھیسے میں سے گھڑی، گھڑی کے سکے ایک کے بعد ایک گرتے گئے۔ کمرے کے باہر زندگی معمول کی طرح جاری و ساری رہی۔

اسے آہٹوں، بھنبھناہٹوں سے اپنے زندہ ہونے کا احساس رہا۔ یہ احساس زخموں پہ نمک چھڑکنے جیسا ہی تھا۔ ہر بار نئے سرے سے جلن اور تکلیف کی سوئی اسے ہرا بھرا کر دیتی۔

چہرے کی نیلاہٹوں پہ جب، جب نمکین پانی بہتا، اسے اپنی گندمی رنگت والی شکل سے نفرت محسوس ہوتی جسے احمر کبھی بڑے شوق سے نمکین کہا کرتا تھا۔

اس نے کبھی کسی کی زندگی کو یوں چند منٹوں میں نابود ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اعتبار کے اسٹیشن سے نااعتباری پر پٹخ دینے والی کسی ریل گاڑی کے وجود پر یقین نہیں رکھتی تھی مگر اسے یقین کرنا پڑا جب اس نے مائیک ہاتھ میں پکڑے ایک لڑکی کو تیز، تیز بولتے اپنی طرف آتے دیکھا۔

''جی آپ بتائیں گی کتنے عرصے سے کام کر رہی ہیں آپ یہاں...... یا اگر کام نہیں کرتیں تو یہاں آئی کیوں تھیں۔ کس کام کے لیے، کیا کروانے......؟''

وہ کوئی لڑکی نہیں تھی، وہ تو کوئی خون آشام چڑیل تھی اس کے حواس کو اپنے جنتر منتر سے قابو کر کے، اب اس کی عصمت کا بے داغ چہرہ پنجوں سے نوچ لینے کو بلبلا رہی تھی۔

''میں تو آج پہلی بار......''

لفظ لڑکھڑا گئے اور ساتھ وہ خود بھی۔

''پہلی بار...... پہلی بار آئی ہیں آپ، چلیں مان لیتے ہیں لیکن اکیلی......''

کانوں میں گونجتی سائیں، سائیں میں چت کر دینے والے حملہ آور پہلوان جیسے سوالات کی بوچھاڑ میں اس نے خود کو سر سے پیر تک کپکپاتے محسوس کیا۔

''میں اکیلی نہیں میری بھابی کسی کام سے......''

اس کی بات سرکاری نل سے ٹوٹ، ٹوٹ کر آتی پانی کی دھار جیسی تھی۔

''آپ اپنی بھابی کے ساتھ تھیں مگر وہ تو کہیں نظر نہیں آ رہیں۔ کہاں ہیں بھابی......؟ بھائی ان کی بھابی ہے کوئی یہاں...... کیمرا وہاں لے جاؤ......''

اس نے منہ پر چادر ڈال کر کس لاچاری سے خود کو چھپایا تھا۔ کاش اس کے رب کے علاوہ بھی کوئی اس کی مشکل جاننے والا ہوتا۔

''چلیں چھوڑیں بھابی کو وہ تو لگتا ہے فرار ہو گئیں۔ یہ بتائیں آپ کیوں آئی تھیں یہاں۔ کچھ سنا تھا آپ نے اس جگہ کے بارے میں پہلے سے...... مطلب یہ کوئی اتنا مشہور سیلون تو نہیں کہ آپ......''

پھر وہ کیا بولی اور کیوں بولی اسے ایک لفظ بھی سنائی نہیں دیا......

''بھابی تو لگتا ہے فرار ہو گئیں'' ''اور'' کیا کرنے آئی تھیں۔'' کے الفاظ زمین کی ساتویں تہ سے نکلے اور ساتویں آسمان تک میں جا کر پیوست ہو گئے۔

''کیوں گئی تھی میں وہاں، میں کیا بتاؤں میرے پاس تو کسی کو بتانے کے لیے کچھ نہیں، کچھ بھی نہیں...... اچھا ہوا احمر نہیں آیا...... اگر وہ پوچھ لیتا تو...... کیوں گئی میں

وہاں اور وہ بھی فردوس کے ساتھ......''

میں اسے کیا کہتی۔ میری محبت کی شفاف ندی میں وہم کا کوڑیالہ ناگ محض ہاتھ بھر کے فاصلے پہ آ گیا تھا۔ میں اس کے زہر سے بچنا چاہتی تھی۔

محبت جب مارتی ہے ناں تو وہم اور خدشوں کی مار مارتی ہے اور چار چوٹ کی جسمانی مار اس کے آگے شرماتی ہے۔ وہ بھی ایسی ہی مار کا شکار ہو گئی تھی، اور اب نیل و نیل ہوئی پڑی تھی۔ وہم کے ناگ نے اس کی محبت کے شفاف پانی کو ڈسا تھا۔ اس کا جسم اور دل تو کیا روح تک کو زہر چڑھ گیا تھا۔

اس نے بدقت تمام ادھ مرے جسم کو حرکت دی۔ اٹھ کر الماری میں سے احمر کی دی ہوئی میک اپ کٹ نکالی اور سرخی میں انگلیوں کی پوریں گھسا کر بے ترتیب منہ پر ملنے لگی۔

☆☆☆

کسی نے اسے شانوں سے پکڑ کر زمین سے اٹھانے کی کوشش کی پھر اس کے چہرے پہ نگاہ پڑتے ہی ٹھٹک کر رہ گیا۔

دوسری طرف وہ اسے جن نظروں سے دیکھ رہی تھی، ایک تاثر میں ان نظروں کی وسعت سمٹنا مشکل تھی۔

وہاں خوف تھا، سراسیمگی تھی، شرمندگی تھی، امید تھی۔ وہاں کاجل کی بے سمت لکیریں تھیں۔ غازے کی اکڑی ہوئی تہیں تھیں۔ جا بجا سرخ، سبز اور زرد دھبے تھے۔ اس کا معصوم چہرہ کتنے رنگوں کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ مگر ان میں کوئی توازن نہ تھا۔ توازن تو تصویر کے رنگوں میں ہوتا ہے جنہیں مصور استعمال کرتا ہے۔ اس کا چہرہ تو برش صاف کرنے والے روئیں دار کپڑے سے بھی گیا گزرا تھا۔ کہاں رنگ تھا؟ کہاں نیل اندازہ لگانا مشکل تھا۔ کہاں خون جما تھا کہاں سرخی؟ کوئی بتا نہیں سکتا تھا۔

کل سے آج تک کے یہ چوبیس گھنٹے تلوار کے کئی وار بن کر احمر دل کے آر پار ہو گئے۔

اسے موت کے سے پچھتاوے نے آن گھیرا۔ اس نے یہاں تک آنے میں اتنی دیر کیوں کی۔ یہ چہرہ کسی بدکارہ کا چہرہ نہ تھا۔ مگر یہ چہرہ پہچان میں بھی تو نہیں آ رہا تھا۔ گئے دن کی داستان اس کے جسم پہ پڑے ایک، ایک زخم سے پھوٹ بہی تھی۔ اب اسے یقین نہ آتا تو تبسم کا کیا قصور......

اس نے کسی قیمتی خزانے کی طرح، اس مخبوط الحواس عورت کو خود میں سمو لیا۔ چند لمحوں پہلے جب فردوس، مہرن خالہ کو پکارتی گرتی پڑتی، تبسم کا دماغ چل جانے کی خبر لائی تھی تو، وہی تھا جو اماں سے اس کی وکالت میں الجھا بیٹھا تھا...... اور وہی تھا جس نے بھابی کو سامنے سے ہٹا کر سب سے پہلے دوڑ لگائی تھی۔ وہی تھا جس نے سارے قصے کو تھانے جا کر نئے سرے سے کھنگالا تھا۔ وہی تھا جو اس پہ لگی تہمت پر بند آنکھوں سے یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔ وہی تھا، وہی تھا، وہی تو تھا......

تبسم...... اس کی محبت بعد میں تھی۔ اس کے کردار کا فخر، اس کا مان پہلے تھی۔ اسی نے اسے خاموش محبت کی پاکیزگی کا صحیفہ سب سے پہلے سنایا تھا۔ اسی نے اسے محبت کے جبلی تقاضوں کی حدود سے روشناس کرایا تھا۔ وہی تھی جو کہتی تھی محبت جسموں کا کھیل نہیں روح کا ورت ہے۔ وہی تھی جو اندھیری راتوں میں ملنے آتی تو سر سے پیر تک خود کو ڈھانپ کے گز بھر کا فاصلہ رکھتی تھی۔ وہی تھی، وہی تھی، وہی تو تھی......

اور اب...... اب وہی تبسم اس کے سینے سے لگی اس کی بانہوں میں پڑی کسی مُردے کی طرح بے جان تھی، یہ کیسی بے بسی تھی۔ وہ اتنی لاچار کیسے ہو گئی کہ آج اسے دور ہٹنے کا خیال تک نہ آیا۔ آج اسے کسی بے شرمی کا احساس تک نہ تھا۔ وہ زمان و مکان، زندگی اور زندگی جینے کے سامان جیسے کسی بھی تکلف سے آزاد ہو چکی تھی۔

اس روز اسے بازوؤں میں بھر کر اسپتال کی طرف بھاگتے احمر کے انہی بازوؤں میں بے ہوش پڑی تبسم کو پتا نہ چلا کہ اس کے جسم سے زیادہ اس کے دل اور روح سے پیار کرنے والا، اس پہ لگی تہمت کو ہمیشہ کے لیے دل کا داغ بنا کر سلگتا چھوڑ دینے کے بجائے، اپنی محبت کے سینے کا تمغہ بنانے آن پہنچا تھا۔

مکمل ناول

ہم دو...!

سحر ساجد



”اگر تم یونیورسٹی میں پڑھتے ہو اور بری تمہاری قسمت کہ ہو بھی تم نیو بیچ سے تو T.T سے بچ کر رہنا۔“

اس نے کتابوں کا وزن ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ پر منتقل کیا۔ شہادت کی انگلی سے ناک پر پھسلتی عینک کو درست کیا اور پھر بے حد ترحم بھری نظر اس ”نیو بیچیئے“ ڈالی تھی۔

"T.T?" حیرت سے سوال ہوا۔

”ہاں...... T . T......“ سکون و متانت سے

جواب دیا گیا۔
"یہ کیا ہے؟"
"گینگ......"
"گینگ......؟ اور یونی میں؟" وہ اپنی ہمت کی آخری حد تک حیران ہوا۔
"ہاں...... گینگ اور یونی میں ہی......" انداز اب کے سرگوشیانہ تھا۔
"ہیں کون......؟" وہ بھی اب راز داری سے پوچھ رہا تھا۔ اس بے حد خطرناک سوال پہ سامنے موجود لڑکی کے حلق سے کچھ نیچے اترتا دکھائی دیا۔ نہ صرف دکھائی دیا بلکہ سنائی بھی دیا۔
اس لڑکی نے چور نظروں سے ارد گرد دیکھا اور پھر اسی سرگوشیانہ انداز میں بولی۔
"ٹیپو اور......" اور اس نے رک کر پھر سے اسی چور انداز میں دائیں بائیں دیکھا۔
"اور......" اُدھر سے تجسس دیدنی تھا۔
"ٹینا......" اور پھر نام یوں ادا ہوئے...... جیسے وہ ان دونوں کو اپنے دانتوں تلے کڑکڑا کر اور پھر چبا کر رکھ دینا چاہتی ہو۔
"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" وہ مشکوک نظر آیا اور اس سوال پر سامنے موجود لڑکی کے تاثرات رقت آمیز ہو گئے۔
"تم سے سینئر ہوں اور وہ مجھ سے سینئر...... ان کی ریگنگ بھگت چکی ہوں اس لیے اب ہر سال یہاں...... یونی کے گیٹ پر کھڑی تم جیسے سادہ، نئے، نئے تازہ، تازہ آنے والے چوزے...... میرا مطلب ہے اسٹوڈنٹس کو خبردار کرتی ہوں۔" اور بات کرتے، کرتے اس نے ایسی سسکاری بھری جو کہ شبنم کو تڑپا دے اور میرا کو رُلا کر رکھ دے اور، اور دیبا کی تو مت مار دے۔ "ٹشو پلیز......" اس نے منہ بسور کر کہا اور وہ اسے تو جیسے ہاتھ پاؤں پڑ گئے...... جلدی، جلدی لگا جیبیں کھنگالنے پر ٹشو ہوتا تو ملتا ناں......
"کوئی بات نہیں......" اس حد سے پیاری بچی نے اب کی بار دوپٹے کے پلو سے کام چلا لیا تھا۔
"اپنا خیال...... بچی...... رکھنا...... میں...... سسکی...... "چلتی ہوں۔" وہ تو کہہ کر چلی گئی مگر اس کا دل بھی ساتھ ہی لے گئی۔ وہ اس کے پیروں سے الجھا چلا جاتا تھا۔ دوپٹے کے پلو سے بندھا چلا جاتا تھا۔ شریف معصوم سی بچی تھی۔
"اوہ گاڈ...... کیسی شریف معصوم سی بچی تھی۔" روتی ہوئی تو اچھی نہ لگتی تھی، وہ تو ہنستی ہوئی ہی اچھی لگتی تھی۔
"اوہ گاڈ آج یونی میں پہلا دن...... اور پہلے دن ہی دل کا فیوز اڑا کر رکھ دیا تھا اس پیاری سی شریف سی بچی نے تو۔" وہ دل پر ہاتھ رکھتا تکلیف سے لمبی لمبی سانسیں لیتا آگے کو بڑھ گیا۔ پر وہ بچی تھی کون...... ایسی شرافت کہ دنیا کے سارے شریفوں کی کُٹ لگانے کو جی چاہے۔ وہ معصومیت کہ سارے شہر کے معصوموں کو لائن میں لگا کر گولی سے اڑانے کو من چاہے۔ وہ معصومیت مارتی نہ تھی اثر کرتی تھی نہ گرفت...... بس پھڑکا کر رکھ دیتی تھی۔
سر پر سلیقے سے جما دوپٹا، پوری آستینوں کی قمیص، کندھے سے لٹکتا بیگ، سینے سے لگی فائل، آنکھوں پہ سیاہ فریم کا سستا سا چشمہ...... میک اپ سے عاری اتنا شفاف چہرہ کہ آئینہ شرما جائے۔ ہا...... فیوز تو پھر اڑنا ہی تھا تو وہ دل کو تھام، تھام کر چلتا تھا اور تکلیف سے لمبی، لمبی سانس بھرتا تھا۔ اس کے پیروں میں سکت نہیں رہی کہ وہ بلڈنگ تک کا رستہ ماپ سکیں...... دل کیا اس کے تو دماغ کا فیوز بھی اڑا ہوا لگتا۔ پر یہ فیوزڈ دل والے حضرت ہیں کون؟

☆☆☆

سلیقے سے بائیں رخ کی مانگ نکال کر، جیل لگا کر جمائے گئے بال، ہاتھ میں چند کتابیں، ڈریس شرٹ اور ڈریس پینٹ کہ جس کی کریز بڑی واضح تھی۔ صاف دکھتا تھا کہ پپو نے بڑی محنت لگا کر، جما، جما کر رکھ، رکھ کر استری ماری ہے...... شرٹ کی اوپری جیب سے جھانکتا گولڈن رنگ کا پین، کلائی پر بندھی گھڑی اور

...ر بے گولڈن ہی (غالباً ابا کی تھی)...... بوٹ اتنے ...ڈ کر رکھو جھانکو اور لڑکے اپنا ہیر اسٹائل ٹھیک کر لیں تو ...یاں کا جل، مسکارا، گرد کی ذرا سی تہ تک ...ں...... ہا...... وہ دور سے ہی ایسا پیارا پپو بچہ دکھتا تھا ...بے ساختہ اسے دائیں، بائیں سے چھیڑنے کو جی ...تا تھا۔ ہاہاہا...... ارے ہاں، عینک بھی تو تھی یہ ...ٹے، موٹے عدسوں والی...... جسے آپ اگر غلطی ...ے لگا لیں اور لگا کر سامنے دیکھ لیں تو یک دم سارا ...گھوم جائے۔ پھر اس کے بعد آپ گھوم جائیں اور ...رام...... زمین بوس...... کچھ ایسا ہی نمبر تھا ان ...وں کا...... عینک چیخ، چیخ کر بلکہ بین ڈال، ڈال کر ...ی تھی کہ بچہ جو کہ اِک پپو بچہ ہے، وہ اک کتابی کیڑا ...ی ہے، ایسا کتابی کیڑا جس پر ہر وقت لیکچر مس ہونے ...خفقان طاری رہتا ہے اور ہر پل کو یوں جیتا...... کہ ...ے اگلے ہی پل میں امتحان ہونے والے ہوں تو طے ...کہ وہ اِک پپو بچہ تھا۔ اور وہ تھا بشارت علی......
پہلا دن تھا آج یونی کا اور پہلے دن ہی اسے کسی T... سے ڈرایا گیا تھا۔ سو وہ ہر پہلے نظر آنے والے ...ں کو گھورتا ہوا اور ہر دوسرے نظر آنے والے شخص ...ے بچتا ہوا اپنا مطلوبہ کمرا تلاشتا کاریڈور میں سے ...رتا ہوا منہ اٹھا، اٹھا کر کمروں کے اوپر لکھے نمبروں کو ...تا ہوا جا رہا تھا کہ یک دم ٹھٹک کر رکا...... ہا...... ...وہ وہی تھی وہی تو تھی مسکرا مسکرا کر ایسے پیارے ...ت بھرے انداز میں کسی نیو بچے کو بھی گائڈ کر رہی ...کہ پپو کا دل اِک بار پھر سے بھک سے اڑ گیا۔
"یہاں سے گزر کر دائیں طرف...... سیڑھیاں ...وہاں سے سیدھا چلے جائیں......" وہ سمجھانے کے ...ہاتھوں کا استعمال بھی کرتی تھی اور بشارت علی کا اڑا ...فیوز اب ایک بار پھر سے اُڑ گیا۔ اس نے کالرز ...ھے کیے، اچھی خاصی جمی جمائی عینک کو پھر سے ...پر جمایا...... بالوں میں ہاتھ پھیرا اور پھر اس کی ...ت بڑھا تھا۔
"ایکسکیوز می......" اور وہ جاتے، جاتے پلٹی، مڑ کر دیکھا، دیکھ کر پہچانا اور پہچان کر بولی۔
"ارے آپ......" وہ مسکرائی۔
"وہ یہ کمرا نمبر......" اور وہ خواہ مخواہ میں بوکھلایا اب ایسی مسکراہٹ کو کون سہے...... کون دل پہ ہوتے وار کو برداشت کرے۔
"یہ، یہ تو اچھا چلے آئیں، میں آپ کو چھوڑ دیتی ہوں۔" وہ اسے سمجھاتے، سمجھاتے رکی اور رک کر کہا۔
تو گویا گنجے کو مل گئے ناخن۔ اسے بھلا اور کیا چاہیے تھا۔ وہ خوشی، خوشی اس کے پیچھے، پیچھے اور وہ بولتی ہوئی آگے، آگے۔
"آپ کا نام......؟"
"بشارت علی۔"
"اچھا نام ہے۔"
"اوہ...... اوہ آپ تو اس سے بھی اچھی ہیں۔" وہ الگ بات کہ بشارت علی یہ کہہ نہیں پایا محض ہکلا کر رہ گیا تھا۔
"انٹرسٹ کس میں کیا ہے؟" وہ مختلف راہداریوں میں گزرتے ہوئے کبھی اوپر کبھی نیچے جاتے۔ کبھی اِک کاریڈور سے نکل کر دوسرے میں داخل ہو جاتے اور وہ سوال پر سوال پوچھے چلی جاتی تھی اور بشارت علی دنیا و مافیہا سے بے خبر جواب دیے چلا جاتا تھا۔
"یہ رہا آپ کا کلاس روم......" بالآخر وہ اِک کمرے کے سامنے رکتے ہوئے بولی تھی۔
"بہت، بہت شکریہ......" بشارت علی تشکر سے ادھ موا ہوا چاہتا تھا۔
"ارے نہیں، نہیں شکریے کی کیا بات ہے۔ یہ تو میرا فرض تھا ناں......" اُدھر سے عاجزی کا ایسا مظاہرہ ہوا کہ بشارت علی اش، اش کر اٹھا۔
"یا میرے اللہ...... کہاں ملتے ہیں آج کے دور میں اس طرح کے لوگ...... خصوصاً لڑکیاں۔" تو بشارت علی اس کو ہاتھ سے جانے دینا نہ چاہتا تھا۔ ویسے بھی پپو اب بڑا ہو گیا تھا۔ یونی تھی، جوانی تھی اور سامنے اِک عدد شریف لڑکی...... ٹرائی مارنے میں حرج

ہی کیا تھا۔ آخر کو اسے بھی دنیا جینے کا حق ہے۔ چلو وہ ذرا پپو ہے تو کیا ہوا؟ کیا پپوؤں کا دل نہیں ہوتا؟ ہوتا ہے اور بالکل ہوتا ہے۔

''آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں۔'' اور اسی ایک دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر پپو...... مطلب بشارت علی نے پوچھا۔

''ارے نہیں، میں نے کہا ناں یہ میرا فرض تھا۔'' وہ مسکرائی۔ مسکرائی کیا سمجھو کہ بجلی گرائی۔ بشارت علی اب کی باریوں جان سے گیا کہ ہائے بھی نہ کہہ سکا۔

''دیکھیں آپ نے میری اتنی مدد کی...... پہلے یونی کے گیٹ پر پھر کلاس روم ڈھونڈ نے میں...... میں آپ کو یوں تو نہیں جانے دے سکتا تھا ناں......'' اور کیا انداز تھا۔ واللہ...... کیا انداز تھا کہ جس انداز میں پپوٹھنکا تھا۔ اور مقابل کا سرخ ہوتا چہرہ......

''اب آپ اتنا اصرار کرتے ہیں تو......'' اور اس تو کے بعد اس نے دوپٹے کا کونا دانتوں تلے دبایا۔ ایسا مشرقی انداز اف، اف اور پھر سے اُف......

''وہمیں برگر پسند ہے۔'' وہ پپو سے بھی بڑھ کر ٹھنکی۔

''چلیں جو آپ کی پسند...... تو چلیں۔''

''چلیے......'' اور وہ شاداں و فرحاں بشارت علی کے ساتھ، ساتھ چل دی۔ کینٹین پہنچ کر اس نے بشارت علی کے لیے کرسی کھینچی اور بشارت علی...... اوہ خدایا...... کس قدر خوب صورت دن تھا آج کس قدر کہ ایک لڑکی، لڑکی بھی وہ جو شرافت کا پہلا مطلب اور خوب صورتی کا دوسرا عنوان تھی انھیں کے لیے کرسی کھینچی تھی۔

''میں آرڈر دے کر آتی ہوں۔''

''ارے آپ......'' مگر وہ یہ جا، وہ جا...... اس نے سنا ہی نہیں کہ بشارت علی کیا کہنا چاہتا تھا۔ پندرہ منٹ گزرے، بیس منٹ، پچیس منٹ اور بشارت علی اٹھا ہی چاہتا تھا کہ اس نے جھلک دکھائی، مسکرائی، ہاتھ کے اشارے سے دو منٹ کا کہا اور پھر سے غڑاپ، غائب...... گھڑی کی سوئیاں پھر سے بوجھل ہوگئیں، چلتی ہی نہیں تھیں۔ اِک سیکنڈ اِک منٹ برابر پھر سے پانچ منٹ گزرے پھر دس منٹ پھر پندرہ پھر بیس اور...... اٹھا ہی چاہتا تھا کہ اچانک رخِ انور سامنے آیا۔ وہ اِ...... کی بار بیچارگی سے مسکرائی۔ اردگرد پھیلے جم غفیر کی طرف...... اشارہ کیا۔ بشارت علی نے ''میں آؤں'' کا اشارہ...... اور اس نے پھر سے ہاتھ کی مدد سے کہا۔ ''پا...... منٹ۔'' لو جی وہ اک بار پھر سے غائب ہوگئی تھی چھومنتر اور یوں ہی لکا چھپی میں اک گھنٹا پار...... اِ...... اک گھنٹے بعد وہ پھر سے برآمد ہوئی لیکن یہ دیکھ...... بشارت علی کا منہ کھلا وہ خالی ہاتھ تھی۔

''ہیں......؟'' تو وہ کر کیا رہی تھی آخر......

''کیا ہوا؟''

''وہ......'' اس نے انگلیاں چٹخائیں۔

''بولو ناں......''

''یہ......'' وہ لگی اب ہونٹ چبانے۔

''آخر آپ کچھ کہتی کیوں نہیں......'' بشارت علی پاگل ہونے کے قریب تھا۔

''وہ ...... میں...... میرا والٹ گھر......'' رک رک کر بحرِ شرمندگی میں غوطے کھا، کھا کر اس نے آ...... ادھوری بات کہی۔

''اوہ......'' اور بشارت نے یوں سانس لی ...... یہ مسئلہ تو کوئی مسئلہ تھا ہی نہیں۔

''بل میں پے کردوں گا......'' وہ والٹ نکا...... ہوئے بولا۔

''بل آپ پے کردیں گے؟'' اسکی چم...... آنکھوں میں اور ایسی چہک آواز میں کہ پپو یعنی بشار...... حیرت سے دیکھتا رہ گیا۔

''ہیے......'' اس نے ہاتھ اٹھا کر کسی کو اشا...... کیا۔ کینٹین والا لڑکا متوجہ ہوا۔ ''بل یہ پے کرے گا آرڈر لاؤ......'' انداز تحکم بھرا...... لہجہ کرنٹ ما...... ہوا...... اور بشارت علی ابھی تک والٹ جیب...... نکالتا، نکالتا وہیں پہ رکا ہوا تھا۔ وہ کچھ، کچھ اور طرح لی...... محسوس ہوتی تھی اور ابھی وہ اس کچھ، کچھ کے ہا...... میں سوچ ہی رہا تھا کہ آرڈر آگیا تھا اور جیسے، جیسے آ...... ا،

...کے قریب آرہا تھا...... بشارت یعنی کہ پپو کی سانس ...ہی اوپر جارہی تھی۔ وہ دو بھاری بھرکم ٹرے تھیں جو ...برگرز سے بھری پڑی تھیں۔

''یہ، یہ......'' حواس سلب، رنگت بھک سے ...ی اور وہ بے اختیار ہکلایا...... وہ شرافت کی پڑیا ...رائی...... سر سے دوپٹا اتار کر گلے میں بل دے کر ...وں سرے آگے کو پھینکے۔ کرسی کھینچ کر بیٹھی ....وں انگلیاں منہ میں ڈال کر سیٹی ماری اور ان برگرز کو ...ل کرنے والی عوام ہر کونے، ہر جگہ سے ابل ...ی۔ پپو کی پہلے آنکھیں پھٹیں اور پھر دل بھی پھٹنے کو ...نظر آیا۔ اسے گرا بھی تک ہارٹ اٹیک نہیں آیا تو ...دوجہ وہ شدید قسم کی حیرت تھی کہ جس کا شکار ہوکر وہ ...ی بت کے مانند کھڑا دکھائی دیتا تھا۔ وہ لڑکے ...کیوں کا ایک گروپ تھا جو کہ ٹرے میں سے ایک، ...ک برگر اٹھا کر وہیں پڑی کرسیوں پر ڈھیر ہو رہا تھا اور ...ک، ایک برگر کے اٹھنے کے ساتھ، ساتھ ہی پپو کی ...ح انچ، انچ کے حساب سے نکلتی تھی...... نکلی جارہی تھی۔

''اوئے۔'' کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ ...ا۔ وہ میکانکی انداز میں کھلے منہ کے ساتھ ہی مڑا۔

"encounter toT.T" اس نے آنکھ ...ی اور اس کا کھلا منہ کچھ اور کھلا...... اور اب دل کا ...نہیں دماغ کی ڈی پی اڑ گئی تھی۔ بلکہ اڑا کر رکھ دی ...ی ان ظالموں نے۔

''ریکنگ مبارک......'' کوئی دوسرا اس کے ...دھے پر ہاتھ مار کر کہتا ہوا اس گروپ کی جانب بڑھا ...اور وہ...... وہ شرافت کی پڑیا...... وہ ہنس، ہنس کر ...ری ہو رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔

''یہ، یہ پپو......'' اور وہ اک بار اور دُہری ہوئی۔ ...مجھے لائن مار رہا تھا۔'' اور وہاں اک قہقہہ پڑا۔

''یہ جس انداز میں ٹھنکا تھا ناں......'' اور اب کی ...اس نے پپو کی نقل اتاری اور لوٹ پوٹ ہوگئی۔ نہ ...ک وہ بلکہ اس کے ساتھ موجود وہ برگر خور عوام جو کہ ...نی کہ بشارت علی کو آدم خور لگ رہے تھے، وہ بھی لوٹ پوٹ ہوئے تھے۔ وہ بھرے منہ کے ساتھ ہنستے ہوئے اور بولتے ہوئے داستان سناتی جارہی تھی اور وہ پپو گدھے کی دولتی کھائے انسان کے مانند کھڑا احق دق، ہکا بکا اس پٹاخے کو دیکھ رہا تھا۔ آخر وہ شرافت کی پڑیا، معصومیت کا چورن اور خوب صورتی کی معجون...... وہ آخر تھی کون؟

وہ...... وہ ٹینا تھی۔

تو۔ ''ہمیں برگر پسند ہے۔'' کا مطلب یہ تھا۔ پپو کو اب سمجھ آیا تھا۔ تو اک گنجا نئے، نئے ملنے والے ناخنوں سے اپنا سر کھجاتا کیا...... لہولہان کرتا نظر آیا تھا۔

☆☆☆

''سالے کتے (فحش گالیاں)'' وہ پھٹے ہوئے ہونٹ کو اُدھڑے ہوئے کف سے صاف کرتا تڑ، تڑ گالیوں کے فائر کرتا چلا آرہا تھا۔

''خبیث کہیں کے......'' تڑ...... اور اِک اور گالی فائرڈ...... پپو جو کہ صدمے سے نڈھال تھا قریب المرگ تھا اور یوں دکھائی دیتا تھا کہ جیسے اس کے خون کا بس آخری قطرہ ہی تو نہ نچوڑا گیا تھا۔ باقی سب تو چوس لیا گیا تھا۔ ہاں بھئی، جب جیب اک بھاری بھرکم ایسا بل ادا کرتی ہے جو کہ آپ نے پہلی، پہلی ٹرائی مارنے کی ناکام کوشش میں بھرا تو حال کچھ ایسا ہی ہوتا ہے کہ ٹرائی الٹی پڑ کر منہ پر کسی گھونسے کے مانند آن لگی تھی۔ تو اس قریب المرگ اور صدمے سے چور، چور انسان نے اس تڑ، تڑ گالیاں فائر کرتے انسان کو نظر اٹھا کر دیکھا۔

شرٹ کا ایک حصہ پینٹ سے باہر تھا۔ حلیہ ابتر...... اُدھڑا ہوا کف، پھٹا ہوا کالر، ماتھے پر گومڑ چہرے پر جگہ، جگہ bruises اور اک لمبی سرخ سی لائن کی صورت میں scratch ہونٹ تو پھٹا ہوا تھا ہی، آنکھوں کے پاس بھی کسی نیل کا گمان سا گزرتا تھا۔ بشارت کو اپنا صدمہ بھول گیا اور وہ اِک بار پھر سے منہ کھول کر اس اجڑے پجڑے ادھڑے سے مگر تڑ، تڑ گالیوں کے فائر کرتے انسان کو تکنے لگا۔ اس نے ہپ پاکٹ سے سگریٹ کی ڈبیا نکالی...... کراہ کر دھڑام سے

بشارت کے پہلو میں گرنے کے سے انداز میں بیٹھا۔ سگریٹ سلگائی۔ اِک کش لیا......دھواں باہر پھینکا۔ ساتھ میں اک گالی بھی......دوسرا کش اک اور گالی اور ایسی گالی کہ اب کے دھواں اس اجڑے پچڑے ادھڑے سے انسان کے منہ سے نہیں پپو کے کانوں سے نکلا تھا......اس کا بچ جانے والا آخری خون کا قطرہ سمٹ کر اس کے منہ پر آجمع ہوا تھا۔

وہ کھلے منہ کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیا۔کیا ہے؟'' یوں کیوں گھور رہے ہو؟'' اور بشارت کے یوں منہ کھول کر دیکھنے پر وہ اجڑا اپجڑا شخص تڑخ کر بولا تھا۔ بشارت نے ہکلا کر بے اختیار منہ بند کیا تھا۔

''خدا غارت کرے اس T.T کو......پھوٹ ڈلوائے ان میں اور وہ ٹیٹا......اس کے منہ پر یہ موٹے، موٹے پمپلز نکلیں ایسے کہ کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہے۔''

''آ......مین......'' اور یہ خشوع وخضوع سے آمین کہنے والی آواز یقیناً بشارت علی کی تھی۔ اس نے حیرت سے مڑ کر بشارت کو ٹکا چند لمحے تکتا رہا اور پھر بولا۔

''تم بھی......؟''

''کیا تم بھی......؟''

''میرا مطلب ہے کہ تم بھی......T.T کی چوٹ کھائے ہوئے ہو؟'' اور بشارت علی نے خواہ مخواہ ہی گلا کھنکھارا اور ایسے کھنکھارا کہ جس میں اعتراف کا عنصر نمایاں تھا۔

''یہ، یہ حال دیکھ رہے ہو میرا......؟'' اس شخص نے سگریٹ پرے پھینکا اور طیش سے اپنے حال کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ ان خبیثوں......بدتمیزوں نے کیا ہے اور وہ ٹیٹا۔'' اور اس نے دائیں ہاتھ کا مکا بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر مارتے ہوئے یوں دانت پیسے کہ......جیسے دانتوں تلے ٹیٹا ہی تو تھی۔

''خدا کرے گنجی ہو کر مرے۔''

''آ......مین......'' اِک بار پھر خشوع وخضو[ع] سے آمین کہا گیا۔ بشارت علی کی طرف سے۔

''تمہیں کیوں پیٹا انہوں نے؟'' پپو نے نا[ک] سے پھسلتی عینک کو درست کرتے ہوئے......حد در[جہ] معصومیت سے پوچھا۔

''میں نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا تھا۔''

''کون سی بات؟''

''چھوڑ ناں یار......تم بتاؤ لگتا ہے تم بھی ان [ہی] کے ستائے ہوئے ہو؟''

''ہاں۔'' اور پپو کا لٹکا ہوا منہ کچھ اور لٹک گیا۔

''چل آ جگرا اپنے غم کو ''پی'' کر غلط کرتے ہیں۔''

''کیا؟'' پی ی کر......نہیں نہیں میں ا[یس]ا ویسا نہیں ہوں۔'' پپو بری طرح سے بدکا تھا۔

''ابے تیری تو......'' وہ اک اور دھواں دار [سی] گالی نکالتے نکالتے رکا تھا۔

''اوئے پاکباز......حاجی، مولانا چل آ تجھے آ[ج] ٹن ہونے کا حلال طریقہ بتاتا ہوں۔''

''ٹن ہونے کا حلال طریقہ......؟'' اور پپو کا [منہ] کھلا تو پھر---آخری حد تک کھلتا چلا گیا۔

''ہیں؟ یہ کب ایجاد ہوا۔ بھلا بتاؤ کیا حلال طریقے سے بھی ٹن ہوا جا سکتا تھا؟'' وہ شدید حیران تھا اور معلوم نہیں کیوں وہ حیران ہو کر شدید بے وقوف دکھتا تھا۔

''ہاں، ٹن ہونے کا حلال طریقہ......آ جا......'' وہ اس کے گلے میں بازو ڈال کر اسے زبردستی ۔۔ا ۔ا چلا تھا۔

☆☆☆

''پہلوان دی پیڑے والی خالص لسی......'' [و]ہ کبھی اس بورڈ کو اور کبھی اس مجروح نوجوان کو تکتا تھا اور بے حد حیرت سے تکتا تھا۔

''اچھا......تو یہ تھا ٹن ہونے کا حلال طریقہ......''

''چل آ جا......عیاشی کرتے ہیں۔'' وہ اس [کے] کندھے پر ہاتھ مار کر کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا اور ا[سے]

[اپ]نی کی پیروی کو آمادہ ہی نظر آتا تھا کہ یک دم اچانک بے اختیار وہ اِک زور کا جھٹکا کھا کر رک گیا تھا۔

''کہیں یہ نہ ہو کہ وہ اِک بار پھر سے الو بنا لیا جائے......اک بار پھر سے اسے ماموں بنا دیا جائے اور اب کی بار وہ دھر لیا جائے کہ جیب اب خالی ہے......نہیں، نہیں وہ اتنا پاگل ہے کہ اک بار پھر سے الو بنے، ماموں بنایا جائے......نہیں، اس بار نہیں، ہرگز بھی نہیں......'' اس نے ایک کینہ توز نظر آگے جاتے انسان کو دیکھا......دوسری نظر دکان کے بورڈ پہ ڈالی اور......اباؤٹ ٹرن...... وہ الٹے قدموں مڑا اور واپس......ایک دفعہ تو وہ معصومیت میں مارا گیا۔ اب کی بار......''آئے کوئی مائی کا لال اور بنائے اسے الو......اس کی تو ایسی کی تیسی......'' اس نے خواہ مخواہ ہی دانت پیسے تھے اور اس کا آخری بچ جانے والا خون کا قطرہ سمٹ کر پھر سے منہ پہ جمع ہو گیا تھا۔

''اوئے، اوئے جگر، کدھر......؟'' اس مجروح نوجوان نے آواز لگائی، نہ صرف آواز لگائی بلکہ پیچھے سے آ کر، کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے روکنے کی کوشش بھی کی اور پپو نے طیش جذبات سے لبریز ہو کر اس کا ہاتھ یوں جھٹکا کہ وہ بیچارہ، اللہ کا بندہ منہ کھول کر اسے تکنے لگا۔

''تم، تم سمجھتے ہو میں پاگل ہوں، کھوتا ہوں، خچر ہوں کیا؟ جو پھر سے دھوکا کھاؤں۔''

''دھوکا؟ کیسا دھوکا؟'' وہ انت حیرت سے سوال کرتا تھا اور اس سوال پر پپو نے تیوریاں چڑھا لیں۔ ناک کے نتھنے پھلا لیے اور لو جی......! پپو تیار تھا، اِک دم تیار تھا، لڑنے بھڑنے اور مرنے تک کو......اس کے بعد جو بشارت علی عرف پپو شروع ہوا تو ٹیٹا سے لے کر جیب خالی ہونے تک ساری داستان سنا کر دم لیا......وہ اک لمحے کے لیے کھلے منہ سے اسے تکتا رہا اور پھر کھل کر قہقہہ لگایا تھا۔

''تجھے شک ہو رہا...... چل آ تیرا شک دور کروں......'' وہ اِک بار اسے زبردستی دکان کے کاؤنٹر تک لایا تھا۔

''ان صاحب کا بل میری طرف سے ہوگا اور یہ رہا ایڈوانس......'' اس نے چند نوٹ کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے بڑے طنزیہ انداز میں پپو کو دیکھا تھا۔ اور پھر اپنے، اپنے غم کو غلط کرنے کے لیے ان دونوں نے یوں جام پہ جام چڑھائے کہ ساقی نے ان کے سامنے ہتھ جوڑ لیے تھے۔

☆☆☆

''ابھی زندہ ہوں تو......'' ہچکی......''جی لینے دے......'' ہچکی۔ ''بھری برسات......'' ہچکی......''میں......'' ہچکی......''پی لینے دے۔''

قدم غیر متوازن، چال لڑھکتی ہوئی، خود وہ... بدمست ہوا......اک قدم آگے چلتا......دو قدم پیچھے کو آتا......اور ہر دو قدم پیچھے آنے کے بعد وہ سوچتا کہ آخر اسے جانا کہاں ہے......اور یوں رک، رک کر سوچنے پر بھی......سمجھ نہ آتا کہ آخر جانا کہاں ہے؟ منہ سے ابا کے زمانے کے گانے یوں برآمد ہو رہے تھے کہ جیسے گھٹی میں اسے یہ گانے ہی تو چٹائے گئے تھے۔

''نشہ شراب......'' ہچکی......''نہیں......نشہ لسی میں......'' ہچکی۔ ''ہوتا تو......ناچتی بوتل'' لسی یاد تھی پر یہ یاد نہ تھا کہ بوتل میں نہیں لسی گلاس میں پی تھی۔ احمق نہ ہو تو......وہ اب تک کسی نالی یا گٹر کنارے گرا پڑا... مدہوش ہو چکا ہوتا اگر ان دو، ہاتھوں نے اسے تھام نہ رکھا ہوتا تو اور وہ دو ہاتھ اسے ہاسٹل ''پھینکنے'' میرا مطلب چھوڑنے جا رہے تھے اور اب آپ سوچتے ہوں گے کہ لسی پینے سے مانا نیند آتی ہے پر ایسا اور اتنا نشہ......؟ یہ کچھ زیادہ نہیں ہو گیا... تو سنیں یہ بالکل بھی زیادہ نہیں ہوا ہے کیونکہ......

''کہاں لے کر جا رہے ہو......چھوڑو، چھوڑو مجھے۔'' وہ ان دو ہاتھوں میں یوں مچلا کہ بس......

''اوئے خواہ مخواہ میں کیوں نرگس بنا جا رہا ہے۔ چھوڑو، چھوڑو تو یوں کر رہا ہے کہ جیسے سالا......ہاسٹل چھوڑنے جا رہا ہوں تجھے۔'' اس نے ایک جھٹکا اس

لہراتے، بل کھاتے، لڑکھڑاتے ہوئے پپو کو دیا اور پپو......

"لوگ کہتے۔" ہچکی۔ "میں۔" ہچکی۔ "شرابی ہوں......" اور اب کی بار پپو کی حالت پہ وہ بازو میں منہ دے کر ہنسا تھا۔

"میں شرابی۔" ہچکی...... "شرابی......"

اور پھر اسے ایک نہیں دو نہیں...... تین نہیں ایک ساتھ کئی، کئی وجود نظر آنا شروع ہو گئے تھے۔

"یہ، یہ سب...... کک...... کون ہیں؟" اس نے پوچھنا چاہا مگر وہ سب کے سب اس کے دائیں بائیں جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔

"چل اوئے...... چل اپنے ہاسٹل......" کسی اِک نے کہا تھا۔

اور پپو نے آنکھیں مل مل کر ہاسٹل کا گیٹ ڈھونڈنا چاہا تھا مگر گیٹ نظر نہیں آتا تھا وہاں بس دھندلی سی اک دیوار سی دکھائی دیتی تھی۔

"چل ناں......" اس مجروح انسان نے اسے آگے کو دھکا دیا تھا۔ اور پپو بدکے ہوئے گھوڑے کی طرح اٹک گیا۔ وہ، وہ ٹوٹی ہوئی دیوار پھاندنا نہیں چاہتا تھا جبکہ وہ سارے اسے مجبور کرتے تھے کہ پپو ایسا ہی کرے...... پھر جب پپو بالکل ہی اڑیل گھوڑا ہو گیا بلکہ خچر ہو گیا تو دو نے اسے ٹانگوں سے پکڑا...... دو نے بازوؤں سے اور سائیں، سائیں کرتے ہاسٹل میں لا پھینکا تھا۔ وہ بھی رات بارہ بجے اور پھر وہ سب یوں ہاتھوں پر ہاتھ مار کر ہنسے تھے کہ جیسے اس اندھیری رات میں ہزاروں دیو جاگ اٹھے ہوں۔ کئی گھوڑے اکٹھے ہنہنا اٹھے ہوں۔ پر سوال یہ کہ وہ ادھڑے ہوئے کف، پھٹی ہوئی کالر والا شخص کہ جس کا زخم، زخم چہرہ اس کی مظلومیت کی داستان سناتا تھا۔ وہ، وہ آخر تھا کون......؟

وہ...... وہ...... ٹپو تھا تو قارئین ٹپو نے "پپو" کو بھنگ ملی لسی پلائی تھی تو وہ اِک بار پھر سے "ماموں" بن گیا تھا۔ اور ٹپو نے بس اسی پر بس نہ کیا تھا بلکہ......

☆☆☆

بڑی پیاری سی میٹھی سی، مدھری مدھوش سی، گدگداتی سی نیند آئی کہ یک دم...... "آ...... وُ...... چ۔" اِک زوردار نسوانی چیخ کی آواز اور اس کی پیاری سی میٹھی سی، مدھری، گدگداتی سی نیند شیشے کے چھناکے کی طرح ٹوٹی تھی...... وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا تھا اور اٹھ کر جیسے ہی سامنے نظر پڑی تو...... تو وہ بھی اسی کی طرح...... "آ وُ...... چ" کر کے چیخنا چاہتا تھا۔ مگر یہ کہ یہ "آؤچ" وقوع پزیر نہ ہو سکی تھی اور پپو کے گلے میں ہی پھنس کر رہ گئی تھی۔

"لڑکی......؟ اور وہ بھی بوائز ہاسٹل میں؟"

وہ آنکھیں پھاڑے اس نسوانی وجود کو تکتا تھا اور اس کے اسی تکنے کے شغل میں اس جیسی دوسری ڈھیر مخلوق آؤچ کی آواز پہ جمع ہو چکی تھیں۔ پپو کا منہ اتنے ڈھیر سارے نسوانی وجود دیکھ کر کھلا تو بس پھر کھلتا ہی چلا گیا۔ اس نے آنکھیں ملیں...... پلکیں جھپکیں...... ڈھونڈ ڈھانڈ کر چشمہ برآمد کیا مگر وہ وجود نسوانی کے نسوانی رہے۔

"یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟" وہ رو دینے کو تھا اور رو کر فریاد کرنے کے واسطے آسمان کی طرف منہ اٹھایا ہی تھا کہ اسے پہلے 440 وولٹ کا جھٹکا لگا اور پھر کرنٹ لگا۔ یوں جیسے کسی نے رکھ کر کس کر اس کے منہ پر الٹے ہاتھ کا تھپڑ دے مارا تھا۔ وہ عمارت کی داخلی سیڑھیوں کے پاس گرا پڑا سو رہا تھا اور اس عمارت کے ماتھے پر آویزاں وہ بورڈ...... اور اس بورڈ پر لکھے بلکہ جگر، جگر کرتے وہ الفاظ......

"گرلز ہاسٹل......" وہ بشارت علی سے پپو ہوا اور اب پپو سے مجسمہ ہو گیا تھا...... اس کا رنگ فق ہوا، ہاتھ ٹھنڈے پڑے اور پھر دل اس قدر زور سے دھڑکا کہ وہ چکرا کر ایک بار پھر ان ہی سیڑھیوں پر جا گرا تھا تو خون کا آخری قطرہ بھی گیا۔

اور اب کی بار ایک نہیں کئی آؤچ...... ایک ساتھ گونجی تھیں تو ٹپو نے بس بھنگ والی لسی پر بس نہیں کیا تھا بلکہ اسے وہاں پر لا کر مارا تھا کہ جہاں پانی بھی نہیں مل سکتا تھا۔

"encounter toT.T2"

☆☆☆

ٹپو اور ٹینا...... آپ ایک کو چھپا لیں اور دوسرے کو نکال لیں۔ ایک جیسے خباثت بھرے ذہن اک سے خبیث وہ دونوں شرارتوں میں آج سے نہیں بچپن سے دماغ چلتا تھا اور کیا خوب چلتا تھا۔ دونوں کے گھر آمنے سامنے تھے۔ ٹپو جب ساڑھے تین سال کا ہوا تو ماں نے اسکول میں داخل کرا دیا، دو ماہ چھوٹی ٹینا کو اس کی ماں نے اس بنا پر ٹپو کے ساتھ، اسی اسکول میں داخل کرا دیا کہ بچی کو ساتھ مل جائے گا اور وہ اکیلی نہ ہو گی اور پھر یہ ساتھ جو شروع ہوا تو ابھی تک جاری و ساری تھا۔ یہ سارا فتنہ وہیں سے تو شروع ہوا تھا۔ نہ دونوں اک ساتھ اسکول میں داخل ہوتے، نہ ساتھ، ساتھ اسکول جاتے نہ دوستی ہوتی اور نہ یہ فتنہ...... ریگنگ تو ختم تھی ان دونوں پر، ایسے، ایسے پلانز اور وہ...... وہ طریقے کہ الامان والحفیظ...... جونیئرز ان سے ڈرتے تھے تو سینئرز ہاتھ باندھتے تھے۔ دوستی عجیب تو کیمسٹری غضب ایسی اور اتنی مضبوط کہ ٹپو منہ کھولے اور ٹینا جان لے کہ وہ کیا کہنے والا ہے۔ ٹینا ایک ٹیکسٹ کرے اور ٹپو جان لے کہ کس موڈ میں پیغام بھیجا گیا ہے اور کس مقصد کے تحت بھیجا گیا ہے۔ یک جان دو قالب والی مثال ان پر فٹ نہیں آتی تھی کیونکہ ان کا تو قالب بھی اک سا ہی لگتا تھا۔ وہ دوست ایسے تھے کہ کسی داستان کے کردار لگتے تھے اور دوستی ایسی تھی کہ اس پر داستان لکھنی بنتی تھی وہ ٹپو اور ٹینا...... دوست اور دوستی کا انت......

"یہ کیسے تمہیں بددعائیں دے رہا تھا ناں......

اس کے منہ پہ یہ موٹے، موٹے پمپلز نکلیں......

ہاہاہا......" اک نے کہا اور وہاں قہقہے ابل پڑے۔

"کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہ رہے۔" کسی دوسرے نے ٹکڑا لگایا اور قہقہے اور شدت سے گونجے۔

"اور وہ پپو کیسے آمین، آمین کہہ رہا تھا۔"

"خدا کرے گنجی ہو کر مرے۔" کسی تیسرے کے کہنے پر وہ...... گنجی ہو کر مرنے والی نے جھرجھری سی لی اور رکھ کر کشن ٹپو کو دے مارا تھا۔ وہ سب اس وقت وہاں موجود تھے، اکٹھے ہو کر ایک ہی "معصوم" انسان کو دوبارہ الو بنائے جانے کی خوشی منائی جا رہی تھی اور دوسری بار اسے محض اس لیے الو بنایا گیا تھا کہ اس نے ٹینا کو لائن مارنے کی کوشش کی تھی۔ ٹینا کو مذاق میں ہوا بھی چھو جائے اور ٹپو اسے کچھ نہ کہے یہ بھلا کیسے ممکن تھا۔ وہ تو راہ چلتی ہوا کو بھی گھونسے مارتا اور ٹینا تھی بھی تو ایسی ہی کہ اس کو چھیڑنے والی ہوا کی بھی خبر لی جانی چاہیے تھی۔ لمبی گردن، نقوش میں سب سے نمایاں آنکھیں، کوئی خمار سا بھرا تھا، گھنی curled پلکیں، ذرا لمبوترا سا چہرہ، موٹی مگر خمدار بھویں، سیاہ اور گھنے بال اور رنگت سونے سی مختصراً وہ گندم کے خوشے کا جوبن تھی۔

☆☆☆

"السلام علیکم......"

وہ اس زوردار سلام کی آواز پر مڑے اور اسے دیکھ کر بے ساختہ مسکرا اٹھے۔

"ارے ٹینا...... کیسی ہو بیٹا...... نچ نومبر کے دن اور وہ ٹھہرے...... جاگنگ کے عادی۔ ابھی وہ اپنے گھر سے نکلے ہی تھے کہ ٹینا ملی تھی۔

"میں تو ٹھیک ہوں...... آپ کیسے ہیں؟" وہ پلی اوور کی جیبوں میں ہاتھ ٹھنسائے ہوئے ان کے برابر آئی تھی۔

"اِک دم ہٹا کٹا، فٹ۔" اس بات پر وہ ہنس دی کہ جاگنگ کر رہے تھے اور ٹینا ان کے ساتھ، ساتھ چل رہی تھی۔

"سفارش کرنے آئی ہو؟"

اور اس نے کندھے یوں اچکائے کہ جیسے مجبوری ہو۔

"نہ...... بالکل بھی نہیں...... اس بار میں تمہاری بات بھی سننے والا نہیں۔"

"اچھا...... تو آپ میری بات بھی نہیں سنیں گے؟" وہ خفا ہوئی۔

"نہیں، تمہاری بھی نہیں......" اور وہ اڑ سے گئے۔

"اوہ کم آن انکل...... پاس ورڈ ہی توڑا ہے ناں اس نے آپ کے لیپ ٹاپ کا کون سا لیپ ٹاپ توڑ

دیا۔'' اور وہ رک کر اس کو اس بات پر گھورنے لگے۔

''اچھا ٹھیک ہے ناں بڑے اہم ڈاکومینٹس تھے۔ ڈیٹا تھا blah.blah.blah پر کچھ ہوا تو نہیں ناں......'' وہ ذرا بیزار سی ہوئی۔

''اور اگر وہ ڈیٹا اُڑ جاتا...... بیک ہو جاتا یا پھر۔''

''انکل پلیز......! وہ بچہ تو نہیں ہے ناں...... اسے اپنی اسائنمنٹ بنانی تھی۔ صبح دینی تھی اسے اسائنمنٹ اس کے پاس چند گھنٹے تھے اور اس کا اپنا لیپ ٹاپ خراب تھا۔ آپ جانتے تو ہیں۔''

''ایک تو تم لوگوں کو عین وقت پر ہی کیوں کام کرنا یاد آتا ہے۔ ہفتہ پہلے کی اسائنمنٹ عین وقت پر ہی بنانی یاد آتی ہے۔ اور اس کا اگر لیپ ٹاپ خراب تھا تو ٹھیک کرواتا ناں ...میرے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ کیوں توڑا......؟'' اور وہ یک دم انکل سے ضدی بچہ ہو گئے۔

''آ......آ......چھی......'' ان کی بات کا اختتام ٹینا کی چھینک کے ساتھ ہوا تھا۔

''ٹشو پلیز......'' اس نے مسمی سی شکل بنا کر کہا۔ انکل نے گھور کر اسے دیکھا جیسے وہ ان اداکاریوں کو جانتے نہ تھے۔

''میرے پاس نہیں ہے۔'' انہوں نے آنکھیں ماتھے پر رکھیں۔

''ٹھیک ہے، میں بھی گندے بچوں کی طرح آستین سے نوزی صاف کروں گی۔'' اور پھر اس نے کہنے پر ہی بس نہیں کیا تھا۔ پریکٹیکل کر کے دکھایا تھا۔ اس کے ڈھیٹ انداز پر وہ بے ساختہ ہنسے تھے۔

''آپ کو ترس نہیں آتا ایک معصوم سی، پیاری سی پھول سی بچی...... اتنی ٹھنڈ بھری صبح میں آپ سے درخواست کرنے آئی ہے اور آپ ہیں کہ خواہ مخواہ میں ہی اکڑو ہیرو بنے جا رہے ہیں۔ مان جائیں ناں......'' وہ کچھ اس ادا سے ٹھنکی...... اس کیوٹ سے انداز میں بولی کہ شفیع صاحب ہنس پڑے تھے۔

''اچھا بولو، کیا کہتی ہو؟''

''یہ ہوئی ناں بات......'' وہ چہکی اور چہک کر اک دم ان کے سامنے آئی تھی۔

''ٹپو کی پاکٹ منی......'' اور ان کے آگے بڑے مان سے، بڑے استحقاق سے ہاتھ پھیلایا تھا۔ شفیع صاحب کچھ لمحے اسے دیکھتے رہے اور پھر ہار ماننے والے انداز میں پیسے نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھے تھے۔

''اوں ہوں...... پچھلے جتنے ہفتوں سے بند تھی۔ وہ ساری......''

''چلو بھاگو اب...... والٹ گھر پہ ہے میرا...... ابھی یہ ہی ہیں میرے پاس......'' انہوں نے شفقت بھرے انداز میں اس کے سر پر چپت لگائی۔

''تھینک یو انکل......'' اور اس نے بھاگ جانے میں منٹ نہ لگایا تھا۔ شفیع صاحب سر جھٹک کر ہنس دیے۔ ٹپو کسی مصیبت میں ہو...... کسی مشکل کا شکار ہو اور ٹینا اس کی مدد کو نہ آئے...... یہ ہو تو آخر کیسے ہو۔

☆☆☆

ٹپو...... نارمل سے ذرا اوپر قد...... گندمی رنگت...... بائیں بازو کی کلائی پہ سرخ اسپورٹس بینڈ جو کہ ایسے ہی تھا کہ جیسے کسی کا ٹریڈ مارک ہوتا ہے۔ ناک کی نوک سب کو ہی متاثر کرتی تھی...... بال سیاہ، ڈیڈ اسٹریٹ اتنے اسٹریٹ کہ شک سا ہوتا تھا۔ ہو نہ ہو ابھی، ابھی کسی سیلون کا چکر لگا کر آیا ہے۔ جینز کے ساتھ جو بھی دے دو۔ پہن لے گا بس یہ کہ وہ بنیان نہ ہو...... ہاں اتنا سا تکلف تو تھا ہی اس میں...... جتنا شرارت میں خبیث تھا اتنا ہی عاجز بھی تھا...... لگتا ہی نہیں تھا کہ کسی DCO کا بیٹا ہے، پڑھائی میں بس مناسب ہی تھے لیکن اِدھر اُدھر کی سرگرمیوں میں شمولیت نہایت ہی مناسب اور وہ اس کی شریک جرم...... ٹینا

مختصراً یہ کہ وہ عام سا دکھتا تھا۔ تھا بھی عام سا ہی پر یہ کہ آپ ٹپو کو دیکھیں اور دیکھ کر گزر جائیں۔ ایسا تو نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ اتنا سا خاص تو تھا ہی...... کہ اک نظر دوبارہ اس پر ڈالی جائے......

☆☆☆

wise men say

only fools rush in

but I can't help falling in love with you

ہال میں تاریکی تھی بس اک اسپاٹ لائٹ گٹار پہ گانا گاتے اس نوجوان پہ فکس تھی۔ اچانک لائٹ نے حرکت کی اور اس کی روشنی میں سفید، براق، ایوننگ گاؤن میں اک لڑکی آتی دکھائی دی۔ اس کی اٹھی ہوئی گردن میں سفید موتیوں کی مالا تھی اور اس کے جوڑے میں نرم، ریشم سا سفید پر اٹکا ہوا تھا۔ اس کے سر پر نگینوں سے جگمگاتا تاج تھا۔ اس کے پیروں کی حرکت سے گاؤن ذرا سا اوپر کو جھٹکا کھا کر گرتا تھا۔ اس کی چال میں تمکنت تھی، ہونٹوں پر جان لیوا مسکراہٹ اور اس کے لب یوں ہلتے تھے کہ جیسے سحر پھونکتے تھے۔ طلسم طاری کرتے تھے۔ وہ اس نوجوان کے گائے گئے lyrics کو دہراتی۔ وہ اس روشنی میں حرکت کرتی ہوئی آئی اور ایک اونچی کرسی پر براجمان ہو گئی تھی۔

shall I stay?

would it be a sin

If I can,t help falling in love with you

گٹار نے سُر چھیڑے اور لڑکی نے پھر سے ان الفاظ کو بھرپور جذبات سے گایا۔

like a river flows

surely to the sea

dalling, so it goes

some things are meant to be

take my hand

take my whole life too

for i can't help, falling in love with you

اور اس آخری پیرے کو ان دونوں نے مل کر گایا تھا اور کیا گایا تھا۔ اُف، اُف اور اک بار پھر سے اُف...... کیا...... کیمسٹری تھی، کیا جادو تھا جو آج کی رات ان دونوں نے جگایا تھا۔ سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھا تھا۔ اداکاری ٹینا پہ ختم تھی تو آواز ٹپو کی کمال تھی...... کتنی ہی دیر ہال تالیوں سے گونجتا رہا۔ اور پھر اس کے بعد نہ صرف وہ تالیوں سے گونجتا رہا بلکہ شاید سارا عالم (T,T خیر سے ڈرامیٹک سوسائٹی کے ممبرز بھی تھے)

☆☆☆

''جیسے تم دونوں کی دوستی ہے جتنی انڈر اسٹینڈنگ ہے اور جیسی کیمسٹری ہے لگتا تو یہی ہے کہ تم دونوں اس تعلق کو آگے بھی لے کر چلو گے۔'' وہ دونوں ساتھ، ساتھ چل رہی تھیں اور وہ تحریم کی اس بات پر رکی اور رک کر حیران ہو کر اسے دیکھا۔ یوں جیسے وہ اس کی بات سمجھ نہ پائی ہو۔

''کیا مطلب ہے تمہارا......؟'' اس نے حیرت سے پوچھا تھا۔

''مطلب سیدھا ہے بھئی...... ابھی تک تو تم دونوں کو انگیجڈ ہو جانا چاہیے تھا۔'' تحریم، اس کی گروپ فیلو مسکرا، مسکرا کر بول رہی تھی۔ وہ چند لمحے تو شاکڈ اسے تکتی رہی اور پھر۔

''شٹ اپ تحریم......!'' وہ غصے سے بولی تھی اور اس کے یوں بولنے پر اب کہ تحریم حیران تھی۔

''اس میں اتنا غصہ کرنے والی کون سی بات ہے؟''

''دوست ہے میرا وہ اور بس......''

''دوست ہے تو کیا؟ دوست سے بھلا شادی نہیں ہو سکتی، اور جتنے تم دونوں......''

"enough" وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر سرخ چہرے کے ساتھ بے حد ضبط سے بول رہی تھی۔

''دوستی اور شادی...... دو الگ، الگ چیزیں ہیں تحریم...... اچھے دوست ہونے کا مطلب یہ تو نہیں کہ اب شادی بھی کر لی جائے۔ تھرڈ ورلڈ کا مسئلہ ہی یہی ہے۔ لڑکی اور لڑکے کے درمیان بس ایک ہی رشتہ ہو سکتا ہے۔ کسی دوسرے، تیسرے تعلق کی گنجائش تو نکلتی ہی نہیں ہے ناں......'' وہ بے حد تپی ہوئی تھی۔

''مرد اور عورت کے مابین دوستی نہیں ہوتی

ٹینا......" تحریم اس کی بات سن کر زمی سے بولی تھی۔

"اوہ کم آن...... ٹپو از مائے فرینڈ...... جسٹ آبیسٹ فرینڈ...... جیسے تم ہو...... جیسے اور بہت سارے ہیں لیکن یہ وہ مخالف جنس سے ہے تو شادی رچالو۔ اور کچھ نہ کرو...... وہ میرا دوست ہے، تھا اور رہے گا بھی...... ایسی خرافات کے بارے میں ہم دونوں نے ہی کبھی نہیں سوچا سو...... will you please shut up? "تحریم کو دوبارہ منہ کھولتا دیکھ کر وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر بولی تھی۔ اور تحریم کا منہ آ کے اندز میں ہی کھلا رہ گیا تھا اور پھر وہ کندھے اچکا کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

ہال نہ صرف تالیوں سے گونجتا رہا بلکہ اس کے بعد پوری یونی اسی اک بات سے گونجتی رہی تھی جو تحریم کے منہ سے نکلی تھی وہ دونوں انگیجڈ ہیں یا ہونے والے ہیں یا پھر دونوں میں زبردست قسم کا love affair یا تو چل رہا ہے یا مستقبل قریب میں چلنے والا ہے۔ ٹینا اس دن تحریم کے منہ سے یہ بات سن کر اتنی خفا ہوئی تھی تو اب تو اس کا جی چاہتا تھا لوگوں کا سر پھاڑ دے۔ اس کے برعکس ٹپو پُرسکون تھا۔ اس کا نظریہ تھا کہ جو، جو کہتا ہے اسے کہنے دو۔ عمل، وہ چیز ہوتا ہے جو کہنے والی بات کی تردید یا تصدیق کرتا ہے۔ سو ان کی دونوں کی دوستی کو اس قسم کی باتوں سے خائف ہونے کی ضرورت ہے نہ ہی بلاوجہ سر پر سوار کرنے کی لیکن ٹینا وہ ہر کہی جانے والی بات پہ تپ اٹھتی اور ہر سننے والی بات پر اس کا منہ سرخ ہو جاتا تھا۔

"ٹپو تم مجھ سے وعدہ کرو۔"

"کیسا وعدہ بھئی؟" وہ میل پر مصروف تھا...... دونوں انگوٹھوں سے ٹائپ کرتا ہوا۔

"اسے چھوڑ دو، دھیان سے میری بات سنو۔" ٹینا نے تپ کر اس کے ہاتھ سے سیل فون چھینا تھا۔

"ٹینا......" وہ اس حرکت پر بدمزہ ہوا۔

"اچھا کہو......" اور پھر جیسے ہار مان کر بولا۔

"تم وعدہ کرو کہ تم کبھی بھی مجھ سے شادی نہیں کرو گے، میں تمہیں شوہر کے روپ میں قبول نہیں کر سکتی۔ یاخ......" اور ٹینا نے یوں جھرجھری لی جیسے اس کے منہ میں نہایت ہی کوئی کڑوی سی چیز آ گئی تھی...... ٹپو نے اس بات پر منہ کھول کر اسے دیکھا اور پھر کھلے منہ کے ساتھ دیکھتا ہی رہ گیا۔ اور اس کو یوں pause کی سی کیفیت میں دیکھ کر ٹینا کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی کہیں اندر ہی گم ہوئی تھی۔ یعنی کہ، یعنی کہ وہ......"ٹپو" اس نے سراسیمہ ہو کر پکارا۔

"استغفار...... لاحول ولا قوۃ الا باللہ...... خدا مجھے معاف کرے، میں کیوں ایسا بھیانک خیال سوچوں گا...... شادی اور تم سے...... اللہ مجھے معاف کرے، معاف کرے مجھے۔ میں گنجا ہو کر مرنا نہیں چاہتا۔ وہ بھی اس خوفناک بلا کے ہاتھوں۔" وہ صحیح معنوں میں دونوں ہاتھ جوڑے اللہ سے فریاد کر رہا تھا۔ اور ان نیک تمناؤں پہ ٹینا نے شاکڈ ہو کر پہلے تو اسے دیکھا اور پھر رکھ کر جھانپڑ اس کے کندھے پر مارا تھا۔

"بدتمیز، بلا ہو گے تم...... اور تمہاری ہونے والی اور وہ...... وہ سارے بچے بھی جو تمہارے ہوں گے۔" سرخ چہرے کے ساتھ تیز، تیز بولتے ہوئے وہ اب کشنز، بکس اور جو بھی چیز اس کے ہاتھ لگتی تھی وہ ٹپو کو دے مارتی تھی اور ٹپو وہ بس ہنسے جا رہا تھا۔

ہاں تو کیوں نہیں ہو سکتا تھا مرد و عورت کے مابین کوئی دوسرا رشتہ یا تعلق...... جیسے کہ جیسے کہ دوستی...... ہو سکتی تھی ناں اور وہ تھے ناں اس کی مثال...... دو اچھے، بہترین دوست بس دوست......

☆☆☆

وہ سارے لان میں گول دائرے میں بیٹھے تھے۔ درمیان میں بے ترتیب سے جرنلز، فولڈرز، منہ کھلے چپس کے پیکٹ پانی کی بوتلیں اور کچھ صفحات...... اور وہ سارے بے حد مصروف سے دکھتے تھے۔ امتحان سر پر تھے بھئی اور وہ کمبائنڈ اسٹڈی ہو رہی تھی پیریڈ بنک کر کے۔

"آپ مغیث ہیں ناں......" اور اس آواز پر ٹینا نے سر اٹھا کر دیکھا تھا کیونکہ آواز بڑی جانی پہچانی سی تھی۔

"ہاں...... ہوں تو؟" اور سب سے الگ تھلگ ساری دنیا سے بیزار وہ ہوتا ہے ناں یونی کا اک عدد کتابی کیڑا نما بچہ تو وہ، وہ تھا مغیث پہلی پوزیشن لینے والا۔

"وہ سر اظہار نے مجھے بھیجا ہے آپ کے پاس، انہوں نے کہا ہے کہ یہ......" وہ رک کر نوٹس کھولنے لگا۔

"یہ ٹاپک آپ سے سمجھ لوں۔"

"اوئے......" اسی اثنا میں ٹینا نے بال پوائنٹ ٹپو کے گھٹنے پر ماری۔

"ہوں......" وہ جرنل پر جھکا مصروف، مصروف سا بولا۔

"وہ دیکھو......" اور ٹینا کی آواز سرگوشی سے زیادہ نہ تھی، ٹپو نے پہلے اسے اور پھر مڑ کر اس طرف دیکھا کہ جس طرف کا اشارہ ٹینا کر رہی تھی۔

"پپو ہے۔"

"ہاں...... مغیث سے ٹاپک سمجھنے آیا ہے۔" وہ دبی، دبی سی ہنسی کھی کھی کر کے۔

"اور مغیث تو جیسے اسے ضرور ہی سمجھائے گا۔" ٹپو نے تمسخر سے کہہ کر گردن موڑ لی تھی۔ سب جانتے تھے کہ مغیث بنا فائدے کے کسی کو ایک دھکا نہ دے، کجا کہ ٹاپک سمجھانا اور مغیث اسے کہہ رہا تھا۔

"یار...... پھر آنا...... ابھی میں خود پڑھ رہا ہوں۔"

"سر پلیز بس تھوڑا سا وقت......" اور سر مغیث نے سر اٹھا کر یوں اسے گھورا جیسے کچا چبا کر تھوک دینا چاہتا ہو۔

"سمجھ نہیں آئی کیا؟ پڑھ رہا ہوں ابھی۔" اس نے کتاب اونچی کر کے زور دے کر اونچی آواز میں ہی کہا اور اس طرح کہا کہ پپو خاصا embarrass ہوا تھا اور پھر وہ بڑبڑاتا ہوا وہاں سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔

"اوئے پپو...... اِدھر آ......" اس کو یوں منہ لٹکا...... دیکھ کر ٹپو نے سیٹی مار کر متوجہ کیا تھا اور پپو کا منہ ٹپو کو دیکھ کر کریلے جیسا ہو گیا...... اک دم کڑوا...... وہ کتابیں اٹھا کر یوں غائب ہو جانا چاہتا تھا جیسے گدھے کے سر سے سینگ...... پر ٹپو نے اسے جا پکڑا۔

"آ ناں...... آ تو سہی...... کبھی ہمارے ساتھ بھی بیٹھ جایا کرو...... ہم بھی انسان ہی ہوتے ہیں۔" وہ اس کے گلے میں بازو ڈالے اسے گھسیٹ کر گروپ کی طرف لا رہا تھا اور سارا گروپ اسے مزید ڈرا رہا تھا۔ اس کی طرف متوجہ ہو ہو کر......

"مجھے جانے دیں...... دیکھیں...... وہ میں۔" پر اس کی سنتا کون تھا۔

"اِدھر بیٹھ میرے یار......" اس نے زبردستی اسے لا کر گروپ میں بٹھایا تھا اور اب پپو اتنا ہراساں دکھتا تھا جیسے دن دہاڑے بھرے پُرے بازار میں اس کے ساتھ واردات ہونے والی ہو۔

"بتاؤ کیا سمجھنا ہے؟" ٹپو نے اب کے نرم لہجے میں کہا اور وہ سارے کے سارے پھر سے اپنے، اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ اور پپو مشکوک نظروں سے ٹپو کو تکتا تھا۔

"بتا ناں......" اس نے پچکارا...... پر پپو کا دل بے طرح سے دھڑکتا تھا پر وہ کیا ہے کہ صورتِ حال نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن...... جیسی تھی۔ مرتا کیا نہ کرتا...... سو اس نے ٹاپک کھول کر ٹپو کو دکھلایا۔

"ارے یہ تو حلوا ہے حلوا، کیوں سمجھ نہیں آ رہا تھا ہمارے پپو کو......" اور یہ کہہ کر اس نے پیار بھری چٹکی پپو کے گال پر کاٹی۔ سارا گروپ کھی، کھی کر کے ہنسنے لگا۔

"سمجھانا ہے تو سمجھاؤ...... جان کیوں نکال رہے ہو اس کی......" ٹینا ہنستے ہوئے بولی تھی۔

"اچھا...... بی سیریس......" اور وہ اک دم سنجیدہ ہوا کاغذ، قلم سنبھالا اور بالکل سنجیدہ ہو کر اسے سمجھانے لگا اور یوں سمجھاتا گیا کہ پپو سمجھتا کم تھا اور منہ کھول کر اسے تکتا زیادہ تھا۔

"حلوا میٹھا تھا ناں......؟" سمجھا کر، مسکرا کر پوچھا گیا۔ اور اس نے ہونقوں کی طرح سر ہلایا۔

"اچھا چل اب بھاگ......" اس کا جرنل اسے تھماتے ہوئے ٹپو نے کہا تھا۔ وہ تابعداری کی مثال... قائم کرتے ہوئے فوراً اٹھا تھا۔

"آئندہ بھی کچھ سمجھنا ہوا تو آجانا......" وہ اس کا کندھا تھپتھپا کر بولا تھا۔ بشارت علی عرف پپو چند لمحے اس غیر سنجیدہ انداز کو سنجیدگی سے تکتا رہا......اور پھر فرطِ جذبات سے بولا۔

"تھینک یو...... تھینک یو ٹپو سر...... اللہ آپ کی اور ٹینا میم کی جوڑی سلامت رکھے۔"

"اوئے......" الفاظ ابھی اس کے منہ سے نکلے ہی تھے کہ وہ غرائی تھی نہ صرف غرائی بلکہ فولڈر اٹھا کر اسے دے مارا تھا۔

"بھاگ لے بیٹے، بھاگ لے...... ورنہ مفت میں مارا جائے گا۔" ٹپو نے سرگوشی کی تھی۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے بارے میں بات کرنے کی۔ "how dare you" اور اس نے اب کہ جرنل کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔

"بھاگ پپو بھاگ......" تحریم نے آواز لگائی اور وہ سچ مچ اٹھ کر بھاگ گیا تھا اور یوں بھاگا تھا کہ جب بھی مڑ کر تکتا تو پھر سے اِک آواز آتی۔ "بھاگ...... پپو...... بھاگ۔" اور اس کو یوں بھگا، بھگا کر مارا کہ وہ بیچارہ ہانپ رہا تھا۔ وہ سب کے سب ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنس رہے تھے اور ٹینا...... وہ کہہ رہی تھی۔

"دیکھو تو سہی اب ایسے، ایسے لوگ ٹینا کے بارے میں بات کریں گے۔" وہ دکھی ہو رہی تھی۔

"کم آن ٹینا...... اس معصوم نے تو جو سنا...... وہ ہی بول دیا۔ چھوڑو، غصہ جانے دو۔" اور ٹپو اسے کول ڈاؤن کرنے کی کوشش میں تھا۔

☆☆☆

اس بازگشت نے جب اک دفعہ سر اٹھایا تو پورے زور سے گونجی اور پھر اپنے وقت کے ساتھ، ساتھ ختم ہوتی گئی۔ معدوم سے معدوم تر ہوتی چلی گئی۔ جو چیز ختم نہیں ہوئی تھی تو وہ تھی ان دونوں کی دوستی...... ان دونوں کے عمل نے اس بازگشت کی زبردست طریقے سے تردید کر دی تھی۔ اور پھر کانووکیشن کا دن بھی آ گیا۔ ان سب نے ٹوپیاں اچھالیں...... کیمرے کی آنکھ نے اسے قید کیا اور پھر وہ سب بکھر سے گئے اور اگر نہیں بکھرے تھے تو ٹپو اور ٹینا۔

دونوں کی جاب ہو چکی تھی۔ دونوں کی کمپنیز الگ، الگ تھیں جاب بھی تھی مگر دوستی وہیں کی وہیں تھی۔ شام پانچ سے چھ بجے تک واک اکٹھے...... دن بھر ٹیکسٹ...... کوئی مسئلہ ہوا تو رات گئے تک discussions اور چونکہ دونوں کی فیملی کا تعلق بھی تھا تو اکثر فیملی ڈنر بھی ہوتے تھے۔ ہاں کچھ فرق آیا تھا مگر ان دونوں نے دوستی کو متاثر نہ ہونے دیا۔

واسع کی برتھ ڈے تھی۔ واسع بھی ان کے گروپ کا حصہ تھا۔ لان میں مہمان اِدھر اُدھر ٹولیوں کی شکل میں بکھرے ہوئے تھے اور وہ سارے دوست اِک میز کے گرد...... فنکشن اختتام پزیر ہوا تو سب اِک، اِک کر کے جانے لگے یہاں تک کے میز کے گرد صرف ٹینا اور ٹپو ہی رہ گئے تھے۔

"تمہیں اِک چیز دکھانی ہے۔" یہ کہہ کر ٹپو نے اپنا سیل نکالا اور سیل کو آن کرتے ہوئے کچھ کھولنے لگا تھا۔

"یہ دیکھو......" ایک گروپ فوٹو کو زووم کر کے اس نے ٹینا کو دکھایا۔ میرون لباس میں سرمئی شال کندھوں پر لیے وہ اک خوب صورت لڑکی تھی۔

"واؤ...... ٹپو...... واؤ......" وہ اس کے ہاتھ سے سیل فون لیتے ہوئے بولی تھی۔

"کیا لڑکی ہے یار......" وہ اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"اچھی ہے ناں......؟" اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

"اچھی کیا...... اک دم فٹ ہے۔" ٹینا سراہنے والے لہجے میں بولی۔

"لائن مار رہے ہو اسے؟"

"اوہ شٹ اپ......" ٹپو نے ہاتھ سے بات اڑائی۔

"تو پھر کیا سیریس ہو رہے ہو؟" اب کہ ٹینا کا لہجہ چھیڑتا ہوا تھا۔

"لگ تو کچھ ایسے ہی رہا ہے مجھے بھی......" وہ سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مسکرایا۔

"ہیں...... سیریسلی ٹپو؟" وہ پُرجوش ہوئی۔

"مجھے ملواؤ ناں اس سے...... کب ملواؤ گے؟" وہ پُراشتیاق تھی۔

"ارے جاؤ، تم سے ملوا کر اپنے image کی بینڈ بجوانی ہے کیا مجھے؟" وہ موبائل اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے شرارت بھری خفگی سے بولا تھا۔

"ٹپو......" وہ چیخی تھی۔

اور وہ ہنسنے لگا۔

"تم بتاؤ تم نے کوئی مرغا نہیں پھنسایا؟" ٹینا کا منہ کھلا اور پھر اس کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔

"کتنے بدتمیز ہو گئے ہو تم...... شرم نہیں آتی ایک لڑکی کو ایسے کہتے ہوئے، میں ابھی انکل کو بتاتی ہوں۔" وہ سرخ چہرہ لیے اٹھی تھی اور وہ ہنس رہا تھا...... وہ جانتی تھی کہ وہ اسے تپا رہا تھا اور اتنا تو ٹپو بھی جانتا تھا کہ وہ انکل کو شکایت لگانے والی نہیں، وہ دوست جو تھے۔

☆☆☆

"بابا...... ایک بات کہنی تھی آپ سے؟" شفیع صاحب نے فوراً...... والیوم کم کیا اور اپنی نصف بہتر کو دیکھا۔ عین اسی وقت انہوں نے بھی شفیع صاحب کو دیکھا تھا۔ ٹپو اور ایسی تمہید......

"کہو کیا بات ہے؟"

"ایک لڑکی ہے۔" اور اب ان دونوں کے تاثرات...... "اوہ......" جیسے ہو گئے تھے۔

"پسند کرتا ہوں اسے...... اور میں چاہتا ہوں کہ آپ اس سے مل لیں۔" اب کی بار شفیع اور تمثیلہ نے اِک دوسرے کو معنی خیز انداز سے دیکھا تھا۔

"برخوردار دیکھنا اور ملنا کیسا...... ہم جانتے تو ہیں اسے...... اور دیکھتے اور ملتے تو بچپن سے ہی آرہے ہیں۔"

"جی......؟" وہ سخت حیران ہو کر ان کو تکنے لگا۔

"آپ کیسے اسے دیکھ...... wait a minute آپ...... آپ ٹینا کو او مائی گاڈ بابا، پلیز......" وہ الجھتے، الجھتے یک دم سمجھا اور سمجھ کر حد سے زیادہ بیزار ہوا تھا۔

"میں ٹینا کی بات نہیں کر رہا۔"

"تو......؟" ان دونوں کا "تو" شدید حیرت کا تاثر لیے ہوا تھا۔

"میں فرح کی بات کر رہا ہوں۔"

"فرح......" ان دونوں نے ہی زیرِلب نام دُہرا کر ایک دوسرے کو دیکھا اور دونوں ہی یک دم خاموش ہو گئے تھے۔

"ہم نے تو سمجھا کہ تم اور ٹینا۔"

"کیا...... کیا میں اور ٹینا بابا she is just a friend a good, best friend اور کچھ بھی نہیں ہے وہ، دوست ہے شادی کیسے کرلوں؟"

"تو کیا دوست سے شادی نہیں ہو سکتی؟" شفیع صاحب بے حد سنجیدہ دکھتے تھے۔

"ہو سکتی ہو گی، ہوتی بھی ہو گی پر ٹینا، نو نیور بابا...... وہ اتنی اوور سی ہے۔ جیسی مجھے لائف پارٹنر چاہیے ٹینا ویسی کہیں سے بھی نہیں ہے۔ میں نے کبھی اس کے بارے میں ایسا نہیں سوچا، میں سوچ ہی نہیں سکتا۔" وہ لاچار نظر آیا۔

"پر بچے تم دونوں کی اتنی اچھی خاصی انڈر اسٹینڈنگ ہے تو ہم......"

"انڈر اسٹینڈنگ ہے پر اک دوست کے لحاظ سے...... ایک کپل کے طور پر I bet آپ مجھے اور ٹینا کو دو الگ، الگ سمتوں میں کھڑا پائیں گے۔" اس کی اس بات پر تمثیلہ اور شفیع اِک دوجے کا منہ دیکھ کر رہ گئے تھے۔

"ٹھیک ہے بچے...... جب تم نہیں راضی تو ہم کیوں تمہیں فورس کریں پر اک بات ہے یا تو میں غلط سمجھ رہا ہوں یا تم...... اب ہم دونوں میں سے کون غلط ہے، یہ وقت ہی بتائے گا......" اور وہ باپ کا منہ دیکھ کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

"یہ کیا، تم آفس سے آ کر اس پر مصروف ہو جاتی ہو...... ہر وقت ٹک، ٹک......" شاہینہ نے غصے سے اس

کے ہاتھ سے موبائل چھینا تھا جو کہ صوفے پر آلتی پالتی مارے مسلسل ٹائپنگ کر رہی تھی۔

''افوہ..... مما کیا ہے، ذرا صبر کریں، بڑی اہم بات چل رہی ہے۔''

''وہ کون سی ایسی بات ہوتی ہے تمہاری..... ٹپو کے ساتھ جو اہم نہیں ہوتی۔'' شاہینہ بری طرح کھول کر رہ گئی تھیں۔

''ابھی سمجھیں اہم والی بات ہے ٹپو انگیج ہو رہا ہے۔'' وہ ان کے ہاتھ سے سیل فون لیتے ہوئے چہک کر بولی اور پھر دوبارہ سے ٹک، ٹک کرنے لگی۔

''کیا.....؟'' شاہینہ نے ایک دم شاؤٹ کیا اور وہ ڈر کر حیرت سے انہیں تکنے لگی۔

''کیا ہوا مما؟''

''کس سے منگنی کر رہا ہے ٹپو؟''

''فرح..... اس کی کولیگ.....'' اور شاہینہ منہ کھول کر اسے دیکھنے لگیں۔

''میں تو سمجھی تھی کہ تم دونوں.....'' اور ٹینا نے اک گہری سانس لے کر ''اف'' کے سے انداز میں آنکھیں میچیں تھیں۔

"he is just a friend mama"

''تو.....؟''

''تو یہ کہ مما..... وہ آنکھوں دیکھی مکھی ہے ... بلیوی نہ وہ مجھے نگل سکتا ہے اور نہ میں اسے..... مجھے سمجھ نہیں آتا کہ آپ ہمیں دوست کیوں نہیں رہنے دیتے۔ ایویں، خواہ مخواہ میں ہی کپل بنانے پر تلے ہوئے ہیں آپ لوگ..... اچھی زبردستی ہے بھئی۔'' وہ بے حد کڑوا سا منہ بنا کر بولی اور پھر سے ٹائپنگ شروع.....

''اچھا اب منہ کیوں لٹکایا ہوا ہے، دنیا لڑکوں سے بھری پڑی ہے، مجھے بھی مل جائے گا کوئی نہ کوئی.....'' بے پروا لہجہ..... بے فکرا انداز.....

''پر بیٹا ٹپو جیسا کوئی نہیں ہوگا۔'' شاہینہ بڑبڑا کر رہ گئی تھیں مگر وہاں سنتا کون تھا۔ وہ ہنوز اسی مگن سے انداز میں ...ٹمک ٹمک کرتی رہی تھی۔

☆☆☆

وہ آج اسی سفید براق ایوننگ گاؤن میں ملبوس تھی۔ اسی طرح سے اس کی اٹھی ہوئی گردن میں سفید موتیوں کی مالا تھی ہاں، مگر آج بال کھلے ہوئے تھے اور کھلے بالوں میں کان سے ذرا اوپر سفید گلاب کا پھول اٹکا تھا۔ اس کے بالوں میں بھی جا بجا سفید موتی اٹکے ہوئے تھے۔ روز پنک گالوں کے ساتھ وہ میرون لپ اسٹک لگائے ہوئے تھی۔

''واؤ، جسٹ واؤ، تمہاری تیاری کو تو دیکھ کر لگ رہا ہے کہ جیسے میری منگنی تمہارے ساتھ ہی تو ہونے جا رہی ہے۔'' اس نے پھول لینے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔

''شٹ اپ.....'' اور اس نے وہی پھول اس کے کندھے پر دے مارے تھے۔ خلافِ توقع وہ بلش ہوئی تھی۔

''ارے، ارے دیکھو تو سہی بلش کون ہو رہا ہے.......'' وہ مصنوعی حیرت کے ساتھ بولا۔

''ٹپو.....!'' وہ زچ ہو کر بولی اور وہ ہنس پڑا۔

''چلو آؤ فرح سے ملواتا ہوں۔'' وہ اسے ساتھ لے کر ایک طرف بڑھا تھا۔

اور فرح..... وہ روایتی لڑکیوں کی طرح بنی سنوری نہیں تھی اسٹائلش سا گھٹنوں کو چھوتا فینسی فراک، سیدھا ٹراؤزر اور بڑا سا دوپٹا کہنیوں پر اور ہلکا پھلکا سا میک اپ سلکی کھلے بال اور کانوں میں نہایت ہی خوب صورت جھمکے..... وہ ایک گروپ میں کھڑی کسی بات پر ہنس رہی تھی۔

''فرح.....'' وہ مڑی۔

''یہ ٹینا..... میری بہت ہی بہترین دوست، کرائم پارٹنر، میری bestie.....'' وہ مسکرا کر تعارف کروا رہا تھا۔

''ہائے.....'' ٹینا نے ہاتھ بڑھایا۔

''ہیلو.....'' فرح نے پُرتکلف سی مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ تھاما تھا۔

''بہت مبارک ہو۔''

''تھینک یو.....''

"n this is for you" اس نے ایک کیس فرح کو دیا۔

"oh! thank you so much" وہ گفٹ لیتے ہوئے بولی تھی۔

اور وہ اک نہایت ہی پُرتکلف سی گفتگو تھی جو اُن دونوں کے بیچ ہوئی تھی۔

☆☆☆

''نہ ٹپو مزہ نہیں آیا۔''

''کیا مزہ نہیں آیا؟''

''تمہاری فیانسی سے مل کر..... بور'' وہ ناک چڑھا کر بولی تھی۔

''کیا مطلب بور.....؟'' وہ دونوں ساتھ، ساتھ چل رہے تھے۔ ایک ہی چپس کا پیکٹ کھا رہے تھے، ٹینا چند چپس لے کر پیکٹ اسے پکڑا دیتی اور پھر وہ بھی یہی عمل دُہراتا۔

''بور مطلب..... کہہ لو کہ میری expectation پہ نہیں اتری آئی گیس تمہاری ہونے والی..... میری پہلی ایسی لڑکی دوست ہوتی جو کہ بیسٹ ہوتی پر وہ..... بڑی فارمل سی ہے۔''

''ہاں تو سارے لوگ ایک جیسے تھوڑے ہی ہوتے ہیں..... وہ ریزروڈ ہے ذرا..... پہلی ملاقات میں ہی کیسے فرینڈلی ہو جاتی۔''

"hmmm"

''کیا..... hmmm؟''

''کوئی مطلب ہوتا ہے ناں کسی سے مل کر بڑی اچھی، اچھی سی vibes آتی ہیں، کوئی تعلق بنانے کو دل کرتا ہے۔ دوبارہ ملنے کو دل کرتا ہے یا پھر دل خوش ہوتا ہے تو ایسا کچھ نہیں..... honestly speaking مجھے کوئی اچھی vibes نہیں آئیں.....'' ہاتھ اٹھا کر کہتے ہوئے اس نے چپس کا پیکٹ اسے پکڑا دیا تھا۔

”مطلب تم دونوں کی نہیں بننے والی۔“
”لگتا تو...... کچھ ایسا ہی ہے۔“ وہ کندھے اچکا کر بولی۔
”لے بھئی ٹپو...... بیٹا...... تیری تو بچ گئی بینڈ...... نہ دوست چھوڑ سکتا ہے نہ ہونے والی۔“ وہ گہری سانس بھر کر بولا تھا۔ اور وہ قل، قل کر کے ہنسنے لگی۔
”بیوی یا دوست میں سے ایک چننا پڑے گا......“ اس نے چھیڑا۔
”تو تمہیں چھوڑ دوں گا۔“ وہ ترنت بولا۔
”ٹپو......!“ وہ احتجاجاً زمین پر پیر مار کر چیخی تھی اور وہ ہنس پڑا تھا۔
وہ دونوں جانتے تھے کہ ان دونوں میں سے ایسا کوئی بھی نہیں کرنے والا۔

☆☆☆

اور پھر یوں ہوا کہ ٹپو کی شادی ہوگئی۔ بڑی دھوم دھام سے اور شادی میں پیش، پیش تھی جی ہاں ٹیٹا، ٹپو کو دولھا بنے دیکھ کر اس کے دل میں وہ ممتا بھرے جذبات ابھرے کہ بس نہ پوچھیے۔ یہ تو طے تھا کہ ٹپو کو دولھا بنے دیکھ کر اول اس کی ماں بہت خوش تھی۔ دوم والد محترم اور سوم...... ٹیٹا۔ اس کا bestie آج دولھا بنا تھا۔ یہ کوئی عام سا دن تھوڑی ہی تھا۔ وہ خوش تھی اور جی بھر کر خوش تھی۔ نہ صرف اس نے بلکہ ٹپو نے بھی عوام الناس کے اس قیاس کی سختی سے نفی کی تھی کہ مستقبل میں وہ دونوں ایک دوسرے کے ہی شریک حیات ہوں گے۔ یہ نہیں تھا کہ ٹپو کی شادی کے بعد بھی ٹیٹا کی وہ ہی روٹین تھی...... دن بھر پیغامات کا سلسلہ...... فیملی ڈنرز...... شام کی واک...... نہ...... اس نے اچھے، سمجھدار بچوں کی طرح ٹپو کو space دی تھی۔ نئی زندگی تھی، اِک نیا موڑ تھا۔ اس سے لطف اندوز ہوتے اور اسے سمجھنے کے لیے اسے وقت تو چاہیے تھا ناں۔ سو ٹیٹا نے یہ وقت اسے دیا...... کال کی، نہ کوئی پیغام بھیجا...... بس اسپیس دی تھی۔
ٹپو اور فرح ہنی مون کے لیے سوات گئے ہوئے تھے۔ شادی کے ہنگامے سرد ہو چکے تھے۔ ٹیٹا بھی روزمرہ کی زندگی میں مصروف تھی۔ وہ ایسا ہی اِک دن تھا کہ جب وہ آفس میں ایک رپورٹ بنانے میں مصروف تھی تبھی اس کے فون نے تھر، تھرا کر اسے بتایا کہ کوئی کال کر رہا ہے۔
”ٹپو......؟“ اس کے ہونٹ بِنا آواز کے ہلے اور اس نے خود حیرت کے ساتھ فون اٹھایا تھا۔
”ہو، ہو، ہو دیکھو تو کس کا فون آیا؟“ وہ کرسی پر پیچھے کو ہو کر آرام دہ انداز میں بیٹھتے ہوئے بولی۔
لہجہ بے حد خوشگوار تھا۔ آگے سے وہ ہنس دیا۔
”کیسی ہو؟“
”اِک دم فٹ...... تم بتاؤ ہنی مون کے دوران میری یاد کیسے آگئی۔ بیوی یقیناً پاس نہیں ہوگی، ہے ناں......؟“ انداز چھیڑتا سا...... لہجہ شرارتی سا۔
”شٹ اپ...... تمہاری تو انگلیاں گھس گئیں ناں مجھے کالز کر، کر کے......“
”اوہ کم آن ٹپو...... تم جانتے ہو کہ میں نے کیوں کال یا میسج نہیں کیا۔“
”فرح کی......“
”شٹ اپ......“ اس نے ترنت بات کاٹی۔
I m giving you space ......“
یار...... کیا ہو گیا ہے، اتنے حساس کیوں ہو رہے ہو؟“ وہ ذرا حیران ہوئی۔
”نہیں ایسے ہی۔“
”خوش ہو؟“ اب کہ اسے وہم لاحق ہوا۔
”ہاں، وہ تو بہت ہوں......“ ٹپو اس کے فکر مند انداز پر مسکرایا۔
”کب آ رہے ہو واپس......؟“
”پرسوں......“
”چلو پھر ٹھیک ملاقات ہوتی ہے، انجوائے یور سیلف بائے......“
”بائے......“ اور فون بند کر کے ٹپو نے اِک گہری طمانیت بھری سانس بھر کر سوات کے آسمان کو دیکھا تھا اور پھر اِک محفوظ سی نظر پیچھے کمرے میں ڈالی تھی۔ وہ

بالکونی میں کھڑا فون کر رہا تھا اور فرح واش روم میں تھی۔ اور پھر وہ اپنی ہی اس حرکت پہ ہنس دیا تھا۔

☆☆☆

خاکستری رنگ کی جینز، گھٹنوں تک آتی گہرے سبز رنگ کی کُرتی اور کرتی سے ہم رنگ دوپٹا، دوپٹے کو بل دے کر دونوں پلو آگے کو پھینک رکھے تھے۔ پاؤں میں pumps سارے بال کھینچ کر، کس کر اونچا سا بنایا گیا جوڑا...... بائیں ہاتھ میں گھڑی کانوں میں ہینڈز فری ٹھنسی ہوئی اور ہاتھ میں پکڑے سیل پر وہ کچھ دیکھ کر چل رہی تھی اور ہاں...... کندھوں پر ایک بیگ یوں پہن رکھا تھا کہ جیسے اسکول گوئنگ بچے پہنتے ہیں۔ ابھی، ابھی employees bus اسے مین روڈ پر اتار کر گئی تھی کہ جہاں سے وہ پیدل گھر تک آتی تھی۔ اور یہ روز کا معمول تھا۔ یہ محض اِک اتفاق تھا کہ جس وقت وہ ایسے پیارے مگن سے انداز میں چلتی گھر کو جا رہی تھی۔ عین اسی وقت ایک گاڑی زن سے اس کے پاس سے گزری تھی۔
”رکو، رکو بیک کرو، بیک......“ کسی نے ڈرائیور کو فوراً رکنے کا کہا تھا۔ گاڑی بیک ہوئی، آہستہ، آہستہ سے بالکل اس کے پاس آ کر وہ چونکی اور......
”گھر تک لفٹ چاہیے کیا......؟“ گاڑی کا شیشہ نیچے ہوا اور کسی نے بے حد مسکرا کر کہا تھا۔
”ٹپو......!“ وہ مسرت بھرے انداز میں بے اختیار لاؤڈ ہوئی تھی۔ وہ کھل کر ہنسا تھا۔
”آ جاؤ......“ اس نے سر سے گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ پیچھے سے اٹھ کر ڈرائیور کے ساتھ آ بیٹھا اور اس کے لیے جگہ خالی کی تھی۔ وہ اِک شکریہ ادا کرتی مسکراہٹ کے ساتھ پیچھے بیٹھی اور جیسے ہی بیٹھی تو تب ہی...... یک دم اسے یاد آیا کہ ہاں...... فرح بھی تو تھی۔ اس کے تاثرات ”اوہ“ جیسے ہو گئے۔
”ہائے......“ وہ بے اختیار لاشعوری طور پر کانشس سی ہوئی تھی۔
”ہیلو......“ جواباً اس نے رسمی سی مسکراہٹ سے کہا۔
”کیسا رہا ٹرپ......؟“ نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے بات بڑھائی۔
”اچھا تھا......“ فرح کا لہجہ اور خشک ہوا اور اس نے گاگلز چڑھا کر منہ پھیرا اور منہ پھیر کر کار روِنڈو سے باہر تکنے لگی۔ یہ جیسے اعلان تھا۔
”نو مور ٹاک......“ وہ بھی تو اپنے نام کی ایک ہی تھی اس نے بھی کندھے اچکائے اور......
”اوئے ٹپو کے بچے...... تم تو کالے ہو کر آئے ہو۔“
ٹپو نے گھور کر مڑ کر اسے دیکھا۔ وہ کھی، کھی کر کے ہنسنے لگی اور لیں جی...... وہ ٹپو کے ساتھ اسٹارٹ ہو چکی تھی اور فرح...... اس نے بہ مشکل دانت پہ دانت جما کر اپنے تاثرات کو روکا تھا۔ تو یہ طے تھا کہ ان دونوں نے ہی ایک دوسرے کو ناپسند کر کے رد کر دیا تھا۔

”اوئے تم کدھر......؟“ وہ اسے wave کرتی ہوئی اپنے گھر کی طرف مڑی ہی تھی کہ ٹپو نے آواز دی تھی۔
”کیا مطلب کدھر......؟“ وہ رکی اور رک کر پوچھا۔
”اپنے گھر کہاں جا رہی ہو...... اتنے دنوں بعد ملے ہیں آؤ ناں کچھ گپ شپ ہی سہی۔“ ڈرائیور گاڑی سے سامان نکال رہا تھا فرح، ٹپو کا انتظار کیے بِنا اندر جا چکی تھی اور وہ دونوں گاڑی کے ساتھ، ساتھ کھڑے تھے۔
”ابھی تو تم آئے ہو، فریش ہو جاؤ، گپ شپ تو ہوتی رہے گی۔“ ٹیٹا بولی۔
”ہا، ہا، ہا......“ وہ مصنوعی طنزیہ سا ہنسا۔
”دیکھو تو سہی فارمل کون ہو رہا ہے۔“ اور پھر دونوں ہاتھ کولہوں پہ رکھ کر اسے گھورتے ہوئے بولا تھا۔
”دیکھ لو تمہاری بیو......“
”اوہ شٹ اپ...... اب روایتی سا جملہ کہنے کی ضرورت نہیں......“ اس نے ترنت بات کاٹی اور وہ کھسیا کر سر کھجانے لگی۔
”چلو مرو اب......“ وہ دونوں ہاتھوں سے اسے چلنے کا کہہ رہا تھا۔ اس نے رک کر کچھ سوچا اور پھر بیگ

کندھوں سے اتار کر ڈرائیور کی طرف پھینکتے ہوئے بولی۔
"یہ میرے گھر دے آنا اور بتا بھی آنا میں ٹپو کی طرف ہوں۔" اور گھر دور تھا بھلا، یہ سامنے ہی تو تھا۔

☆☆☆

"یاخ......" اس نے کڑوا سا منہ بنایا اور پھر اک بھرپور جھرجھری لی تھی۔

"I can't believe this"

"کیا......؟" وہ کندھے اچکا کر کہتے ہوئے حیران ہوا۔
"تم...... تمہارا ایسا taste ہوگا کانٹ بلیو یار......" لہجہ تمسخر اڑاتا ہوا، انداز طنزیہ......
"کس کی بات کر رہی ہو......؟" وہ بیچارہ حیران ہوا۔
"ٹینا...... ٹینا کی بات کر رہی ہوں۔ کیا چیز پال رکھی ہے تم نے دوستی کے نام پر...... اوہ کم آن ٹپو، اپنی نہیں تو میری کلاس کی ہی پروا کر لو......"
اور ٹپو سخت شاکڈ ہو کر فرح کے الفاظ سن رہا تھا۔
"تم...... تم کیسی زبان اور کیسے الفاظ استعمال کر رہی ہو فرح...... اب یہ کیا تمہاری کلاس ہے؟" اور وہ بری طرح سے شاکڈ ہوا تھا۔
"تو جو جس لائق ہوگا، اس کے لیے ویسی ہی زبان استعمال کی جائے گی ناں...... اور پلیز یہ تم میری کلاس کو تو بیچ میں لاؤ ہی نہ......" وہ ایک ہاتھ اٹھا کر بیزاری سے بولی تھی۔ وہ چند لمحے تنے ہوئے تاثرات کے ساتھ اسے تکتا رہا۔
"اوکے...... ویل...... وہ جس بھی لائق ہے اب کیا ہو سکتا ہے۔ دوست ہے میری اور میں اسے چھوڑ تو نہیں سکتا۔" اور اس کے اس پُرسکون اور قطعیت بھرے انداز پر اب کہ فرح شاکڈ ہوئی تھی۔
"یعنی کہ تم اس اِل مینرڈ، بدتمیز سی لڑکی کو مجھ پر فوقیت دو گے؟" وہ بے حد طیش سے بولی تھی۔
"اس میں فوقیت دینے والی بات کہاں سے آگئی فرح......؟" حیران ہونے کے علاوہ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ کرے کیا؟

"وہ دوست ہے...... تم بیوی...... خود کو اس رشتے سے compare کرو نہ ہی کنفیوزڈ......" اس کا انداز و لہجہ گو کہ ٹھہرا ہوا تھا مگر پھر بھی حیرت سی جھلکتی تھی۔
"اور اس ساری گفتگو کا مطلب ہے کہ تم اسے اپنی لائف سے کک آؤٹ نہیں کرنے والے......" فرح کا منہ سرخ ہوا۔
"فرح کیا ہو گیا ہے یار......! تمہارے اتنا غصہ کرنے کی وجہ میری سمجھ سے باہر ہے۔"
"وہ میرے گھر میں آئے، اونچے، اونچے جاہلوں کی طرح میرے شوہر کے ساتھ قہقہے لگائے، کارڈز کھیلے اور میرا شوہر اس کے لیے سوات سے مہنگے، مہنگے گفٹس خرید کے لائے اور اس سب کے بعد بھی وہ مجھ سے اتنا غصہ کرنے کی وجہ پوچھے۔ اوہ کم آن ٹپو...... بچے نہیں ہو تم۔" وہ مشتعل ضرور تھی مگر آواز نیچی ہی تھی۔
وہ تحمل سے چند گھڑی اسے تکتا رہا۔ پھر اس نے سر جھکا کر گہری سانس بھر کر خود کو کمپوز کرنا چاہا تھا۔ فرح اب بھی غصے سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ آگے بڑھا اس کا ہاتھ تھاما اور اسے بیڈ پر بٹھا کر اس کے لیے پانی دیا تھا اور اس کے پانی کا گلاس پیش کرنے پر فرح نے اسے گھورا تھا۔
"کول ڈاؤن یار...... کول ڈاؤن، پہلے پانی پیو، دماغ ٹھنڈا کرو پھر بات کرتے ہیں۔" فرح نے بادلِ ناخواستہ گلاس پکڑا، چند گھونٹ بھرے اور گلاس کو سائڈ ٹیبل پر پٹخ دیا تھا۔ ٹپو نے بے ساختہ ہونٹ بھینچے تھے۔ وہ اس کے ساتھ بیڈ پر بیٹھا۔ اِک لمحے کا توقف کیا اور پھر بولا۔
"سنو فرح......! ایک لڑکی جب شادی کر کے آتی ہے ناں تو شوہر کے ساتھ، ساتھ تو اس کے رشتے داروں جیسے ماں، باپ، بھائی، بہن کو بھی قبول کرتی ہے۔ ایسے ہی رشتوں میں دوست بھی ہوتا ہے۔ اور ٹینا میری سب سے بہترین دوست ہے۔ ہم بچپن سے ساتھ ہیں، ٹھیک میں تمہیں اس سے بات کرنے یا اس

کے ساتھ اچھا رویہ اپنانے پر مجبور نہیں کرتا۔ لیکن کم از کم تم اس حیثیت کو تو مانو کہ وہ میری دوست ہے۔ اس حوالے سے تو اسے قبول کرو اور یہ کوئی پوشیدہ قسم کی دوستی تھوڑی ہے جو تمہارے لیے پرابلم کا باعث بنے۔ جیسے تمہارے کئی کولیگز ہیں، کزنز ہیں، دوست ہیں، اس طرح میرے بھی تو ہیں اور تم کیوں بلاوجہ ہی اس کو اس مقام پر لا رہی ہو کہ جس پر تم ہو...... وہ دوست ہے، بس ایک اچھی بہترین دوست......" وہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھے، نرم دھیمے اور پیار بھرے لہجے میں اسے سمجھا رہا تھا۔ بات ختم ہوتے ہی فرح نے اک تیز نظر اس پر ڈالی۔ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ کے نیچے سے کھینچا اور ٹاول اٹھا کر واش روم میں چلی گئی۔ ہاں دھاڑ سے دروازہ بند کرنا وہ ہرگز بھی نہیں بھولی تھی اور ٹپو...... وہ بس ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

"ٹپو...... Ms.word میں line spacing کیسے کرتے تھے یار......" وہ اِک رپورٹ بنا رہی تھی اور باوجود کوشش کے اسے مطلوبہ چیز مل نہیں رہی تھی۔ سو اس نے ٹپو کو میسج بھیجا تھا۔ یونیورسٹی کے بعد Ms.word کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا، وہ بھول چکی تھی اور ٹپو...... اس نے پیغام دیکھا اور سیل فون پرے رکھ دیا اس وقت وہ جس ذہنی خلفشار کا شکار تھا وہ line spacing کا کیا بتاتا اسے......
ٹینا نے حیرت سے سیل کو دیکھا۔ ٹپو کا جواب نہیں آیا تھا۔ ایسا بھلا کب ہوا تھا۔
"ڈسٹربڈ ہو؟" اور اب کی بار ٹپو نے آنکھیں پھاڑ کر اس پیغام کو دیکھا۔ دیواروں کے پار، اپنے، اپنے کمروں میں بیٹھے وہ محض اس کے جوابی پیغام نہ دینے سے اس کی کیفیت کا اندازہ لگا چکی تھی۔ وہ کتنے لمحے اس پیغام کو دیکھتا رہا۔
"ہاں......" اس سے نہ کہتا تو پھر کس سے کہتا۔
"کیوں......؟"
"فرح تمہیں لے کر بہت کانشس ہو رہی ہے۔

اچھی خاصی بحث کی ہے اس نے مجھ سے۔"
"اوہ...... چلو کوئی بات نہیں، ٹھیک ہو جائے گی۔"
"ایسے کیسے ٹھیک ہو جائے گی؟" اس نے لال، لال منہ بھیجا۔
"اوہو...... دیکھو ابھی نئی، نئی ہے ناں تو تمہارے اور میرے تعلق کو صحیح سے جانتی نہیں۔ وہ سمجھتی ہوگی کہ یا تو تمہارا مجھ پر کرش ہے یا پھر میں ہی تمہارے عشق میں گوڈے، گوڈے ڈوبی ہوئی ہوں۔" اور اس نے ہنستا ہوا چہرہ بھیجا۔
"بھلا بتاؤ ایسی کوئی بات ہوتی تو ہم دونوں کے لیے کیا رکاوٹ ہو سکتی تھی۔ وقت کے ساتھ، ساتھ جان جائے گی۔ it's just a friend ship جب جان جائے گی تو مان لے گی اور جب مان لے گی تو ٹھیک ہو جائے گی۔ تم ڈسٹرب نہ ہو۔"
وہ اس کے اوپر تلے آنے والے پیغامات کو پڑھتا جا رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلتی جا رہی تھی۔
"relaxed" اس کا نیا پیغام آیا۔
"yesss" جوابی پیغام بھیجا گیا۔
"تو پھر بتاؤ line spacing" اور وہ ہلکے سے ہنس دیا۔ یہ ٹینا بھی ناں......

☆☆☆

رات قریب ساڑھے آٹھ کا وقت تھا۔ وہ اسٹڈی میں بیٹھا، کام کر رہا تھا۔ لیپ ٹاپ کی اسکرین آن تھی۔ پاس ہی چائے کا خالی مگ دھرا تھا۔ وہ ائرفون کا ہڈ سر پہ لگائے کام میں مگن تھا۔ انگلیاں تیز، تیز چلتی تھیں۔ پاس ہی اک کتاب کھلی پڑی تھی جس پر چند لمحے بعد وہ بال پوائنٹ سے کچھ لائنز کو انڈر لائن کرتا جاتا تھا۔ وہ چند لمحے رک کر اس کے مگن انداز کو تکتے رہے اور پھر کھلے دروازے پر ناک کی تھی۔ وہ چونکا...... متوجہ ہوا اور پھر انہیں دیکھ کر مسکرایا۔
"پاپا......!" اس کے لب بنا آواز ہلے تھے۔
"ابھی تک جاگ رہے ہو؟" وہ اندر آتے

ہوئے بولے۔
”بس کچھ کام نبٹانا تھا۔ آپ بتائیے؟“ اور وہ اِک گہری سانس بھر کر کرسی گھسیٹ کر اس کے پاس بیٹھے تھے۔
”فرح......“ انہوں نے جیسے بات کو اِک لفظ میں سمویا تھا۔ وہ اچانک ہی بے حد سنجیدہ ہوا۔
”کوئی پرابلم چل رہی ہیں ٹپو......؟ وہ کل ٹینا کے گھر پر ہونے والے ڈنر میں بھی نہیں گئی۔ اس کا موڈ بھی آف ہے۔“ ان کے منہ سے سن کر ٹپو نے بے اختیار ہونٹ بھینچے تھے۔
”اسے ٹینا سے ایشو ہے، وہ میری اور اس کی دوستی کو قبول نہیں کر پا رہی...... اسے لگتا ہے کہ ہم دونوں......“ اور اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ اور اس بات پر شفیع صاحب بھی سمجھ نہ پائے کہ اب کیا کہا جائے۔
”تم اپنے ریلیشن شپ کو تھوڑا محدود کر لو ٹپو...... ازدواجی زندگی کے لیے بہت سی چیزیں برداشت بھی کرنی پڑتی ہیں اور قربان بھی۔“
”کیا محدود کر لوں پاپا......؟ میں کوئی ہر وقت ٹینا کے کندھے سے لگا تھوڑی ہی رہتا ہوں۔ اسے اعتراض ہے کہ میں ٹینا کے لیے گفٹس لایا ہوں۔ وہ تو پھر میں اس کی بہن کے لیے بھی لایا ہوں۔ لیکن وہ لڑکی اس کی بہن ہے سو کوئی مسئلہ نہیں...... اس سے جڑے رشتے اہم ہے...... مجھ سے جڑے کسی رشتے کی اہمیت نہیں۔“ وہ سنجیدگی بھری خفگی سے کہہ رہا تھا۔
”دوست اور بہن میں فرق ہوتا ہے ٹپو......“
”ہوتا ہے پاپا...... بالکل ہوتا ہے۔ لیکن کیا میں اس سے تعلق رکھنے والے دوسرے لوگوں کو [illegible] نہیں کرتا۔ وہ بھی تو اپنے باس کے لیے تحفہ لائی ہے did I ask? ...... میں نے مسئلہ بنایا؟ نہیں...... اور اگر میں کچھ کہہ دیتا تو مجھے جیلسی میل... شاونزم کے طعنے ملتے۔ میں اس لڑکی کی ذہنیت ایک جملے سے جان گیا تھا پاپا...... لیکن خیر اب ہو جائے گی ٹھیک...... آپ پریشان نہ ہوں......“ اور اس نے بات کو جیسے سمیٹ کر ختم کیا تھا۔ شفیع صاحب بس اک گہری سانس بھر کر رہ گئے تھے۔ ایسے تو چلنے والا نہیں تھا۔

☆☆☆

”کیا ہم مل سکتے ہیں؟“ وہ چھٹی کا دن تھا جب اس کے سیل فون پر وہ پیغام آیا تھا۔ اس نے ذرا حیرت سے اس پیغام کو دیکھا۔
”شیور......“ جوابی پیغام بھیجا گیا۔
”آئس کریم کھاؤ گی یا کافی پیو گی......؟“ اور اب کی بار وہ ہنس دی اور ہنستے ہوئے لکھا۔
”جو آپ کھلانا یا پلانا پسند کریں “
”تیار رہو...... میں آ رہا ہوں۔“ اور اس پیغام پر وہ فون کو ہونٹوں سے لگائے کچھ سوچتی رہی اور پھر تیار ہونے چل دی۔

☆☆☆

”تمہیں معلوم ہے ٹپو اور فرح میں...... تمہاری وجہ سے کچھ ایشوز چل رہے ہیں۔“ وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ میز پر کافی کے دو مگ تھے جو کہ آدھے خالی ہو چکے تھے۔ اس سوال پر ٹینا نے ہونٹ سکیڑے تھے یعنی کہ بات ان تک پہنچ چکی تھی۔
”پتا ہے مجھے انکل...... ٹپو نے بتایا تھا۔“ اور وہ اک گہری، سرد سی سانس بھر کر رہ گئے تھے۔
”دیکھو ٹینا جو بات میں تم سے کرنے جا رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اسے rational ہو کر سنو...... کھلے دل و دماغ کے ساتھ سننا اور سمجھنا۔“
”آپ اتنے defensive کیوں ہو رہے ہیں۔“ وہ مسکرائی۔
”بات ہی ایسی ہے۔“ انہوں نے لاچاری ظاہر کی۔
”چلو ہم یوں کرتے ہیں...... ذرا سی دیر کو مستقبل میں چلتے ہیں۔ ہم پکچر کرتے ہیں کہ تمہاری شادی کسی بڑے اچھے، ویل آف، ہینڈسم لڑکے سے ہو چکی ہے اور تم ایک اچھی خوب صورت میرڈ لائف گزار رہی ہو۔“

اور وہ اِک دم ہنسنے لگی...... ”منسومت......“ وہ خفا ہوئے۔
”میں سنجیدہ ہوں......“ اور وہ اسی خفگی سے بولے۔
”او کے......“ وہ ہاتھ اٹھا کر مسکراہٹ دبا کر بولی۔
”ہاں تو تم بڑی اچھی میرڈ لائف انجوائے کر رہی ہو لیکن...... لیکن تمہاری اب بھی ٹپو سے ویسی ہی دوستی اور بے تکلفی ہے...... تمہیں لگتا ہے ٹینا کہ تمہارے شوہر کو ٹپو سے کوئی مسئلہ نہیں ہو گا......؟“ اور اس سوال پہ اس نے ذرا سی دیر کو ہونق ہو کر شفیع انکل کا چہرہ دیکھا۔ لو بھلا ایسا کب کسی نے سوچا تھا۔
”میں ایسے کسی بندے سے شادی ہی نہیں کروں گی جسے ٹپو سے مسئلہ ہو۔“ وہ کچھ ہونق پن اور کچھ خوفزدہ سی ہو کر بولی تھی۔ اور شفیع انکل نے تف کے انداز میں رخ پھیرا تھا۔
”یہ بچگانہ جواب ہے ٹینا، ایسا عملی زندگی میں چلتا ہے نہ ہوتا ہے۔ you have rationally to think it“ اور وہ اس بات پر یک دم سر جھکا کر خاموش ہو گئی تھی اتنی خاموش کہ شفیع صاحب کو ہی دوبارہ سے بولنا پڑا تھا۔
”ٹپو ٹھیک اسی فیز سے گزر رہا ہے۔ فرح کو تم سے ایشوز ہے اور بحیثیت ایک عورت کے وہ اپنی جگہ ٹھیک ہے۔ کوئی بھی عورت اتنی کھلے دل و دماغ کی نہیں ہوتی کہ وہ دوسری کسی عورت کو...... چاہے وہ دوست ہی کیوں نہ ہو اپنے شوہر کی زندگی میں برداشت کرے اور میں تمہیں بتا دوں ٹینا کل کو تمہیں بھی یہ سب برداشت کرنا پڑے گا اور جہاں تک مجھے نظر آ رہا ہے۔ تم دونوں کو یہ دوستی، یہ تعلق توڑنا پڑے گا، چھوڑنا پڑے گا۔“ اور ٹینا نے ایک لمحے کے لیے خود کو مستقبل میں لے جا کر دیکھا، اس پکچر میں فٹ کر کے دیکھا جو شفیع انکل اسے دکھانا چاہتے تھے۔ تو ایسا سوچتے ہی اس کے بدن میں گرم، گرم سی لہریں اٹھنے لگیں۔ اس کا دل بری طرح شدت سے گھبرایا اسے لگا جیسے تنفس کی رفتار اس کے قابو سے باہر ہو رہی ہے اور جیسے... اس کی آنکھیں گیلی سی ہو رہی ہیں۔ وہ کئی ثانیے تک خود کو کمپوز نہ کر پائی تھی۔
”آپ کیا چاہتے ہیں؟“ اور اسے محسوس ہوا کہ جب وہ بولی ہے تو آواز بھاری سی ہے۔ اب آئی تھی ناں وہ صحیح سوال پر وہ اسے اسی پوائنٹ پر ہی تو لانا چاہتے تھے۔
”یہ مت سمجھنا کہ میں محض ٹپو کا ہی سوچ کر یہ... بات تم سے کہنے لگا ہوں...... مجھے تمہارا بھی خیال ہے بچے...... تم دونوں ہی کی لائف کو.... mess (خراب) بننے سے بچانا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ٹپو سے اپنے تعلقات محدود کر لو...... اتنے کہ یہ اس کی میرڈ لائف پر اثر انداز نہ ہوں۔ بلیومی...... یہ چیز کل کو تمہارے لیے، تمہاری میرڈ لائف کے لیے بہت سود مند ہو گی......“ اور وہ منہ کھول کر انہیں تکنے لگی...... ”مطلب ٹپو سے دوستی چھوڑ دوں۔“
”فرح کو سمجھنا چاہیے تھا...... اسے سمجھنا چاہیے تھا، اسے قبول کرنا چاہیے تھا۔ جیسے ٹپو کے ساتھ دوسرے بہت سے رشتے جڑے ہیں۔ میرا بھی تو ویسا ہی رشتہ ہے۔“ وہ کافی دیر بعد بڑے دل گرفتہ سے انداز میں بولی تھی۔ اور اس کے الفاظ پر شفیع صاحب بہت حیرت سے اسے تکنے لگے۔ کم و بیش ٹپو نے بھی ان سے یہ ہی کہا تھا۔
”ایک بات بتاؤ ٹینا بچے......“
”جی......؟“ وہ اب کافی کے مگ کے کنارے پہ انگلی پھیر رہی تھی۔
”تم دونوں نے آپس میں شادی کیوں نہیں کی؟“ اور ٹینا نے حق دق ہو کر سر اٹھا کر انہیں دیکھا...... یہ بھی کوئی کرنے والا سوال تھا بھلا...... اس کا منہ سرخ ہوا۔
”ہم دونوں دوست ہیں، شفیع انکل...... ٹھیک بالکل ٹھیک اب مجھے سمجھ آ گیا کہ فرح کیوں نہیں اس رشتے کو قبول کر پائی۔ اس رشتے کو ابھی تک آپ لوگ قبول نہیں کر پائے تو وہ کیا کرے؟ فکر نہ کریں، چائنا بھیج رہی ہے میری کمپنی مجھے ہائیر اسٹڈیز کے لیے...... تو دفع ہو جاؤں گی میں یہاں سے۔ نہ

نومن تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی۔ قصہ ختم......‘‘ اس نے بے حد برہم ہو کر ہاتھ جھاڑے اور شفیع صاحب...... وہ اِک اور ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئے تھے۔

☆☆☆

’’یہ یہاں کیا کرنے آ گئی ہے۔‘‘ اسے دیکھتے ہی فرح کا موڈ بگڑا اور اسی بگڑے مگر حیرت بھرے انداز میں اس نے لاؤڈ ہو کر پوچھا تھا۔

’’فرح......‘‘ ٹپو کی آواز میں غصہ اور تنبیہہ دونوں تھے۔

’’کیا فرح......؟ یہ فیملی سیلیبریشن تھی ٹپو......‘‘ رنج سے اس کی آواز ٹھہری گئی۔

"and tina is family" ٹپو مضبوط مگر تپے ہوئے لہجے میں ترنت بولا۔

’’اوکے......اوکے یہ فیملی ہے ناں تو اسی کے ساتھ کرو برتھ ڈے...... سیلیبریٹ......‘‘ اس نے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ ٹیبل پر پٹخی اور تن فن کرتی ہوئی کمرے کی طرف مڑی تھی۔ لیکن جاتے، جاتے وہ ایک دم رکی...... رک کر بت بنی ٹینا کے پاس آئی اور......

’’اتنا ہی تمہارا گزارہ نہیں ہوتا ٹپو کے بغیر تو کر لینی تھی ناں اس سے شادی اور اب اگر اس نے تمہیں گھاس نہیں ڈالی تو...... ہمیں تو سکون سے رہنے دو۔‘‘ لہجہ زہریلا تو الفاظ زہر میں بجھے نشتر......

’’فرح......!‘‘ ٹپو بہت زور سے دھاڑا تھا۔

شفیع اور تمثیلہ نے بھی دہل کر فرح کو دیکھا تھا اور ٹینا...... اس نے بہت ضبط سے حلق سے نیچے کچھ اتارا تھا...... بے حد سکون بھرے انداز میں فرح کو دیکھا اور کہا۔

’’یقین کیجیے کہ اگر آپ ٹپو کی بیوی اور اس گھر کی بہو نہ ہوتیں تو میں آپ کے منہ پر اِک تھپڑ تو ضرور ہی مارتی۔‘‘ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھی، ہاتھ میں پکڑا ڈبا میز پر رکھا اور ٹپو کو دیکھے بنا بولی۔

’’یہ تمہارا پریزنٹ......‘‘ اور پھر وہ وہاں رکی نہیں تھی اور اسے روکنے کی کوشش بھی نہیں کی گئی تھی کہ وہ سب اپنی، اپنی جگہ شرم سے زمین میں گڑ گئے تھے۔

’’فرح آپ کو اگر اس کا آنا ناپسند ہوا تھا تو بھی آپ کو اس برے طریقے سے اظہار نہیں کرنا چاہیے تھا۔‘‘ وہ شفیع صاحب تھے۔

’’یہ کیا طریقہ تھا؟ اتنی بدتمیزی فرح......‘‘ اور وہ تمثیلہ تھیں اور فرح...... وہ ہاتھ اٹھا کر یوں حیران ہوئی کہ جیسے کہتی ہو آپ دونوں بھی؟ اور ٹپو وہ ابھی تک میز پر پڑے اس تحفے کو دیکھ رہا تھا اور دل میں تکلیف کی شدت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ کاش کہ وہ اک عدد سوال کرتی، گلہ کرتی نظر سے اسے دیکھ لیتی کاش کہ...... اسے ٹپو نے ہی تو پیغام بھیج کر بلایا تھا...... وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر صوفے پر گرنے والے انداز میں بیٹھا تھا۔

☆☆☆

1 سال بعد......

وہ بڑی عجلت میں، بیگ میں اپنی چیزیں ٹھنساتی یونیورسٹی سے باہر نکلی تھی۔ اس کا رخ بائیسکل اسٹینڈ کی طرف تھا اور اسے آج جلدی پہنچ کر اپنی اسائنمنٹ مکمل کرنی تھی۔ جیسے ہی بیگ میں چیزیں ٹھونس کر اس نے سر اٹھایا تو یکلخت رک سی گئی...... اس کے قدم اچانک ہی منجمد ہوئے تھے اس کے حرکت کرتے ہاتھوں کی کیفیت بھی پیروں سے مختلف نہ تھی اور اس کے ہونٹ ’’آ‘‘ کے سے انداز میں کھل کر رہ گئے تھے اور وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، آنکھوں پہ گاگلز چڑھائے براہِ راست اسے ہی تو دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے اس انداز پر مسکرایا...... گاگلز اتارے اور یوں کندھے اچکائے کہ جیسے اب کیا ہو سکتا تھا۔

’’ہیلو......‘‘ وہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلا کر بولا...... اور وہ جیسے ہوش میں آئی۔

’’تم...... یہاں کیسے؟‘‘ یوں بولی جیسے ابھی تک بے یقین ہو۔

’’تم سے ملنے......‘‘ اور اس کے اس جواب پہ ٹینا نے بے حد خفگی سے اسے گھورا۔

’’تم چائنا مجھ سے ملنے آئے ہو؟ اوہ کم آن......‘‘ اس

نے ہاتھ کے اشارے سے بات کو اڑانا چاہا۔

’’میں سیریس ہوں ٹینا...... سال بھر سے تم سے بات تک نہیں ہوئی۔ تو سوچا تم نے تو اب ٹپو کو پوچھنا تک نہیں سو کمپنی بھیج رہی تھی۔ سو تم سے ملے بِنا کیسے جاتا۔‘‘ اور اتنا تو وہ ٹپو کو جانتی ہی تھی کہ چہرے سے یہ اندازہ لگا لے وہ کتنا سچ بول رہا ہے اور کتنا جھوٹ۔

’’ٹپو......‘‘ اور اب کے لہجے میں بے یقینی سی تھی۔

’’اتنا سب کچھ ہو جانے کے باوجود بھی......؟‘‘

’’کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں ٹینا......‘‘ وہ اپنے گاگلز پہنتے ہوئے قطعیت بھرے انداز میں بولا تھا۔ ٹینا اس کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

’’تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا......‘‘ وہ سخت بے آرام تھی۔

’’کیوں، کیوں نہیں آنا چاہیے تھا؟‘‘ اور اسے سخت تپ چڑھی۔ اور وہ یوں اسے تکنے لگی جیسے وہ پاگل ہو۔

’’یہاں میں تمہاری ازدواجی زندگی کے سکون کے لیے پاگل ہوئی جا رہی ہوں اور تم ہو کہ خود اپنے ہی ہاتھوں سے اسے برباد کرنے پر تلے ہوئے ہو۔‘‘ وہ لفظ نہیں تھے۔ کڑوے، کڑوے سے گھونٹ تھے کوئی...... جو اسے پینے پڑ رہے تھے۔

’’کم آن ٹینا...... میں چائنا آتا اور تم سے نہ ملتا...... یہ کیسے ہو سکتا تھا آخر......‘‘ وہ جیسے اپنی ہی بے چینی پہ زچ نظر آیا۔

’’ٹپو...... بچے مت بنو......‘‘ اور وہ بیزار نظر آئی۔

’’فرح کو معلوم ہوا ناں تو وہ......‘‘

’’تو وہ کیا......؟ وہ بھی تو اپنے بہت سے دوستوں سے ملتی ملاتی ہے۔ میں نے کچھ کہا......؟ مجھے نہ کبھی کوئی ایشو ہوا...... نہیں ناں...... اسے بھی نہیں ہونا چاہیے۔ تم دوست ہو میری اور میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا...... اسے یہ بات سمجھنا ہوگی۔‘‘ لو جی الٹا چور، کوتوال کو ڈانٹے۔

ٹینا تو سر دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

pout کرتے ہوئے، ایک ابرو کو اٹھاتے ہوئے...... الٹے سیدھے پوز اور منہ بناتے ہوئے، ہنستے ہوئے اور پھر ہنس، ہنس کر دُہرے ہوتے ہوئے۔ وہاں بہت سی سیلفیز اور تصاویر بنائی جا رہی تھیں۔ ڈھونڈ ڈھانڈ کر، کھرچ، کھرچ کر انہوں نے چائنا سے ایک گروپ واسی نکال ہی لیا تھا۔

’’واسع......‘‘ اور ابھی پارٹی ہو رہی تھی۔ اپارٹمنٹ کی چھت پر واسع، اس کی مسز، ٹپو اور ٹینا...... یونی کے قصے، پرانی یادیں T,T کی ہولناک شرارتیں...... ہنسی مذاق...... وہ ایک بھرپور شام تھی اور ابھی ابھی واسع اور اس کی اہلیہ رخصت ہوئے تھے اور اب وہ تھے، ہاتھ میں جوس کے گلاس تھامے، اپارٹمنٹ کی چھت سے نظر آتی روشنیوں کو دیکھ رہے تھے۔ وہ دونوں ہی چھت کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑے تھے۔

’’یہ وقت کیسی شے ہے ناں ٹینا! کیا سے کیا کر دیتا، کیا سے کیا بنا دیتا ہے؟‘‘ وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔ ٹینا نے اک نظر اسے دیکھا۔ جوس کا اک گھونٹ بھرا اور کہا۔

’’سو تو ہے۔‘‘

’’تمہارے لیے اتنی عام سی بات ہے یہ۔‘‘ وہ حیران ہوا۔ ٹینا نے اِک گہری سانس بھری۔

’’عام سی نہیں ہے، میرے اچھے دوست ہو تم...... اور صرف تم ہی تو تھے ٹپو...... تم جانتے ہو، ہاں تکلیف ہوتی ہے۔ بہت سارا اتنا کچھ شیئر کرنے کو ہوتا ہے۔ مگر جب نہیں کر پاتی تو ڈسٹرب بھی ہو جاتی ہوں مگر ٹپو پھر بھی یہ اہم نہیں ہے۔ اہم تمہاری ازدواجی زندگی ہے۔ بی میچور یار......‘‘

’’پچھلے ایک سال سے اسی اِک کوشش میں تو ہوں......‘‘ وہ بڑبڑایا۔ اور وہاں اک دم خموشی سی پھیلی تھی۔ خنک ہوا، دھیمی رفتار سے چلتی تھی...... دور شہر کی روشنیاں مدھم سی پڑنے لگی تھیں۔ رات کا سکوت پھیل رہا تھا۔

''کبھی کبھی ہم اپنے لیے کتنا غلط سوچ لیتے...... کتنے غلط فیصلے کر لیتے ہیں ناں......'' اس نے گلاس کو دیوار پر رکھا اور دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر اسے دیکھا۔ ٹینا نے یک دم ابھرنے والے احساس کو نظر انداز کیا۔

''کیا غلط اور کیا صحیح ٹپو...... یہ زندگی ہے۔ ups and down.. you know......''

''نہیں اپنی حماقت کو زندگی کے کھاتے میں نہیں ڈال سکتا میں۔'' اس نے شدت سے نفی کی۔

''اچھا ہوگئی حماقت...... اب پھر؟ ہے کوئی حل......؟ کوئی علاج؟'' وہ تیکھی ہوئی اور ٹپو نے بڑے غور سے اس کے تیکھے پن کو ملاحظہ کیا تھا۔

''ہاں کوئی حل نہیں...... کوئی علاج نہیں...... مگر دل میں جو پچھتاوا ہے ناں...... وہ ہے کہ جو روز بروز آگ بنتا جا رہا ہے۔ اس سے تو نجات پائی جا سکتی ہے ناں......''

''پچھتاوا......؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''ایک سال پورا ایک سال ٹینا...... میں نے خود کو پرکھا، جانا اور قدم، قدم پر یہ محسوس کیا کہ کچھ خالی ہے۔ کچھ undone ہے جیسے کہ میں کچھ بھول گیا ہوں...... جیسے کہ کچھ پیچھے رہ گیا ہے جیسے کہ اسے ہونا چاہیے ابھی میرے ساتھ......''

''ٹپو چھوڑو یار...... کن باتوں کو لے کر بیٹھ گئے ہو۔'' اس نے سرسری سا انداز اپنایا۔ موضوع بدلنا چاہا۔

''تم سننا نہیں چاہتیں۔ میں جانتا ہوں تم سننا نہیں چاہتیں ٹینا...... مگر مجھے کہنے دو مجھے روکو مت، میرے پاس یہ احساس تو باقی رہنے دو کہ میں مکمل خالی نہیں ہوا۔ میرے پاس اس شام کی یاد ہے۔'' اور ٹینا یوں ہوگئی جیسے کہ ہلدی...... اس کے ہونٹ یک دم خشک پڑے تھے۔

''میں تمہارے بغیر ادھورا ہوں۔''

''ٹپو اسٹاپ دس......'' وہ سراسیمہ تھی۔

''اگر اس کو......''

''ٹپو اسٹاپ اٹ......'' اب کی بار وہ حلق کے بل چلائی۔

''محبت کہتے ہیں۔'' اس نے مشروب کا گلاس دیوار پر دے مارا۔

''تو ہاں مجھے تم سے......'' اور اس نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ ''محبت ہے۔'' الفاظ ادا ہوئے اور فضا میں بکھر کر چاروں طرف پھیل گئے۔ وہاں اِک لمحے کے لیے سناٹا بے طرح سے پھیلا تھا۔

''آؤٹ...... شکل نہ دکھانا اب مجھے کبھی اپنی، دفع ہو جاؤ......'' وہ کانوں پر ہاتھ رکھے روئی تھی یا چلائی تھی یہ تفریق مشکل تھی۔ ٹپو نے اک نظر اسے دیکھا پھر سر جھکائے سوگوار سے انداز میں کھڑا رہا اور پھر وہاں سے چلا گیا کہ اسے جانا ہی تو تھا۔

☆☆☆

سورج کی کرنیں اس کے منہ پر پڑیں اور اس کو جگانے کا باعث بنی تھیں۔ وہ ایک لمحے کے لیے سمجھ نہ پائی تھی کہ کہاں ہے...... اس نے حیرت سے اپنے ارد گرد دیکھا...... وہ دیوار کے ساتھ سکڑی بیٹھی، دونوں گھٹنے موڑ کر پیٹ سے لگائے سو رہی تھی۔ وہ یہاں کیوں تھی؟ اسے شدید حیرت ہوئی۔ اس نے ٹانگیں سیدھی کرنا چاہیں تو اندازہ ہوا ان میں تو زبردست اکڑاؤ پیدا ہو چکا تھا۔ بازو یوں جیسے درد سے بھرے ہوئے تھے۔ سر الگ بوجھل تھا۔ اس نے گھسیٹ کر خود کو دیوار کے ساتھ لگایا اور ایک نظر چھت پر ڈالی جو کہ گزشتہ شب کا قصہ بیان کر رہی تھی۔ میکانکی انداز میں اس نے گردن گھمائی اور نظر کی گرفت میں وہ کانچ آئے تھے اور ایک دم اِک جھماکا سا ہوا...... اور اسے یاد آیا۔ ٹپو اسے یوں ہی ساکت چھوڑ کر چلا گیا۔ وہ سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامتی اسی دیوار کے ساتھ نیچے بیٹھی تھی۔ کتنے ہی لمحے وہ یوں ہی سر کو تھامے، اِک شاک کی سی کیفیت میں بیٹھی رہی اور پھر اس نے پھوٹ، پھوٹ کر رونا شروع کر دیا تھا۔

''تمہیں یہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا ٹپو...... تم نے یہ کیا کر دیا...... کیا؟'' وہ زمین پہ ہاتھ مارتی اور روتی جاتی تھی۔ ''ہاں اسے یہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا۔'' وہ

پچھلے ایک سال سے پورے بارہ ماہ سے ایک self denial کی سی حالت میں تھی...... ایک کیفیت اس کے اندر بھی ابھرتی تھی اور بار، بار قدم، قدم پر ابھرتی تھی اور وہ بھی کہ بار، بار ہی...... قدم، قدم پہ ہی اس سے انکار کرتی تھی...... اسے ٹپو کو یاد نہیں کرنا تھا...... اس کے بنا زندگی گزارنی تھی۔ وہ جیسے روز سبق کی طرح اس بات کو دُہراتی تھی۔ وہ خود پہ قابو کیے ہوئے تھی۔ خود کو باندھے ہوئے تھی۔ اس کیفیت کو جانتے بوجھتے بھی وہ بے نام کہنا چاہتی تھی۔ وقتی جذبہ سمجھنا چاہتی اور ٹپو...... اس نے بھلا کیا کیا؟ کیا کر دیا اس نے......

وہ اس ''کیفیت'' کو نام دے گیا تھا۔ اک پہچان دے گیا تھا۔ وہ اقرار کر گیا تھا اور اب اس جذبے کو بڑھنے، پھلنے پھولنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ کہ محبت جب تک بے نام ہوتی ہے، بن وجود ہوتی ہے اور اب جبکہ اس محبت کا جنم ہو گیا...... تو کون ہے جو اسے روکے......؟

☆☆☆

''مجھے یقین نہیں آتا کہ تم یونی کے زمانے میں اس قدر شیطان ہوا کرتے تھے۔'' واسع کی مسز سنگار میز کے سامنے بیٹھی ایرا سٹڈز اتار رہی تھی۔

''شرم کرو...... اپنے شوہر کو شیطان کہتی ہو۔'' واسع بستر پر نیم دراز تھا اور اس کی انگلیاں سیل فون پر متحرک تھیں۔

''میں تو نہیں کہہ رہی، تمہارے دوست ہی بتا رہے تھے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی اور واسع نے اسے ایک جوابی مسکراہٹ سے نوازا اور پھر وہ آج لی جانے والی تصاویر کو مختلف دوستوں کو tag کرنے لگا تھا۔

☆☆☆

[illegible] دو [illegible] بنا کر فارغ ہوئی تو گردن میں سخت کھچاؤ کا سا احساس ہوا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے ہاتھ سے گردن کی پشت کو مسلا تھا۔ ایسے ہی لیپ ٹاپ بند کرنے سے پہلے اس نے نئی جنریشن ہونے کے عین مطابق FB کو دیکھنا مناسب سمجھا تھا۔ ٹپو چائنا گیا ہوا تھا کمپنی کی طرف سے۔ وہ جانتی تھی اور وہ اس بات سے بھی خوفزدہ نہیں تھی کہ ٹینا بھی چائنا میں ہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ پچھلے بارہ ماہ (یعنی پورا سال) سے وہ رابطے میں نہیں تھے اور یہ کہ وہ ٹینا نامی باب ٹپو کی زندگی سے پھاڑ چکی ہے۔ ایسے ہی اسکرول ڈاؤن کرتے ہوئے اس کی چند تصویروں پر نظر پڑی......

اس کے ہاتھ کی حرکت ایک دم رکی اور پھر اگلے ہی دم میں وہ تیزی سے حرکت میں آئے تھے۔ ہنستے چہرے، طمانیت اور بے فکرا پن لیے ہوئے...... لطف اندوز ہوتے ہوئے...... وہ ان چہروں کو اور ان چہروں سے ٹپکنے والی مسرت کو دیکھ رہی تھی۔ چند لمحے وہ بدترین شاک کا شکار ہو کر ان تصاویر کو دیکھتی رہی اور پھر اِک زہر خند اس کے ہونٹوں پر پھیلی تھی۔

"nice move tappu" اس نے پوسٹ کے نیچے اسے مینشن کیا اور زور سے لیپ ٹاپ کا lid گرایا تھا۔

☆☆☆

''یہ کیا بچگانہ طریقہ ہے فرح......؟'' وہ کل ہی چائنا سے آیا تھا اور فرح پچھلے پانچ دن سے سسرال کو چھوڑ کر میکے میں بیٹھی تھی۔ اس کے سوال پر فرح نے تیز چھید کرتی نظروں کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔

''ٹپو کیا تمہیں واقعی کمپنی نے بھیجا تھا؟'' وہ ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے...... بے حد سکون سے بولی۔ اس سوال پر ٹپو نے ہونٹ بھینچے...... چند لمحے وہ سر جھکائے بیٹھا رہا اور پھر اس نے براہ راست فرح کو دیکھا۔

''یہ بحث اپنے گھر چل کر کرتے ہیں، اٹھو میں لینے آیا ہوں۔'' اس کا انداز تحمل بھرا تھا۔ مصالحانہ تھا۔

''[illegible] یہ بحث [illegible] ہوگی...... اور جب تک اس کا نتیجہ نہیں نکل آتا میں گھر نہیں جاؤں گی۔''

''فرح یہ ہمارا پرسنل میٹر ہے اسے پبلک کیوں کر رہی ہو؟''

''اسے میں پبلک کر رہی ہوں...... میں......؟

اور وہ جو تم چاٹنا میں اس کے ساتھ مزے کر رہے تھے۔ وہ کیا تھا ٹیپو......؟" وہ پھٹ پڑی تھی۔

"دوست تھی وہ میری...... اور ان تصاویر میں تمہیں بس وہ ہی نظر آئی۔ دوسرے دوست نظر نہیں آئے؟" اب کہ وہ بھی لاؤڈ ہوا۔

"دوست ہے یا کچھ اور ٹیپو...... تمہیں یہ ڈیفائن کرنا ہوگا۔ میرے اور تمہارے رشتے میں جھوٹ نہیں ہونا چاہیے۔ کوئی دھوکا نہیں ہونا چاہیے۔ تمہیں کیا لگے گا اگر میں ایسا کروں تو؟"

"تم اگر منہ سے کسی کو دوست بولو گی تو میں یقین رکھوں گا کہ ہاں...... وہ واقعی میں تمہارا دوست ہے۔ اور ہمارے رشتے میں کوئی دھوکا، کوئی جھوٹ نہیں ہے، میں تمہارے ساتھ زندگی بِتانا چاہتا ہوں یار...... اس لیے میں ہر پھانس ہر چبھن کو اس رشتے سے نکال دینا چاہتا ہوں۔" وہ اب کہ سکون سے سمجھانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔ وہ چند لمحے اس کے چہرے کو تکتی رہی۔

"تم اگر میرے ساتھ زندگی بتانا چاہتے ہو تو ٹینا کہاں سے آجاتی ہے بیچ میں؟ کیوں آجاتی ہے، کتنا سکون تھا پچھلے ایک سال سے اور اب......" وہ تھکے، تھکے انداز میں ہاتھ پھیلا کر بولی تھی۔

"ٹینا بیچ میں نہیں آتی فرح...... وہ تو شروع سے ہے۔ پلیز اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرو...... میرا بچپن، لڑکپن، جوانی، ایجوکیشن سب اس کے ساتھ، ساتھ گزری ہے۔ اب یوں اک دم سے اسے زندگی سے نکال کر پھینک دینا...... ناممکن سا ہے میرے لیے۔ میری زندگی کا اک حصہ ہے وہ...... کسی کتاب کا صفحہ نہیں جو پھاڑ کر پھینک ڈالوں......" اور فرح...... وہ اِک شاک سے اسے تک رہی تھی۔

"مجھے یوں مت دیکھو فرح...... میں نے کہا ناں تم سے کوئی جھوٹ نہیں بولوں گا۔ دھوکا نہیں دوں گا...... میں ٹینا کو اپنی زندگی سے نکال بھی دوں تو دل سے نہیں نکال سکتا۔ تم کیا اتنی سی اجازت دے سکتی ہو مجھے کہ میں اسے اپنے دل میں اِک یاد کی طرح محفوظ رکھ سکوں؟ ٹھیک ہے میں تمہارے لیے...... اس سے ملوں گا نہیں...... اس کا ذکر بھی نہیں ہوگا...... وہ میرے اور تمہارے بیچ میں آج کے بعد کبھی نہیں آئے گی...... مگر...... میں...... میں......" وہ اِک لمحے کے لیے رک سا گیا۔ "میں اسے اپنے دل سے نکال نہیں سکتا فرح...... یہ...... یہ میرے اختیار سے باہر ہے۔" وہ جیسے لاچار نظر آیا۔ اور فرح...... اس نے عجب شاک سے گردن گھما کر اس کے چہرے کو دیکھا۔ وہ اس کا چہرہ بے حد بے یقینی سے تک رہی تھی۔

"تو تم اسے اپنے دل سے نکال نہیں سکتے؟" اس نے حیرانی سے سوال کیا اور جواباً ٹیپو نے اِک گہری سانس بھر کر دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرے تھے۔

"فرح دیکھو...... میرے دل میں جو تھا، میں نے تمہیں بتا دیا۔ جھوٹ نہیں بولا۔ تم بھول کیوں نہیں جاتیں کہ کوئی ٹینا بھی تھی۔ سمجھو کہ نہیں تھی۔ وہ ہم دونوں کے بیچ نہیں آتی فرح...... یہ تم ہو جو اسے بار، بار گھسیٹ لاتی ہو۔"

"میرے سوال کا جواب...... یہ وضاحت نہیں ہے ٹیپو......" وہ سلگی۔ "مجھے میرے سوال کا جواب دو ٹیپو...... تم اسے دل سے نکال سکتے ہو یا نہیں......" وہ پھٹ پڑی اور ٹیپو نے جواب نہیں دیا۔ اس نے بس اِک سرد نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ ایسی نگاہ جو اس کے سوال کا جواب نہیں تھی تو تسلی بھی نہیں تھی۔ فرح اک لمحے میں سلگ کر بھڑکی اور بھڑک کر فنا ہوئی تھی...... راکھ ہوئی تھی...... یوں جیسے آگ اس کے پور، پور میں دہک اٹھی تھی...... اور وہاں پھر خاموشی تھی۔ جو پھیلی تھی۔ کئی لمحے وہ دونوں اپنی، اپنی جگہ پر خاموش ساکت بیٹھے رہے۔

"تو تم اسے دل سے نکال نہیں سکتے۔" اور پھر اس کی آواز کسی آہ کے مانند گونجی تھی۔ اور وہ طنزیہ ہنسی۔

"تو ٹھیک ہے ٹیپو...... تم اسے دل سے نکال نہیں سکتے اور میں تمہیں ایسے دل میں بسا نہیں سکتی...... تو آج سے، اب سے ہمارے راستے الگ، الگ ہوگئے۔ اب چاہے تو اسے یاد بنا کر دل

میں محفوظ کرلینا یا پھر زندگی میں...... میری بلا سے۔" اس نے تلخی سے کہہ کر ٹیپو کو حیران کردیا۔

"فرح......!" اور وہ اس قدر حیران ہوا کہ آواز حلق سے نکل نہ سکی...... وہ محض لب ہلا کر رہ گیا تھا۔

"تم طلاق کے پیپرز بھجواؤ گے یا...... میں خلع کا کیس دائر کروں؟"

اور ساتوں کے ساتوں آسمان اپنے قہر سمیت ٹیپو کے سر پر ٹوٹے تھے۔

☆☆☆

"ٹینا......"

"جی ماما......" اور ماما اِک دم سے خاموش ہوئیں۔ وہ جیسے الجھ سی گئیں کہ جو وہ پوچھنے جا رہی ہیں آیا اس سے وہ پوچھنا بھی چاہیے تھا یا نہیں...... لیکن...... پوچھے بنا بھی کوئی تو چارہ نہ تھا۔

"ماما...... کیا بات ہے؟" انہیں خاموش پا کر وہ بولی تھی۔

"ٹینا...... تمہارے اور ٹیپو کے بیچ کچھ چل رہا ہے کیا؟" اِک زہر بھرا کڑوا سا گھونٹ پی کر بالآخر انہوں نے کہہ ہی ڈالا...... اور وہ اتنی خاموش ہوگئی تھی کہ فون کے دوسری طرف اس کی سانس تک محسوس نہیں ہوتی تھی۔

"ٹینا؟" استفسار کرتا ہوا لہجہ......

"ہوا کیا ہے ماما؟" اس کے لہجے سے خوف کی بو آتی تھی۔

"ٹیپو اور فرح کے تعلقات سخت کشیدہ ہیں۔ فرح نے خلع کا کیس دائر کردیا ہے اور خلع لینے کی وجہ تم نامزد ہوئی ہو ٹینا...... اس کا کہنا ہے کہ ٹیپو کے تمہارے ساتھ......" اور اس سے آگے وہ منہ پہ ہاتھ رکھ کر سسک اٹھی تھیں۔ اور ٹینا...... وہ بے دم ہو کر ڈھے پڑی۔ فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے جا گرا تھا اور فون گرنے کی آواز کسی دھماکے کی طرح اس کے کانوں میں گونجی تھی اور اس نے بے اختیار دونوں ہاتھ کان پر رکھے تھے۔ مگر سائیں، سائیں کی آواز اس کے کانوں کے پردے پھاڑ رہی تھی...... بے ساختہ وہ کانوں پر ہاتھ رکھ کر دُہری ہوئی تھی۔ اور فرح نے اسی پر بس نہیں کیا تھا۔ ثبوت کے طور پر اس نے ٹیپو اور ٹینا کی تصاویر بھی پیش کی تھیں، ان میں حالیہ پارٹی کے علاوہ ان دونوں کی یونی کی تصاویر بھی شامل تھیں۔

☆☆☆

گاڑی گیٹ کے سامنے آکر رکی...... یوں جیسے اس کی سانس رک گئی تھی۔ کتنی مشکل سے اس نے خود کو بائیں طرف دیکھنے سے روکا تھا۔ تھک کر اس نے سیٹ کی بیک سے سر ٹکایا اور تکلیف سے آنکھیں موند لی تھیں۔

اس کی تعلیم تو ختم ہونی ہی تھی۔ اور اسے واپس آنا ہی تھا اور اسی گھر میں ہی آنا تھا جو ٹیپو کے گھر کے سامنے تھا۔ وہ بھاگ نہیں سکتی تھی۔ پر کاش کہ وہ بھاگ سکتی...... کاش کہ وہ اپنے گھر کو اٹھا کر کہیں لے جا سکتی مگر یہ دو چیزیں ناممکن تھیں تو وہ خود ہی کہیں غائب ہو جاتی...... پر نہیں یہ سب ہی ناممکن تھا۔ وہ بچ نہیں سکتی تھی، وہ بھاگ نہیں سکتی تھی۔ وہ تو کہیں چھپ بھی نہیں سکتی۔

"یا خدا......!" اس نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپایا تھا۔ مین گیٹ کھلا...... گاڑی رینگ کر اندر داخل ہوئی۔ دروازہ بند ہوا اور سامنے نظر آنے والا گھر چھپ گیا۔ اور ٹینا کا جی چاہا کہ وہ یوں ہی چھپا رہے۔ کبھی نظر نہیں آئے، نہ نظر آئے نہ سامنا ہو...... نہ سوال د جواب...... اس نے اپنے حصے کی بدنامی اپنے ماتھے پر لکھوالی...... اور اس کا خراج بھی وصول کرلیا اور اب...... اب وہ اس شخص کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ شکل تو دور کی بات وہ تو اس ہوا میں سانس بھی نہیں لیتی کہ جہاں ٹیپو رہتا تھا۔ لوگوں کی اٹھتی انگلیاں نہیں بڑے، بڑے تیر تھے جو اس پر تو برسے ہی مگر معاف اس کے گھر والوں کو بھی نہیں کیا تھا۔ ڈ۔یورس ہو چکی تھی۔ اور اس سب میں...... سب سے زیادہ بدنامی ٹینا کے ہی حصے میں آئی تھی۔ ایسے، ایسے الزام داغے گئے تھے کہ لفظ بیان کرتے ہوئے شرما جائیں۔ اور اب بس...... اس سے زیادہ وہ سہہ نہیں سکتی تھی۔

برداشت ختم تھی اور ہمت خدا حافظ کہہ کر جا چکی تھی۔ اِک گہری سانس بھر کر وہ گاڑی سے اتری سامنے ہی اس کے گھر والے اس کا استقبال کرنے کو موجود تھے۔

☆☆☆

”آئم سوری یار...... مجھے نہیں معلوم تھا کہ محض میرے چند تصاویر پوسٹ کرنے سے تمہاری زندگی یوں اتنے بڑے mess کا شکار ہو جائے گی۔“ واسع کی بات سن کر اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ رینگی۔

”سوری کیوں کہتے ہو یار، یہ سب یوں ہی ہونا طے تھا۔ تم تصاویر پوسٹ نہ بھی کرتے تو وہ کوئی اور وجہ ڈھونڈ لاتی۔ غلطی صریحاً میری ہے۔ میں نے اک عورت کے ساتھ سچ کی بنیاد پر تعلق قائم کرنا چاہا تھا۔ جھوٹ کا فریب ٹھیک رہتا تھا۔ بیوی بھی رہتی اور زندگی بھی اتنے بڑے mess کا شکار نہیں ہوتی۔“ لہجہ زہر خند...... انداز کڑوا...... اور فون کے دوسری طرف خاموشی چھائی تھی اور پھر چند لمحوں بعد واسع کی طرف سے ایک گہری سانس ابھری تھی۔

”ہم سب تو یہی گمان کرتے تھے کہ تم ٹینا سے ہی شادی کرو گے مگر تم......“

”ہاں...... میرا قصور...... فاش غلطی کہ میں اسے دوست سمجھا۔“ اور پھر بولا نہیں، کراہا تھا۔

”ٹینا کیسی ہے؟“

”کچھ معلوم نہیں...... دن میں سو بار لعنت تو ضرور بھیجتی ہوگی مجھ پر۔“ وہ ہنسا، ہنسا کہ چیخ کر ٹوٹا... سمجھ نہ آئی تھی۔

”سب ٹھیک ہو جائے گا یار...... حوصلہ کر......“ واسع بے اختیار بولا تھا۔

”یو نو واٹ...... اس سب میں نقصان میرا نہیں ہوا۔ فرح کا بھی نہیں...... نقصان ٹینا کا ہوا ہے یار...... وہ بنا قصور کے سزاوار ٹھہرائی گئی ہے۔“

”سن ٹپو...... سمیٹ لے اس سارے mess کو اور ٹینا کو بھی، شادی کرلے اس سے...... سب ٹھیک ہو جائے گا تو دیکھنا سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ اور ٹپو زور سے ہنس دیا۔

”کیا بات کرتا ہے واسع...... ٹینا تو اب ٹپو پر تھوکے بھی نہ......“ اور یہ کیسی ہنسی تھی اس کی...... جو کہ زخم لگاتی تھی...... دل پر وار کرتی تھی۔ یہ کیسی ہنسی تھی ہاں، کیسی......؟

☆☆☆

زندگی تو چاہتی تھی کہ اپنے لمبے اور بھاری بوٹوں تلے اسے روند دے کچل ڈالے...... مگر یہ وہ ہی تھی جو ابھی تک خود کو...... خود ہی مضبوطی سے تھامے ہوئے تھی۔ لاکھ بے دلی کے باوجود وہ آفس جانے کے لیے تیار تھی۔ کتنی تبدیلی آئی تھی ناں اس میں...... جینز کرتی کی جگہ نارمل شلوار سوٹ پہنے ہوئے تھی اور دوپٹا...... وہ سر پر لے رکھا تھا۔ دوپٹا سر پر جما کر شاید وہ ثابت کرنا چاہتی تھی کہ وہ شریف ہے...... وہ گندی عورت نہیں ہے۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے دوپٹا لپیٹ لینے سے دنیا شرافت کی سند اسے عطا کر دے گی۔ بڑی تیزی سے اس کی آنکھوں میں پانی جمع ہوا تھا۔ یہ معاشرہ خود سے ہی کچھ norms طے کر دیتا ہے جو دوپٹا سر پر لے وہ اچھی، عورت جو نہ لے وہ بری، اور اس نے دوپٹا اپنے سر سے نوچ ڈالا اور نوچ کر پرے پھینکا......

”میری شرافت کو اس دوپٹے کی ضرورت نہیں۔“ وہ سلگی تھی...... مگر نہ جانے کیوں اس کا ہاتھ بار، بار گردن میں لپٹے دوپٹے کی طرف بڑھتا اور اسے سر پر جما دینا چاہتا تھا...... اور اپنی اس کوشش کے ہاتھوں وہ خود ہی ہلکان اور پریشان تھی۔

☆☆☆

وہ جانتا تھا کہ وہ آ چکی ہے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ روز صبح کس وقت آفس جاتی ہے اور کس وقت واپس...... اسے یہ بھی معلوم تھا کہ کس وقت وہ اپنے گھر کے لان میں بیٹھ کر چائے پیتی ہے مگر یہ سب

معلوم ہونے کے باوجود وہ اس کا سامنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ روز صبح اس سے بچ کر آفس کے لیے روانہ ہوتا اور بچ کر ہی واپس گھر آتا۔ اس نے ٹیرس پر آنا بھی چھوڑ دیا کہ وہاں سے صاف ان کے گھر کا لان دکھتا تھا۔ اس نے اپنی سرگرمیاں بھی اس قدر محدود کرلی تھیں کہ بھولے سے بھی اس کا اور ٹینا کا سامنا نہ ہو سکے۔ وہ اسے کوئی صفائی دینا چاہتا تھا نہ دے سکتا تھا۔ وہ قصوروار تھا اس کا...... وہ اس تکلیف کو اس کے چہرے پر نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ نہیں دیکھ سکتا تھا جو ٹپو کو دیکھ کر ٹینا کے چہرے پر آتی۔ وہ خود کو اس کی زندگی سے کٹ آؤٹ کر دینا چاہتا تھا مگر چاہ کر بھی وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ اب نہ سوشل گیدرنگز ہوتی تھیں نہ فیملی ڈنرز...... پر پھر بھی گوسپ کے لیے ایک اعلیٰ موضوع تھا لوگوں کے پاس...... ٹپو اور ٹینا...... وہ مرد ہو کر اس قدر محدود ہو چکا تھا تو سات سلام تھے اس کی نسوانیت کو...... جو وہ یوں دنیا کا سامنا کرنے روز صبح نکلتی تھی، وہ کیسے سہتی ہوگی لوگوں کی الزام دیتی نظریں اور کانوں میں مجرم کا ٹھپا لگاتی سرگوشیاں...... وہ کیسے سہتی ہوگی۔ اور یہ سوال ٹپو کو مار، مار جاتا تھا اور وہ شدید خواہش کے باوجود بھی خود کو ٹینا کی زندگی سے کٹ آؤٹ نہیں کر پاتا تھا۔

☆☆☆

اس کے آفس میں ایک لڑکا تھا...... زوہیب...... اچھا خاصا خوبرو نوجوان تھا، لڑکیاں اسے دور، دور سے دیکھ کر ہی مر، مر جایا کرتی تھیں اور اب ہوا یہ کہ اس زوہیب کی میز پر کوئی روز سرخ گلاب رکھ جاتا تھا۔ کون تھا یا تھی...... یہ معما حل ہونے میں نہیں آتا تھا۔ بڑی سوچ بچار کے بعد وہ ٹینا کے کیبن میں آیا تھا۔ اس نے اجازت لینا بھی گوارا نہ سمجھا...... کرسی کھینچی اور ٹانگ پر ٹانگ دھر کر بیٹھ گیا۔ ٹینا ہکا، بکا، منہ کھولے مارے استعجاب کے ٹائپنگ کرتے ہاتھ روکے...... اسے تکتی تھی۔

”دیکھو ٹینا...... اگر تم مجھ میں انوالو ہو یا پسند کرتی ہو تو تمہیں براہ راست مجھ سے بات کرنی چاہیے تھی۔ یوں میز پر پھول رکھنے کا مقصد......؟“ کیا...... تمسخرانہ انداز تھا کہ اِش، اِش کرنے کو جی چاہا۔ اور ٹینا...... پہلے اس کی رنگت فق ہوئی اور پھر اس نے زور سے شاؤٹ کیا۔

”تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟“

”میرا تو ٹھیک ہے مگر تمہارا خراب لگتا ہے۔“ اس کے انداز میں فرق نہیں آیا تھا۔

”اٹھو، اٹھو......“ وہ کھڑی ہوئی اور شہادت کی انگلی سے اسے بھی اٹھنے کا کہا۔

”اٹھو اور دفع ہو جاؤ یہاں سے...... ٹینا میں اتنی ہمت ہے کہ وہ جسے پسند کرے...... اس کے منہ پر کہہ سکے......“ وہ بولی نہیں...... غرائی تھی۔

”ہاں...... یہ تو ہم جانتے ہی ہیں...... اس لیے تو ایک طلاق کروا چکی ہو اور اسی لیے شک بھی میرا تم پہ ہی جاتا ہے۔ تم جیسی لڑکیاں......“ اور وہ ایک دم یوں سن ہوئی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں...... ہلاؤ تو جان نہیں...... دیکھو تو سانس نہیں......

اور پھر یہ بات یہیں تک نہ رہی تھی پورے آفس تک پھیل گئی تھی...... اور جس دن باس نے بلا کر اس سے باز پرس کی تو اس دن...... اس دن بس، بس ہو گئی تھی، وہ ڈھے پڑی تھی۔

☆☆☆

معلوم نہیں یہ کس کے لیے برا ہوا...... ٹپو کے لیے...... ٹینا کے لیے یا پھر ان دونوں کے لیے ہی...... غلط وقت پر...... غلط جگہ اور غلط حالات میں ہی دونوں کا آمنا سامنا ہوا تھا۔ وہ آفس سے آ رہی تھی اور ٹپو کو بھی آج معمول سے کچھ دیر ہو گئی تھی اور لو ہو گیا آمنا سامنا...... آفس سے نکلتے وقت تو اس پر سخت مایوسی اور تکلیف حاوی تھی اور اب...... اس شخص کی شکل دیکھتے ہی خون لاوا بنا اور لاوے کا کام پھٹ پڑنا ہے۔ پھر یک دم گاڑی کے ٹائر زور سے چرچرائے تھے۔ بڑی مشکل سے بریک لگا کر اس نے گاڑی کو روکا تھا ورنہ وہ اچانک سامنے آنے والی ٹینا کو اڑا کر پرے

گراچکی ہوتی۔ اور اب......وہ اسٹیئرنگ پر ہاتھ جمائے سانس روکے یوں بیٹھا تھا کہ جیسے سانس لی، حرکت کی تو وہ اسے کچا چبا جائے گی۔

”یو......ایڈیٹ......“ وہ غرائی اور کار کی کھڑکی پر آئی تھی۔

”دیکھو، دیکھو محض تمہاری وجہ سے مجھے کیا، کیا بھگتنا پڑ رہا ہے۔ اللہ غارت کرے تمہیں ٹپو......تم نے مجھے برباد کر دیا۔“ وہ روتے ہوئے بولی۔ اور اسی طرح روتے ہوئے وہ وہاں سے چلی گئی تھی۔ اور ٹپو......

”اوہ...... میرے خدا......“ اور پھر اس نے تکلیف سے آنکھیں بند کیں......”یہ بددعا تو کم تھی جو تم مجھے دے کر گئیں ٹینا......“ رنج سے اس نے ماتھا اسٹیئرنگ سے لگا کر سوچا تھا۔

☆☆☆

پچھلے دو دن سے وہ بغیر کوئی وجہ بتائے اور بنا کسی اطلاع کے چھٹی پر تھی اور چھٹی پر بھی کیا تھی بس اپنے کمرے میں بند تھی۔ ہاں، تیسرے دن وہ کمرے سے نکلی تھی اور دو ہی دن میں آنکھوں کے نیچے کی سطح گہری ہو چکی تھی۔ چہرہ زرد تھا اور آنکھیں سوجی ہوئیں۔ وہ بنا کسی سے بات کیے گھر سے صبح سات بجے نکلی اور گیارہ بجے پھر سے آ کر کمرا نشین ہو گئی تھی۔

یہ دو دن...... پورے دو دن اس نے استعفیٰ لکھنے میں لگا دیے تھے۔ یہ کیس ٹینا جیسی لڑکی کے لیے آسان نہیں تھا۔ نہ......یہ بالکل بھی آسان نہ تھا باپ کی مرضی کے خلاف جا کر اپنی پسند سے اسٹڈی کرنا...... نمایاں مقام حاصل کرنا اور پھر اپنی ہی قابلیت پہ یہ جاب بھی حاصل کرنا حالانکہ باپ تو اسے بزنس پڑھانا چاہتے تھے اور پھر یہ چاہتے تھے کہ وہ بزنس سنبھالے......یہ جاب تو اس کے سینے پر سجا تمغہ تھی...... حسن کارکردگی کا تمغہ...... وہ career oriented لڑکی تھی اور اس کے لیے ایسا کرنا یوں ہی تھا کہ جیسے کوئی عمر بھر کی کمائی......سارا جمع جتھا راوی میں بہا دے یا بحیرۂ عرب میں غرق کر دے......وہ بھی اپنے ہی ہاتھوں سے......اب اس پر اتنا تو سوگ بنتا ہی تھا کہ وہ رو، رو کر آنکھیں سجا لے......چند دن کے لیے کمرا نشین ہو جائے، بھوک پیاس سے ذرا بے نیاز ہو جائے......اب اتنا سوگ تو بنتا ہی تھا ناں......

☆☆☆

”ٹینا، ٹینا......میرے بچے۔“ اس کے باپ نے بے حد پیار سے اس کے بکھرے بالوں کو سنوارا......وہ غنودگی سے حالتِ بیداری میں آئی اور باپ کا چہرہ دیکھتے ہی دونوں بازو ان کے گلے میں ڈال کر منہ سینے میں چھپا لیا......وہ روتی نہ تھی۔ بس تھکن بھرے انداز میں باپ کے سینے میں منہ چھپائے کچھ گھڑیاں بتانا اور سوگ منانا چاہتی تھی۔ وہ اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیر رہے۔ یوں جیسے تسلی دینا چاہتے ہوں۔

”کیوں کیا ریزائن......؟“ چند لمحوں کے توقف کے بعد انہوں نے پوچھا۔

”میں نہیں سہہ سکتی تھی پاپا......“ آواز بھاری مگر شکستہ تھی۔

”ایسے تھوڑی ہی ہمت ہار جایا کرتے ہیں بیٹا......حوصلہ کرتے ہیں، ہمت دکھاتے ہیں۔ دنیا کو بتاتے ہیں کہ ہم پر جو الزام لگا ہے وہ غلط تھا۔ یوں منہ چھپانا تمہیں کس نے سکھلا دیا ٹینا؟ میں نے تو نہیں سکھایا۔“ اب کی بار وہ دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ لے کر بولے اور اس نے سر جھکا لیا۔

”لوگ اتنی سخت اور گندی بات کرتے ہیں پاپا کہ سب سکھایا پڑھایا بھول جاتا ہے۔ عدالت بری بھی کر دے تو......تب بھی دنیا ملزم نہیں مجرم ہی گردانتی ہے۔“ اور بہت ضبط کے باوجود ایک آنسو اس کی پلک کی نوک پر ٹھہر نہ سکا تھا۔ گال پہ جا گرا......جسے بڑے ہی دکھ سے اس کے باپ نے صاف کیا......اس کا ماتھا چوما اور ایک بار پھر سے اسے اپنے سینے میں چھپا لیا تھا کہ یہ واحد بچ جانے والی عافیت کی جگہ تھی۔

☆☆☆

اور پھر اسے اس ماحول، اس کیفیت، بیزاری اور بیکار بنا دینے والی فراغت سے بچانے کے لیے اسے دبئی چچا کے پاس بھیج دیا گیا تھا۔ تاکہ وہ ذہنی طور پر کچھ آرام پا سکے......ہوا فضا بدل جانے پر مکمل طور پر اثر انداز نہ بھی ہو تو طبیعت میں بہتری ضرور لاتی ہے۔ سو اسی اک سوچ کے تحت اسے چچا کے پاس ان کی فیملی میں بھیجا گیا تھا۔ ان کے دو بچے تھے، بارہ سالہ اذان اور بیس سالہ طیبہ...... طیبہ جیولری ڈیزائنگ کی تعلیم حاصل کر رہی تھی۔ اس کی اسائنمنٹس پراجیکٹس کو دیکھ کر ٹینا کی دلچسپی بیدار ہو گئی تھی۔ طیبہ کو ڈیزائن تیار کرتے دیکھ کر وہ بھی تھوڑا بہت جان گئی تھی اور ایسے ہی فارغ وقت میں اس نے اک ڈیزائن کا اسکیچ بنایا تھا۔ اور جب طیبہ کو دکھایا تو وہ اک نظر ڈیزائن کو دیکھتی اور اک نظر ٹینا کو......

”اوہ میرے خدا آپی۔ ٹینا آپی یہ تو بہت خوب صورت ہے، ہاں ابھی رف ہے، کچھ تکنیکی غلطیاں ہیں، amendments کی ضرورت ہے۔ مگر جب یہ کسی جیولری ڈیزائنر کے ہاتھوں بنے گا تو یقین کریں......یہ بہت خوب صورت ہوگا۔“ وہ کاغذ کو الٹ پلٹ کر......کسی ماہر استاد کی طرح دیکھتی ہوئی بول رہی تھی۔ ٹینا ہنس دی۔

”یہ تو ایسے ہی بنا ڈالا......“

”آپ کو تو جیولری ڈیزائنگ کا کورس کرنا چاہیے۔“

”واٹ......؟ ارے نہیں۔“ اس نے بات اڑائی۔

”نہیں، کیوں نہیں......! ٹیلنٹ ہے آپ میں، میں دیکھ سکتی ہوں......اور کسے معلوم آپ اس فیلڈ میں کتنا نام کما لیں......“

”تم طیبہ سے شیخ چلی کب سے ہو گئیں؟“ وہ مسکراتے ہوئے چیزیں سمیٹتے ہوئے بولی۔

”اوہ کم آن آپی......ذرا سوچیں تو سہی اس کے بارے میں۔“ اور آپی نے اس وقت اس بات کو اڑا دیا تھا......لیکن ہوا کچھ یوں کہ گھر پر تو ہوتا کوئی نہیں تھا۔ اذان اسکول، چچا جاب پر......طیبہ انسٹی ٹیوٹ

میں......رہ گئیں چچی تو وہ آدھا دن گھر پر ہوتی تھیں باقی آدھا دن وہ بھی اک اسکول میں ایوننگ شفٹ میں پڑھاتی تھیں۔ سو رہ جاتی تھی ٹینا، بیچاری...... بھاں، بھاں کرتا گھر اور بیکار کی...... فراغت......اور اس کے نتیجے میں بیکار کی سوچیں...... ایسے میں یہ ایک اچھا مشغلہ تھا......نت نئے ڈیزائن سوچنا اور بنانا...... کتنے ہی اسکیچ وہ بنا چکی تھی اور طیبہ کئی بار ہی اسے شارٹ کورس کرنے کا کہہ چکی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ یہ وقتی دلچسپی ہے مگر فراغت، ذہنی حالت اور ماما، پاپا کا شادی، کرنے کا دباؤ......ان تینوں چیزوں نے اسے مجبور کیا کہ وہ مصروف ہوجائے اور جیولری ڈیزائنگ کا شارٹ کورس ہی کرلے...... اور بس پھر...... یہ یہاں تک ہی محدود نہ رہا تھا۔ شارٹ کورس کے بعد وہ ڈپلوما تک آگئی تھی......اور اس کے بعد دبئی ہی میں ڈیزائنرز کے طور پر اسے جاب بھی مل گئی تھی، وہ اپنی اس کیفیت سے کسی حد تک نکل آئی تھی۔ زندگی کو اک بار پھر سے اک نیا رخ......نیا موڑ مل گیا تھا۔ اور رہ گیا ٹپو......تو وہ یہ تمیز کرنے سے قاصر تھی کہ وہ اس سے نفرت زیادہ کرتی ہے یا کہ محبت......؟ اب بھی اس کے دل میں موجود ہے...... یہ طے تھا مگر یہ بھی سچ تھا کہ اسے اس شخص کا چہرہ اب کبھی نہیں دیکھنا تھا۔ اسے اب کبھی پاکستان نہیں جانا تھا۔ اسے اب پاکستان میں شادی بھی نہیں کرنی تھی...... اسے کوئی تعلق......کوئی واسطہ اس ملک سے نہیں رکھنا تھا کہ جہاں ٹپو تھا، محبت میں تو وہ بھی گرفتار ہو ہی گئی تھی پر اس نے یوں بدنام نہ کیا تھا ٹپو کو...... اس نے تو منہ سے بھاپ تک نہ نکالی۔ ہوا کو بھی اجازت نہ بخشی کہ سرگوشی بن کر کسی کے کان میں......محبت کا راز انڈیل پائے...... کوئی ایسا اشارہ بھی نہیں جو لفظ محبت تک راہنمائی کرتا ہو اور وہ...... چلا آیا تھا اس سے اظہارِ محبت کرنے کو......اپنے پچھتاوے کو مٹانے کو......کیا دیا تھا اس کے اظہار نے......؟ سوائے دکھ...... بدنامی...... اور ڈھیر ساری تکلیف کے......سو اب وہ مس ٹینا تھی......دی جیولری ڈیزائنرز اس کے علاوہ کچھ نہیں......

☆☆☆

''ہم جانتے ہیں کہ تم اک برے فیز سے گزرے ہو ٹپو......ہم تم سے یہ بات ابھی نہ کرتے اگر تمہاری زندگی اس قدر مکینیکل نہ ہوئی ہوتی۔ یوں جمود کا شکار نہ ہوئی ہوتی......تم تو وہیں کے وہیں کھڑے ہو ٹپو......موو آن کر ہی نہیں سکے......'' شفیع صاحب کے لہجے میں دکھ بولتا تھا۔ اور ٹپو خاموش......اور اس کی یہ خاموشی غصہ دلاتی تھی۔

''میں اور تمہارے پاپا حج کا فریضہ ادا کرنا چاہتے ہیں مگر ظاہر ہے تمہیں یوں چھوڑ کر نہیں جاسکتے۔ تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں ہم......'' اب کی بار تمثیلہ بولی تھیں۔ اور ٹپو نے نظر اٹھا کر ماں کو دیکھا۔

''بچہ نہیں ہوں میں، آپ جانا چاہتے ہیں تو جائیں۔''

''نہیں، ہم تمہاری شادی کرکے ہی جانا چاہتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے میں شادی کے لیے تیار ہوں۔ تو کیا لڑکی ٹینا ہے؟'' اس نے اتنے سکون بھرے انداز میں کہا کہ بے ساختہ شفیع صاحب کو غصہ آیا تھا۔ تمثیلہ نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھ کر انہیں ٹھنڈا رہنے کا اشارہ کیا۔

''تم ٹینا کو منالو......ہمیں کوئی اعتراض نہیں اس پروپوزل پر......'' یہ بات کہنے والی بھی تمثیلہ ہی تھیں اور ٹپو کے تاثرات اِک دم طنزیہ سے ہوگئے۔

''آپ تو یوں بات کررہی ہیں کہ جیسے جانتی ہی نہیں۔''

''یہ ہی تو......وہ مانے گی ٹپو......؟ کبھی نہیں...... وہ دبئی میں سیٹل ہوچکی ہے اور اپنے ماں، باپ کو بھی وہیں سیٹل ہونے پر مجبور کررہی ہے۔ ایسے میں تم تمہاری کہاں سے گنجائش نکلے گی اس کی زندگی میں......''

اور وہ اس دلیل پر سر جھکا کر خاموش ہوا......اور یہ اں خاموشی اگلے کچھ لمحوں کے لیے وہاں پھیلی رہی۔

''مجھے نہیں معلوم کہ میں کل...... پرسوں، ترسوں یا آنے والے کسی بھی دن میں شادی کے بارے میں سوچوں گا......اور اگر کبھی سوچا بھی تو یہ طے ہے کہ اس سوچ کا حوالہ ٹینا ہوگی۔ مجھ میں ہمت نہیں کہ میں اس کا سامنا کروں...... کجا کہ اسے پروپوز کرنا...... جوتا ہی نہ اٹھا مارے میرے منہ پر......'' وہ جیسے کچھ یاد کر کے ہنسا تھا۔

''تو پھر......؟ پھر تم کروگے کیا؟ اس کی آج نہیں تو کل کہیں نہ کہیں شادی ہوجائے گی تو تب؟ تب آپ جناب کیا کریں گے؟'' شفیع صاحب کا لہجہ طنز لیے ہوئے تھا۔

''انتظار......'' اس نے نظریں اٹھا کر سیدھا باپ کے چہرے کو دیکھ کر کہا تھا۔

''انتظار......؟ مگر کس بات کا؟'' تمثیلہ حیران ہوئیں۔

''اچھے وقت کا......ہوسکتا ہے مستقبل کا کوئی اک لمحہ میرے لیے ٹینا کا ساتھ لے آئے۔ کچھ ایسا ہونا...... معجزے جیسا ہوجائے کہ وہ میری زندگی میں شامل ہوجائے۔ وہ میرے بارے میں اس حوالے سے سوچنے لگے...... ہوسکتا ہے ناں ایسا؟'' اس نے بچوں کے سے لہجے میں تسلی چاہی تھی ماں، باپ سے......اور کیا ہی بے بس آنچ دیتا لہجہ تھا اس کا...... تمثیلہ اور شفیع ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے تھے کہ کیا یہ پاگل پن نہیں تھا؟

''مت بھولو کہ ٹینا کو اپنی زندگی میں شامل نہ کرنے کی غلطی بھی تمہاری ہی تھی۔''

''ہاں......اور میں یہ غلطی دُہرانا نہیں چاہتا۔'' اس کے ترنت کہہ دینے پر وہ دونوں لاجواب ہوئے تھے۔

''تم کیوں یہ سوچتے ہو، سمجھتے ہو کہ ٹینا اک ایسے شخص کے ساتھ زندگی بتانے کا فیصلہ کرے گی جو کہ اک شادی بھگتا چکا ہو؟'' کئی لمحوں بعد تمثیلہ نے بڑے ہی م، نرم لہجے میں سوال کیا اور سوال کیا، کیا گیا مانو اس کا چہرہ یوں تاریک ہوا کہ ماں، باپ کا دل دھک کر کے رہ گیا تھا۔ وہ دوست ہی اچھی تھی، محبت میں کیوں ی...... کیوں؟ ٹپو اب سر پکڑے بیٹھا تھا۔

☆☆☆

"Tina's" اس نے طمانیت کی اِک گہری سانس بھری اور مسکراہٹ اس کے لبوں پر یوں پھیلی کہ پیار کی پہلی کلی...... اس نے مڑ کر اپنے باپ کو

دیکھا، ماں کو دیکھا......وہ دونوں بھی مسکرا رہے تھے۔ اس نے مسکراتے ہوئے پلیٹ ان دونوں کے آگے کی۔ ان دونوں نے ہی قینچی اٹھائی اور دونوں نے ہی مل کر فیتہ کاٹا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی تالیوں کا شور گونجا تھا۔ اتنے بہت سارے دن، ڈھیر سارا وقت بتانے کے بعد وہ اس قابل ہوئی تھی کہ اپنی آؤٹ لیٹ کھول سکے......وہ بھی دبئی میں، عمر اب 30 کا ہندسہ بھی پار کرنے والی تھی۔ کہا تھا ناں وہ career oriented لڑکی ہے۔ اور اس نے ثابت کردکھایا تھا۔ وہ اِک نامی گرامی ڈیزائنر تھی۔ اس کی جیولری نہ صرف پاکستان بلکہ دوسرے ممالک تک سپلائی ہوتی تھی۔ وہ کامیاب تھی، متحرک تھی۔ اس نے تلخ تجربے کو اتنی اجازت نہ دی تھی کہ وہ اس کی ذات کو ضائع کردے...... مگر ایک بات تھی ضرور کہ اتنی کامیاب اور متحرک ہونے کے باوجود......وہ مسلسل اک جمود کا شکار بھی تھی۔ جیسے دریا کے دو کنارے ساتھ، ساتھ چلتے ہیں ناں......ایسے ہی یہ دونوں کیفیات اس کے اندر ساتھ، ساتھ اک نہج پر موجود تھیں۔ بظاہر وہ کامیاب، امیر، نامی گرامی، متحرک......کامیاب سماجی شخصیت تھی مگر...... اصل میں یہ ہی جمود تھا...... اک سی زندگی، صبح اٹھو، اپنا اسکیجویل دیکھو......میٹنگز بھگتاؤ...... نئے آرڈر حاصل کرو......آن لائن مارکیٹنگ پہ نظر رکھو...... اور اسی طرح کی ڈھیروں مصروفیات جو کہ دن کو کھا جاتی تھیں اور رات......جیولری ڈیزائنگ میں ساری پار...... بہ مشکل چند گھنٹوں کی نیند......اور سونے سے پہلے کسی معمول کی طرح وہ تلخ یاد...... معلوم نہیں محبت کہ نفرت سینے میں پھانس کی طرح چبھتی تھی...... تکلیف دیتی تھی اور پھر وہ یوں ہی اس یاد......کو جھٹکتے، جھٹکتے سو جاتی تھی تا آنکہ وہ صبح پھر سے ویسی ہی مصروف گی بندھی زندگی گزار سکے۔ یہی زندگی کا جمود تھا۔

☆☆☆

اس کا سیل فون مسلسل تھرتھرا رہا تھا مگر اسے اتنی

فرصت نہیں تھی کہ یہ ہی دیکھ لے کہ کون کال کر رہا تھا، میٹنگز بھگتا کر جب اس نے تھکن سے بھرپور انداز میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی تو سیل فون اک بار پھر تھرتھرا رہا تھا۔ وہ چونک کر سیدھی ہوئی۔ بھوؤں کے درمیان اک بل لیے اس نے سیل کو اٹھایا۔ نمبر پاکستان کا تھا اور انجان تھا۔ کال آنا بند ہوئی تو اس نے دیکھا کہ چار، چار پانچ پیغامات اسی نمبر سے موصول ہو چکے تھے۔ اس نے اِک پیغام کو کھولا......'' ہائے ٹینا...... ہو واسع......''

"It's an emergency" اور وہ سارے پیغامات اک سے ہی تھے۔ معلوم نہیں کیوں اس پیغام کو پڑھتے ہی اک تیز، گرم لہر اس کے پورے بدن میں دوڑی تھی۔ اس کا دل دھک کر کے رہ گیا تھا اور وہ نہیں جانتی تھی کہ اس نے کیوں جلدی سے فوراً سے دھڑکتے دل اور کانپتی انگلیوں کے ساتھ وہ نمبر ملایا تھا۔ بیل جا رہی تھی اور اس کا دل ڈوب، ڈوب کر ابھر رہا تھا۔

''ہیلو......'' دوسری طرف سے چند لمحوں بعد جواب آیا۔

''ہیلو...... واسع......؟ کیا ہوا؟'' وہ گھبرائے مگر خوف زدہ انداز میں سوال کرتی تھی۔

''ٹینا، ٹپو......'' اور اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ واسع بول رہا تھا۔ وہ واسع کے الفاظ کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ آواز اسے صاف سنائی دیتی تھی۔ حسِ سماعت متاثر نہ ہوئی تھی۔ یہ ذہن تھا جس نے کام کرنا چھوڑا تھا۔

''ہیلو، ہیلو ٹینا تم سن رہی ہو؟'' اور فون ٹینا کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے جا گرا۔

''اوہ میرے خدا......'' اس نے اپنے ٹھنڈے ٹھار ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپایا اور چند لمحوں بعد وہ ٹیبل پہ سر رکھے بری طرح رو رہی تھی۔ اس کی پی اے نے شیشے کی دیوار کے پار سے یہ منظر دیکھا اور میٹنگ روم کی طرف بھاگی تھی۔

''میم، ٹینا میم؟'' اس نے کندھوں سے پکڑ کر اسے سیدھا کرنا چاہا۔

''آر یو آل رائٹ میم......؟'' وہ پوچھ رہی تھی اور ٹینا کی سسکیاں گونجی تھیں۔

''پاکستان کی سیٹس کنفرم کرواؤ...... فوراً...... It's an emergency'' کہہ کر وہ رکی نہیں تھی۔ اس نے تیزی سے اپنی چیزیں سمیٹی تھیں اور اس کے دوڑتے قدموں کا رخ اب لفٹ کی جانب تھا۔

☆☆☆

''کوئی اطلاع آئی؟'' اس نے واسع سے سوال کیا اور واسع نے مایوسی سے سر نفی میں ہلا دیا تھا اور اس کے یوں جواب دینے پر وہ اک گہری، آہ جیسی سانس بھر کر رہ گئی تھی۔

''کچھ کھایا اس نے......؟''

''کیسے کھا سکتا ہے؟''

''پانی ہی پلا دو اسے واسع...... معلوم نہیں کب اس نے پانی کا آخری گھونٹ پیا ہوگا۔'' اور یہ کہتے، کہتے اس کی آواز بھرا گئی۔

''تم کیوں نہیں ملیں اس سے؟''

''میں نہیں سامنا کر سکتی اس کا واسع...... میں اسے اس حال میں کیسے دیکھ پاؤں گی؟''

''ٹینا...... تمہارے علاوہ اس وقت اور کوئی نہیں کہ جو اس کے زخموں پر مرہم رکھ سکے...... اسے تمہاری ضرورت ہے۔'' اور ٹینا نے سر کرسی کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں تکلیف سے بند کی تھیں۔ وہ اتنا حوصلہ لائے تو لائے کہاں سے آخر......!

☆☆☆

آج ہفتوں ہو گئے تھے...... اک کہرام تھا جو برپا تھا، جمیلہ اور شفیع کی ڈیڈ باڈیز۔ آج ہی پاکستان پہنچی تھیں۔ وہ دونوں حج کے لیے گئے تھے اور منیٰ میں مچی والی بھگدڑ میں شہید ہو چکے تھے۔

''ٹینا...... آؤ آخری بار انکل اور آنٹی کو دیکھ لو بیٹے......'' اس کی ماں نے اسے دور اک کونے میں چھپائے بیٹھا دیکھ کر اٹھانا چاہا۔

''مجھے نہیں دیکھنا ماما...... مجھے نہیں دیکھنا انہیں ایسے...... مجھے نہیں یقین کرنا کہ وہ دونوں نہیں رہے۔ مجھے یہی گمان رکھنا ہے کہ وہ یہیں کہیں ہیں، حج کے لیے گئے ہیں، آ جائیں گے ناں وہ مجھے نہیں یقین کرنا ماما...... نہیں کرنا۔'' وہ ماں کی قمیص کے دامن کو مٹھیوں میں جکڑے، کسی بچے کی طرح رو، رو کر کہہ رہی تھی۔ بچپن سے لے کر جوانی تک وہ اور ٹپو اک دوجے کے ماں باپ سے یوں مانوس تھے جیسے کوئی اپنے ماں، باپ سے ہوتا ہے، بیچ کا کچھ عرصہ اس ناخوشگوار واقعے کی وجہ سے ایسا تھا جو کہ ان دونوں گھرانوں کا ملنا ملانا کم ضرور ہوا تھا۔ سلام دعا پھر بھی نہ ختم ہو سکی تھی۔ ٹپو اور ٹینا کا جو بھی معاملہ تھا یہ ان دونوں تک تھا۔ فرح کی غلطی کی سزا وہ ٹپو کو دے رہی تھی، اس کے ماں، باپ کو۔ اور اب وہ دونوں ہی نہیں رہے تھے تو گر وہ کہتی تھی کہ اسے نہیں یقین کرنا تو وہ ٹھیک کہتی تھی اور ٹپو...... اس کی حالت کو کیا کہہ کر بیان کیا جائے، وہ ماں کے جنازے کو کندھا دیتا یا باپ کو...... ارے اس میں تو اتنی سکت، اتنی ہمت ہی نہیں بچی تھی کہ وہ سیدھا کھڑا رہ پاتا۔ دو افراد نے مل کر اسے گاڑی میں بٹھایا تھا تا کہ وہ قبرستان تک پہنچ سکے اور ٹینا، ٹپو کو اس حال میں دیکھ کر ڈھے پڑی تھی۔

اوہ خدایا...... اوہ خداوند...... کسی کے ماں باپ کو کچھ نہ ہو، کچھ بھی نہیں ہو۔ آمین!

☆☆☆

اس نے پیچھے سے آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا...... وہ چونکے بنا مڑا اور پھیکا سا مسکرا کر اسے دیکھا...... اس نے کافی سے بھرا مگ اسے تھمایا اور اپنے مگ کے ساتھ وہ اس سے دو سیڑھیاں نیچے جا کر بیٹھی تھی۔

''میں نے کہا تھا ماں سے...... ہو سکتا ہے کچھ انہونا ہو جائے...... کچھ ایسا کہ ٹینا میری زندگی میں شامل ہو جائے اور دیکھو......'' اور اس کے بعد اس کی آواز بھرا گئی۔ وہ بات پوری نہ کہہ سکا۔

''ہم دونوں کو اب کوئی حادثہ ہی ''ملا'' سکتا تھا ٹپو......'' وہ مگ کو دونوں ہاتھوں سے تھامے اٹھتی بھاپ پر نظریں جمائے بولی تھی۔

''ہاں...... حادثہ ہی ملا سکتا تھا، تم ٹھیک کہتی ہو۔ اسی لیے تو لوگ معجزے کی دعا کرتے ہیں۔ معلوم نہیں کیوں ہم مان نہیں جاتے۔ وہ جو بالکل ہمارے سامنے کی بات ہوتی ہے۔ وہ نظر نہیں آتی...... ہم دوستی کا راگ الاپتے رہے اور فطرت اپنا کام کرتی رہی...... وہی فطرت جو مرد اور عورت کے درمیان اللہ نے رکھی ہے۔ یہ ہمارے طے کرنے کا کام تو نہیں تھا ناں...... انحراف تباہ کن ہے...... برباد کر دینے والا ہے۔'' اس نے تاسف سے شدید احساس کے تحت کہا اور وہ خاموش رہی۔ وہ دونوں ہی جانتے تھے کہ یہ ان کا مشترکہ پچھتاوا ہے۔

''ٹینا ہم اتنے اور ایسے پھیکے تو نہیں تھے، ہمارے پاس بات نہیں ہوتی کرنے کو...... ہمارے پاس منٹوں ہنسنے کے لیے کوئی اِک فضول سی وجہ بھی نہیں ہوتی...... ہم ایک دوسرے کو مشورہ دینے سے قاصر ہیں اور ہم یوں ہیں کہ جیسے آج ملے ہوں...... ہم پہلے جیسے کیوں نہیں ہیں ٹینا؟'' اور ٹینا نے کرب سے آنکھیں میچی تھیں۔ اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

''چلو آؤ پپو کو ڈھونڈتے ہیں...... پھر سے اس کا مذاق بناتے ہیں۔ وہ تمہیں لائن مارے گا تو اب...... اب میں اسے......'' اور وہ کہتے، کہتے رک سا گیا۔ ٹینا بے اختیار مسکرائی اور زیرِ لب دہرایا۔

''اب......'' اس کی آنکھوں میں یک دم اک چمک سی ابھری تھی۔ وہ مڑی، مسکراتی آنکھوں سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''اب تم اسے کیا ٹپو......؟ ہیں؟ بولو ناں...... بتاؤ ناں......؟'' وہ اس کا گھٹنا ہلا کر پوچھ رہی تھی۔

''اب میں گھونسا مار کر اس کا جبڑا توڑ ڈالوں گا اور کہوں گا......'' وہ پھر سے رکا...... اس کا چہرہ تپا ہوا دکھتا تھا۔ لان کی طرف نیچے اترتی سیڑھیوں پر وہ دونوں اوپر نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ اک آدھ روشنی جلی

ہوئی تھی......اور ماحول کو مکمل اندھیرے میں ڈوبنے سے بچائے ہوئے تھی۔ اور اس ملگجی سی روشنی میں وہ اس کا تپنا بہت اچھی طرح سے محسوس کرسکتی تھی۔

''کیا کہو گے؟'' اس نے پھر سے اکسایا...... شرارت بھری مسکراہٹ کے ساتھ......''ٹپو؟'' اب کہ آواز خفگی لیے ہوئے تھی۔

''کہوں گا سالے......میری بیوی کو لائن مارتا ہے۔'' اور وہ یوں دانت پیس کر بولا کہ جیسے سچ میں کسی ٹپو نے اس کی بیوی کو لائن ماردی تھی۔

وہ زور سے ہنسی......اور وہ اسے ہنستے دیکھ کر اک عجیب سے احساس سے روشناس ہوا۔ ہنسی......؟ تو اب بھی یہ زندگی میں تھی۔ اس نے ہنستے، ہنستے سانس بحال کی اور پھر اک گہری سانس بھر کر اپنا سر ٹپو کے گھٹنے سے ٹکایا...... وہ اب دور......تاروں بھرے آسمان کو تکتی تھی۔

''سنو ٹپو......!'' اس نے پکارا تھا۔

''تمہیں پتا ہے، وہ پہلے جیسے ٹینا اور ٹپو وہ اب دوبارہ لوٹ کر نہیں آسکتے......وہ وہیں رہ گئے۔ وقت کے اک گزرے لمحے میں قید......اب ہم چاہ کر بھی ویسے نہیں ہوسکتے۔ اب ہم ویسی چیزوں اور باتوں سے لطف اندوز نہیں ہوسکتے کہ جیسے تب ہوا کرتے تھے۔ ہم کسی فضول سی وجہ کو لے کر منٹوں ہنس بھی نہیں سکتے۔ اور ہاں! ہم آج ہی ملے ہیں، ہم نہیں جانتے کہ وہ ٹپو اور ٹینا کون تھے......آؤ انہیں بھول جائیں، دفن کردیں انہیں کہ یہ ہماری ''آج'' کی زندگی کا خراج ہے۔ سمجھو کہ ہم نے یہ قیمت ادا کر کے اک دوسرے کو پالیا۔ میں ہوں تمکین علی اور تم ہو احمد شفیع......اور آؤ احمد شفیع ہم آج کی زندگی کی خوب صورتیاں تلاش کریں۔ آؤ کہ بھول جائیں وہ تمام تلخ یادیں...... جو کہ ہمارے بدنوں میں سوئیوں کی طرح کھبی ہیں، ہمیں حنوط کرنے کا موجب ہیں، آؤ ان سوئیوں کو اب ان زہر آلود کانٹوں کو اپنے، اپنے بدنوں سے نکال کر باہر کریں اور پھر سے جی اٹھیں......

میں غم کی بات نہیں کرتی......اسے بھولنے کا نہیں کہتی وہ ہم مل کر منائیں گے......مل کر کہیں گے......کیوں نہ آہ بھر، بھر کر گزرے وقت کو یاد کریں۔ اور پھر سے ویسا بن جانے، ویسا ہوجانے کی حسرت بھری تمنا کریں......ہم آج کو کیوں نہ جئیں کہ یہ تو ہماری مٹھی میں ہے، ہمارے بس میں ہے ناں...... ماضی تو نہیں آسکتا اب......کیا گزرا وقت کبھی لوٹتے دیکھا کسی نے؟ نہیں ناں تو زندگی بھر سے ہنسنے کے لیے یہ اتنے سارے بہت سارے مواقع دے گی۔ نیا دن ہوگا......نئی باتیں ہوں گی۔ نئے مسئلے ہوں گے اور کئی نئے خوب صورت لمحے بھی......مگر یہ تب ہوگا کہ جب ہم ٹپو اور ٹینا کو بھول کر تمکین اور احمد کی زندگی شروع کریں گے۔ ہم آج میں رہنا، زندہ رہنا سیکھیں گے...... ہے ناں احمد شفیع ہم سیکھیں گے ناں؟'' اور اب کی بار اس نے مڑ کر نم آنکھوں کے ساتھ احمد شفیع کو دیکھ کر تصدیق چاہی تھی۔ وہ چند لمحے اسے تکتا رہا۔ اور پھر وہ بھی نم...... پانی سے لبریز آنکھوں کے ساتھ مسکرایا اور مسکرا کر کہا۔

''ہاں، تمکین علی، ہم اپنا آج جئیں گے ضرور جئیں گے۔'' اور اس کی یقین دہانی کے بعد وہ یوں پُرسکون ہوئی جیسے کوئی بچہ ماں کی گود میں پُرسکون نیند سوتا ہے۔ اس نے پھر سے اس کے گھٹنے سے سر ٹکایا اور ایک بار پھر سے تاروں بھرے آسمان کو تکنے لگی تھی۔ وہ دو دوست تھے......ٹپو اور ٹینا......اور یہ دو محبت کرنے والے تھے......تمکین علی اور احمد شفیع......جنسِ مخالف میں دوستی، آشنائی، ہیلو، ہائے اور اسی طرح کے دوسرے تعلقات ان دریاؤں کے مانند ہوتے ہیں جو کہ ہمیشہ محبت کے پاکیزہ اور خوب صورت سمندر میں نہیں گرتے۔ کبھی، کبھی یہ کسی گندے نالے، کسی بدبودار کیچڑ بھرے تالاب میں بھی جا گرتے ہیں تو دریا کو چڑھنے سے پہلے ہی بند باندھیے کہ فطرت کے قوانین کا انحراف تباہ کُن ہے۔



حیا......منشائے الٰہی

تمام تر حمد وثنا اللہ رب العزت کے لیے ہے کہ وہی سارے جہانوں کا مالک ومختار ہے۔ اے ہمارے رب......! تو ہمارا آقا اور مالک ہے، ہم تیرے بندے تو بے حد عزت والا ہے۔ تو ہمارا خالق اور ہم مخلوق......تو عطا کرنے والا ہے اور ہم سائل تو فریاد رس اور ہم فریادی......

ہم تیرے درِ سخاوت پر کھڑے ہیں، تیرے بہترین عطیات کے منتظر ہیں، اپنے بندوں پر رحم فرما، اے رب کہ تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ پس ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ رحمت نازل فرما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان کی آلؑ پر اور ان کے اصحابؓ پر......درود وسلام ہو تاجدارِ مدینہؐ پر......

آج ہمارا موضوع ''حیا'' ہے۔ حیا کے لغوی معنی شرم، حجاب، لحاظ اور غیرت ہے۔ حیا ایک کیفیت کا نام ہے اور اس کیفیت کا تعلق ہمارے باطن سے ہے۔ حیا کو ایمان کا جز بھی کہا گیا ہے۔

حدیث مبارکہ ہے کہ ''حیا ایمان کا جزو ہے۔''

حضرت یحییٰ بن معاذ رازیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اطاعت میں خدا سے شرم رکھتا ہے، خدا معصیت میں اس سے شرم رکھتا ہے۔ اور حیا کبھی کرم اور خوف سے رونما ہوتی ہے......اور کبھی حیا بندگی میں ہوتی ہے کہ معبود کی عظمت وکمال کے لائق وہ بندگی کو نہیں پاتا...... حیا کی ایک قسم اپنی ذات کے لیے خود سے ہوتی ہے تو اپنے آپ کو حیا دار بنائے یعنی اپنی ذات سے حیا و شرم کرے......گویا کہ اس میں دو ذاتیں ہیں جو ایک ذات دوسری سے حیا کرتی ہے۔ یہ حیا کی قسموں میں سب سے زیادہ کامل ہے اس لیے کہ آدمی جب اپنی ذات سے خود حیا کرتا ہے تو وہ دوسرے سے بطریق اولیٰ حیا کرے گا......حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یعنی حیا نہیں لاتی مگر بھلائی......'' ایک اور روایت میں ہے کہ حیا سراسر بھلائی ہے۔'' حیا کے آثار میں سے لوگوں کے عیبوں سے اور ان چیزوں سے جو انسان اپنے لیے ناپسند ومکروہ رکھتا ہے تغافل و چشم پوشی کرنا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے حد حیادار تھے۔ آپ کی حیا کی یہ شان تھی کہ کسی کے چہرے پر بھرپور نظر نہ ڈالتے تھے۔

بے شک اللہ کے خوف سے اور اپنے گناہوں سے بچنے والی کیفیت کا نام حیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے کہ ''جو شخص خدا سے اتنی حیا کرے جتنا کہ حیا کرنے کا حق ہے اسے لازم ہے کہ وہ اپنے سر کی حفاظت کرے اور اس چیز کی جو اس کے سر میں بھری ہے اور پیٹ کی حفاظت کرے مع اس چیز کے جس پر پیٹ شامل ہے۔ اور اس کو موت وہلاکت کو یاد کرنا واجب ہے۔ اور جس کو آخرت کا حاصل کرنا منظور ہو اسے دنیا کی زندگی کی آرائش چھوڑ دینی چاہیے۔ جس نے ایسا کیا بے شک اپنے خدائے برتر سے جیسی حیا کرنی چاہیے ویسی حیا کی۔''

حضرت جنید بغدادیؒ سے حیا کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؒ نے فرمایا......کہ ''خدا کی نعمتوں کو دیکھنا...... پھر اپنی تقصیر (کوتاہی، کمی، نقص، خطا) پر نظر کرنا۔ ان دونوں کے مابین ایک ایسی حالت پیدا ہوتی ہے جسے حیا کہتے ہیں۔''

حیا کی بھی مختلف صورتیں ہیں:

1۔ ارتکابِ گناہ کی حیا: جب حضرت آدم علیہ السلام سے جنت میں ارتکابِ بشریت ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ''آدم! کیا تم ہم سے بھاگتے ہو؟'' تو حضرت آدمؑ نے عرض کیا۔ ''نہیں پروردگار بلکہ میں آپ سے حیا کے باعث شرما کر روپوش ہوتا ہوں۔''

2۔ حیائے اجلال: جیسا کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام خدائے برتر کی شان جلالت کا مشاہدہ کر کے حیا سے اپنا منہ اپنے پروں میں چھپائے ہوئے ہیں۔

3۔ حیائے کرم اخلاق: جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحابؓ کو اپنے ہاں کھانا کھلا کر یہ کہتے ہوئے شرماتے تھے کہ بس اب جاؤ......

4۔ حیائے استحقار: یعنی کسی چیز کو اتنا حقیر سمجھنا کہ اس کا ذکر کرتے ہوئے شرم آئے......جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ ''پروردگار مجھے کچھ دنیا کی ضرورت پیش آتی ہے۔ لیکن آپ سے عرض کرتا ہوں، شرماتا ہوں۔ اور خدائے پاک

نے ارشاد فرمایا کہ ”تم ہر چیز مانگا کرو یہاں تک کہ اپنے آٹے کا نمک اور بکری کا چارا بھی۔“

5۔حیائے انعام: کسی پر مہربانی اور عنایت کر کے اس کے اظہار سے شرمانا...... یہ اللہ عزوجل کی حیا ہے کہ وہ اپنے ایک بندے کو پل صراط عبور کرنے پر ایک سربمہر تحریر عطا فرمائے گا۔ جس پر لکھا ہوگا...... ”تو نے جو کچھ کیا وہ کیا اور مجھ کو حیا آتی ہے کہ اب اسے تجھ پر ظاہر کروں...... بس اب جا تجھے بخش دیا۔“

☆☆☆

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ”میری امت میں سب سے زیادہ حیادار عثمان بن عفانؓ ہیں۔“

ایک اور روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا...... میری امت میں سب سے زیادہ رحم دل ابوبکرؓ ہیں۔ اور اللہ کے دین کے معاملے میں سب سے زیادہ سخت عمرؓ ہیں اور سب سے حیادار عثمانؓ ہیں اور سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علیؓ ہیں۔“

☆☆☆

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تنہا نہیں چھوڑا انسان کے لیے ہر معاملے میں راہنمائی نازل کی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے...... اسلامی نظام حیات کی صورت میں ایک مکمل نظام زندگی نازل کیا جس میں انسان کے کھانے پینے، تہذیب ولباس شادی بیاہ وتجارت سے لے کر نظام حکومت تک ہر چیز واضح طور پر نازل کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے ان پر عمل کر کے ایک صالح پاکیزہ معاشرہ قائم کر کے دکھایا۔

وہ عہد مسلمانوں کا سب سے شاندار اور پاکیزہ دور تھا...... جس کی مثال اس کے بعد نہ دہرائی جاسکی۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔ جس میں ہمیں ہر شعبہ زندگی کے بارے میں واضح ہدایات کی ہیں۔ ایک پاکیزہ معاشرے کے لیے شارع (صاحبِ شرع) نے تین تدابیر اختیار کیں۔

1۔اصلاحِ اخلاق...... انسان کو اندر سے بدلنا۔ ان کے اندر ایمان، تقویٰ، حیا کی آبیاری......

2۔تعزیری قوانین...... ان شریر لوگوں کے لیے جن کی تربیت محض تقویٰ اور خوفِ الٰہی سے نہیں ہوتی ان کو جرائم پر سزا دی جاتی ہے۔ تاکہ معاشرہ ان کی غلط کاریوں سے محفوظ رہ سکے۔ (مثلاً چوری، زنا کی سزا)

3۔انسدادی تدابیر...... جن میں مردوں اور عورتوں کے لیے خاندان کی تنظیم کے لیے دائرۂ کار کا تعین کیا گیا ہے۔ اس میں گھر کے اندر لباس وستر کے احکام اور باہر کے لیے حجاب کے احکام شامل ہیں۔ لباس وحجاب (جو درحقیقت حیا کے لیے سب سے زیادہ اہم ہے) ان کے احکام کو اسلام کے معاشرتی نظام کی عمارت کا ایک اہم ستون سمجھا گیا ہے۔

مرد و خواتین کے اخلاق و کردار کی اصلاح اور گھر کے اندر کے ستر ولباس کے مفصل احکام سورۂ نور میں دیے گئے ہیں۔ اس سورۂ کا محور مومنین کی اخلاقی تربیت ہے۔ جس میں ایک انسان کے کردار کو اس قدر بلند کرنا مقصود ہے کہ وہ شفاف بن کر اللہ کے نور کا حصہ بن جائیں۔ جو نور السمٰوات والارض ہے۔ یہ قوانین ہمارے رب نے ہمارے مالک نے ہمارے لیے بنائے ہیں، ان احکام کو نہ ماننا سراسر نافرمانی ہے۔

کسی بھی انسان کا کردار اعلیٰ ہو یا پست اس کی شخصیت کا آئینہ دار ہے۔ جو کہ تقویٰ، حیا اور فکرِ آخرت پر مبنی ہے۔

حیا جو ہمارے ایمان کا اہم حصہ ہے۔ جس کے لیے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ”جب تجھ میں حیا نہیں تو جو جی چاہے کر......“

حیا میں سب سے زیادہ اہم جو چیز ہے وہ اس کا لباس ہے۔ لباس انسان کی فطرت پر حیا...... ضرورت اور طلب زینت کی صورت میں نازل ہوا...... لباس انسان کی اپنی ایجاد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے انسان پر نازل کیا...... ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ وہ کس حلیے میں دیکھ کر خوش اور کس حلیے میں ہمیں دیکھ کر اسے غصہ آتا ہے...... ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ (سورۃ الاعراف)

”اے اولادِ آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے تمہارے جسم کے قابلِ شرم حصوں کو ڈھانکے اور تمہارے لیے جسم کی حفاظت اور زینت کا ذریعہ بھی ہو...... بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ شاید لوگ اس سے سبق لیں۔“ لباس التقویٰ بہترین لباس ہے، یعنی تقویٰ محض دل میں نہیں ہوتا جب ایمان انسان کے اندر اترتا ہے تو تقویٰ اور حیا پیدا ہوتے ہیں...... اور اس کا اظہار اعمال اور لباس سے بھی ہے اور اس سے ظاہری اور باطنی پاکیزگی بھی مراد ہے۔

اصطلاحِ شرعی میں ”ستر“ جسم کے اس حصے کو کہتے ہیں جس کا ڈھانکنا ضروری ہے۔ اسلام آنے سے قبل دور جاہلیت میں جو حال تھا (وہ آج کل کی مہذب قوموں سے کچھ مختلف نہ تھا) جس میں عورتوں کے سینے، بازو، کمر اور پنڈلیوں کے حصے بھی کھلے ہوئے تھے۔

اسلام نے حیا اور ستر کی حدود مقرر کیں۔ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سخت احکامات دیے! ”کوئی شخص کسی کے سامنے برہنہ نہ ہو...... ملعون ہے وہ جو اپنے

بھائی کے ستر پر نظر ڈالے۔“

آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا...... ”خدا کی قسم میں آسمان سے پھینکا جاؤں اور میرے دو ٹکڑے ہو جائیں یہ میرے لیے زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ میں کسی کے ستر کو دیکھوں اور کوئی میرا ستر دیکھے۔“

عورتوں کے لیے ستر کی حدود اس سے زیادہ وسیع رکھی گئی ہیں۔ اور عورتوں کے لیے لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے چہرے اور ہاتھوں کے سوا تمام جسم کو تمام لوگوں سے چھپائیں...... ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ”مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں...... اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہی ان کے لیے پاکیزگی ہے۔“

”مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت میں فرق نہ آنے دیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے۔ اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رکھیں اور اپنی آرائش کو کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں۔ سوائے اپنے شوہر...... یا اپنے والد کے یا اپنے سسر کے یا اپنے لڑکوں کے یا اپنے خاوند کے لڑکوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے...... یا اپنے میل جول کی عورتوں کے...... یا غلاموں کے...... یا ایسے نوکر چاکر مردوں کے جو شہوت والے نہ ہوں...... یا اپنے بچوں کے جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے مطلع نہیں اور اس طرح زور، زور سے پاؤں مار کر نہ چلیں کہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے...... ”اے مسلمانوں...... ! تم سب کے سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تاکہ تم نجات پاؤ۔“

(سورۂ نور)

اسلام سچی مومنہ عورتوں کی تربیت اس طرح کرتا ہے...... اور جو عورتیں اپنے اللہ کے ان احکام کی پابندی کر رہی ہیں یقیناً وہ یہ جہاد ایسے ماحول میں کر رہی ہیں۔ جہاں عریانی ہی عریانی ہے۔ حیا اور پردہ تو ہمارے پاس سے رخصت ہو چکا ہے۔ چادریں اتر گئیں...... پھر دوپٹے آئے اور وہ بھی سرکتے، سرکتے سائڈ پر آگئے۔ اور اب تو خیر سے دوپٹا کس چڑیا کا نام ہے، ہماری خواتین نے وہ بھی اتار پھینکا...... اور بہت فخر سے اپنے جسموں کی نمائش میڈیا پر (یا عام طور) آ کر کر رہی ہیں...... کاش کوئی ان سے یہ تو پوچھے کہ بی بی آپ مسلمان ہیں؟ اور اگر ہیں تو صرف اپنا سراپا غور سے دیکھو...... کہ کیا یہ ایک مسلمان لڑکی کا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”اللہ کی لعنت ہے ان عورتوں پر جو لباس پہن کر بھی ننگی کی ننگی رہیں۔“

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ ”اپنی عورتوں کو ایسے کپڑے نہ پہناؤ جو جسم پر اس طرح چُست ہوں کہ سارے جسم کی ہیئت نمایاں ہو جائے۔“

اسلام میں اللہ کے احکام میں لباس مکمل ہو...... سر، بازو، ٹانگیں سب کو مکمل طور پر ڈھانکا ہو۔ تقویٰ کے لباس میں نصف آستین، ٹخنوں، پنڈلیوں، گردن اور سر ننگا رکھنے کی کوئی گنجائش نہیں...... اسلام کو اس سے غرض نہیں کہ قمیص میکسی نما ہو یا فراک نما، شلوار ہو یا پاجامہ کسی اور نوعیت کا ہو اصل مقصود یہ ہے کہ وہ ستر کی شرائط پوری کرتا ہو...... لباس کے نام پر بے لباسی نہ ہو...... ایسے بے ہودہ لباس پہننے والیاں جنت سے ہزاروں میل دور رکھی جائیں گی۔

دور جاہلیت میں اشراف کی عورتیں اور کنیزیں سب کھلی پھرتی تھیں اور بدکار لوگ ان کا پیچھا کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے شریف عورتوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اوپر چادر ڈالیں تاکہ پہچان لیا جائے کہ وہ شریف عورتیں ہیں اور ان کا پیچھا نہ کیا جائے...... یعنی گھر سے باہر نکلتے وقت اپنی سج دھج کو چھپایا جائے...... بلکہ بڑی چادر گاؤن، کوٹ (عبایہ) اسکارف وغیرہ کے ذریعے چہرہ بھی چھپایا جاسکے...... بلکہ آج کل کے نئے فیشن جس میں جسم پر چست یا غیر ساتر بس پہن کر سر کو اسکارف سے ڈھک کر اطمینان کر لیا جاتا ہے کہ پردہ کر لیا، یہ اسلام کی روح کے مطابق نہیں...... اگر اللہ کو اپنا رب اپنا مالک مانتا ہے تو اس کے حکم کی پابندی تو کرنا ہوگی۔

☆☆☆

ہمارے اسلاف اپنے کردار کی کس قدر اصلاح کیا کرتے تھے...... گناہ کرنا تو دور کی بات گناہ کا خیال آجائے تو یہ ان کے لیے وبال بن جاتا تھا...... ان کے کردار میں کس قدر حیا وار باطن کتنا روشن نظر آتا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا ایک مرید بصرہ میں گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہا تھا۔ ایک دن اس کے دل میں کسی گناہ کا خیال گزرا...... شیطانی وسوسہ اس قدر شدید تھا کہ وہ اس خیال فاسد پر قابو نہیں پاسکتا تھا۔ آخر اسی کشمکش میں رات گزر گئی۔ صبح بے حد بے چینی محسوس ہوئی پھر جو جا کر آئینہ دیکھا تو خوف ودہشت سے اس کی چیخ نکل گئی۔ حضرت جنید بغدادیؒ کے اس مرید کا چہرہ مسخ ہو چکا تھا...... وہ اپنی اس حالت پر زار وقطار رو رہا تھا کہ اب لوگ میرا بگڑا ہوا چہرہ دیکھ کر یقیناً یہی کہیں گے کہ میں چھپ، چھپ کر گناہ کرتا تھا...... جبکہ میری پارسائی کے قصے مشہور ہیں۔ یہ محض ایک بے حیا خیالِ فاسد کا اتنا اثر ہوا تھا، وہ روتا رہا مگر اس کا چہرہ اپنی اصلی حالت میں نہ آسکا۔ بصرہ کے لوگ اس کی صحبت میں بیٹھا کرتے تھے...... دوپہر کا وقت گزرا تو حسبِ معمول لوگ آنے شروع

ہوگئے......اس نے شرم ورسوائی کے خوف سے دروازہ بند کرلیا۔اگر کوئی دروازہ کھولنے کا کہتا تو وہ ہی جواب دیتا کہ میری طبیعت خراب ہے آج کسی سے نہیں ملوں گا......تم لوگ واپس چلے جاؤ......وہ کہتے کہ حضرت آپ کی طبیعت خراب ہے تو ہم شہر بصرہ کے بڑے سے بڑے طبیب کو لاتے ہیں......مگر وہ انہیں کیا بتاتا کہ اسے کیا مرض لاحق ہے؟ بس وہ انہیں جھڑکتا رہا کہ مجھے تنگ نہ کرو......میری بیماری ایسی ہے کہ اس کی دوا کسی طبیب کے پاس نہیں......مرید کا پورا دن اسی بے چینی میں گزرا، رات کو وہ توبہ واستغفار کرتا رہا۔ دوسرے دن آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تو سیاہی کچھ کم ہوگئی مگر اب بھی وہ لوگوں میں جانے کے قابل نہیں تھا۔

دوسرے دن سیاہی کچھ اور کم ہوگئی اور تیسرے روز اس کا چہرہ اصلی حالت میں واپس آگیا......اور پوری آب وتاب کے ساتھ چمکنے لگا، اس پر اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ خداوندا! تو نے مجھے اپنے بندوں کے درمیان رسوا ہونے سے بچالیا...... چوتھے دن وہ اپنے عقیدت مندوں کے آنے کا انتظار کررہا تھا کہ دستک ہونے پر دروازہ کھولا تو سامنے ایک اجنبی شخص کو اپنے سامنے موجود پایا......

''میں بغداد سے تمہارے نام حضرت شیخ بغدادیؒ کا خط لے کر آیا ہوں......'' اس اجنبی نے کہا۔

پیرومرشد کا نام سن کر اس نے تڑپ کر وہ خط اپنے ہاتھ میں لیا اور بار، بار بوسہ دینے لگا......اجنبی کے جانے کے بعد مرید نے اپنے پیرومرشد کا خط کھولا اور پڑھنے لگا...... جب وہ آخری لفظ تک پہنچا تو اس پر رقت طاری ہوگئی اور پھر وہ اس قدر رویا کہ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے اپنے مرید کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا۔'' میرے عزیز! تم نے مجھے یہ کس کام پر لگادیا......میں تین دن سے دھوبی کا کام کررہا ہوں اور مسلسل تمہارے چہرے کی سیاہی دھورہا ہوں......یاد رکھو کہ اہل اللہ کا محاسبہ بہت سخت ہوتا ہے۔ان کے دل میں گناہ کا خیال گزرنا ایسا ہی ہے جیسے وہ گناہ کے مرتکب ہوگئے ہیں۔''

☆☆☆

حضرت جنید بغدادیؒ سے فقہا کا ایک گروہ بے حد حسد کرتا تھا اور وہ مسلسل عباسی خلیفہ کے کان بھرتے رہتے تھے۔اور ان کے کردار اور شخصیت پر مختلف الزامات لگاتے رہتے تھے......مگر عباسی خلیفہ نے اس گروہ کو یہ کہہ کر خاموش کرادیا کہ پہلے میں جنیدؒ کو آزماتا ہوں اگر وہ دنیا دار ہوئے تو اس آزمائش میں ناکام ہوجائیں گے پھر انہیں شریعت کی گرفت سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔

خلیفہ کی ایک کنیز تھی جو اپنے زمانے میں خوب صورتی کی ایک اعلیٰ مثال تھی۔خلیفہ نے اپنی خدمت گار عورتوں کو حکم دیا کہ اس کنیز کو قیمتی لباس اور زرو جواہر سے آراستہ کیا جائے۔ پھر کنیز کو طلب کرکے عباسی خلیفہ نے کہا۔'' تجھے لازم ہے کہ تو شیخ جنید کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرے کہ تجھے ان سے بے پناہ عقیدت ہے۔''

کنیز نے حیرانی سے خلیفہ کو دیکھا......''امیر المومنین! میں تو شیخ جنید کو جانتی تک نہیں......''

''شیخ جنیدؒ بغداد کے ایک پارسا انسان ہیں......مگر تجھے ان کی پارسائی آزمانا ہے۔'' ''لیکن اگر وہ نیک انسان ہیں تو پھر مجھے کس طرح قبول کریں گے؟'' کنیز حیرت میں تھی۔'' تجھے اپنی باتوں سے ان پر یہ ظاہر کرنا ہے کہ تو ایک مالدار عورت ہے اور اب تیرا دل دنیا کی رنگینیوں سے اکتا گیا ہے اور اب تجھے صرف خدا کی تلاش ہے تو شیخ کی صحبت میں رہ کر حق تعالیٰ کی عبادت کرنا چاہتی ہے۔''

الغرض وہ کنیز......جو بے انتہا خوب صورت تھی حضرت جنید بغدادیؒ کی خانقاہ کی طرف روانہ ہوئی......خلیفہ نے اپنا ایک با اعتماد غلام بھی اس کے ساتھ کردیا تھا تا کہ وہ خانقاہ میں پیش آنے والے واقعات سے خلیفہ کو باخبر کرتا رہے۔

کنیز بے حد عاجزانہ انداز میں حضرت جنید بغدادیؒ کے سامنے حاضر ہوئی اور اس نے اپنے خوب صورت چہرے کو بے نقاب کردیا......شیخ نے ایک نظر اس فتنہ ساماں عورت کو دیکھا اور فوراً ہی سر جھکالیا......عباسی خلیفہ کے منصوبے کے مطابق کنیز ان سے التجا کرنے لگی۔''شیخ! میری رہنمائی کیجیے! میں آپ کی صحبت میں رہ کر اپنی باقی ماندہ زندگی یادالٰہی میں بسر کرنا چاہتی ہوں۔'' جیسے ہی کنیز کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے حضرت جنید بغدادیؒ نے سر اٹھا کر دوبارہ کنیز کی طرف دیکھا اور ایک آہ سرد بھری۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا یہ رنگ جلال دیکھ کر کنیز اس قدر خوفزدہ ہوئی کہ فرش پر گر کر تڑپنے لگی......اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کی روح جسم سے پرواز کرگئی......غلام بدحواسی سے خلیفہ کے پاس پہنچا اور سارا واقعہ اس کے روبرو بیان کردیا...... جب عباسی خلیفہ کو کنیز کی موت کا علم ہوا تو وہ سخت غضبناک ہوا اور کہنے لگا۔''اب شیخ جنید وہ دیکھیں گے جو انہیں نہیں دیکھنا چاہیے......'' پھر وہ پورے جاہ جلال کے ساتھ خانقاہ کی طرف روانہ ہوا۔ حالانکہ خوشامدی مصاحبوں نے منع کیا کہ خلیفہ خود جانے کے بجائے شیخ جنید کو دربار میں بلا کر باز پرس کریں۔مگر خلیفہ نے انکار کردیا......کہ''ہم خود اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں کہ شیخ جنید کون ہیں؟ اور ان کی خانقاہ میں کیا ہوتا ہے؟'' پھر جب خلیفہ آپ کی خانقاہ میں داخل ہوا تو حضرت شیخ نے ایک مسلمان کی طرح استقبال کیا اور مزاج پرسی کی......خلیفہ نے رسمی باتیں کرنے کے بجائے براہ راست حضرت

جنید بغدادیؒ سے پوچھا......''شیخ! یہ کیسی ادا ہے کہ آپ نے ایک محبوبہ دلنواز کو مار ڈالا اور اسے جلا کر خاک کردیا۔'' خلیفہ کی بات سن کر حضرت جنید بغدادیؒ نے بے نیازانہ لہجے میں فرمایا۔

''امیر المومنین! آپ کی یہ شفقت کیسی ہے کہ میری چالیس سالہ ریاضت مجاہدات اور بے خوابی کو وہ کنیز ایک لمحے میں برباد کرڈالتی اور لوگ تماشا دیکھتے رہ جاتے۔'' حضرت جنید بغدادیؒ کی اس قوت کشف پر عباسی خلیفہ حیران رہ گیا۔

''امیر المومنین......! ایک انسان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ دوسرے انسان کو مار ڈالے میں اس گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر جسے پکار رہا ہوں وہ خود نہیں چاہتا کہ میرے اور اس کے درمیان کوئی غیر حائل ہوجائے۔''

عباسی خلیفہ آپؒ کی بات سن کر خاموشی سے اٹھ کر چلا گیا......اور مخالفین کی شکایت پر سخت برہم ہوکر کہا۔''لوگ جھوٹ بولتے ہیں جو شخص اس قدر پاکباز ہے خود کسی فتنے میں مبتلا نہیں تو اسے دیکھ کر دوسرے کیسے گمراہ ہوسکتے ہیں۔'' یہ کردار کی پاکیزگی تھی ہمارے اسلاف کی......

☆☆☆

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے کہ ''ہر دین کا ایک اخلاق ممتاز ہوتا ہے کہ ہمارے دین کا ممتاز اخلاق شرم کرنا ہے۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا......

''جب اللہ کسی بندے کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اس سے حیا چھین لیتا ہے۔ جب اس میں شرم نہیں رہتی تو وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر ومبغوض بن جاتا ہے۔ جب اس کی حالت اس نوبت کو پہنچ جاتی ہے تو پھر اس سے امانت کی صفت بھی چھین لی جاتی ہے اور جب اس میں امانت داری نہیں رہتی تو وہ خیانت میں مبتلا ہونے لگتا ہے، اس کے بعد اس سے صفت رحمت اٹھالی جاتی ہے۔ پھر تو وہ پھٹکارا ہوا مارا، مارا پھرنے لگتا ہے۔ جب تم اس کو اس طرح مارا، مارا پھرتے دیکھو تو وہ وقت قریب آجاتا ہے کہ اب اس سے رشتہ اسلام ہی چھین لیا جاتا ہے۔''

شیطان کے نزدیک جو اللہ کے دین سے جتنا دور ہے وہ اتنا ہی آزاد خیال ہے......آج کا دجالی میڈیا نفسانی خواہشات کو ابھارتا ہے۔ مادیت اور فیشن مقابلے میں لگا دیا ہے۔ حیا سوز مناظر کے ذریعے آنکھوں سے حیا ختم کی جارہی ہے......مقابلے اور اشتہارات کی دوڑ نے معاشرے کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ خوف خدا کم ہونے کی وجہ سے ہی ہوشربا مہنگائی ہے۔ نفسیاتی امراض، ڈپریشن، چڑچڑاپن، غصہ اور عدم برداشت کا رجحان بڑھ رہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شرح طلاق بھی بڑھ رہی ہے۔ دین سے دوری، تقویٰ کی کمی......مادیت پرستی، بے حجابی وفحاشی ہی ان سب خرابیوں کی وجوہات ہیں۔

ہماری دین سے دوری......والدین کی غفلت، یہود ونصاریٰ کی اندھی تقلید، بے دین نظام تعلیم، فیشن اور گلیمر کی دوڑ ہمیں کہاں لے آئی ہے؟ فتنوں پر فتنے نازل ہورہے ہیں۔ درحقیقت یہ اللہ کے عذاب ہیں۔ جو قوم کی اجتماعی غلط کاریوں کی وجہ سے مختلف شکلوں میں نازل ہورہے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔'' کوئی قوم ایسی نہیں کہ اس نے بدعہدی کی اور ان کے درمیان قتل وغارت نہ بڑھ جائے کوئی قوم ایسی نہیں کہ اس میں فحاشی عام ہوجائے اور اس پر موت نہ مسلط ہو اور کوئی قوم ایسی نہیں کہ زکوٰۃ دینا چھوڑ دے اور اللہ نے اس کی بارش نہ روک لی ہو۔'' جانے ہمیں کب ہوش آئے گا۔

حیا اور تقویٰ وہ اندرونی چوکیدار ہیں جو والدین کی غیر موجودگی میں بھی اللہ کے حکم سے بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ حیا وہ قوت ہے جو انسان کو فحش اور منکرات سے روکتی ہے۔ ہمیں چھوٹی عمر سے ہی بچوں میں حیا کا جذبہ ابھارنا چاہیے۔ یہ صرف لڑکیوں کے لیے نہیں لڑکوں کے لیے بھی ضروری ہے لڑکیوں کی تربیت کے ساتھ، ساتھ لڑکوں کی تربیت لازمی ہے۔ بچوں کو پورے کپڑوں کا پابند کرنا چاہیے۔ ان میں توحید، خشیت الٰہی اور تقویٰ پیدا کریں۔ بچوں کے گھر سے نکلنے کے لباس اور حلیے پر والدین نظر رکھیں۔ گھر میں دینی تعلیم کی فراہمی بھی بے حد ضروری ہے۔ غرضیکہ والدین کو لازم ہے کہ اپنے بچوں کی تربیت پر خاص توجہ دیں......

شیطان کے حملوں، سازشوں، فحاشی، عریانی، گلیمر، مادیت کی چکا چوند ان سب سے بچنے کا واحد حل یہ ہے کہ ہم اپنے اللہ کے دامن رحمت میں پناہ لے لیں...... وہ مولیٰ بہت اچھا اور مددگار ہے۔ اللہ کی طرف پلٹ آئیں وہ ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرنے والا ہے۔ اپنے بندوں پر مہربان رؤف الرحیم ہے......وہ ہر وقت رحمتوں کے، شفقتوں کے، درگزر کے دروازے کھولے منتظر رہتا ہے کہ کب اس کے بندے اس کی طرف پلٹیں۔

تو آیئے اللہ کی بارگاہ میں اپنے گناہوں کی، اپنی بے حیائیوں کی توبہ کرتے ہیں کہ اے میرے اللہ! ہم تیرے نافرمان ضرور ہیں مگر تیرے باغی نہیں، تو ہمیں اپنی رحمت کی آغوش میں لے، لے اور ہمیں شیطان کے شر سے بچالے اور ہمیں معاف کردے مولا......ہمیں معاف کردے کہ تو اپنے بندوں کو معاف کرنا پسند کرتا ہے، آمین۔

☆☆☆





شائقینِ بزم کی خدمت میں پُرخلوص جذبات لیے ایک دفعہ پھر حاضر ہیں۔ آپ کی آرا اور مشورے اس محفل کو بہتر سے بہتر بنانے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ بہت نوازش کہ ہماری یہ کوشش آپ جیسے باذوق قارئین کو بے حد پسند آرہی ہے تو دوستو! آج ہم اس مصنفہ سے ملاقات کروا رہے ہیں کہ جنہیں...دیکھ کر اداس چہرے... پُررونق ہو جائیں اور پھر گفتگو کرکے تو ماحول پر چھائی اداسی ہوا ہو جاتی ہے۔ جی ہاں! آپ صحیح پہچانے، ہنستی مسکراتی اپنی

شگفتہ بیانی سے سامعین کا دل بہلاتی اور محفل کو زعفران زار بناتی شخصیت یقیناً ہماری مایہ ناز مصنفہ رضوانہ پرنس ہی کی ہے۔ تو آیئے ہم اس پیاری سی قلمکار سے دلچسپ گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......خوش آمدید رضوانہ پرنس! کہیے کیا حال ہیں؟

رضوانہ پرنس ❖......ہم بالکل ٹھیک ہیں نزہت...... اور تمہاری اتنی خوب صورت سی بزم میں آکر بہت اچھا لگ رہا ہے۔ (جی ہمیں بھی)

پاکیزہ ✧...... جی آج ہماری بزم آپ کی خوشگوار باتوں اور مہکتی یادوں سے سجے گی آپ تیار ہیں ناں؟

رضوانہ پرنس ❖......ہاں بھئی، ہم بالکل تیار ہیں۔ تمہارے کھلکھلاتے سوالات اور ہمارے مسکراتے جوابات کو یقیناً ہمارے قارئین بہت انجوائے کریں گے‘ یہ الگ بات کہ ہماری ہنسی میں کبھی، کبھی آنسوؤں کی آمیزش بھی شامل ہو جائے۔ (یہ بھی زندگی کا ایک رنگ ہے رضوانہ)

پاکیزہ ✧......پہلے تو یہ بتایئے کہ بظاہر شوخ، لاابالی، خوش باش نظر آنے والی والی رضوانہ پرنس اتنی گہری تحریریں کیسے لکھ لیتی ہے؟

رضوانہ پرنس ❖......ہاں بھئی ہماری ہنسی‘ ہماری باتیں اور ہمارا لاابالی انداز دیکھ کر لوگوں کو یقین نہیں آتا ہے کہ ہم ایک سنجیدہ رائٹر بھی ہیں۔ اصل میں نزہت ہم بچپن سے ہی بہت حساس ہیں جب بھی امی کی ڈانٹ یا کسی اور بات پر اداس ہوتے تھے تو اپنے اللہ میاں کو اسکول کی کاپی پر بڑے رقت آمیز انداز میں خط لکھا کرتے تھے بس یوں سمجھ لو ہمارے اندر بچپن سے ہی ایک رائٹر چھپی بیٹھی تھی۔ (واہ بھئی)

پاکیزہ ✧......یعنی آپ کے گھر والے اور اردگرد کے لوگوں کو تعجب نہیں ہوا تھا پہلی تحریر پر؟

رضوانہ پرنس ❖...... ہاں حیران بھی ہوئے تھے لیکن خوش زیادہ ہوئے تھے۔ مزے کی بات یہ کہ پاکیزہ میں چھپنے والے ہماری زندگی کے اس پہلے افسانے کا نام ”آخری قسط“ تھا۔

پاکیزہ ✧......چلیں پاکیزہ سے دوستی کا رشتہ کیسے جڑا، اس کی تفصیل بتائیں؟

رضوانہ پرنس ❖......بھئی جیسا کہ ہم نے بتایا کہ ہم بچپن سے ہی لکھنے لکھانے کے شوقین تھے، بڑے ہونے پر یہ شوق مزید بڑھ گیا افسانے لکھ کر اپنی دوستوں کو پڑھواتے تھے لیکن چھپوانے کا خیال کبھی نہیں آیا، شادی کے بعد بھی بس گھر میں ہی لکھ کر شوق پورا کرتے رہے تب ایک دن ہماری بہت پیاری سی کزن گڈو نے ہمارا ایک افسانہ پڑھنے کے بعد ہماری اچھی خاصی کلاس لے ڈالی کہ اتنی


پیاری رضوانہ پرنس کے گلشن کے پھول

اچھی، اچھی تحریروں کو کیوں ضائع کر رہی ہو تم۔ فوراً اسے چھپنے کے لیے بھیجو۔ ماہنامہ پاکیزہ ہماری دیرینہ دوست عذرا رسول کا تھا لیکن ہم اپنا ٹیلنٹ خود آزمانا چاہ رہے تھے کیونکہ ہم اچھی طرح سے جانتے تھے کہ عذرا کبھی انکار نہیں کریں گی اور افسانے کی نوک پلک ٹھیک کروا کر چھپوا ہی دیں گی سو ہم انہیں بتائے بغیر اپنا افسانہ لے کر انجم انصار کے پاس چلے گئے۔ انہوں نے شفیق مسکراہٹ کے ساتھ اسی وقت سرسری نگاہوں سے افسانے کو پڑھا اور ہم سے بولیں۔ ''افسانہ اچھا ہے جلدی چھپ جائے گا۔'' نزہت ان کا یہ جملہ امرت بن کر کانوں میں رس گھول گیا۔ کتنی حوصلہ افزائی تھی ان کے لہجے میں ہمارے لیے۔ اور ہم نے پھر بھی عذرا کو افسانہ چھپنے تک کچھ نہیں بتایا۔ افسانے کے چھپتے ہی عذرا کی حیرت انگیز کال آئی۔ ''رضوانہ یہ افسانہ تمہارا لکھا ہوا ہے؟ ارے کم از کم مجھے بتایا تو ہوتا۔'' تب ہم نے خوشی سے بھرپور لہجے میں جواب دیا۔ ''عذرا دیکھو تمہاری سفارش کے بغیر ہی ہم تمہارے رسالے میں چھپ گئے کیا یہ اچھی بات نہیں ہے؟'' (جی یہ تو بالکل درست بات ہے)

پاکیزہ ✧...... جی ہاں پاکیزہ سے تو بعد میں، آپ کی دوستی تو عذرا صاحبہ سے بچپن سے ہے، کیوں ایسا ہی ہے ناں؟

رضوانہ پرنس ❖...... بالکل ہمارا اور عذرا کا ساتھ بہت پرانا ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ ہماری دوستی میں بھی ویسی ہی تازگی کی مہک ہے (ماشاء اللہ) جانتی ہو نزہت ہماری شادی کا سارا انتظام ہی امی نے عذرا کے ہاتھ میں دے دیا تھا بہت اطمینان ہوا تھا انہیں عذرا کے آجانے سے، ہم اپنی شادی کے وقت محض فرسٹ ایئر میں تھے تو ظاہر سی بات ہے کہ عذرا بھی اس وقت سترہ اٹھارہ سال کی لڑکی ہی تھی لیکن تھی بلا کی منتظم۔ (جی وہ تو آج بھی ہیں) ہر طرف اسی کے نام کی پکار تھی۔ یہ اس کی طرف سے محبت اور دوستی کا بے حد حسین تحفہ تھا جو ہمیشہ ہمارے دل میں چھپا رہتا ہے۔ (بہت خوب صورت تحفہ ہے دوست کا دوست کے لیے)

پاکیزہ ✧...... اس دوستی کو ماشاء اللہ آج تک قائم رکھنے میں زیادہ حصہ کس کا ہے؟

رضوانہ پرنس ❖...... اس دوستی کو قائم رکھنے میں ہم دونوں کا برابر کا حصہ ہے۔ تالی کبھی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی، ہم لوگ ہمیشہ ایک دوسرے کے دکھ سکھ اور خوشیوں میں دل سے شریک رہتے ہیں ویسے ایمان کی بات ہے عذرا ہمارا بے حد خیال رکھتی ہیں اور دوستی کا حق بہت پیارے طریقے سے نبھاتی ہیں۔ (مثالی دوستی اسی کو تو کہتے ہیں)

پاکیزہ ✧...... کچھ اپنی شخصیت کے حوالے سے بتایئے کہ کس طرح کے موضوعات پر لکھنا زیادہ پسند کرتی ہیں؟

رضوانہ پرنس ❖...... نزہت، بھئی ہماری تحریروں کا ہماری شخصیت سے زیادہ تعلق نہیں۔ اگر تم ہمارے افسانوں پر نظر ڈالو تو ہمیں ہر افسانہ اپنے اندر ایک مختلف رنگ سمیٹے نظر آئے گا۔ محبت کے حساس جذبے سے لے کر ماسی کی پریشانیاں، ایک مڈل کلاس عورت کا دکھ یا پھر شاندار بنگلوں میں رہنے والوں کے خاموش مسائل ہم نے ہر موضوع کو اپنے مشاہدے کی گہرائی کی بدولت بہت حقیقت سے قریب ہو کر لکھا ہے ویسے کبھی کبھی ہمارے افسانوں کی ہیروئن میں لوگوں کو رضوانہ کی جھلک بھی نظر آجاتی ہے یہ انجم انصار کا کہنا ہے۔ کیوں انجم جی؟ (ہوسکتا ہے۔ ایڈیٹر تو پہچان ہی لیتی ہے)

پاکیزہ ✧...... قارئین تو یقیناً آپ کو بے حد سراہتے ہیں مگر تنقید یا اعتراض سن کر کیسا لگتا ہے؟

رضوانہ پرنس ❖...... یہ اتفاق ہے کہ تنقید کا سامنا کم ہی کرنا پڑا ہے۔ ویسے ہمیں اپنی تحریر پر تنقید صرف اس وقت بری لگتی ہے جب وہ بلا جواز ہوتی ہے لیکن صحت مند تنقید ہمیں دل سے قبول ہے۔

پاکیزہ ✧...... اپنی تحریروں کو کس حد تک کتابی شکل میں لائیں؟

رضوانہ پرنس ❖...... ہماری پانچ کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں اور ماشاء اللہ ہر کتاب کی رونمائی کی تقریب بھی بہت اچھی طرح سے کی ہے۔ ہمارے تین افسانوں کے



رضوانہ پرنس اپنے والدین اور بھائیوں کے ہمراہ

مجموعے سدا میرے ہی رہنا، تم میرے سنگ ہو اور تیری چاہ میں، کافی پسند کیے گئے اور مختلف ٹی وی چینلز جن میں اے پلس، ہم ٹی وی، جیو، اے آر وائی، ایکسپریس انٹرٹینمنٹ میں ہمارے افسانوں کی ڈرامائی تشکیل بھی پیش کی گئی۔ اس کے علاوہ ہمارے ناول قربتوں کی دوری پر سوپ بھی اک لڑکی پاگل سی کے نام سے ''ہم ٹی وی'' پر چلا تھا اور اس نے ایوارڈز بھی حاصل کیے تھے اب دوسرا ناول ''اک نئے موڑ پر'' بھی منظرِ عام پر آچکا ہے۔ یاد رہے یہ دونوں ناول پاکیزہ میں ہی سلسلے وار چھپے تھے۔ (بہت خوب)

پاکیزہ ✧...... اب تو ماشاء اللہ آپ اسکرپٹ رائٹنگ بھی کر رہی ہیں، افسانہ و ناول نگاری سے یہ فیلڈ کیسے مختلف ہے؟

رضوانہ پرنس ❖...... نزہت سچی بات ہے افسانہ نگاری اور اسکرپٹ رائٹنگ میں زمین آسمان کا فرق ہے، اسکرپٹ میں ڈھیر سارے سین Create کرنا، ہر کردار کو ان میں فٹ کرتے ہوئے سچوئیشن کے مطابق ان کے ڈائیلاگز لکھنا تین چار صفحات کے ون لائنر سے بے شمار اقساط کو نکالنا آسان نہیں ہوتا جبکہ افسانوں اور ناولوں میں رائٹر بس تسلسل سے کہانی کو صفحات پر اتارتا چلا جاتا ہے۔

پاکیزہ ✧...... چلیں کچھ مزیدار باتیں ہو جائیں، کیوں ٹھیک ہے ناں؟ ذرا اپنے بچپن اور نوعمری کی کوئی مزیدار خوشگوار یاد بھی ہم سے شیئر کریں؟

رضوانہ پرنس ❖...... بالکل ٹھیک ہے نزہت، ماحول کافی سنجیدہ سا ہو رہا ہے اور یقیناً ہمارے قارئین کچھ ہنسنا مسکرانا بھی چاہ رہے ہوں گے اور ہم تو رہتے ہی ہیں ہمیشہ لائٹ سے موڈ میں۔ دل تو چاہ رہا ہے تمہیں اپنے ساتھ اپنی بچپن کی یادوں میں لے کر جانے کا لیکن بھئی صفحات کی گنجائش کم ہے اور ہم دونوں کی باتیں زیادہ تو چلو ایک ہی قصے پر اکتفا کرتے ہیں یہ مزیدار سی یاد ہماری شادی کے بعد کی ہے لیکن اس وقت ہم ٹین ایجر ہی تھے اور کراچی اپنے میکے آئے ہوئے تھے۔ اسد ہمارا چھوٹا بھائی، اس وقت محض آٹھ نو سال کا تھا ہماری کسی بات پر ہمیں ٹوکتے ہوئے بولا کہ باجی یہ آپ کا نہیں ہمارا گھر ہے آپ کا گھر تو مردان میں ہے۔ جی جناب ہم بے حد... جذباتی ہو گئے اور لڑنے لگے، اس معصوم بچے سے کہ یہ ہمارا گھر ہے تمہارا نہیں وہ بھی اڑ گیا۔ بات بڑھی تو ہم

تیزی سے بابا کے کمرے میں پہنچے اسد بھی پیچھے پیچھے آ گیا کہ فیصلہ جو بابا (والد) سے کروانا تھا۔ ہماری آنکھوں میں موٹے، موٹے آنسو دیکھ کر بابا پریشان ہو گئے۔ ''بابا، بتایئے یہ گھر ہمارا ہے کہ اسد کا ہے؟'' بابا نے ایک نظر ہمارے آنسوؤں پر ڈالی اور بڑے رسان سے بولے۔ ''بیٹی یہ گھر صرف تمہارا ہے۔'' ہم نے بے حد خوش ہو کر فخر سے اسد کو دیکھا تھا۔ بابا نے یقیناً بعد میں اسد کو کھلونے وغیرہ دلا کر منا لیا ہو گا لیکن وہ بتاتے ہیں کہ اگر انہوں نے یہ جواب نہ دیا ہوتا تو ہماری بچی کا دل بری طرح سے ٹوٹ جاتا، اب اپنی اس بے وقوفی پر بے حد ہنسی آتی ہے۔ (یہی تو خوب صورت یادیں ہوتی ہیں جو سدا ساتھ رہتی ہیں۔)

پاکیزہ ✧...... آپ دوستی کس حد تک نبھاتی ہیں...... کوئی تلخ یاد ہے اس حوالے سے؟

رضوانہ پرنس ❖...... ہم دوستی بہت دل سے نبھاتے ہیں۔ اچھے دوستوں سے ہی تو زندگی میں رونق ہے۔ ہاں اس حوالے سے کچھ تلخ یادیں بھی ہیں لیکن اچھی بات یہ ہے کہ ہم ایسی یادوں کو جلد ہی دل سے جھٹک دیتے ہیں کہ زندگی کو محبت اور خوشیوں کے بلب سے روشن رکھنا چاہیے۔ (جی ہاں، یادیں تو اچھی بری دونوں ہوتی ہیں۔ کوشش کرنی چاہیے ہمیشہ اچھی یادوں کو ہی یاد رکھیں)

پاکیزہ ✧...... آپ نے اپنے جذبات، خیالات، افکار کے اظہار کے لیے لکھائی کو ہی کیوں پسند کیا، مصوری بھی کر سکتی تھیں؟

رضوانہ پرنس ❖...... مصوری؟ نزہت اگر تم ہماری ڈرائنگ دیکھ لیتیں تو کبھی یہ سوال نہ کرتیں، قسم سے ہماری ڈرائنگ اتنی بری ہے کہ لوگ اس پر بہ آسانی بوجھو تو جانیں والا گیم کھیل سکتے ہیں ویسے بھی بچپن سے ہی ہم نے قلم



دائیں سے عذرا رسول، منزہ سہام مرزا، انجم انصار اور رضوانہ پرنس رائٹر سیما مناف کے گھر لنچ کے موقع پر

کے ذریعے اپنے اللہ میاں سے اپنے احساسات لکھ کر ہی شاید رائٹر بننے کی ابتدا کر دی تھی۔

پاکیزہ ✧...... بھئی آپ طرح، طرح کے سوالات سے بور تو نہیں ہو رہی ہیں ناں؟

رضوانہ پرنس ❖...... ارے نہیں نزہت ہم تو تمہارے سوالات کو بہت انجوائے کر رہے ہیں۔ انٹرویو ہلکا پھلکا اور دلچسپ ہی ہونا چاہیے ادب اور سیاست کے بارے میں تو قارئین پڑھتے ہی رہتے ہیں بھئی ہمارے بارے میں جانتے ہوئے انہیں زیادہ اچھا لگے گا۔ یہ ہماری خوش فہمی سہی۔

پاکیزہ ✧...... اپنی ہم عصر رائٹرز سے کس حد تک رابطے میں رہتی ہیں؟

رضوانہ پرنس ❖...... ارے نہ پوچھو نزہت ہمارا تو بہت ہی مزے دار سا گروپ ہے جس میں عذرا رسول، منزہ سہام مرزا، انجم انصار، سیما مناف، صبیحہ شاہ، غزالہ رشید، سیما رضا، عقیلہ حق، شگفتہ شفیق، سائرہ غلام نبی شامل ہیں۔ (جن کے نام رہ گئے پیشگی معذرت) عذرا کی عید ملن پارٹی میں اپنی دوسری پیاری پیاری رائٹرز سے بھی ملاقات ہو جاتی ہے لیکن ہمارا یہ شرارتی ٹولا اکثر کبھی کسی کے گھر یا کسی ریسٹورنٹ میں گیٹ ٹو گیدر کرتا رہتا ہے اور

ہم لوگوں کی بے ساختہ ہنسی اور دلچسپ باتیں دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ سب رائٹرز ہیں۔ (آپ رائٹرز بھی تو بچیاں ہی ہوتی ہیں ناں)

پاکیزہ ✧...... ہم اکثر سنتے ہیں آپ سفر میں رہتی ہیں۔ سفر کے دوران کے تجربے بھی جمع کیے کبھی لکھے؟

رضوانہ پرنس ❖...... تم نے بالکل ٹھیک سنا ہے نزہت...... ہم نے کافی سفر کیے ہیں اور کرتے رہتے ہیں اور اکثر بہت دلچسپ کردار اور واقعات بھی ہمیں متاثر کر دیتے ہیں۔ چلو تمہارے کہنے پر ایک سفرنامہ لکھ ہی ڈالیں گے۔ بس تھوڑی سی فرصت مل جائے (جی ضرور)

پاکیزہ ✧...... کچھ اپنی ذاتی پسند ناپسند بھی بتائیں؟ پسندیدہ لباس، ذائقہ، رنگ، لمحے، خوشبو، تفریحی مقام، رشتہ، کوئی خاص جملہ، کوئی یادگار نصیحت، کوئی ڈانٹ......؟

رضوانہ پرنس ❖...... پسندیدہ لباس شلوار قمیص، رنگ، بہت ڈل رنگ نہیں پسند۔ ویسے سفید رنگ ہمارا پسندیدہ ترین ہے اس کے علاوہ پنک اور بوتل گرین کلر کے ڈریس بھی...... آپ کو ہماری وارڈ روب میں نظر آئیں گے۔ تم کو ہنسی تو آئے گی لیکن یار ہمیں انڈے آلو کا سالن بہت پسند ہے اور یہ بات سب کو پتا ہے اس لیے اکثر دعوتوں میں بے شمار ڈشز کے ساتھ انڈے آلو کا سالن بھی رکھا ہوتا ہے۔ خوشبو، بارش میں مٹی کی سوندھی، سوندھی سی خوشبو بے حد اچھی لگتی ہے۔ اس کے علاوہ رات کی رانی کی مہک جیسے دل و دماغ پر چھا سی جاتی ہے۔ تفریحی مقام، پہاڑیوں اور سرسبز درختوں سے گھرے ہوئے سارے تفریحی مقام پسند ہیں، ویسے اسکاٹ لینڈ سے زیادہ حسین جگہ کوئی اور نہیں لگی۔ رشتہ، سارے ہی رشتے اپنے اندر بہت خوب صورتی سمیٹے ہوتے ہیں بس انہیں نبھانا آنا چاہیے۔ دلوں میں اگر ایک دوسرے کے لیے 'بغض' شکایتیں اور نفرتیں ہوں تو پھر کوئی بھی رشتہ ہو اس میں کچھ باقی نہیں بچتا...... درگزر اور معاف کر دینا رشتوں اور زندگی کو خوب صورت بنانے کے دو اہم گر ہیں...... لمحے، لمحے وہ اچھے لگتے ہیں جب اردگرد ہنستے بولتے لوگ ہوں دلچسپ محفل جمی ہو، کوئی خاص جملہ...... اپنے پہلے افسانے ''آخری قسط'' پر معراج رسول کی تعریف کہ ''اس لڑکی کی تحریر نے مجھے متاثر کیا ہے اور یہ کافی آگے جائے گی۔'' وہ بہت ہی کم کسی تحریر کی تعریف کرتے تھے ان کے یہ جملے ہمارے لیے ایک اثاثہ ہیں (جی ہونے بھی چاہئیں) کوئی یادگار نصیحت...... ہمارے بابا نے پرنس کے انتقال کے بعد ہمیں نصیحت کی تھی کہ بیٹا یہ دنیا والے ہمدردی کے خنجر سے صرف تمہارے زخم ہی کریدیں گے اپنے آپ کو ایسے لوگوں سے دور رکھنا۔ زندگی کو کانفیڈنس سے جینا بالکل ویسے ہی جیسے تم پرنس کی زندگی میں جیتی تھیں۔

پاکیزہ ✧...... اب ذرا شاعری کے حوالے سے بات ہو جائے؟ شعر گوئی کا بھی شغف ہے؟ چلیں کوئی اچھا سا شعر سنا دیں؟

رضوانہ پرنس ❖...... بھئی اشعار تو ہمیں بہت



دائیں سے عذرا رسول، رضوانہ پرنس اور منزہ سہام مرزا پاکیزہ کی جانب سے دی گئی ہائی ٹی کے موقع پر

سارے پسند ہیں چلو تین ہی پر اکتفا کر لیتے ہیں۔

کیا ضروری ہے باخبر ٹھہریں
آگہی بھی عذاب ہوتی ہے

......

آج ہم سب کے ساتھ خوب ہنسے
اور پھر دیر تک اداس رہے

......

خالی ہاتھوں کو کبھی غور سے دیکھا ہے فراز
کس طرح لوگ لکیروں سے نکل جاتے ہیں

پاکیزہ ✧......ٹی وی بینی اور فلم بینی کا کتنا شوق ہے اکثر کیا دیکھتی ہیں؟

رضوانہ پرنس ❖......ارے نہ پوچھو نزہت، ٹی وی اور فلم دونوں کا ہی بہت شوق ہے، چاہے کتنی ہی مصروفیت کیوں نہ ہو اپنے پسندیدہ ڈرامے کبھی مس نہیں کرتے اور جناب اپنی کزنز اور دوستوں کے ساتھ پکچر ہاؤس میں فلم دیکھنے کا اپنا ہی مزہ ہے۔ پاپ کارن اور کوک لینا بھی لازمی ہوتا ہے کہ فلم ان چیزوں کے بغیر دیکھی ہی نہیں جاتی۔ لندن میں اپنے بھائیوں اور بھابیوں اور ’کبھی‘ کبھی سارے کزنز کو بھی جمع کر کے دیکھنے جاتے ہیں۔ اکثر ہم اپنے بیٹے کے ساتھ بھی جاتے ہیں کہ وہ جانتا ہے کہ امی کی یہ پسندیدہ جگہ ہے۔

پاکیزہ ✧......شاپنگ کی کتنی شوقین ہیں۔ عموماً کس کے ساتھ شاپنگ پر جاتی ہیں؟

رضوانہ پرنس ❖......شاپنگ ہم زیادہ تر اکیلے ہی کرتے ہیں۔ ہمارے گھر سے دس منٹ کی ڈرائیو پر ہی ڈالمن مال ہے وہاں کے پُرسکون ماحول میں شاپنگ کرنا اچھا لگتا ہے لیکن کبھی، کبھی ہم سب کزنز مل کر بھی جاتے ہیں، اس کا اپنا ہی ایک مزہ ہے۔

پاکیزہ ✧......جیولری میں کون سا زیور پسند ہے؟

رضوانہ پرنس ❖......ہم کو جیولری کا زیادہ شوق نہیں ہے، اکثر کسی شادی کی واپسی پر اگر کوئی پوچھ لیتا ہے کہ دلہن نے کیسا زیور پہنا تھا تو لاکھ دماغ پر زور دینے پر بھی یاد نہیں آتا۔ اس لیے اب لوگوں نے پوچھنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ ہاں کپڑوں سے میچ کرتے ائررنگز کا شوق ضرور ہے۔

پاکیزہ ✧......تحفے لینا اور دینا کیسا عمل ہے، آپ کو کیا اچھا لگتا ہے؟

رضوانہ پرنس ❖......تحفے لینا اور دینا بہت ہی پیارا عمل ہے۔ انسان کو اپنی اہمیت کا احساس ہوتا ہے کہ کوئی اتنی چاہ سے اس کے لیے کچھ لے کر آیا ہے۔ لفظ گفٹ ہی ہمیں اتنا خوب صورت لگتا ہے تو سوچو پا کر کتنی خوشی ہوتی ہوگی۔ (ہاں ہمیں بھی ہاہاہا)

پاکیزہ ✧...... اچھا آپ نے اپنی اب تک کی زندگی سے کیا سیکھا؟

رضوانہ پرنس ❖...... نزہت زندگی ایک ایسا طلسماتی آئینہ ہے جس میں پل بھر میں منظر کچھ ایسا بدل جاتا ہے کہ انسان ششدر رہ جاتا ہے۔ ابھی ڈیڑھ سال قبل کی بات ہے یہاں ہماری سسرال میں ایک شادی کی گہما گہمی تھی پھر پندرہ دن بعد ہمیں لندن جانا تھا۔ ان ہی خوشیوں بھرے لحات میں اچانک ہی اپنے چہیتے بھائی کی موت کی خبر نے ہمیں ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ بھائی جس سے صرف ایک دن پہلے ہم نے فون پر ڈھیر ساری باتیں کی تھیں وہ ہمارے لندن آنے پر خوب سارے پروگرام بنا رہا تھا۔ کتنا خوش تھے، کتنا ہنس رہے تھے ہم دونوں اور بالکل اگلی صبح ایک فون کال ہمیں بتا رہی تھی کہ ہمارا اسلیم اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ کتنی ناقابلِ یقین، ناقابلِ برداشت خبر تھی وہ......تو نزہت زندگی نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ وہ موت کی کتنی گہری دوست ہے۔

موت نے چپکے سے جانے کیا کہا
زندگی خاموش ہو کر رہ گئی

اس کے علاوہ اس زندگی نے مختلف بہروپ بدل، بدل کر ہمیں اس دنیا میں کانفیڈنٹ ہو کر جینا سکھایا ہے۔

پاکیزہ ✧...... کچھ اپنی ازدواجی زندگی کے بارے میں بتایئے؟

رضوانہ پرنس ❖......بھئی ہماری ازدواجی زندگی بھی اپنے اندر کچھ افسانوی رنگ سمیٹے ہوئے ہے۔ کہانی طویل ہے لیکن مختصراً بتا دیتے ہیں، ہم فرسٹ ائیر میں تھے



جب پرنس کا رشتہ ہمارے لیے آیا بلکہ ایک طرح سے انہوں نے ہمارے گھر کی دہلیز ہی لے لی اور بالآخر امی، بابا کو راضی ہونا ہی پڑا۔ پرنس جتنی چاہ سے ہمیں لے کر اپنی زندگی میں آئے تھے اتنی ہی محبت سے ہمیں پھولوں کی طرح رکھا۔ بچوں کی طرح ناز نخرے اٹھاتے تھے ہمارے۔ ہماری زندگی بہت خوب صورت اور مکمل تھی ۔ ایک بے پناہ چاہنے والا شوہر دو پیارے، پیارے سے بچے ہنی (بیٹی) اور علی (بیٹا) خوب صورت گھر، گاڑیاں شاندار اسٹیٹس اللہ نے جی بھر کر نوازا تھا ہمیں لیکن پھر ہماری ہنستی مسکراتی زندگی کو جیسے کسی کی نظر لگ گئی۔ بچپن میں جو کہانیاں سنی تھیں اس میں آخر میں شہزادہ اور شہزادی ہنسی خوشی رہا کرتے تھے لیکن ہماری کہانی میں شہزادے کو موت چھین کر لے گئی اور شہزادی اداسی سے دیکھتی رہ گئی۔ (اللہ آپ کے بچوں پر آپ کا سایہ ہمیشہ سلامت رکھے۔ کیا کریں یہی زندگی کی حقیقتیں ہیں مگر آپ نے بہت ہمت سے کام لیا اور ایسا ہی ہونا چاہیے)

پاکیزہ ✧......شوہر کی وفات کے بعد آپ نے آگے کے حالات کا کیسے مقابلہ کیا؟

رضوانہ پرنس ❖...... پرنس کے جانے کے بعد ہم بہت سہم سے گئے تھے۔ لیکن پھر امی، بابا اور تینوں بھائیوں کی محبت کے حصار نے ہمیں بہت حوصلہ دیا۔ سسرال والے بھی ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے اور سچی بات یہ بھی ہے کہ ہماری بھابیوں، ہماری دوستوں اور خاندان کے کچھ بہت پیار کرنے والے رشتوں نے بھی ہمیں غم کے ان اندھیروں سے نکالنے میں بہت مدد کی اور پھر اپنے بچوں کے لیے ہمیں ایک مضبوط اور کانفیڈنٹ ماں بن کر بھی جینا تھا۔ ہنی (بیٹی) کی شادی اتفاق سے پرنس کے انتقال سے کچھ عرصہ قبل ہی ہوئی تھی لیکن علی عمر کے اس حصے میں تھا جہاں اسے اپنے ابو کی شدید ضرورت تھی۔ اپنے بچے کے خاموش آنسو اور دکھ ہم اب تک اپنے دل پر محسوس کرتے ہیں لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنی محنت سے ایک اچھا مقام بنالیا ہے۔ (ماشاء اللہ) نزہت، پرنس کے جانے کے بعد ہم نے زندگی کو بہت بہادری سے جیا ہے، کبھی کسی کی ہمدردی نہیں لی بلکہ سب میں خوشیاں ہی بانٹی ہیں اور نہ ہی کسی کی انگلی اپنے کردار پر اٹھنے دی...... یاد رکھیں اگر عورت مضبوط ہو اور۔ اسے خود پُراعتماد ہو تو پھر یہ بے رحم معاشرہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا علاوہ پیٹھ پیچھے فضول قسم کی تنقید کرنے کے اور ایسے لوگوں کی ہم نے کبھی پروا نہیں کی۔ (ماشاء اللہ آپ ایک مضبوط اور بہادر خاتون ہیں)

پاکیزہ ✧......آج کی نئی شادی شدہ لڑکیوں کو کیا کہنا چاہیں گی؟

رضوانہ پرنس ❖......بھئی آج کل کی لڑکیاں ماشاء اللہ خود ہی اتنی سمجھدار ہیں کہ شاید انہیں کچھ سمجھانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ویسے بھی الیکٹرانک میڈیا اور انٹرنیٹ .... انہیں کافی سکھاتا، پڑھاتا رہتا ہے لیکن بہر حال ہم ان پیاری، پیاری سی لڑکیوں سے یہ کہنا چاہیں گے کہ اگر تم نے ہر حال میں خوش رہنے کا فن سیکھ لیا ہے تو سمجھو تم نے اپنی زندگی کو خوب صورت بنانے کا فن سیکھ لیا ہے۔ ایک

دوسری اہم بات یہ ضرور یاد رکھنا کہ کسی بھی رشتے میں الفاظ اور لہجہ بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں...... کسی کے دل میں رہنے اور دل سے اتر جانے میں ان کا بہت بڑا ہوتا ہے۔ (یہ تو بالکل ٹھیک کہا)

پاکیزہ ✧...... اور آج کی نئی نسل (لڑکے، لڑکیاں) دونوں کو کوئی نصیحت؟

رضوانہ پرنس ❖...... ہماری یہ نصیحت ہر عمر کے افراد کے لیے ہے کہ زندگی میں کبھی مایوسی کو اپنے دل میں جگہ نہ دیں یاد رکھیں مایوسی زندگی میں آنے والی خوشیوں کے لیے زہر قاتل ہے، مشکلات کا آسان یا مشکل ہونا ہماری سوچ پر منحصر ہوتا ہے۔ اپنے اللہ پر دل سے یقین رکھیے اور یقین کی یہ ہی طاقت آپ کی ہار کو جیت میں بدل دے گی۔ یہ آزمائی ہوئی بات ہے کہ آپ کے خیالات اور آپ کی سوچ کا زندگی پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔

پاکیزہ ✧...... ماہنامہ پاکیزہ کے لیے اپنے خیالات کا اظہار کریں؟

رضوانہ پرنس ❖...... پاکیزہ سے ہماری دلی وابستگی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس ڈائجسٹ کی انگلی تھام کر ہی ہم ادب کی اس خوب صورت دنیا میں داخل ہوئے ہیں۔ معراج رسول صاحب اور عذرا کے زیرِ انتظام نکلنے والا یہ ایک بہت خوب صورت اور بالکل مکمل رسالہ ہے۔ تبھی تو خواتین میں اس کی مقبولیت کبھی نہیں دھندلائی۔ اس ضمن میں انجم انصار کا ذکر نہ کرنا زیادتی ہوگی جنہوں نے اسے نکھارنے میں اہم کردار ادا کیا اور اب تم اس ذمے داری کو بہت خوب صورتی سے نبھا رہی ہو نزہت...... (جی یہ تو ہے بس اپنی سی کوشش کر رہے ہیں)

پاکیزہ ✧...... نوآموزان کے لیے کوئی ٹپس کوئی نصیحت؟

رضوانہ پرنس ❖...... ہم نوآموز رائٹرز کو ہمیشہ ایک، نصیحت کرتے ہیں کہ افسانہ لکھنے سے پہلے وہ اچھی مصنفات کے افسانوں کو زیادہ سے زیادہ پڑھیں، بطور ایڈیٹر ہم نے کافی افسانے اس لیے بھی ریجیکٹ کیے تھے کہ بس وہ بالکل سیدھے سادے انداز میں ایک کہانی کی طرز پر لکھے ہوتے تھے۔ افسانے اور کہانی کی طرزِ تحریر میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

پاکیزہ ✧...... ہماری اس معصوم سی، پیاری سی بزم کے لیے اپنے خیالات کا ضرور اظہار کریں؟

رضوانہ پرنس ❖...... تمہاری معصوم سی بزم میں آ کر سچ ہمیں بہت ہی اچھا لگا۔ اپنی نیچر اور مزاج کے مطابق سوالات اور پھر ان کے جوابات دیتے ہوئے بہت مزہ آ رہا تھا۔ ویسے بھی ہم ثقیل قسم کی گفتگو سے کافی گھبراتے ہیں۔ جیو نزہت اللہ تمہاری اس بزم کی جگمگاہٹ برقرار رکھے، آمین۔

پاکیزہ ✧...... بہت شکریہ رضوانہ پرنس......! آپ نے اپنے قیمتی وقت سے ہمیں بھی چند لمحات عنایت کیے...... ہاں آپ کا وقت قیمتی ہی تو ہے کہ کبھی افسانہ نگاری تو کبھی اسکرپٹ نگاری اور کبھی رختِ سفر باندھنا اور ہاں گیدرنگز میں بھی تو جانا...... خیر پھر بھی بہت مزہ آیا اب جلدی سے ایک افسانہ بھی لکھ ڈالیے۔

☆☆☆

جی قارئین! کہیے رضوانہ پرنس سے ملاقات کیسی لگی...... جنہوں نے افسانوی باتوں کے ساتھ، ساتھ زندگی کے حقائق بھی بہت خوب صورتی سے بیان کیے یہی تو خوبی انسان میں ہونی چاہیے کہ جس کی باتوں سے لوگ اپنی راہِ زیست کے لیے مدد اور سبق دونوں حاصل کریں۔ جیتی رہیں رضوانہ...... اور قارئین آپ سب بھی اپنی، اپنی راہوں میں محبت سے سفر جاری رکھیں...... خلوصِ نیت سے طے کیے جانے والے امور فلاح ہی پاتے ہیں...... اور ہمیں یہ چاہیے کہ اپنے اس کام میں اپنے چاہنے والوں کو ضرور یاد رکھیں...... بس اسی چھوٹی سی بات کے ساتھ رخصت چاہتے ہیں کہ اپنے ہونے کا احساس اپنے پیاروں کو اپنے خوشگوار رویّوں سے دلایئے نا کہ تلخ تجربات سے...... اگلے ماہ پھر حاضر ہوں گے۔ بشرطِ صحت و زندگی...... اللہ نگہبان۔

جنوں کے راستے یوں تو کٹھن سے لگتے ہیں
مگر یہ راستے منزل تلک نکلتے ہیں
زمانہ ہر قدم پہ راہ روکنے والا
عزائم پختہ ہوں جن کے وہ کب بھٹکتے ہیں

☆☆☆

فنکاروں کی یادگار سالگرہ اور من پسند تحائف

شائستہ زریں

آج ہوا کے ہاتھ میں پھولوں کا گلدستہ ہے
آج ہر طرف شہنائی سی بج رہی ہے
صبح کے وقت اتنا اجالا بکھر گیا ہے
یہ دن ہے کہ اک زمانہ جھوم رہا ہے
یہ پھول، گلشن، سبز
چاندنی، دھوپ، شامیں، ستارے
آبشاروں کی طرح، بہتی، بجتی خوشبوئیں
گلابی، کاسنی، موسم کے سب زاویے
تم سے کہہ رہے ہیں کہ آج کے روز
اسی سرزمین پر تمہارا پہلا نقش اترا تھا
تمہارا جنم ہوا تھا
آنکھیں کھول کر دیکھو
آج تمہاری سالگرہ ہے

اور اپنا جنم دن ہر ایک کے لیے بہت خاص ہوتا ہے کوئی بہت اہتمام سے اسے مناتا ہے تو کوئی اس دن کی اہمیت تسلیم تو کرتا ہے لیکن اس کا اہتمام نہیں کرتا کہ سب کا اپنا، اپنا طرزِ زندگی اور اندازِ فکر ہوتا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اہتمام اتنا ضروری بھی نہیں، بسا اوقات بِنا اہتمام کے بھی یہ دن یادگار ہو جاتا ہے۔ جنم دن کے ساتھ جہاں کیک کا ذکر آتا ہے وہاں موصول ہونے والے تحائف کا خیال بھی آتا ہے۔ تحفے کی ظاہری قیمت نہیں اس سے وابستہ احساسات اور جذبات اس کی قدر و قیمت بڑھا دیتے ہیں۔ بلاشبہ دل سے دیا جانے والا ہر تحفہ اہم ہوتا ہے کہ اس میں جذبوں کی لطافت اور احساسات کی مہک جو شامل ہوتی ہے۔

سالگرہ نمبر کی خاص سوغات پاکیزہ کے پیارے قارئین کے لیے ان کے پسندیدہ فنکاروں کے وہ تاثرات ہیں جو انہوں نے ہمارے ان سوالوں کے جواب میں دیے کہ......

سوال ۱...... آپ کی وہ سالگرہ جو آپ کے لیے یادگار بن گئی؟

سوال ۲...... بچپن سے اب تک موصول ہونے والے سالگرہ کے تحائف میں سے آپ کا من پسند اور بہترین تحفہ کون سا ہے؟ اور کیوں؟

ربیعہ اکرم
(پروگرام منیجر ریڈیو پاکستان کراچی، ریڈیو آرٹسٹ)

۱: میری وہ سالگرہ جو 2005ء میں آئی تھی وہ دکھ اور اداسی کے ساتھ میرے لیے یادگار بن گئی۔ میری امی خاص طور پر میری سالگرہ سے ایک دن پہلے حیدرآباد سے آئی تھیں۔ جس پر میں نے کہا بھی تھا کہ ”امی! اب ہم بڑھاپے میں کیا سالگرہ منائیں گے۔“ تو انہوں نے کہا۔ ”بھئی جب تک ہم زندہ ہیں، ہم تو ایسے ہی آتے رہیں گے۔“ خیر پھر 13 اگست کی رات بھائی کے گھر باربی کیو کا انتظام کیا گیا۔ جس میں امی کی وجہ سے سب بھائی، بھابیاں اور بھتیجا، بھتیجی بھی شریک ہوئے سب نے



تحائف دیے۔ اگلے روز 14 اگست کی چھٹی تھی۔ لہٰذا خوب دیر تک ہلا گلا رہا۔ 14 اگست کو بھی میری چھوٹی بھابی، میں اور امی کافی دیر باتیں کرتے رہے۔ لیکن یہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ بس امی کے ساتھ یہ آخری سالگرہ تھی۔ 17 اگست کی رات وہ سوئیں تو 18 اگست کی صبح سو کر ہی نہیں اٹھیں۔ جو رات کو بالکل نارمل سوئیں اور سوتے ہی میں ہمیں ہمیشہ کے لیے اداس کر کے چلی گئیں۔ اللہ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔ بس پھر ہر سال 13 اگست کو ہم اپنی سالگرہ پر امی کی آمد کو یاد کرتے ہیں لیکن 2005ء کی سالگرہ کو کبھی نہ بھول پائے۔

۲: بچپن میں گولڈن کلر کا قلم گفٹ میں مل جاتا تھا تو بہت خوشی ہوتی تھی۔ شادی سے پہلے جب ڈاکٹر صاحب (ڈاکٹر اکرم خان) نے اپنے من پسند پیلے رنگ کا سوٹ دیا تھا تو وہ بھی بہت بھایا اور خوب پہنا۔ ویسے ہمارا پسندیدہ گفٹ پرفیوم ہے جو اکثر ہمیں سالگرہ پر ایک سے زائد مل جاتے ہیں۔ بہر حال جناب تحفہ، تحفہ ہی ہوتا ہے کیونکہ دینے والے کا خلوص اور اپنائیت جو شامل ہوتی ہے۔

حنا دلپزیر
آرٹسٹ

ا: خوش نصیبی یہ ہے کہ اپنے بچپن سے اب تک سالگرہیں نہایت جوش وخروش سے منائیں۔ مجھے ہمیشہ



ہی سے بہت پیارے رشتے ملے۔ فن کی دنیا میں آئی تو سمجھیں سارا پاکستان ہی میرا رشتے دار ہو گیا۔ میرے والد PIA میں تھے۔ ایک مرتبہ میں پی آئی اے کے جہاز میں سفر کر رہی تھی۔ کیپٹن نے مجھ سے میرے والد کا نام کنفرم کیا۔ جانے کیسے ان کو معلوم ہو گیا کہ میری سالگرہ ہے۔ جہاز کے کیپٹن نے اپنا کام ڈسٹرب کیے بغیر میری سالگرہ کا کیک کٹوایا۔ جہاز کے تمام مسافروں نے تھوڑا، تھوڑا کیک کھایا۔ اور میری خوشی میں شریک ہوئے۔ یہ بہت غیر متوقع مگر یادگار سالگرہ تھی۔

۲: میں بانو آپا سے ملنے گئی تھی۔ اس روز میری سالگرہ تھی۔ بانو قدسیہ آپا نے مجھے ایک دعا سکھائی تھی کہ "تو دعا کیا کر کہ اللہ تعالیٰ مجھے زندگی گزارنے کا بہترین سلیقہ، بہترین طریقہ اور بہترین قرینہ عطا فرما۔ جس میں قرینہ سب سے زیادہ اہم ہے۔" اور میری سالگرہ کا سب سے انمول تحفہ یہی ہے۔

سید افراز رسول
آرٹسٹ

ا: 2011ء میں منائی گئی میری سالگرہ بہت یادگار ہے۔ جب میں 26 سال کا ہوا تھا۔ ان دنوں میں



دبئی میں تھا۔ اپنے بڑے بھائی کے گھر۔ میرے بھائی بھابی مجھے Desert Safari سیر کو لے گئے تھے۔ ہم نے بہت انجوائے کیا تھا۔

۲: میری تمام سالگرہوں کا میرا من پسند تحفہ وہ تھا جب، جب میری ماں نے اپنے ہاتھوں سے میرا برتھ ڈے ڈنر تیار کیا۔

لیلیٰ واسطی
اداکارہ

ا: میرا جواب بہت عجیب سا ہے۔ گزشتہ چند برسوں سے میں اپنی ایک نہیں دو سالگرہیں مناتی ہوں



ایک 10 اپریل کو جو میری پیدائش کی سالگرہ ہوتی ہے۔ اور دوسری 9 ستمبر کو۔ اس دوسری سالگرہ کی وجہ یہ ہے کہ...... 9 ستمبر 2009ء کو میرا Bone Marrow Transplant ہوا تھا۔ اور مجھے نئی زندگی ملی تھی۔ اور اس کے اگلے سال 2010ء کو میری ایک نئی زندگی پانے کی خوشی اور شکرانے کے طور پر لاس اینجلس میں میرے دوستوں نے میری اس پہلی سالگرہ کا پُرجوش اہتمام کیا تھا جو بلاشبہ سب سے زیادہ یادگار ہے۔

۲: ہماری سالگرہ پر ہماری روایت یہ ہوتی تھی کہ ہم سالگرہ پر کہیں بھی ڈنر پر جاتے تھے۔ اپنے والدین کے ساتھ برتھ ڈے ڈنر کے وہ یادگار لمحات ہی میرا سب سے زیادہ بہترین اور من پسند برتھ ڈے گفٹ ہوتا تھا۔

عفان وحید
اداکار



ا: اپنی سالگرہ منانے کی طرف میرا رجحان کبھی نہیں رہا۔ ہمیشہ دوست اس کا اہتمام کرتے ہیں کبھی باقاعدہ پروگرام بنا کر اور کبھی مجھے سرپرائز دے کر۔

۲: پرفیوم کا تحفہ بہت پسند ہے اور اکثر تحفے میں مجھے پرفیوم مل جاتے ہیں لیکن پرفیوم کا جو تحفہ مجھے سب سے زیادہ پسند آیا وہ Black تھا کہ اس کی مسحور کن خوشبو مجھے بہت پسند ہے۔

سنیتا مارشل
فنکارہ

ا: تمام سالگرہیں اہم ہیں کسی ایک کو یادگار نہیں کہہ



سکتی۔

۲: امی کی ایک انگوٹھی مجھے بہت پسند تھی۔ امی نے وہ مجھے میری سالگرہ پر دے دی تھی۔ جو مجھے بے حد عزیز ہے اور میرے لیے سالگرہ کا من پسند تحفہ بھی۔

بلال قریشی
اداکار

ا: ایک مرتبہ گھر پر اور ایک مرتبہ ٹیم کے ساتھ مناتا ہوں اور دونوں ہی پُر لطف اور یادگار ہوتی ہیں۔

۲: تحفے تو سب ہی اچھے لگتے ہیں۔ خاص کر وہ تحفے جو دینے والے کے دل میں ہمارے لیے پیار، دلی جذبات اور احساسات کے ترجمان ہوں، خود بخود من پسند بن

جاتے ہیں۔

کنزیٰ ہاشمی

آرٹسٹ



۱: شو بز جوائن کرنے کے بعد ''ادھورا ملن'' کی ٹیم نے آفس میں میری سالگرہ کا اہتمام کر کے مجھے سرپرائز دیا تھا۔ وہ ابھی تک یادگار ہے۔ اس سے پہلے کبھی اس طرح برتھ ڈے سرپرائز جو نہیں ملا تھا۔

۲: بچپن سے اب تک کوئی خاص تحفے نہیں ملے۔ لیکن ان کی جگہ جو پیار ملا وہ کسی بھی تحفے سے بڑھ کر ہے میرے لیے۔

عاصم محمود

اداکار

۱: اسی سال جنوری میں جو میری سالگرہ گزری ہے وہ بہت ہی یادگار تھی۔ اس کی وجہ شاید میں یہاں بتا نہ



پاؤں گا۔

۲: ہر دور میں تحائف اور پسند بدلتی رہتی ہے۔ جیسے بچپن میں کھلونے پسند ہوتے ہیں تو جب تحائف میں کھلونے آتے تھے تو وہ پسند آتے تھے۔ بڑے ہونے کے بعد کچھ اور چیزیں پسند آنے لگتی ہیں۔ کوئی ایک تحفہ یاد نہیں ہے۔ مجھے سرپرائز بہت اچھے لگتے ہیں اور سرپرائز ڈگفٹس مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔ اس سالگرہ پر مجھے سرپرائزز بہت ملے جو میرے لیے بہت یادگار تھا۔

وہاج علی

آرٹسٹ



۱: اسکول میں منائی جانے والی سالگرہ یادگار ہے۔ بہت خالص رشتے اور دوست تھے۔

۲: سالگرہ کا یادگار تحفہ کیمرا ہے جو میری پھوپی نے دیا تھا۔ تب اندازہ بھی نہیں تھا کہ اسی سے روزگار وابستہ ہو جائے گا۔

علی شامین خان

اداکارہ

۱: سچ تو یہ ہے کہ ابھی تک منائی جانے والی



سالگرہوں میں سے کسی کو بھی یادگار نہیں کہہ سکتی۔ مزے کی بات یہ ہے کہ میں اوروں کی سالگرہوں میں بڑی پُرجوش نظر آتی ہوں۔

۲: میری امی نے ایک مرتبہ سالگرہ پر مجھے بہت پیاری سی رنگ دی تھی جو میں خاص، خاص مواقع پر پہنتی ہوں۔ اور پھر سنبھال کر رکھ دیتی ہوں کہ یہ میری اب تک کی سالگرہوں کا سب سے زیادہ من پسند اور بہترین تحفہ ہے۔

اسد محمود

فنکار

۱: اسی سال یعنی 2018ء میں منائی جانے والی سالگرہ یادگار ہے کیونکہ اس کے فوری بعد 24 تاریخ کو



میرا نکاح ہو گیا تھا۔ اور شادی ایک مکمل رشتہ ہے۔

۲: مالی حساب سے مجھے یہ دن کبھی بھی اچھا نہیں لگا۔ تحفے وغیرہ لینا۔ گھڑیاں پسند ہیں۔ میرا پسندیدہ تحفہ گھڑی ہے جو میری بیوی نے دیا۔

حبا عزیز

آرٹسٹ

۱: آج سے تین سال پہلے والی سالگرہ میرے لیے بہت یادگار تھی اس لیے کہ جو لوگ تب تھے میری زندگی میں وہ اب نہیں۔ میرے چند خاص دوست اور خاص طور پر میرے ابو...... کیونکہ ابو کے جانے کے بعد سالگرہ کی خوشی نہیں منائی کہ ہر خوشی نامکمل محسوس ہوتی ہے۔

۲: تحفے تو بہت ملے اور میرے لیے سب ہی بہت



پیارے اور دل کے قریب ہیں۔ کسی ایک کا نام نہیں لے سکتی کہ میرے لیے سب ہی نے بہت کچھ کیا ہے۔

عزیز قارئین!

ہمارا جنم دن ہمارے اندر امنگوں اور خواہشوں کو بیدار ہی نہیں کرتا بلکہ جذبۂ عمل کی حرارت بھی عطا کرتا ہے اور ہمیں یہ احساس بھی دلاتا ہے کہ ہمارا دامن بے لوث محبتوں سے خالی نہیں ہے۔ اس لیے اس دن کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جوش و خروش میں بھی سادگی کو ملحوظ رکھا جا سکتا ہے، جنم دن کا تحفہ خواہ وہ ایک فقرہ ''جنم دن یا سالگرہ مبارک'' ہی کیوں نہ ہو بلا شبہ تحفہ دینے والے کے اخلاصِ عمل کا آئینہ دار اور ہمارے لیے بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔

سالگرہ نمبر 1 میں ہم نے آپ کے من پسند فنکاروں سے ملاقات کروادی اور سالگرہ نمبر 2 کے لیے بھی ہم نے ایک پیاری سی شخصیت سے ملاقات کا اہتمام کیا ہے۔ یقیناً پاکیزہ کے مہمان سے ملاقات آپ کے لیے بھی بہت دل خوش کُن ہو گی۔

ماہنامہ پاکیزہ کی سالگرہ کے پُرمسرت موقع پر ادارۂ پاکیزہ، پاکیزہ کے قارئین اور سروے میں شریک اور اپنی بے پناہ مصروفیات کے باعث شرکت نہ کرنے والوں کے لیے بھی ہماری دعا یہ سوغات ہے کہ

تیرا خاور رہے درخشاں، رہے تا ابد فروزاں
تیری صبح نور افشاں کبھی شام تک نہ پہنچے

(آمین)

☆☆☆



سنگ، سنگ چلیں

قاری بہنیں

وقت کا پہیا اپنی مخصوص رفتار سے رواں دواں ہے...... کبھی معلوم ہوتا ہے یہ پہیا رک گیا ہے اور کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تیز بہت تیز گھومتا چلا جا رہا ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اس کا گھومنا سب کو اپنے، اپنے حساب سے کم یا زیادہ لگا کرتا ہے۔ انسانی زندگی کے پانچ دور بچپن، نوعمری، جوانی، ادھیڑ عمری اور بڑھاپا ویسے عام طور پر تو لوگ چار دور ہی شمار کرتے ہیں خیر جانے دیجیے۔ ہمیں تو اپنے پاکیزہ ساتھیوں سے ان کے بچپن، نوعمری، جوانی اور ادھیڑ عمری کے تجربات، واقعات، مشاہدات سننے ہیں تو پھر آپ سب تیار ہو جائیں۔ خصوصیت سے وہ تمام بہنیں جو اوّل دنوں سے ماہنامہ پاکیزہ کے ساتھ ہیں اس سلسلے میں ضرور حصہ لیں اور نئے قارئین بھی اپنی رائے سے آگاہ کریں۔ اگر پرانا ترین رسالہ ابھی تک موجود ہے تو اس کے سرورق کی واضح تصویر بھی بھیج سکتی ہیں۔ اس کے لیے یہ سوالات مرتب کیے ہیں۔

1۔ ماہنامہ پاکیزہ سے تعارف کی مختصر کہانی اپنے الفاظ میں......؟

2۔ اس پورے عرصے میں پانچ ایسی نمایاں باتیں جو پاکیزہ سے ناتا جوڑے رہیں۔ مثلاً کہانیاں، سلسلے، مصنفات یا کچھ اور......؟

3۔ ماہنامہ پاکیزہ کس طرح آپ کا دوست، رہنما اور ناصح ثابت ہوا؟

تسنیم منیر علوی...... دبئی

جواب 1۔ شاید وہ جولائی کی ایک سہ پہر تھی۔ شام ڈھلنے سے پہلے ہی ہم نے لان میں ڈیرے جما لیے تھے اور رسالے کی ورق گردانی شروع کر دی...... ٹھنڈی ہوا ہلکورے لے رہی تھی...... سامنے ہی بیلے کے پھول چنتی نازک سی بچی جس کی عمر ابھی تتلیوں کے پیچھے بھاگنے والی تھی ہمارے قریب آگئی...... ''آنٹی آپ کتابیں بہت پڑھتی ہیں۔'' آج ہمیں اس کی دخل در معقولات بھی گراں گزری...... ''اونھ...... ہاں......'' پھر وہ جھکی اور ''ہاں...... پاکیزہ...... پڑھ رہی ہیں، ہمارے یہاں بھی بہت شوق سے پڑھا جاتا ہے چچی اس میں لکھتی بھی ہیں......'' اب چونکنے کی باری ہماری تھی...... ''اچھا...... کیا نام ہے؟'' ہم نے اشتیاق سے پوچھا...... ''شکیلہ رفیق۔'' ہمارا اچھا حیرت میں بدل گیا...... ارے ہم ان سے ملنے تو گئے تھے مگر وہ صرف دید تھی ملاقات کہاں تھی...... صرف شوہر کی تعزیت کر کے آگئے تھے، بھئی وہ تو افسانوں کی دنیا کا ایک معتبر نام ہے پھر ہم نے اس کو اپنے سے قریب کرتے ہوئے کہا۔ ''آج پاکیزہ میں پہلی بار ہمارا افسانہ بھی چھپا ہے۔'' یہ سنتے ہی وہ نازک الھڑ سی بچی اچھل پڑی...... اور بیلے کے پھول اس اچھال کی نذر ہو کر قدموں میں آگرے...... ہم نے جلدی سے سمیٹ کر اس کی جھولی میں بھر دیے۔ وہ اچھلتی بھاگتی، دوڑی کہ ابھی میں گھر میں جا کر سب کو بتاتی ہوں...... یہ بچی روبینہ بہت سالوں بعد ایک فنکشن میں ملی پہچان کر مجھ سے لپٹ گئی۔ ''آنٹی تسنیم آپ اب بھی لکھتی ہیں؟'' ہاں میں جواب آنے پر سرشاری سے اپنی یونیورسٹی کی ساتھیوں سے ہمارا تعارف کرانے لگی...... تو جناب یہ ستر کی دہائی کا زمانہ تھا تو آپ سمجھیں ہمارا رشتہ کتنا دیرینہ ہے...... پہلا افسانہ ''مسکراتے دکھ'' نام تھا جو ہمارے شوہر نامدار کے چیلنج کا جواب تھا۔ ''ہم بڑا شور سنتے تھے کہ آپ ادب کی دلدادہ ہیں کالج میگزین میں لکھتی ہیں...... ہم تو جب مانیں جب آپ کا افسانہ چھپے۔'' بس یہ سن کر ہم نے اچھے موسم کا اشارہ سمجھ کر قلم کی ڈور کو تھاما تو اب تک ڈور سے بندھے چلے آرہے ہیں۔ شاید 1974ء جولائی تھا۔ بشریٰ رحمٰن ایک بڑا نام ان کا قسط وار ناول پیاسی، اس کے ہم اسیر تھے۔ بازار میں شاید ہم پہلے خریدار ہوتے جو پرچہ خریدنے پہنچ جاتے بس نہیں چلتا کہ راستے میں قسط پڑھ لیں...... کچن میں کھڑے، کھڑے ٹہل کر ہانڈی بھونتے ہوئے کہانی میں غرق ہو جاتے اور ڈولی کو (ایک کردار) برا بھلا کہتے کہ ایک بھولی سی لڑکی کو ورغلا رہی ہے۔ اس میں اکثر ہانڈی کے جلنے کی بُو پر ہم لپکتے جھپٹتے...... واہ کیا سنہری یادیں وابستہ ہیں۔

جواب 2۔ دو سبق آموز کہانیاں اور ناول لکھے جا رہے تھے...... اب بھی سلسلہ وہ ہی ہے بس کہ اپنے وقت کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں، تحاریر میں ٹی وی کے اثرات نمایاں ہونے لگے ہیں، کتابیں کم پڑھی جا رہی ہیں ڈرامے زیادہ دیکھے جا رہے ہیں...... لیکن پھر بھی پاکیزہ کا معیار عام رسالوں سے قدرے مختلف ہے جو اچھی تحاریر اور سبق آموز اور اخلاقیات پر زیادہ توجہ دیتا ہے۔ جس میں خواتین عام طور پر اور لڑکیاں خاص طور پر سوچنے اور سمجھنے پر مجبور ہوتی ہیں۔ مائیں، بچیوں کو پاکیزہ پر خود ہی مائل کرتی نظر آتی ہیں، آخر ان کا اعتماد جو ہوتا ہے...... ہاں تو ہمارے پہلے افسانے کے بعد جلد ہی دوسرا افسانہ بھی اشاعت پزیر ہوا...... اب آج سن دو ہزار اٹھارہ میں ہم یہ سوچتے ہیں کہ اگر اس وقت ہمارا پہلا افسانہ نہ چھپتا تو شاید دوسرے کی بھی نوبت نہ آتی...... شکریہ پاکیزہ...... اس مان اور اعتماد کا جو ہم کو تم سے ملا۔ پھر احساس ہوا کہ بچوں کو ہماری زیادہ ضرورت ہے شوہر امریکا چلے گئے تھے تو ایسے میں ہم خود کو کہیں رکھ کر بھول گئے...... چار سال کے بعد شوہر کی واپسی ہوئی۔ نئے سرے سے دوبارہ گھر بنانا سنبھالنا...... گو ہم پاکیزہ کا حصہ نہیں رہے مگر ہمارا رشتہ بحال تھا...... سالوں بعد بچوں نے دوبارہ اکسایا...... تو ہمت کی اور ہم دیوانے تھے اور دیوانے ہی رہیں گے کتابوں، اور کہانیوں کے جس طرح ننھے بچے تتلیوں کا پیچھا کرتے دور نکل جاتے ہیں۔ آج بھی دوڑ میں شامل...... بھاگ رہے ہیں پاکیزہ کے پیچھے یہاں (دبئی) میں کافی تگ و دو کے بعد پاکیزہ تک رسائی ہوئی۔ پاکیزہ سے جو ایک مانوسیت اور پیار کی ڈور بندھی وہ روز بروز مضبوط ہوتی جا رہی ہے۔ اب تو کئی پرچے اس ادارے کی کامیابی کے ضامن بن چکے ہیں۔ ہم دوبارہ جب پاکیزہ کا حصہ بنے کوئی دس بارہ سال پہلے تو انجم انصار نے فون کیا۔ جس سے قلم پر گرفت اور مضبوط ہوئی۔ عذرا رسول کی جدوجہد کی کہانی بصورت انٹرویو شائع ہوئی تو اس سے لوگوں کو بہت رہنمائی حاصل ہوئی۔ ہم نے تو پاکیزہ سے قلم پکڑنا سیکھا۔ اور ابھی تو عشق کے امتحاں اور بھی ہیں۔ ''دستک ہی بتا دیتی ہے کہ پرایا ہے کہ تم ہو۔'' پاکیزہ بھی دلوں پر دستک دے کر اپنا بنانے کا کام خوش اسلوبی سے انجام دے رہا ہے۔ پاکیزہ کا دوسرے عام ڈائجسٹ کے وقت سے پہلے منظرِ عام پر آنا کوئی معمولی بات نہیں آج کے پُرآشوب دور میں جب آئے دن ہڑتالیں، بم بلاسٹ، بجلی کا بحران اور بے ہنگم ٹریفک ان سب مصائب کے باوجود پرچہ اپنے وقت سے پہلے ہی آنا بہت بڑی بات ہے...... آپ سب کو انجم انصار جیسی پُرخلوص ہستی کا ساتھ ملا...... ہم حالانکہ ان کے لیے اس میدان کے نئے کھلاڑی تھے مگر وہ فون پر موتی جیسے الفاظ عطا کرتیں...... کہتیں آپ لکھیں آپ بہت رواں لکھتی ہیں، عام فہم جملے کہانی کو بوجھل نہیں کرتے اور ہم خجل سے من آنم کہ من دانم کے مطابق شرمندہ، شرمندہ...... شکریہ ادا کرتے رہ جاتے...... اور اب پاکیزہ کی کہانی...... بہت پرانی،

نئے دور میں داخل ہوگئی ہے...... انجم کے بعد عذرا اور نزہت، آمنہ تن دہی سے رسالے کو سنوار رہی ہیں سجا رہی ہیں اور ہم بھی ساتھ ہی بھاگ رہے ہیں اور مزے کی بات یہ کہ تھکتے بھی نہیں...... ہمارے بہو، بیٹے اس جدوجہد میں برابر کے شریک ہیں وہ کہیں نہ کہیں سے رسالہ ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ اور ہاں نزہت آپ اس بات کو ضرور سراہیں گی کہ اگر ہمارا پہلا افسانہ نہ چھپتا تو آج ہم بھی صرف ناول اور رسالے پڑھ کر ہی اپنی پیاس بجھا رہے ہوتے۔ اللہ پاکیزہ اور اس کے اراکینِ مجلس کو ہمت، طاقت اور صحت دے وہ اس کی آبیاری خونِ جگر سے کر رہی ہیں۔ ”یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی۔“

☆حرا قریشی.... ملتان

کچھ داستانیں نہ بہت مختصر ہوتی ہیں نہ طویل مگر اپنے بطن میں وہ کئی کردار رکھتی ہیں اور قاری کو کیکٹس کے مانند جکڑے رکھتی ہیں۔ ماہنامہ پاکیزہ کے نادر اوراق پر بھی ایک ایسی تحریر عزیزی ”عمیرہ احمد“ کی ”عکس“ تھی۔ جو جب جلوہ افروز ہوئی تو ہم اس کے ساتھ کچھ ایسے بندھے کہ ابھی تک مضبوطی سے اک دوجے کے ہمراہ دست بدست ہیں۔ اس کی تشکیل و ترتیب کو جس طرح معراج رسول، عذرا رسول، نزہت اصغر، آمنہ حماد مع دیگر افراد سنبھال رہے ہیں...... سنوار رہے ہیں اور نکھار رہے ہیں وہ لائقِ تحسین ہے۔

گزرتے گردشِ ایام میں مجھے پاکیزہ کا مطالعہ کرتے ہمیشہ ایک مکتب کی سی فضا محسوس ہوئی ہے، جہاں ایک طالبعلم نہ صرف بہت شوق سے سبق پڑھتا ہے بلکہ اپنے ہم عمر افراد کو بھی ان اسباق میں چھپے حقائق سے آشنا کرتا ہے اور دراصل یہی وہ امر ہے کہ یہ ادب کے تقدس اور عظمت کو بخوبی بحال رکھے ہوئے ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمیں اپنے اس قیمتی علم دوست ورثے کو اس طرح محفوظ کرنا ہے کہ جس سے جذبات میں حدت بپا نہ ہو، طرزِ فکر صاف شفاف رہے۔

محبوبِ من (پاکیزہ) عصرِ حاضر کے مداروں پر آفتاب کی صورت ان امورِ خاص پہ روشنی ڈالنے میں پیش، پیش ہے۔

نمایاں باتیں تو پانچ سے زیادہ ہو سکتی تھیں مگر اب چونکہ حد مقرر ہے تو اس حد میں ہی رہ کر بات کرتے ہیں۔

پہلی بات...... روحانی مشورے...... واللہ! باکمال سلسلہ ہے۔ رب سوہنا اس سے منسلک تمام نفوس کی کاوشوں کو جِلا بخشے اور جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

پاکیزہ ڈائری سے اکثر گوہرِ نایاب تختۂ سفید پر سیاہ سیاہی بھرے قلم سے تحریر کر دیتے ہیں کہ ان حروف میں پنہاں جو راز کھوج لیتا ہے وہی صراطِ مستقیم پر چل پڑتا ہے۔ میں اکثر گنگناتی ہوں...... پر بھی جب، جب نظر گھماتے ہیں...... شاعرانہ انتخاب پر اش اش کرتے جاتے ہیں۔ منتخب غزلیں صاحب نہ صرف خود پڑھتے بلکہ دوسروں کو بھی سناتے ہیں۔ خوش ذائقہ لذیذ پکوان کی تراکیب پڑھ، پڑھ پاکیزہ بہنوں کے گن گاتے ہیں۔ شوابے ہومیو کلینک کا جو چکر لگائیں...... سچ! ڈر سے جاتے ہیں پر بات یہ بھی ہے کہ ایسے لمحات پر شکر گزاری کے احساسات بھی در آتے ہیں۔ بزم پاکیزہ کے ہر سوال سے حظ اٹھاتے ہیں۔ بہنوں کی بزم میں جو جائیں تو محبتوں کے ایسے والہانہ اظہار پر عذرا جی کو سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔ گوشۂ ظرافت میں ہنستے بھی ہیں اور ہنساتے ہیں۔ پاکیزہ کے ہر مہمان سے مل کر بس دور، دور سے جی بہلاتے ہیں۔ قربِ الٰہی کیا ہے؟ چلو! شمعِ ہدایت پڑھ کر تمہیں بتاتے ہیں۔

دوسری بات...... ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کا پایاب قلم اور اس سے نکلے گوہرِ آبدار...... باکمال...... لازوال اور بے مثال......!

تیسری بات...... دین کی باتیں...... صانع لم یزل اور خاتم المرسلین سے متعلق اسرار و رموز اور قابلِ قدر معلومات حکمت کا در خیر ہیں۔ جزاک اللہ کثیرا!

چوتھی بات...... محبوب من مدیرہ جو بھی کہتی ہیں ......اس مختصر سے پیرائے میں تاثیر کا نمک بڑا گہرا ہوتا ہے۔ جیو شالا، نظر نہ لاگے! پانچویں اور آخری بات مصنفین اور ان کی تحریروں پر ایک ادنیٰ سی رائے ہے۔ قدرے سلجھی معیاری تحریروں کا منبع ثریا انجم ہیں۔ بڑی سہل رواں زبان میں جو بڑی سادگی سے ایک قاعدۂ زیست قاری کے سامنے رکھ دے، وہ حیا بخاری ہیں۔ معاشرتی موضوعات پر جو قلم کے ذریعے قاری کے جان و قلب پر کاری ضرب لگائے، وہ طیبہ عنصر مغل ہیں۔ قاری کے ارتکاز کو بس ایک سمت میں جو فوکس کر دے وہ رفعت سراج ہیں۔ اسلام سے وابستگی پر جس کی تحریریں مائل کر دیں وہ قانتہ رابعہ ہیں. خاندانی چپقلش کو جو الفاظ کا روپ دے، وہ نزہت جبیں ضیا ہیں۔ ایک کے بعد ایک واقعات کی جو دلکش پیرائے میں تصویر کشی کرے وہ فرحین اظفر ہیں۔ محبت پر جو نقطہ اٹھائے حرف نایاب کی پازیب پہنائے، وہ بشریٰ سیال ہیں۔ ماورائی انداز میں جو تصور ہی تصور میں مریخ تک پہنچائے وہ مہ من بنتِ سحر ہیں۔ ظرافت ہی ظرافت میں جو سلیقے سے زندگی کے اسباق پڑھائے وہ انجم انصار ہیں. رشتوں کے مد و جزر جو دکھائے وہ غزالہ عزیز ہیں. اداسیوں سے نکال کر جو مسرتوں کے دیس کا باسی بنائے وہ غزالہ جلیل راؤ ہیں۔ نفس کا جو سدِباب بتلائے وہ درِ صدف ایمان ہیں۔ ہلکے پھلکے مسائل جو سامنے لائے وہ ہاجرہ ریحان ہیں۔ خزاں سے دور کر کے جو بہار کا مژدہ گنگنائے وہ دانیہ آفرین ہیں۔ گھر گرہستی کے جو راز بتائے وہ فوزیہ احسان رانا ہیں۔ چاند، تاروں اور جگنوؤں کی جو سیر کروائے وہ عالیہ حرا ہیں۔ محبوب من سے جو ملوائے وہ سحر ساجد ہیں۔ شعور کے جو در کھٹکھٹائے ......وہ ثمینہ عظمت علی ہیں۔ نئی صبحوں سے جو متعارف کروائے وہ ام ایمان ہیں۔ عین دھڑکتے دل پر جس کے ابدی حروف ہاتھ رکھ دیں وہ عمیرہ احمد ہیں۔ دلکش رنگ و بو اور منفرد عنوانات کے ساتھ جو سحر انگیزی جگائے وہ عنیزہ سید ہیں۔ ایک ایسی زبان جس کی تشریح اور اس میں چھپی باتیں ہر کوئی سمجھ سکے وہ زباں داں صدف آصف ہیں۔

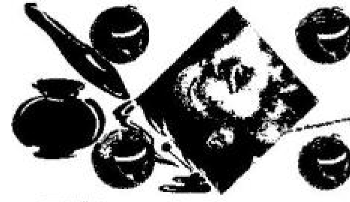
شمیم فضل خالق ہوں یا عقیلہ حق، سیما بنت عاصم قرۃ العین خرم، قرۃ العین سکندر، نگہت سیما، ہما بیگ، سعدیہ رئیس، سیما رضا، شیریں حیدر، رضوانہ پرنس، نفیسہ سعید، رفاقت جاوید، بشریٰ ماہا، سحرش فاطمہ، شگفتہ شاہ، عقیلہ حق، نظیر فاطمہ، عاصمہ عزیز، سلمیٰ غزل، عطیہ عمر ہوں یا فاخرہ گل ایک سے بڑھ کر ایک ہیرا لکھاری پاکیزہ کے اوراق پر موجود ہوتا ہے جو قاری کی انگلی تھام کر آسان مشکل طرز میں اپنے، اپنے منفرد انداز میں آگے بڑھتے درست سمت کا تعین کرنے میں مدد دیتا ہے۔ رب سوہنا! اس کی ترقی و کامرانی کو ہر آنے والے برس مزید تابناکی عطا کرے، آمین!

ایک ایسا بہترین پیڑ جس کی ادبی جڑیں دور تک زرخیز زمینوں پر پھیلی ہوئی ہیں اور ان زمینوں کے تخم میں ایسی یگانگت ہے کہ ہر کسی پر یہ اپنے سینے پر اگنے والے تناور شجر سے پھل نچھاور کرتی ہیں۔

ایک ایسا خضرِ راہ ہے جو تاریکی، بیداری، تابناکی، چاہے کوئی بھی صورت ہو، اپنی کرنوں کی روشنی سے ہر ذی روح کو غافل نہ ہونے دینے کی مسلسل سعی میں ہے۔ ایک ذہین و زیرک مبلغ کی طرح اپنے ہر قاری کو جو ہدایت کا طلبگار رہے، ہر وہ شے بتا رہا ہے جس سے وہ بہتر انداز میں خیر و شر میں تمیز کر سکے۔

اس رب ذوالجلال سے دعا ہے کہ جس جہدِ مسلسل، تندہی، سخت محنت، لگن اور جذبے سے پاکیزہ کے قابل کارکنان کام کر رہے ہیں یہ کارواں یونہی چلتا رہے۔ تا ابد شادماں رہے۔

☆☆☆



گوشۂ ظرافت

ادارہ

مزاح نگاری، کمال کی صنف ادب ہے کہ جس میں وہ بات بھی بہ آسانی کہہ دی جاتی ہے کہ جسے سوچنے میں زمانے لگیں...... مگر ایسی نشتر زنی بخاطرِ اصلاح کا فن بھی کسی کسی کو آتا ہے۔ ورنہ مزاح نگاری کو عامیانہ طرزِ تحریر بننے میں دیر نہیں لگتی۔

کرنل محمد خان اردو مزاح نگاری کا ایک نہایت معتبر و معروف نام ہے۔اس ماہ اپنے با ذوق پڑھنے والوں کے لیے ہم نے انہی نامور مزاح نگار کی تصنیف بسلامت روی سے ایک خوب صورت اقتباس منتخب کیا ہے جسے پڑھ کر یقیناً آپ محظوظ ہوں گے۔

حروف تہجی کا سوپ

ہمارے ہاں دفتروں میں ذمّے دار شاعر ہی ہوتے ہیں، دفتر میں کچھ بھی ہو جائے، انہیں ہی ذمّے دار ٹھہرایا جاتا ہے۔ کچھ تو اس ڈر سے چھٹی نہیں کرتے کہ دفتر والوں کو کہیں پتا نہ چل جائے کہ دفتر ان کے بغیر بھی چل سکتا ہے اور باقی اپنے شعروں اور کلام سے کسی اور کو پتا نہیں چلنے دیتے کہ وہ شاعر ہیں، کچھ تو اتنے کمال کے ہیں کہ ان کا پورا مجموعۂ کلام پڑھ لیں، تب بھی ان کے شاعر ہونے کا پتا نہ چلے۔ لیکن امریکی کمپنیاں اس سے بھی کمال کی ہیں۔ انہوں نے ملازمین کی کارکردگی بڑھانے کے لیے شاعروں کو ملازم رکھنا شروع کر دیا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ایک بینک کی طرف سے چوکیدار کے لیے اشتہار ہو کہ چوکیدار کو چوری کا کئی سال کا تجربہ ہونا چاہیے تاکہ کوئی ماہر سے ماہر چور بھی اسے دھوکا نہ دے سکے۔ بوئنگ طیارہ ساز کمپنی نے جب شاعر ڈیوڈ وائٹ کو ملازم رکھا تو ہم نے سمجھا شاید اس لیے رکھا ہو کہ شاعر بھی اڑانے کے ماہر ہوتے ہیں لیکن حیرانی ہوئی کہ ڈیوڈ کو 500 افسران کو اپنی نظمیں سنا، سنا کر ان کی کارکردگی بڑھانے کے لیے رکھا گیا ہے۔ ڈیوڈ بڑی اچھی انگریزی لکھتے تھے پھر گرائمر میں دلچسپی لینے لگے۔ لیکن ہمیں یہ جان کر حیرانی ہوئی کہ ڈیوڈ وائٹ نے اپنی نظمیں سنا، سنا کر افسران کی کارکردگی بہتر کر دی ہے۔ ہوسکتا ہے بوئنگ طیارہ ساز کمپنی نے اچھی کارکردگی نہ دکھانے والے افسروں کو سزا دینے کے لیے نظمیں سنوانے کے لیے شاعر رکھا ہو۔ شاعری حروف تہجی کا سوپ ہے جسے پیتا، غصہ پیتا ہے۔ ایک بار جوش ملیح آبادی صاحب نے اپنی محبوبہ کو یہ رباعی سنائی۔

اللہ ری یہ حرف انکشافی آنکھیں
جھکتی، اٹھتی، رواں، ذخافی آنکھیں
احساس پر گر پڑی، کڑک کے بجلی
کافر نے اٹھائی جو غلافی آنکھیں

محبوبہ بولی آپ میری تعریف کر رہے ہیں یا لفظوں سے مجھے سنگسار کر رہے ہیں۔ علامہ اقبال کی شاعری نے مسلمانوں کو نئے ملک کا خواب دکھایا۔ آج کی شاعری بھی بڑی خواب آور ہے۔ شاعری اور سونا بڑے فن ہیں، سونا تو ایسا فن ہے! اسے حاصل کرنے کے لیے بندے کو سارا دن کئی کام کرنے پڑتے ہیں۔ شاعر کی غزل سننا، اس کی مدد کرنا ہوتا ہے۔ پہلے شاعروں کا گزارہ یوں ہو رہا تھا، کبھی ہم ان کے شعر سن لیتے، کبھی وہ ہمیں اپنے شعر سنا دیتے۔ ان کو شعر سنانے پر تنخواہ ملنا تو ایسے ہی ہے جیسے ایک دیہاتی ٹریفک پولیس میں بھرتی ہوا، مہینے کے بعد تنخواہ ملی تو بولا عجب کام ہے، آنے جانے والوں کو سیٹیاں مارنے کے بھی پیسے ملتے ہیں۔ لیکن امریکی کمپنیاں ایسی ہیں کہ ہم تو ان کی کمپنی میں بیٹھ بھی نہیں سکتے۔ پچھلے دنوں ایک جاپانی اور امریکی کمپنی میں کشتی رانی کا مقابلہ ہوا۔ جاپانی ایک میل سے جیت گئے۔ امریکیوں نے اس کے اسباب جاننے کے لیے ایک تجربہ نگار مقرر کیا، اس نے بتایا کہ جاپانی ٹیم میں ایک منتظم اور چھ کشتی چلانے والے تھے جبکہ امریکیوں میں چھ منتظم اور ایک کشتی چلانے والا تھا۔ امریکیوں نے ٹیم میں فوری تبدیلی کی اب ان کی ٹیم میں ایک سینئر منیجر چھ انتظامی امور کے ماہر اور ایک کشتی چلانے والا تھا۔ اس بار جاپانی دو میل سے جیت گئے تو امریکیوں نے کشتی مان کی چھٹی کرا دی۔ اب انہوں نے شاعروں کو فعال بنانے کا کام شروع کیا ہے۔ اگرچہ خود ان کی گرائمر کا یہ حال ہے کہ اسکول میں بھی ان کا کوئی فعل ٹھیک نہیں ہوتا جیسے جدید پینٹنگ پہچاننا بڑا آسان ہے کہ جسے آپ پہچان نہ سکیں، وہ جدید پینٹنگ ہے۔ ایسے ہی شاعر کو پہچاننا آسان ہے دوسرے ممالک میں کہتے ہیں، اولاد میں دو بیٹے اور ایک بیٹی ہونا چاہیے کہ اگر ایک بیٹا جینئس نکل آئے تو دوسرا گھر کا خرچہ چلا سکے۔ ہمارے ہاں اولاد میں شاعر کا مارجن بھی رکھتے تھے۔ یوں ہر سال شاعروں کی پیداوار میں اضافہ ہو رہا ہے۔ جو شاعر کو دیکھتے ہی ''بک بک'' کرنے لگے، اسے نقاد کہتے ہیں۔ نقاد کو ناپسند کرنا پسند ہوتا ہے۔ وہ تو گرتی آبشار دیکھ کر بھی یہی کہتے ہیں کہ یقین نہیں آ رہا ''کوئی اس حد تک گر سکتا ہے۔''

تنقید وہ کام ہے جس میں کولیسٹرول لیول بندے کے مینٹل لیول سے بڑھ جاتا ہے۔ بڑے نقاد تو جس کا کلام پڑھ لیں، اس سے کلام نہیں کرتے، حالانکہ شاعر بیچاروں نے زندگی میں جتنی بھی غلطیاں کی ہوتی ہیں، بیشتر وزن کے ہوتی ہیں، ایک نقاد نے کہا۔ ''میں شکل دیکھ کر بتا سکتا ہوں، شاعر میرے بارے میں کیا سوچ رہا ہے۔'' شاعر بولا۔ ''اور یہ جان کر آپ کو بڑی شرمندگی ہوتی ہوگی۔'' بہرحال امید بندھی ہے کہ امریکی کمپنیاں ہمارے معیاری شاعر امپورٹ کریں گی لیکن ٹی وی پر صبح شام یہ اعلان سن، سن کر اب پاکستان کے معیاری وقت کے مطابق اتنے بجے ہیں، یہ لگنے لگا ہے کہ پاکستان میں صرف وقت ہی معیاری ہوتا ہے، ویسے یہ حقیقت ہے کہ ہمارے شاعر اتنے اچھے ہیں کہ انہیں کبھی ٹماٹر اور انڈے نہیں پڑے، جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہمارے ہاں لوگوں کے پاس یہ چیزیں ہوں تو وہ انہیں مارنے کے بجائے کھانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

شیکسپیئر تو یہ جانے بغیر کام کرتا رہا کہ وہ ایک دن شیکسپیئر بن جائے گا مگر آج کا شاعر چھوٹی عمر میں وہ کچھ حاصل کر لیتا ہے جو پرانے شاعر ساٹھ ستر سال کی عمر میں جا کر حاصل کرتے مثلاً سر کا گنج، کاغذ کو کتنا بھی ہلائیں وہ پھر بھی اسٹیشنری ہی کہلاتا ہے لیکن کاغذ مہنگا ہونے سے چالیس روپے فی سیکڑا غزل والی کتاب اسی روپے میں بکنے لگی۔ غزل لکھنا کم ہوا ہے کہ اسے لکھنے کے لیے بھی بڑی محنت چاہیے، نظمیں لکھی جا رہی ہیں۔ ان کے لیے بڑی محنت چاہیے، جی ہاں انہیں پڑھنے کے لیے، اس کے باوجود ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ مشاعروں پر یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ اب فلاں شاعر زحمتِ کلام دینے آ رہے ہیں۔

☆☆☆

بہنوں کی محفل

مدیرہ

خط کتابت کے لیے پی او باکس 662 جی پی او کراچی 74200

ای میل: jdpgroup@hotmail.com

بہت پیاری بہنو! السلام علیکم رحمۃ اللہ و برکاتہ!

تمام حمد و ستائش اس ذات والاصفات کو زیبا جو کل کائنات کا خلق کرنے والا ہے۔ یکتا و وحدہ لاشریک ہے اور کروڑوں درود و سلام حبیب خدا رحمۃ اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس پر جو وجہ تخلیق کائنات ہیں۔ پروردگار عالم کے حضور دست بستہ دعا گو ہیں کہ اپنے خزانۂ غیب سے وہ سب کچھ عطا کرے جو ہمارے حق میں بہترین ہو۔ ہمارے وطن پاکستان میں امن و آشتی کی فضا اور خوش حالی رہے اور تمام اہلِ وطن اس کی ترقی و نیک نامی کے لیے کوشاں رہیں۔ الٰہی آمین۔

آپ سب کو پاکیزہ کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ ہمیشہ کی طرح اس مرتبہ بھی آپ متمنی ہوں گی کہ اس خصوصی شمارے میں کیا کچھ نیا پڑھنے کو ملے گا۔ سب سے پہلے فہرست پر بھی ایک نظر ضرور ڈالی ہو گی اور بیشتر بہنیں تو محفل پڑھنے کے بعد بقیہ رسالہ پڑھتی ہیں تو پیاری بہنو! پورے رسالے کا مطالعہ کر کے اپنی رائے ضرور دیجیے گا۔ (کیونکہ ہماری سب بہنوں نے سالگرہ کے بہت خوب صورت پیغامات اور مراسلات بھیجے ہیں) اس سے پہلے کہ ہم اور باتیں کریں پہلے آپ سب کی پیاری آپی عذرا رسول کچھ کہہ رہی ہیں وہ پڑھ لیجیے۔

☆☆☆

کچھ باتیں اپنی بہنوں سے

پیاری بہنو! سلام محبت قبول کریں، آپ لوگوں سے باتیں کرنا بہت اچھا لگتا ہے مگر سب کا تذکرہ نہیں ہو پاتا۔ پورے مہینے کسی نہ کسی سے مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہتی ہیں وہ سب تو یہاں بیان نہیں ہو سکتیں، مجھے یہ بھی خیال رہتا ہے کہ زیادہ جگہ بہنوں کے خطوط کو دی جائے اور میری گفتگو طویل نہ ہو۔ اس دفعہ تو پاکیزہ کا سالگرہ نمبر ہے آپ کے ہر دل عزیز ماہنامے کی چھیالیسویں سالگرہ آپ سب کو بے حد مبارک ہو۔ یہ بالکل درست ہے کہ ایک سچا، مخلص اور حساس ادیب اپنے معاشرے کی بہتری چاہتا ہے...... لوگوں میں آگہی کی شمعیں روشن کرنا چاہتا ہے اور مثبت طرز زندگی کے لیے شعور و آگہی دینا بھی ثواب کا کام ہے۔ میں مختلف طبقہ فکر اور عمر کے لوگوں سے رابطے میں رہتی ہوں اور ان کی آرا اور تبصرے پاکیزے کے بارے میں سنتی ہوں تو حیرت بھری خوشی ہوتی ہے کہ لوگ کتنی باریک بینی سے مطالعہ کرتے ہیں اور ہماری مصنفات کو سراہنے کے ساتھ، ساتھ رسالے کی مزید بہتری کے لیے اپنی تجاویز بھی دیتے ہیں...... یہ بھی یقیناً کار خیر ہے۔ عبادت الٰہی کے ساتھ، ساتھ مثبت طرزِ فکر کی طرف راغب کرنا بھی عبادت میں شمار ہوتا ہے۔

پیاری بہنو! جیسا کہ آپ آگاہ ہیں کہ ماہ رجب کا آغاز ہو چکا ہے اور اس حرمت والے ماہ میں جو عبادات انجام دی جاتی ہیں ان کا ثواب کئی گنا بڑھ جاتا ہے تو ہماری بھی کوشش یہی ہونی چاہیے کہ حتی المقدور گناہوں سے دوری اور کار ثواب کی جانب رغبت معمول سے زیادہ ہو۔ اللہ ہم سب کی توفیقات میں اضافہ کرے۔

اس دفعہ رائٹر عائشہ خان، لاہور نے کافی عرصے بعد رابطہ کیا، خط بھی لکھا اور فون پر بھی بات کی، دلی مسرت ہوئی میں اکثر ان کو یاد کرتی تھی مگر خود اس لیے فون نہ کیا کہ وہ کہہ چکی تھیں میری طبیعت بہت خراب رہتی ہے فون پر بھی بات کرنا ممکن نہیں ہوتا اس لیے کئی سال سے کوئی اطلاع نہیں تھی ان کے بارے میں، اب اللہ کے کرم سے بہتر ہوئی ہیں تو امید ہے کہ رابطے میں رہیں گی اور اپنی تحریریں بھی بھیجیں گی۔ اللہ تمام بیماروں کو صحت دے، آمین۔

ہماری پیاری رفاقت جاوید کو اپنی کتاب جیسا میں نے دیکھا پر ایوارڈ ملا ہے بہت، بہت مبارک ہو رفاقت! طیبہ عنصر مغل نے بھی مقابلہ، مضمون نویسی میں نمایاں پوزیشن حاصل کی ہے۔ طیبہ تمہیں بھی مبارک ہو۔ ہمیں فخر ہے کہ ہمارے پاس ایسی اعلیٰ پائے کی رائٹرز ہیں۔ پاکیزہ نے ہمیشہ اپنی سینئر اور جونیئر رائٹرز کو بہت اہمیت دی، عزت دی اس لیے کہ یہ قلمکاروں کا حق ہوتا ہے۔ ہماری بہت ہی پیاری شیریں حیدر کو بیٹے کی شادی کی دل کی گہرائیوں سے مبارک باد اللہ کریم بیٹے بہو اور پوری فیملی کو ڈھیروں خوشیاں نصیب فرمائے، آمین

اور طیبہ عنصر نے خاص طور سے معراج صاحب اور ان کی بہن کی خیریت معلوم کی جزاک اللہ اور ان تمام بہنوں کا بھی شکریہ جنہوں نے خاص طور پر معراج صاحب اور ان کی بہن کی خیریت دریافت کی۔

انشاء اللہ صحت و زندگی رہی تو اگلے ماہ آپ سے پھر باتیں ہوں گی جب تک آپ پاکیزہ کے خصوصی شمارے کی تحریروں سے لطف اندوز ہوں۔

اللہ نگہبان...... دعا گو عذرا رسول

☆☆☆

جی بہنو! مبارک بادیں تو آپ نے وصول لیں اب آج ہم آغاز کرتے ہیں اپنی ان لکھاریوں کے ناموں سے جو آج ہمارے درمیان نہیں مگر پاکیزہ کی ترقی میں ان کا حصہ ضرور ہے جنہیں ہم کبھی فراموش نہیں کریں گے جیسے...... رضیہ بٹ، خالدہ اسد، صبا، نسیم السحر قریشی، فاطمہ شہناز مرتضٰی، عظمت عزمی، ایم سلطانہ فخر، وحیدہ تسیم، بلقیس ظفر، ایم کے صوفیہ، مسز طلعت حسین، چاندنی عمران، ظفرانہ عباس، گوہر عباس، ناظمہ طالب، فرح نقوی، شگفتہ کنول، پروین شاکر، لبنیٰ عروج، تحسین فاطمہ ترمذی، گوہر سلطانہ عظمٰی، اطروبہ نایاب، عطیہ بانو، شازیہ چوہدری، فرزانہ سلیم، اختر بیگانہ، فرحانہ ناز ملک۔

ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر ان کے درجات کی بلندی کے لیے ضرور دعا کریں۔

ذرا عمرِ رفتہ کو آواز دینا

پیاری بہنو! اب ہم اپنی ان قلمکاروں کو صدا دیتے ہیں کہ جو کبھی ہر ماہ پاکیزہ صفحات کی زینت ہوا کرتی تھیں مگر اب غمِ روزگار یا ہنگام دنیا میں کھو کر اپنا قلم کاغذ کہیں رکھ کر بھول گئی ہیں۔ یا پھر سن و سال آڑے آ گئے ہیں۔ شاید ہماری صدائے جرس انہیں واپسی کا نشان ڈھونڈنے میں مدد کر دے...... جیسے ہما کوکب بخاری، شکیلہ رفیق، حبیبہ نقوی، ساجدہ حبیب، پروفیسر عابدہ رؤف، نسرین صبا، غزالہ نگار اورکزئی، نزہت شبانہ حیدر، افشاں شاہد، سیما یاسمین مجتبیٰ، مہناز عرفان، فائزہ افتخار چندا، فریدہ اشفاق، فرحت اشتیاق، نگہت عبداللہ، شگفتہ بھٹی، دلشاد نسیم، بشریٰ رحمن، عظمٰی افتخار، شازیہ افتخار، نزہت آرا عالم، شوکت رانا الطاف، سیما مناف، روحیلہ خان، شمعونہ نقوی، آسیہ رزاقی، سعادت نسرین، سیماں کمال صوفی، سمیرا حق، عفت گل اعزاز، سمیرا اشتیاق اور بھی بہت سی اب تذکرہ ہو جائے اپنی ان پیاری پیاری رائٹرز کا جو اگرچہ ہمارے ساتھ تو ہیں مگر ان کی تحریروں میں وقفے ذرا لمبے آ جاتے ہیں۔ جیسے عمیرہ احمد،



سائرہ رضا، دُرِّ ثمن بلال، عالیہ بخاری، نمرہ احمد، صائمہ قیصر ہاشمی، عنیزہ سید، اقبال بانو، نوشین ناز اختر، سکینہ فرخ، نوشین طاہر، اُم طیفور، شہناز وسیم، عاشفہ مسعود، عائشہ خان، غزالہ فرخ، نبیلہ ابر راجا، مدیحہ عدنان، رخسانہ نگار عدنان، صائمہ اکرم، شائستہ عزیز، مصباح نوشین، قیصرہ حیات، عتیقہ محمد بیگ، عطیہ عمر، میمونہ خورشید، ثروت نذیر، ان کے علاوہ بھی ہماری اور ڈھیروں رائٹرز ہیں جو ذرا بیک گراؤنڈ میں چلی گئی ہیں۔

بہنو! یہاں میں انجم انصار کا تذکرہ بھی ضرور کروں گی کہ جن کی رہنمائی میں، میں نے کام کیا محفل کا انداز تو بے شک انہی کا ترتیب دیا ہوا ہے۔ وہ بہت خوب صورتی سے تمام رائٹرز اور ریڈرز کو ساتھ لے کر چلتی رہیں۔ اللہ ان کو صحت وسلامتی سے رکھے۔ اور انہیں بھی اپنے پاکیزہ کی سالگرہ مبارک ہو۔ ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی اور اختر شجاعت کی زادِ آخرت اکٹھا کرنے کی سعی اللہ قبول کرے جو تمام قارئین اس سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ اپنی ان رائٹرز کو بھی خلوص بھرا اسلام جو دو تین ماہ میں ایک تحریر دے ہی دیتی ہیں ان سب کا تذکرہ یہاں نہیں کرسکتی تو بے حد معذرت...... اس سالگرہ کے موقع پر ہم نے اپنے دیرینہ قارئین کے لیے ایک سروے "سنگ سنگ چلیں پاکیزہ کے" مرتب کیا ہے جس کا سب نے خیر مقدم کیا اور ہمارے پاس پاکیزہ سے آپ کی دوستی کے احوال مسلسل موصول ہو رہے ہیں۔ یہ پاکیزہ سے آپ کے مضبوط تعلق کا خوب صورت اظہار ہے جس کی ادارہ ہمیشہ سے قدر کرتا چلا آیا ہے اور کرتا رہے گا۔ انشاء اللہ!

ہماری لکھاری بہنوں کی خوب صورت، سبق آموز، خوشگوار، دلربا، خوش رنگ، یادگار، خوش کُن پیغام دیتی حسین، رومانوی اور کبھی کبھی نشتر چبھوتی (مگر وہ بھی اصلاحِ معاشرہ کے لیے) تحریریں ہی رسالے کی جان ہیں۔ دلکش منظر نگاری، پُراثر جذبات نگاری اور بے مثال حقیقی کردار نگاری و واقعات کی جزئیات نگاری سمیٹے...... کورے کاغذ پر دلکشی سے بکھیرنا یقیناً انہی رائٹرز کا کمال ہے جبھی تو دنیا بھر میں اردو بولنے، سمجھنے، پڑھنے، لکھنے والوں کے مطالعے میں پاکیزہ سرِفہرست ہے۔ کبھی جرمنی سے افشاں آفریدی کا نامہ، آسٹریلیا سے صدف آصف وفریدہ لاکھانی کے پیام۔ امریکا کینیڈا سے تابندہ نعیم، افراح سکندر، غزالہ نگار اور کزئی کی چاہتیں۔ اٹلی سے فاخرہ گل اور انہی تمام ممالک سے بے شمار قاری بہنوں کے محبت بھرے نامے، پیام سلام و دعائیں اور مراسلات ہماری طاقت ہیں۔ فرداً فرداً سب کا ذکر کرنا ممکن نہیں پیاروں...... ہماری سینئر ترین اور باقاعدگی سے حاضری دینے والی بہنوں کو بہت سلام اور ڈھیروں دعائیں جیسے.....

☆ اوکاڑہ سے عصمت آپا بہت آہستگی سے متانت سے باتیں کرتی اچھی لگتی ہیں۔ ساتھ میں اپنے گھرانے کا تعارف جب کراتی ہیں تو گویا محبت کی چاشنی ٹپکی پڑتی ہے۔

☆ صفیہ بیگم۔ لالہ موسیٰ سے اپنی اور پاکیزہ کی ازلی دوستی کے مزیدار قصے سناتی ہیں تو ہمارے لب بھی مسکرا پڑتے ہیں۔

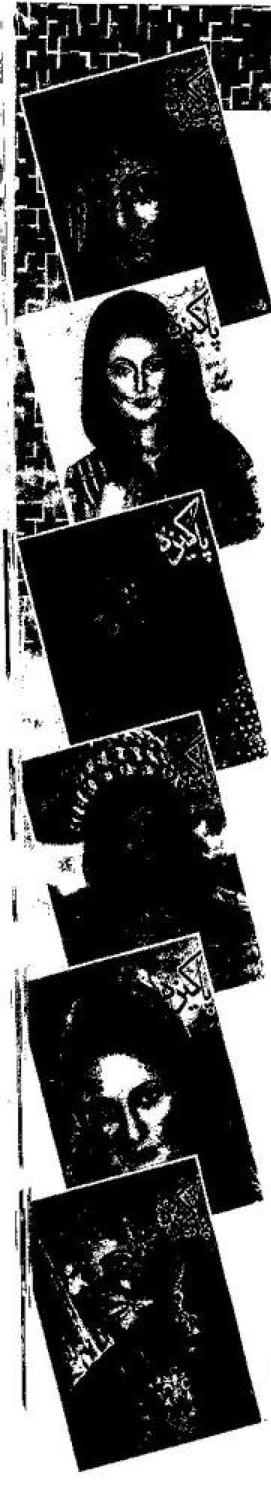
☆ شاہدہ اور طلعت بہن جب ملتان سے بات کرتی ہیں تو سرائیکی لب ولہجہ سماعتوں کو بہت بھلا لگتا ہے۔ جیتی رہیں۔

☆ ڈاکٹر ممتاز ضیا تو ماہر سرجنوں والا بہت غیر جانبدارانہ کھرا تبصرہ کرتی ہیں اور یہی ہونا بھی چاہیے کہ ہماری رائٹرز اپنی تحریروں کے بارے میں قارئین کی رائے جاننا چاہتی ہیں۔

☆ پیاری امینہ عندلیب، سلانوالی جیسی خود محبت کرتی ہیں، اہلِ پاکیزہ سے ویسی انہیں ملتی بھی ہے۔ اللہ ان کے حوصلے بلند رکھے۔ آمین

☆ شاہینہ مبارک، ہالا سے بہت پیاری پیاری مگر مختصر باتیں کرتی ہیں اور ٹائٹل سے لے کر آخری صفحے تک پڑھ کر رائے دیتی ہیں۔

☆ ساجدہ ظفر، تمنیٰ قندیل، ایمن زرناب رانی، یہ بہنیں کمالیہ سے بہت ہی خوب صورت مراسلات، اشعار، حکایتیں روانہ کرتی ہیں اور بزمِ پاکیزہ میں انعام بھی پا چکی ہیں۔



☆ اسی طرح نسیم منظر، اسما کاشف، ناعمہ تحریم، فلک بنت عبدالندیم، نسرین یاسین، ماہ رخ، کراچی وحیدر آباد کی یہ بہنیں بہت دلچسپ سوالات، دلنشیں اشعار بھی بھیجتی ہیں۔

☆ کوئٹہ سے ہماری بلقیس جعفر، عظمیٰ زہری، تسنیم گل، جمیلہ لوہی باقاعدگی سے حاضری دیتی ہیں۔

☆ لیہ سے بیگم یسین، شبانہ نواز، بہت خوب صورت شاعری ارسال کرتی ہیں۔

☆ رفیعہ ابدالی، کراچی آج کل کچھ خاموش ہیں۔ اپنی امی کو بہت یاد کرتی ہیں۔

☆ کراچی سے مسرت پرویز، صبا آصف، مسرت رانی خلیل بہت حوصلہ افزا باتیں کرتی ہیں۔ بہت باریک بینی سے پڑھ کر تبصرہ کرتی ہیں۔

☆ فیصل آباد سے کپل آف فیصل آباد کی ملکہ شگفتہ ناصر بہت شگفتہ لہجے میں بات کرتی ہیں اور وہاں کی ادبی سرگرمیوں سے بھی آگاہ کرتی رہتی ہیں۔ اب تو ماشاء اللہ دادی جان بھی بن گئی ہیں۔

☆ پروین افضل شاہین بہاولنگر سے بہت باقاعدگی سے تبصرہ اور تمام سلسلوں میں شریک رہتی ہیں۔

☆ نخل شاہین، رحیم یار خان، جمی ہوئی خوش خط لکھائی انہی کا خاصہ ہے مزہ آتا ہے خط پڑھنے میں۔

☆ حافظہ ست النبات، تونسہ شریف کراچی آتے آتے رہ گئیں۔ محبت بھرے تبصرے ان کی پہچان ہیں۔

☆ پیاری نگینہ ضیا بنگش گلابی چہرے والی حسینہ گلاب کی خوشبو جیسی باتیں کرتی ہیں اب تو ان کی من موہنی بیٹیاں بھی مراسلات بھیجتی ہیں۔

☆ ہما علی، اسلام آباد سے درس وتدریس سے وابستہ ہیں مگر تخلیقی عمل بھی جاری ہے ایک کے بعد ایک شاعری، تبصرے اور کہانیاں اس کا ثبوت ہیں۔

☆ شہلا نواز، لاہور تمہارے مزیدار خطوط کے ہم منتظر ہیں۔ خیر سے شادی شدہ ہو گئی ہو کیا؟ ہم نے دعائیں تو بہت کی ہیں۔

☆ گل شاد نذیر، اسلام آباد۔ شوہر کی وفات کے بعد بڑی ہمت سے کام لے رہی ہیں۔ آج کل اپنا بزنس سیٹ کرنے میں مصروف ہیں کبھی بھولے بھٹکے کچھ بھیج دیتی ہیں۔ (اللہ تمہیں ہمت دے)

☆ سدرہ کلثوم مروت۔ لکی مروت سے ☆ نازنین آفریدی، پشاور۔ ☆ نازیہ نزی، نوشہرہ...... خوب صورت خطے کی باسی یہ بہنیں بہت زیادہ ادبی ذوق رکھتی ہیں۔

☆ حدیث اختر، حاصل پور پیاری سی قابل معلّمہ کبھی کبھی ہماری بھی کلاس لے لیا کریں۔ آپ کے تراشے بہت خوب صورت ہوتے ہیں۔

☆ شیریں ظفر، ملتان آپ کی طبیعت اب کیسی ہے، اپنے شیریں خطوط سے جلدی نوازیے۔

☆ ارم کمال، فیصل آباد ماشاء اللہ نانی جان بن کر کافی مصروف ہو گئیں۔ پاکیزہ سروے میں ان کا جواب بہت پسند کیا گیا تھا۔ ویسے ان کا انتخاب بھی خوب ہوتا ہے۔

☆ ثمینہ کوکب، جہلم۔ بہت خوب صورت مراسلات اور حسین ہینڈ رائٹنگ ماشاء اللہ۔

☆ فریدہ ہاشمی مخفی، کراچی۔ ان جیسے بزرگ تو بلاشبہ نعمت ہیں۔ اتنی خوب صورت اور معلوماتی باتیں کرتی ہیں کہ کچھ حد نہیں۔ فریدہ آپا آپ کی بہوئیں بہت خوش قسمت ہیں۔ آپ کے تبصرے بھی بہت خوب صورت ہوتے ہیں۔

☆ فریدہ افتخار، اسلام آباد۔ انشاء اللہ اب آپ کے شہر میں بھی ضرور پاکیزہ کی گیدرنگ رکھیں گے۔ بہنو، فریدہ کے مراسلات بھی سبحان اللہ! سرمہ تو خوب بنایا بھئی۔

☆ فریدہ فضل، ڈالاس سے بڑی باقاعدگی سے مراسلات بھیجتی ہیں۔ سلامت رہیں۔

☆ سنبل ملک اعوان، شاہدرہ لاہور۔ ماں کی خدمت کے ساتھ ساتھ اب دوسری ماؤں کی

خدمت کے لیے ادارہ بنانے میں کوشاں ہیں اس لیے اب تبصرہ باقاعدگی سے نہیں بھیج پا رہیں۔ اللہ تمہیں ہمت دے۔

☆ پیاری فرخندہ جعفری، گجرات۔ اللہ انہیں ہمت دے، سلامت رکھے، محنتی خاتون ہیں۔ اس دفعہ تو کمال کر دیا دو ماہ کا تفصیلی تبصرہ، سروے کے جوابات اور ڈھیر سارے مراسلات ایک ساتھ روانہ کر دیے۔ یہ پاکیزہ سے چاہت، عشق، محبت نہیں تو اور کیا ہے ادارہ ان جیسے بے لوث قارئین کی بے حد قدر کرتا ہے۔

☆ تسنیم ماپارا، ماہر شیف، انٹیریئر ڈیزائنر ہاں بھئی گلوکارہ بھی ہیں۔ کھرے تبصرے کرتی ہیں، دلچسپ باتیں کرتی ہیں۔ خوشگوار شخصیت کی مالک تسنیم پاکیزہ والوں کو دل و جاں سے چاہتی ہیں۔

جہاں پاکیزہ شاعرات کا تذکرہ ہو تو ذہن میں شگفتہ شفیق اور عنبرین حسیب عنبر فوراً آتی ہیں۔ ان کے ساتھ ہی حمیرا راحت، ریحانہ روحی، ذکیہ غزل، یمنیٰ احمد، یاسمین کنول، فریدہ جاوید فری، فریدہ خانم، یاسمین اقبال، تمثیلہ لطیف، نیر رانی شفق، نوشین ساجد، ماریہ جہانگیر، ناہید عزمی، سحر علی، سعدیہ ہما شیخ، فصیحہ آصف خان، شبنم کنول۔ سحر حسن

نام تو ڈھیروں ڈھیر ہیں اب ناراض نہ ہو جایئے گا اگر کسی کا نام لکھنے سے رہ جائے، انشاء اللہ سالگرہ نمبر 2 میں بقیہ نام آجائیں گے۔

پیاری بہنو! اب ذرا بات کرتے ہیں اپنے پاکیزہ آفس کی بلکہ جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز کے پورے دفتر کی جہاں پاکیزہ کے علاوہ سسپنس ڈائجسٹ، جاسوسی ڈائجسٹ اور ماہنامہ سرگزشت کا بھی مکمل اسٹاف ہوتا ہے۔ اور جناب یہیں سے ماہنامہ دلکش بھی مرتب کیا جاتا تھا۔ یہ کام ایک ٹیم ورک ہے۔ نگران اعلیٰ معراج رسول اور مدیر اعلیٰ عذرا رسول کی سرپرستی اور رہنمائی میں ہر رسالہ اپنے اپنے وقت پر تمام قارئین کے لیے بے حد و حساب معلوماتی اور تفریحی مواد لیے ہر ماہ شائع ہوتا ہے الحمدللہ بلاشبہ یہ پروردگار کا کرم خاص ہے۔ میں اپنے تمام معاونین و مددگاروں کا شکریہ ادا کرتی ہوں جو ہمہ وقت خوب محنت سے کام کر کے مقررہ وقت پر اس کی تیاری ممکن بناتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر آمنہ حماد کو اگر دستِ راست کہوں تو بالکل بے جا نہ ہو گا۔ قارئین کے خطوط اور دیگر میٹر کا حساب کتاب، رائٹرز کی کہانیوں کی انٹری اور سب کچھ بڑی ذمے داری سے آمنہ یہ امور انجام دیتی ہیں۔ کمپوزنگ میں حمیرا اقبال ہر وقت مستعد رہتی ہیں۔ گرافک اور مواد کی سیٹنگ میں امتیاز احمد اپنی ماہرانہ کارکردگی دکھاتے ہیں اگر ایک طرف ہمارے بے حد تجربہ کار کاتب منیر شگفتہ اپنی خوشخطی کے ذریعے رسالے کو خوب صورت بناتے ہیں تو خالد باری صاحب نزاکت اور تحمل سے پیسٹنگ کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ شہزاد خان صاحب اور منیر حسین پاکیزہ کی مارکیٹنگ اور سرکولیشن میں مصروفِ عمل ہیں اور ایک منزل سے دوسری منزل میٹر لے جانے لانے کے لیے محمد حفیظ، حسین، راحیل اور عبدالحمید دوڑ بھاگ کرتے ہیں اور بے حد تھکان کے وقت ٹھنڈا پانی اور چائے بھی لیے حاضر ہوتے ہیں۔ طارق صاحب کوریئر کا کام بخوبی انجام دیتے ہیں۔ پُرخلوص ساتھیوں اگر کسی کا نام رہ گیا تو معاف کر دینا اور ہاں ہمارے اختر بھائی خبردار کرتے رہتے ہیں کہ اب یہ تاریخ آگئی رسالہ پریس میں جانے کا وقت آن پہنچا (شکریہ اختر بھائی) یہ بالکل درست بات ہے کہ عذرا رسول صاحبہ کے باقاعدگی سے دفتر آنے کی وجہ سے کام میں بہت سُرور بھی آتا ہے ویسے تو عذرا صاحبہ گھر میں بھی تمام امور سے باخبر رہتی تھیں اور دن میں کئی مرتبہ فون پر بات ہوا کرتی تھی اور کبھی کبھی طارق صاحب کے بھی دو دو چکر لگ جایا کرتے تھے۔ خیر باتیں تو بہت سی ہیں مگر صفحات پھر بھی کم پڑ رہے ہیں۔ ایک مرتبہ پھر آپ سب کو پاکیزہ کی سالگرہ مبارک ہو۔

ان بہنوں کو اپنی اپنی سالگرہ بہت مبارک۔

☆ رفاقت جاوید، فرحین اظفر، مصباح رضا سعید، شمیم ناز صدیقی، تسنیم اسلم، تابندہ جبیں، عروسہ عالم، شازیہ جمال الدین، ہما بیگ، صبا سجاد، ثروت سجاد رضوی، حنا علی، نگہت آصف۔

ماہنامہ پاکیزہ میں رابطہ کرنے کے لیے نمبر نوٹ فرمالیں۔

03316266612,021.35386783.021.35802552.Ext:122.107 ہیں۔

☆☆☆

اور حسبِ روایت نت نئی خبروں اور سرگرمیوں پر ایک نظر ڈالنے سے قبل ایک بار خلوصِ دل سے درود ابراہیمی اور اس کے بعد تین بار آیت کریمہ ضرور پڑھ لیں اور اپنی دعاؤں میں اپنے پیاروں کے ساتھ، ساتھ تمام اہلِ وطن کو بھی یاد رکھیں۔ اللہ رب العزت عالم اسلام کی تمام پریشانیوں کو رفع کرے اور تمام مسلمانانِ عالم کو کامیابی نصیب ہو۔ (الٰہی آمین)

مصنفات، شاعرات اور قارئین پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆ مسز یسین، لیہ کے کزن مشیر نے عمرے کی سعادت حاصل کی ہے۔ (ماشاءاللہ اور مبارک باد)

☆ مصنفہ ام ایمان قاضی، کوٹ چھٹہ کی چھوٹی بہن ثوبیہ احسان، عزیزی شہباز قدیر کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوگئیں۔ (بہت مبارک ہو ایمان، اب احوال اور تصویریں بھی بھیجنا)

☆ معروف قلمکار وردانہ نوشین خان، مظفر گڑھ کے ناولٹ کا مجموعہ ریت کے بت شائع ہوگیا ہے۔ اس میں قابلِ صد احترام ہماری دیرینہ رائٹر بشریٰ رحمن کی بھی رائے شامل ہے۔ کتاب کا انتساب اللہ تعالیٰ کے شکر کے نام ہے۔ (سبحان اللہ) تجریدی آرٹ کے ٹائٹل والی کتاب علی میاں زیرِ انتظام شائع ہوئی ہے۔ کتاب ملنے کا پتا 20 عزیز مارکیٹ اردو بازار لاہور فون نمبر: 042-37247414

☆ رائٹر سحرش فاطمہ، کراچی بابل کا انگنا سونا کر کے پیا دیس سدھار گئیں۔ (بہت مبارک ہو)

☆ یوم خواتین پر مستقل تبصرہ نگار اور پاکیزہ کی دیرینہ ساتھی تسنیم ماپارا نے اپنے گھر ایک پرتکلف ضیافت کا اہتمام کیا جس میں عذرا رسول صاحبہ کو بہترین ہاؤس وائف اور ساتھ ہی بہترین بزنس وومن کے طور پر خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔ تسنیم ماپارا خود بھی ایک محنتی خاتون ہیں اور اپنی باتوں اور گلوکاری سے ہر محفل میں ایک الگ رنگ جما دیتی ہیں۔ (اللہ آپ کو صحت سے رکھے تسنیم)

☆ مستقل پاکیزہ قاری عصمت اوکاڑہ کی بھتیجی کے ہاں پیاری سی بیٹی ہوئی ہے جس کا نام خدیجہ رکھا گیا ہے اور ان کے پیارے بھانجے قاسم عباس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔ (بہت، بہت مبارک باد)

☆ پچھلے دنوں انجم انصار صاحبہ کے بچے آسٹریلیا سے آئے ہوئے تھے تو وہ کافی مصروف رہیں۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری و مراسلہ نگار نفیسہ آرا، راس الخیمہ ماشاءاللہ بڑی کامیابی سے وہاں اپنا بوتیک چلا رہی ہیں، انہوں نے یو اے ای میں رہنے والے اپنے پاکستانی پاکیزہ قارئین کے لیے خصوصی رعایت بھی رکھی ہے۔ (بہت خوب نفیسہ)

☆ رضوانہ پرنس کا لکھا سوپ لوگ کیا کہیں گے عنقریب ایک نجی چینل سے شروع ہو رہا ہے۔ (مبارک ہو)

☆ مستقل قاری بشریٰ رضوی پیاری سی بھانجی کی خالہ بن گئی ہیں۔ (مبارک باد)

☆ مصنفہ طیبہ عنصر مغل ماشاءاللہ ان دنوں اپنی بیٹی کی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ (بہت، بہت مبارک ہو)

☆ ہماری پیاری مصنفہ رفاقت جاوید نے اپنی کتاب پروین شاکر...... جیسا میں نے دیکھا پر ایوارڈ حاصل کیا ہے۔ (بہت، بہت مبارک باد)

☆ رائٹرز ویلفیئر فاؤنڈیشن اینڈ ہیومن رائٹس پاکستان کے زیرِ اہتمام مقابلہ مضمون نویسی بعنوان وطن سے محبت ایمان کا حصہ ہے...... میں رائٹر طیبہ عنصر مغل کو خصوصی پوزیشن حاصل کرنے پر ایوارڈ حاصل کیا۔ (ڈھیروں مبارکاں)

دعائے صحت کے لیے التماس ہے

☆ عذرا رسول کی پیاری ممانی جان، رباب خاتون ان دنوں کافی علیل ہیں۔

☆ محترم معراج رسول کی بڑی ہمشیرہ ماہ مبین اپنی ناسازئ طبع کی بنا پر سخت ذہنی الجھن و بے چینی کا شکار ہیں ان کے لیے خصوصی دعائے صحت کی استدعا ہے۔

☆ مستقل قاری سیما محمد عالم اور ان کے بھائی کی صحت کے التماس دعا۔

☆ بہبود ایجوکیشن اسکول کی پرنسپل میڈم شاہینہ شیخ، کراچی کے والد صاحب کی طبیعت ان دنوں ناساز ہے۔

☆ مصنفہ ناہید فاطمہ حسنین، کراچی پچھلے دنوں ایک ٹریفک حادثے میں شدید زخمی ہو گئیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ ان کا پرس اور موبائل بھی چھن گیا۔ بیچاری ناہید کے ساتھ اس قسم کا یہ چوتھا، پانچواں سانحہ ہے۔ (اللہ ناہید کو صحت و سلامتی سے رکھے اور مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچائے، آمین)

☆ مصنفہ عائشہ خان، لاہور کی طبیعت ناساز ہے۔

☆ پیاری امینہ عندلیب، سلانوالی کے لیے خصوصی دعائے صحت کی التماس ہے

☆ مستقل قاری، تبصرہ نگار، مراسلہ نگار فرخندہ جعفری، گجرات کی صحت کے لیے دعا کی درخواست ہے، ان کے بازوؤں میں شدید تکلیف ہے اور وہ شوگر کے مرض میں بھی مبتلا ہیں۔

☆ شاعرہ اور مصنفہ فصیحہ آصف خان، ملتان کے شوہر کی طبیعت ڈسٹ الرجی کے باعث شدید خراب ہے۔

☆ شاعرہ اور مصنفہ ہما بیگ آج کل فزیوتھراپی کرا رہی ہیں ان کی ہڈیوں میں شدید تکلیف ہے۔

انتقالِ پُرملال

☆ اس ماہ انجم انصار کے والد انصار حسین صدیقی اور والدہ امتل نفیس کی برسی ہے۔

☆ مستقل قاری سیما محمد عالم کے والدین کی برسی کے سلسلے میں فاتحہ خوانی ہوئی۔

☆ پاکیزہ کی شاعرہ اور تبصرہ نگار نجمہ ناز اصغر، کراچی کے شوہر کی اس ماہ برسی ہے۔

☆ مستقل تبصرہ نگار، نادیہ، راولپنڈی کی پھوپو برضائے ربی انتقال کر گئیں۔

☆ محمد صفدر مصطفیٰ فیصل آباد کے والد ماجد غلام مصطفیٰ مختصر علالت کے بعد انتقال کر گئے۔

☆ مستقل قاری و تبصرہ نگار مصباح رضا سعید، فیصل آباد کے والد کی اس ماہ برسی ہے۔

تمام مرحومین کی مغفرت کے لیے ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر دعا کریں۔

☆☆☆

☆ اب آتے ہیں آپ بہنوں کے کھٹے میٹھے خطوط کی جانب......

✉ شمیم فضل خالق، پشاور سے۔ ”اس بار کا پاکیزہ زبردست تھا۔ انجم انصار کے اعزاز میں جو پارٹی دی گئی اس نے پور، پور مسرتوں میں ڈبو دیا...... عذرا رسول کا شکریہ انہوں نے انجم انصار کو ہمارے بیچ کھڑا کر کے ہم پر احسان کر دیا۔ انجم یقیناً اس اعزاز کے قابل تھیں۔ کاش میں بھی قریب ہوتی اور اس گیدرنگ میں شامل ہوتی۔ ہما بیگ آپ کراچی جا کر کیسے، کیسے فنکشن اٹینڈ کرتی ہیں...... سچ کہوں تو رشک آتا ہے لیکن کبھی پاکیزہ کے صفحات پر ہمیں یاد نہیں کرتیں...... بقول شاعر کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا...... تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو...... (ہما بیگ متوجہ ہوں) رفعت سراج کا ناول زبردست جا رہا ہے، ہر ماہ اس کی نئی قسط کا انتظار ہوتا ہے۔ امرت بھی زبردست ہے۔ دونوں ناول اپنی مثال آپ ہیں...... نزہت ڈیئر...... انجم انصار سے بھی ایک پیارا، پیارا ناول لکھوائیں ناں...... (جی ضرور) سارے افسانے اچھے لگے۔ تمام رائٹرز کو دعائیں اور سلام......“ (ان کی طرف سے وعلیکم السلام، بہت شکریہ شمیم آپا...... عذرا صاحبہ بھی آپ کی خیریت دریافت کر رہی ہیں)

✉ فصیحہ آصف خان، ملتان سے۔ ”مارچ کا خوب صورت سرورق سے سجا پاکیزہ جی کو بھایا



خواتین کے عالمی دن پر آپ کی باتیں مؤثر رہیں۔ مرد صرف عورت کی عزت ہی کر لے تو ہر مسئلہ از خود حل ہو جائے گا۔ (جی ہاں) اسلامیات کے روح پرور مضامین دل کی کثافت دھونے میں معاون ثابت ہوئے۔ محترمہ ذکیہ صاحبہ بہت جانفشانی سے مضمون لکھ رہی ہیں، پچھلے ماہ انہوں نے کہا تھا کہ ہر مسلمان اگر قرآن پاک کے 1500 الفاظ کا ترجمہ یاد کر لے تو قرآن حکیم کو سمجھنا آسان ہو جائے گا ان سے دست بستہ استدعا ہے کہ ان 1500 الفاظ کے معانی قسط وار تحریر فرما دیں یہ ان کا بڑا احسان عظیم ہوگا کہ بامحاورہ پڑھنے میں دقت نہ ہوگی۔ شکریہ۔ (آپ کا پیغام پہنچا دیا جائے گا۔ ویسے ان کی طبیعت آج کل ناساز ہے۔ آپ نے شروع کی اقساط پڑھیں ہوں تو اس میں تفصیل دی ہوئی ہے۔) وعدہ رہا اور دل بے خبر اوسط درجے کی کہانیاں رہیں۔ فرحین اظفر کی تحریر دل کو چھو گئی۔ کہانی کی بُنت اور الفاظ کا انتخاب خوب رہا۔ ویل ڈن محبت لفظ ہے کا چوتھا حصہ بے مثال تھا۔ رشتوں کے اتار چڑھاؤ دکھاتی یہ تحریر بہترین رہی۔ بازی مات ہوئی اور پچھتاوا اچھی اور کارآمد تحاریر میں شمار ہوئیں۔ ام ایمان کی تحریر نے ایسے مسئلے کی نشاندہی کی جس پر والدین کم ہی توجہ دیتے ہیں۔ بس پڑھنے کے لیے بھیج کر بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ یہ تحریر ان پر پڑے غفلتوں کے پردے اتارنے کے لیے معاون ثابت ہوتی آج کے دور کی ماردی کے اندر طاقت بھی ہے اور خود اعتمادی بھی، جبھی تو عمار دھوکا کھا گیا۔ اختر شجاعت صاحبہ کا مضمون طعام ہم سب کے لیے مفید رہا۔ رزق کی قدر نہ کرنے والا رزق کھو بیٹھتا ہے۔ غزالہ رشید سے ملاقات پیار کے جھونکے کے مانند لگی۔ ایک گزارش ہے کہ سینئر قاریوں کا احوال بھی تحریر فرمائیں جیسے محترمہ عظمیٰ خورشید صاحبہ، رضوانہ کوثر، نسیم نیازی، زمر نعیم، باقی آپ سب کو خوب جانتی ہیں۔ (جی ضرور اسی لیے تو سروے کے سوالات دیے گئے ہیں) اور شائستہ زریں کے سروے کو نہ سراہنا دانش مندی نہیں۔ ہمیں بہت سارے افراد کا خیال اور سوچ پڑھنے کو ملتی ہے۔ باقی تمام سلسلے اپنی جگہ لاجواب رہے۔“ (فصیحہ بہت شکریہ...... تفصیلی تبصرے کا)

✉ عشا نور، نور پور نون، سرگودھا سے۔ ”پہلی دفعہ پاکیزہ کی سلطنت میں تشریف لائی ہوں مگر ہمیشہ کے لیے سب کے دلوں پر راج کرنے آئی ہوں۔ (زہے نصیب) سب سے پہلے جو چیز بصارت کی نظر کی وہ تھی، یہ دوستی ہم نہیں چھوڑیں گے، عذرا آنٹی تہ دل سے آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے انجم انصار کے لیے یہ محفل سجائی۔ نزہت آنٹی، پاکیزہ کی ذمے داریاں بہت احسن طریقے سے سرانجام دے رہی ہیں اور بہت خوب صورتی سے پاکیزہ کو سنبھالا ہے۔ تمام رائٹر کو ایک ساتھ دیکھ کر دل گارڈن، گارڈن ہو گیا۔ مجھے کچھ کہنا ہے میں بہت خوب صورت گلستانِ سعدی کی حکایت نقل کی جو ہماری سوچ کو مثبت راہوں پر گامزن کرتی ہے۔ قرآن پاک سے عشق، ذکیہ آنٹی آپ کے قلم میں کوئی سحر ہے، جو نہ صرف انسان کو جکڑ لیتا ہے بلکہ آپ کے قلم سے لکھے الفاظ ایمان تازہ کر دیتے ہیں۔ سبحان اللہ...... رفعت سراج اپنے ناول کو بہت خوب صورتی سے آگے لے جا رہی ہیں۔ پیارا گھر فہمیدہ غوری بہت خوب صورت فہمیدہ آنٹی...... میں نے بھی فلاورز بنائے تھے۔ عقیلہ حق نے جو افسانہ لکھا بہت عمدہ...... کاش یہ لوگ عورت کے جذبوں کی قدر کرتے۔ اسے اس کا مقام دیتے، زبردست...... محبت لفظ ہے لیکن، حیا بخاری جتنی محبت سے لکھ رہی ہیں اتنی ہی محبت سے پڑھنے میں مزہ آ رہا ہے اور ہم نے سرمہ بنایا...... بہت ہی عمدہ فریدہ افتخار...... دل کے کھوٹے، واہ صدف آصف آپی خوب صورت تحریر...... شیریں آنٹی لفظ، لفظ امرت، رشتوں کی ڈور بہت اچھے سے سنبھال رہی ہیں۔ ماہ وش طالب، حلال تربیت کا خوب صورت نقشہ کھینچا۔ فرحین اظفر، ع عورت ب بنجر بہت ہی عمدہ لکھا اور بہت اچھا سلسلہ شروع کیا پاکیزہ نے۔ کتنی گہرائی ہے اس میں...... وہ خود ماں بن کر بھی، بچے جن کر بھی بنجر ہی رہ گئی تھی۔ زبردست...... ناہید سلطانہ اختر میں تو آپ کے لفظوں کی شیدائن ہوں، آپ کا نام دیکھ کر پھولے نہیں سماتی۔ ہمیشہ کی طرح بہت ہی عمدہ تحریر تھی۔ آپ کا ناول زندگی میرے پسندیدہ ناول میں سے ایک ہے۔ طیبہ عنصر مغل آپی جی آپ جو موضوع لے کر آتی ہیں، ہمارے معاشرے کے تلخ حقائق ہیں اور اللہ کرے ان تحریروں سے لوگ کچھ سمجھ سکیں (جی بالکل)

سعدیہ رئیس، ودیا مسکان بلاشبہ آپ نے جو لکھا بہت ہی خوب صورت لکھا۔ نزہت جبیں ضیا واقعی ہی ان ناموں میں سے ایک نام ہے جو لکھنے کا حق ادا کرتی ہیں۔ حرا قریشی، سویرا فلک، بشریٰ سیال، مہک فاطمہ، حنا اصغر، روشانے عبدالقیوم آپ سب کی تحریریں قابلِ تعریف ہیں، اختر شجاعت الفاظ نہیں کہ کچھ لکھوں...... تصوف کی کیا تشریح کی ہے۔ سبحان اللہ! شائستہ زریں جو پاکیزہ میں مہمان لائیں اور انہیں دیکھ کر جان کر بہت اچھا لگا۔ عذرا آنٹی جئیں سیکڑوں سال اور اللہ پاک معراج انکل کو صحتِ کاملہ عطا فرمائے۔ آمین۔ چونکہ تمام شاعرہ، رائٹر، تبصرہ نگار پاکیزہ گلشن کے پھول ہیں تو سب پھولوں کو رات کی رانی کا سلام عرض ہو۔" (بہت تفصیلی پیارے سے تبصرے کا شکریہ)

✉ عطیہ ہدایت اللہ، پشاور سے۔ "افسانہ چھاپنے کا از حد شکریہ...... (یہ تو ہمارا فرض تھا بھئی) آپ کا مجھے کچھ کہنا ہے، بہت اچھا لگا۔ واقعی عورت ہر رشتے میں قابلِ احترام ہے لیکن اگر کوئی سمجھے تو...... دین کی باتیں، میں ضرور پڑھتی ہوں، اس سے آگاہی ملتی ہے۔ اس شمارے میں سورۂ اعراف کی چند آیات کا ترجمہ ہے۔ غور کیا تو پچھلے دنوں کے اسلام آباد علما کے دھرنوں کی یاد تازہ ہوگئی۔ اگر سوچیں تو رفعت سراج صاحبہ کا ناول بہت اچھا ہے۔ لیڈی صوفیہ اور تاجور کی کروفر اور شان و انداز کا پڑھ کر بندہ ایسے ہی احساسِ کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بازی مات ہوئی بھی اچھا رہا...... ادراک، میں مہد اور سارہ کی لڑائی جھگڑا اچھا لگا۔ امرت بھی بہت اچھا ہے، شیریں حیدر کی تو بات ہی کچھ اور ہے...... عقیلہ حق کا افسانہ اے زندگی جواب دے پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ گھوڑی چڑھیا...... دلچسپ ناولٹ تھا۔ ہما بیگ کی نظم بہت اچھی لگی۔ پر نہ جانے کیوں دل دکھی سا ہو گیا۔" (عطیہ آپا، بہت شکریہ تبصرے کا)

✉ ثمر کاظمی، ڈی آئی خان سے۔ "پاکیزہ پر آپ کی محنت جاری ہے اور خوب رنگ دکھا رہی ہے۔ رفعت سراج کے قلم میں تو جادو ہے۔ زارا، تاجور کی سوتیلی بیٹی ہے جان کر جھٹکا سا لگا۔ امرت مکمل ہونے پر تبصرہ ادھار رہا۔ ناہید سلطانہ اختر نے بہت اچھا لکھا۔ روشانے عبدالقیوم کا ناول پاکیزہ کی جان تھا۔ صدف آصف اور عقیلہ حق نے بھی خوب لکھا۔ طیبہ عنصر کا افسانہ ٹاپ پر رہا۔ انجم آپی کے لیے سب کے جذبات پڑھ کر بہت اچھا لگا۔" (چھوٹے سے تبصرے کا شکریہ)

✉ عقیلہ حق، کراچی سے۔ "سب سے پہلے عذرا رسول اور معراج رسول اور آپ سب کو پاکیزہ کی سالگرہ مبارک ہو۔ رسالہ ہاتھ میں آیا تو سب سے پہلے بہنوں کی محفل پڑھی...... بہنوں کی محفل میں نرم گرم تبصرے سب پڑھے تو میں بحث میں پڑنا نہیں چاہتی، بحث کرنا میری عادت نہیں پھر بھی بس ہی یہی کہوں گی۔

کسی نے اچھا کسی نے برا جانا مجھے
جس میں جتنا ظرف تھا اتنا پہچانا مجھے

اب آتے ہیں رسالے کی طرف رسالہ الحمد للہ روز بروز نکھرتا جا رہا ہے۔ طیبہ عنصر مغل پاکیزہ، رائٹرز میں ایک بہترین اضافہ ہیں روز بروز ان کی تحریریں سنورتی جا رہی ہیں، ویلڈن طیبہ...... غزالہ رشید صاحبہ کا انٹرویو مختصر لیکن جامع تھا۔ اس انٹرویو کی سب سے بڑی اچھائی تھی کہ انہوں نے مجھے لڑکی شمار کیا۔ اُف غزالہ آپ کتنی پیاری ہیں، بہت عرصے کے بعد کسی نے ہم کو بھی معصوم سی لڑکی سمجھا...... (اتنی خوشی میں وزن نہ بڑھا لیجیے گا عقیلہ) افسانے سب ہی اچھے رہے۔ خاص کر افسر سلطانہ، ارجمند عقیل اور عاصمہ عزیز کے افسانوں نے بے حد متاثر کیا۔ شائستہ زریں کا سروے بہت مکمل تھا۔ شائستہ ہمیشہ بہت اچھے ٹاپک پر بات کرتی ہیں، خوش رہیے۔ رفعت سراج وہ رائٹر ہیں جن کو پڑھ کر بھی اچھا لگتا ہے اور جن سے مل کر اور اچھا لگتا ہے۔ بہت سارے کرداروں کے جھرمٹ میں شیریں حیدر بھی قلم کی پختگی کے ساتھ بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ میری بہت پیاری، پیاری سی رائٹرز بہنوں کچھ مصروفیات کی وجہ سے رسالہ مکمل نہیں پڑھ پائی اس لیے ناولٹ اور مکمل ناول پر تبصرہ ادھار رہا لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ سب نے بہت اچھا لکھا ہوگا کیونکہ پاکیزہ میں جو چھپتا ہے



وہ معیار کے درجے میں ہمیشہ نمبرون ہوتا ہے۔ (جی یہ تو ہے) اللہ پاک سے دعا ہے کہ دلوں میں منافقوں سے پاک محبتیں سلامت رکھے۔ (آمین) ارجمند عقیل صاحبہ اب آپ کی طبیعت کیسی ہے، اللہ پاک سب کو صحت دے، اور مرحومین کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔ نگہت غفار صاحبہ آپ کی صاحبزادی کے انتقال کا بہت افسوس اللہ پاک چھوٹے، چھوٹے بچوں پر ماؤں کا سایہ سلامت رکھے۔" (بہت شکریہ تبصرے کا دعاؤں کے لیے جزاک اللہ)

✉ فضہ خان، ہری پور ہزارہ سے۔ "باجی مجھے پاکیزہ بہت اچھا لگتا ہے۔ مجھے حقیقت پر مبنی کہانیاں اچھی لگتی ہیں۔ میری کہانی شک بھی حقیقی واقعہ ہے۔" (فضہ، افسانے، ناولٹ اور حقیقی کہانیوں کے اندازِ بیاں میں واضح فرق ہوتا ہے، آپ اس کو مدِ نظر رکھیں)

✉ تسلیم شیخ، لاہور۔ آپ کی کہانی بھی جلد جگہ پائے گی۔ انشاء اللہ...... پاکیزہ پر اپنی تفصیلی رائے بھی ضرور دیں۔

✉ سعیدہ علی، شیر گڑھ مردان سے۔ "آپی یہ افسانوں میں اختصار کیسے لاتے ہیں، میرا تو قلم رکتا ہی نہیں۔ پاکیزہ مجھے دل و جان سے پسند ہے۔ میرا بھائی مردان سے میرے لیے خاص طور پر پرچہ لے کر آتا ہے۔ ہم شہر سے تھوڑے فاصلے پر رہتے ہیں۔ مجھے ہر آن آپ کی رہنمائی چاہیے۔" (جی ضرور...... آپ مطالعہ کرتی رہیں۔ مختصر اور جامع لکھنا بھی ضرور آ جائے گا۔ پہلے فوکس کریں کہ آپ کہنا کیا چاہ رہی ہیں پھر غیر ضروری تفصیلات میں جائے بغیر مدعا پُراثر انداز میں بیان کریں)

✉ سدرہ، مقام نامعلوم۔ آپ مطالعہ جاری رکھیے اسی طرح ہماری ٹیم کا حصہ بنیں گی کہ تبصرہ لکھیں، رائے دیں، مراسلات بھیجیں۔ پتا تو رسالے میں دو سے تین جگہوں پر درج ہے۔

✉ مسز یٰسین، لیہ شہر سے۔ "آنٹی جان تقریب کا احوال پڑھا۔ آپ کو بیٹی کی منگنی مبارک ہو اللہ صاحبِ نصیب کرے۔ (بہت شکریہ) سارا رسالہ ہی بہت پیارا ہے اور آپ سب کی تصویریں بھی بہت پیاری ہیں۔ حیا بخاری کی کہانی محبت لفظ ہے لیکن...... بہت اچھی ہے، میرے خیال میں لالہ اور ضیا دونوں کزنز ہیں، مجھے سب سے بیسٹ روحانی مشورے لگتے ہیں۔ میں ہر دعا یاد کر لیتی ہوں۔ آپ نے مجھے محفل میں شامل کیا شکریہ......" (مختصر تبصرے کا شکریہ)

✉ شمع تفسیر، کراچی سے۔ "ماشاء اللہ پاکیزہ خوب صورت سے خوب صورت ترین ہوتا جا رہا ہے اور اس سلسلے میں آپ کی کی گئی محنت واضح طور پر نظر آ رہی ہے...... خاص طور پر نو آموز لکھاریوں کی جتنی حوصلہ افزائی آپ کر رہی ہیں وہ عام طور پر دیکھنے میں نہیں آتی (بہت شکریہ) بڑی پیاری، پیاری اور منفرد تحریریں پڑھنے کو مل رہی ہیں۔ اب تبصرہ کرتے ہیں مارچ کے خوب صورت شمارے پر...... سرورق بہت اچھا لگا...... رفعت سراج صاحبہ بہت ہی زبردست لکھ رہی ہیں گویا مدہوش کرتی ہیں۔ بس ڈر لگتا ہے کہ سفینہ کا سفینہ الٹ نہ جائے ساحل میں (واہ کیا خوب جملہ لکھا ہے) پروین عذرا تشنہ کی تحریر، یو آر گریٹ ماما بہت ہی پُراثر رہی۔ ام ارفع کی، جاں سے گزر گئے۔ عطیہ ہدایت اللہ کی، وعدہ رہا اور طیبہ عنصر مغل کی تحریر...... ہوش کے ناخن یہ تینوں کہانیاں ہی معاشرے کی تلخ سچائیوں کو بیان کرتی نظر آئیں جبکہ عقیلہ حق کی اے زندگی جواب دے گویا ہاتھ سے نہیں دل سے لکھی گئی تحریر تھی جو ہمارے دل کو چھو گئی۔ خاص طور پر رخشندہ کا سرد مہری سے شوہر کو دیکھنا اور پھر کہنا کہ میرے ابا کے انتقال کو تو برسوں بیت گئے خالد یہ جملہ اس کہانی کی جان تھا اور حساس لوگوں کی آنکھیں نم کرنے کو کافی تھا۔ (جی بالکل عقیلہ حقیقت سے قریب ترین لکھتی ہیں) فرحین اظفر کی ع عورت پ پیاری بھی اچھی تحریر تھی۔ نزہت جی آپ نے غزالہ رشید سے ملاقات کروا کر دل خوش کر دیا۔ میں بہت عرصے سے ان کے بارے میں پڑھنا چاہتی تھی کیونکہ ان کی تحریریں بہت منفرد ہوتی ہیں (جی بالکل) نرگس نسیم، آتا ہے یاد مجھ کو، میں گویا ہمیں بھی اپنے بچپن

میں لے گئیں...... اندازِ بیان بہت سادہ اور پُر اثر تھا۔ اختر شجاعت کا شمع ہدایت ہر بار ہی قیمتی معلومات فراہم کرتا ہے اور اندازِ تحریر خشک نہیں بلکہ دلچسپ ہے اس وجہ سے یہ میرا پسندیدہ سلسلہ ہے۔'' (تبصرے کا شکریہ...... آپ کی تحریریں بھی سبق آموز ہوتی ہیں، انشاء اللہ لگتی رہیں گی)

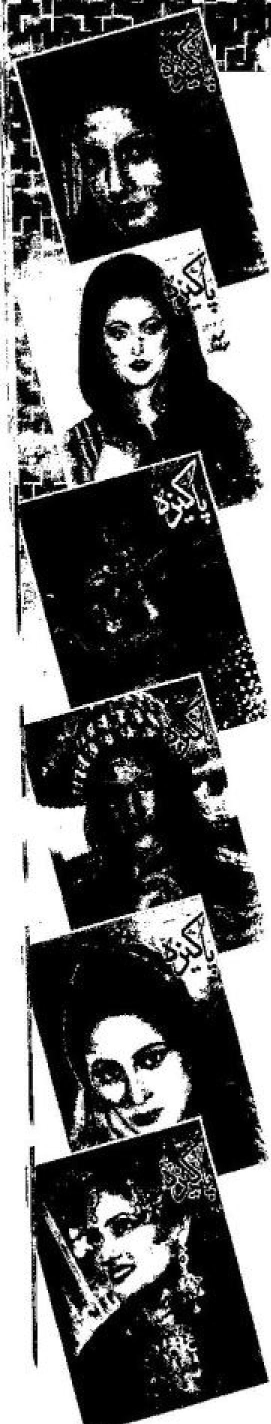
⁂ آسیہ عامر، کراچی سے۔ ''اس ٹھنڈے ٹھار کمرے میں جو کہوں گی سچ کہوں گی سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گی۔ یہ کہاں پہنچیں...... سب سے پہلے پرنس کے گھر میں حاضری دی بہت اچھا رہا۔ رفعت جی اس دنیا میں دو ہی لوگ ہیں جن کے پاس موبائل نہیں ہے۔ ایک آپ کا پرنس دوجی میں...... آپ تو پرنس کو موبائل دلا دیں، میرا بھی اللہ مالک ہے ورنہ ہم دونوں کا نام دی گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں آجائے گا۔ (یہ خوب کہا آسیہ) اب آتے ہیں امرت کی طرف...... تو شیریں جی آپ نے بڑا اچھا سرپرائز دیا۔ امرت کو۔ ویسے شیریں جی تسی کمال لکھیا اے...... عزہ خالد کا ماروی بھی اچھا تھا۔ عقیلہ حق نے تو اپنی ہی ایک کہانی جس کا نام شاید مہر تھا اس کا چربہ لکھ دیا۔ ایک جگہ لکھا ہے احمد کی بیوہ ماں جبکہ دوسری جگہ پر لکھا ہے کہ احمد کے ماں، باپ اپنے بڑے بیٹے کے ساتھ لندن شفٹ ہوگئے؟ سمجھ میں نہیں آئی یہ بات۔ (اس کے لیے دوبارہ پڑھیے، عقیلہ اسی معاشرے سے ہی کہانیاں لیتی ہیں اسی لیے آپ کو ایسا لگا ہوگا اور یہاں ہر دوسرے گھر کی یہ کہانی ہے) ادھوری عورت اچھا ہے، اختر شجاعت کا مضمون ہمیشہ کی طرح شاندار ہے۔ خوب صورت موڑ میں آصفہ ضیا احمد نے بڑے اچھے طریقے سے تہمین کو اس کے صبر کا پھل دیا ہے۔ نزہت جی آپ نے غزالہ رشید صاحبہ کا اچھا انٹرویو کیا۔ ماشاء اللہ بڑی خوب صورت جوڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ نظرِ بد سے بچائے۔ (آمین) جیسے غزالہ صاحبہ کی صورت معصوم ہے ویسی باتوں میں بھی سادگی ہے بہت مزہ آیا۔ (جی آپ نے سچ کہا) کرنی کا پھل، بس ٹھیک ہے، پچھتاوا جیسی کہانی ہر ماہ چھپنی چاہیے تاکہ بچیاں سبق سیکھیں۔ ع عورت پ پیاری بے شک بجیلہ گھرداری میں پھنسی ہوئی عورت ہے لیکن ایسی ہی عورت کی زندگی میں کشش ہے نہ کہ عائلہ جیسی عورت کی زندگی میں۔ کہانی پڑھ کر بہت اچھا لگا بلکہ اپنی، اپنی سی لگی۔ باقی سب بھی ٹھیک ہے۔'' (تبصرے کا شکریہ)

⁂ پروین افضل، بہاول نگر سے۔ ''اس بار سرورق پر خوب صورت ماڈل فریحہ نے قبضہ کیا ہوا تھا۔ آپ نے اپنے اداریے میں ٹھیک لکھا کہ عورت نہ ہوتی تو دنیا کے سارے رنگ پھیکے ہوتے۔ دین کی باتیں اور اللہ اور اس کا نور پڑھ کر روح کو تازگی بخشی۔ عذرا آپی! ہم آپ کے ساتھ ہیں اور ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ معراج صاحب کو اینہ عندلیب کو، آپی فریدہ جاوید فری، آپی ذکیہ بلگرامی، پروین عذرا تشنہ کو مکمل صحتِ کاملہ عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔ وہ آئے بزم میں، جی ہاں غزالہ رشید سے آپ نے خوب ملاقات کروائی۔ ان کے بارے میں جان کر بہت ہی اچھا لگا۔ خواتین کے عالمی دن کے حوالے سے سروے میں بہنوں کے خیالات جاننے کا موقع ملا۔ سلسلے وار ناولز تو ہمیشہ ہی خوب اچھے ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ دلِ بے خبر افسانہ زبردست تھا۔ رابیل اور میرال نے آخر بہت سی دشواریوں کے بعد ایک دوسرے کو پالیا۔ ان کی محبت امر ہوگئی۔ میری طرف سے آپ کو اور پاکیزہ کے اسٹاف کو اور پاکیزہ پڑھنے والوں کو اس کی سالگرہ بہت، بہت مبارک ہو۔

لہو میں رنگ کی صورت بسا ہے تیرا خیال
میں کس طرح تیری یادوں سے فاصلہ رکھوں
کسی بھی شخص سے کوئی غرض نہیں ہے مجھے
میں صرف تیرے لیے سب سے رابطہ رکھوں''

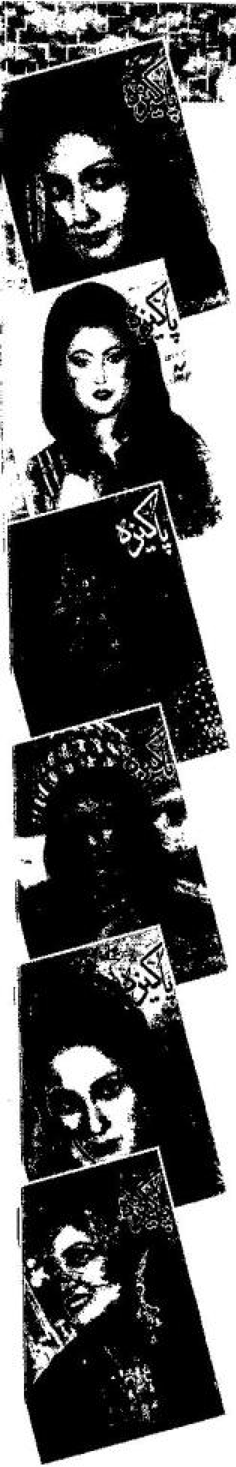
(بہت خوب، پروین شکریہ......)

⁂ نازنین آفریدی، پشاور سے۔ ''پاکیزہ واقعی بہت نکھر رہا ہے اور اس میں بہت زبردست مثبت



تبدیلیاں ہوئیں اور آگے مزید بھی متوقع ہیں۔ (جی بالکل آپ لوگوں کا تعاون چاہیے) ہمیشہ کی طرح بہنوں کی محفل سے شروعات کی۔ بہت اچھی محفل سجی تھی جو بیمار ہیں انہیں اللہ صحتِ کاملہ عطا کرے جو وفات پاگئے پروردگار ان کی مغفرت فرمائے اور جنہیں خوشیاں ملیں انہیں خوشیاں مبارک...... خصوصاً آنٹی شیریں حیدر کو بیٹے کی شادی بہت مبارک کہ وہ میری پسندیدہ مصنفہ ہیں، عذرا آنٹی کی اسپیشل اپیرنس جو کچھ ماہ سے ریگولر ہے، بہت اچھی لگتی ہے۔ آنٹی جی اسی طرح کبھی کبھار چھاپا مارا کریں۔ (کبھی کبھار کیوں؟ وہ تو انشاء اللہ ایسے ہی آتی رہیں گی) شمع ہدایت بہت زبردست تھا۔ میں ایک بہت پازیٹو انسان ہوں اور منفی تاثر دینے والی چیزوں میں بھی کوئی نہ کوئی مثبت پہلو ڈھونڈ ہی لیتی ہوں۔ میں جب کہیں کوئی بھی اچھی بات دیکھتی ہوں، سنتی ہوں تو اسے زندگی میں ضرور شامل کرتی ہوں۔ (یہ تو اچھی بات ہے) ہمیشہ سے مجھے کھانے کے لیے ہاتھ دھونے کی عادت تو ہے لیکن کھانے کے بعد ہاتھ دھونے پر اتنا زور نہیں تھا اس لیے کبھی ٹشو سے صاف کیے تو کبھی تولیے سے لیکن اب جب سے شمع ہدایت میں پڑھا ہے کہ کھانے کے بعد ہاتھ دھونے سے رنج وغم دور ہوتا ہے تو میں ہاتھ دھونے لگی ہوں۔ اس بار بزم کی مہمان بہت humble خاتون لگیں۔ سو براور نائس سی...... ایسے ہی بھی صائمہ اکرم چوہدری کو بھی کسی بزم کی مہمان بنایئے گا۔ پاکیزہ ڈائری خوب رہی۔ (جی ضرور، آج کل وہ اسکرپٹ رائٹنگ میں مصروف ہیں) افسانوں میں آصفہ ضیا کا خوب صورت موڑ، گھوڑی چڑھیا، اسما قادری نے خوب لکھا اور وعدہ رہا جسے عطیہ ہدایت اللہ آنٹی نے لکھا۔ یہ تینوں اس ماہ کی بہترین تحریریں رہیں لیکن...... وعدہ رہا کا دکھ میں نے اپنے دل پر محسوس کیا کیونکہ ایسے ہی حالات سے ہماری فیملی گزری ہے کہ خاندان کے ایک فرد کو ice کی لت لگ گئی تھی۔ بدقسمتی سے پشاور میں یہ ڈرگ بہت عام ہوگئی ہے اور نوجوان نسل بڑی تعداد میں متاثر بھی ہوئی۔ (اسی لیے تو عطیہ آپا نے لکھا ہے) امرت کیوں اتنا دکھ سہہ رہی ہے ایک فضول انسان کے لیے۔ ایسی لڑکیاں آج کل تو نہیں دیکھیں۔ یہ کہاں پہنچیں کہ دل ہے، بہت زبردست جارہا ہے۔ محبت لفظ ہے لیکن کا میسج کیا ہے ابھی تک سمجھ نہیں آسکی۔ ادراک، دلِ بے خبر، بازی مات ہوئی، پچھتاوا، کرنی کا پھل، دل اک ادھورا چاند اچھی تحریریں رہیں۔ ہاں ایک بات اور سرورق پر ماڈل کے دوپٹے کا کلر اتنا پسند آیا کہ گرمی کے لیے اب کے جولان کے سوٹ بنوائے ہیں ان میں ایک براؤن چاکلیٹ کلر بھی خرید لیا۔ (واہ بھئی) آخر میں طیبہ عنصر مغل کے ہوش کے ناخن کی تعریف نہ کرنا بھی زیادتی ہوگی۔ والدین کو جنریشن گیپ نہیں آنے دینا چاہیے۔ میرا خیال ہے فی الحال اتنا تبصرہ کافی ہے۔'' (بہت شکریہ نازنین)

⁂ تسنیم کوثر، کراچی سے۔ ''مارچ کا پاکیزہ پڑھا۔ اس بار افسانے بے حد اچھے رہے۔ خاص طور پر ہوش کے ناخن، طیبہ عنصر مغل نے بہت لاجواب لکھا بلکہ بالکل درست لکھا ہے۔ اسی طرح 'پچھتاوا' نظیر فاطمہ کی تحریر بھی بہت خوب لگی۔ اور اور اک' عاصمہ عزیز کا اندازِ تحریر بھی اچھا لگا۔ عقیلہ حق نے اے زندگی جواب دے، شاندار تحریر...... دل کو چھونے والی کہانی رقم کی ہے یقین جانیں پڑھ کر دل بھر آیا ہے ایسا لگا جیسے یہ کہانی تو تقریباً ہر گھر کی ہے۔ (جی ہاں) اس کے علاوہ باقی افسانے بھی بہتر لگے۔ ناولٹ میں خوب صورت موڑ اچھا لگا خاص طور پر اس کی اسٹوری ڈرامائی انداز میں سج کر بہترین ہوگئی۔ کیا آصفہ ضیا احمد کا یہ پہلا ناول ہے؟ (آصفہ ضیا سسپنس میں بھی لکھتی ہیں) محبت لفظ ہے لیکن، حیا بخاری کا یہ ناول ہمارے سر سے گزر رہا ہے مزہ نہیں آرہا۔ (کیوں بھئی تم رسالہ کیا سر پر رکھ لیتی ہو) وہ آئے بزم میں غزالہ رشید سے ملاقات اچھی رہی۔ نزہت آپ کو بات کرنے کا فن آتا ہے اسی لیے انٹرویو دلکش ہوجاتا ہے۔ (بہت نوازش) گوشۂ ظرافت یہ مزاحیہ سلسلہ بالکل بور لگتا ہے۔ شاید ہم باذوق قارئین نہیں ہیں، (اچھا جی) البتہ میں اکثر گنگناتی ہوں کہ اشعار بہترین ہوتے ہیں اور ہاں مجھے کچھ کہنا ہے میں نزہت آپ کی تحریر جامع اور پُر اثر ہوتی دل کو لگتی ہے۔ بہت خوش رہیے۔'' (مختصر تبصرے کا شکریہ۔)



قرۃ العین، بھکر سے۔ ”باجی میں کلاس 8th سے پاکیزہ پڑھ رہی ہوں اب اس میں لکھنا چاہتی ہوں۔ (جی ضرور) پچھلے دو ماہ کے رسالے پر تبصرہ حاضر ہے جس میں عزہ خالد، قانتہ رابعہ، طیبہ عنصر مغل، عقیلہ حق کے افسانے بہت جاندار رہے۔ قسط وار ناول بھی بہت اعلیٰ خاص طور پر رفعت آپا کا...... شکر ہے حیا بخاری بھی نظر آئیں۔ بہت کمال کا لکھتی ہیں حیا۔ ضیا میرا فیورٹ کردار ہے اس سے باہ جی کے بدلے نہ لیجیے گا۔ نزہت آپ سب قاری بہنوں کو بہت اچھی طرح جواب دیتی ہیں۔ (شکریہ...... سب قارئین اور رائٹرز کو مطمئن کرنا ہی ہماری روایت ہے) تبصرے حرا قریشی، فریدہ فری اور ارم کمال کے بہت عمدہ لگے۔“ (آپ بھی باقاعدگی سے تبصرہ لکھیں قرۃ العین)

ارم کمال، فیصل آباد سے۔ ”سب سے پہلے سالگرہ نمبر کی سب کو ڈھیر ساری مبارکیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے پاکیزہ کو اور ہمارے ساتھ کو ہمیشہ قائم اور چمکتا دمکتا رکھے، آمین۔ مارچ کا شمارہ چھ تاریخ کو ملا۔ ٹائٹل نہایت دلکش اور شاندار تھا۔ جیولری بہت ہی زبردست لگ رہی تھی۔ اداریہ خواتین کے لیے ہی تھا۔ ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کا روح پرور مضمون نگاہوں کے راستے دل میں اتر گیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں زندگی اور صحت دے، آمین۔ رفعت سراج کا سلسلے وار ناول پہ کہاں بچیں کہ دل ہے، بہت ہی سو پر ڈو پر جا رہا ہے۔ وعدہ رہا، میں اللہ کرے ایسے مردوں کا وعدہ پکار ہے تو پھر بات ہے۔ عاصمہ عزیز کا اور اک تھوڑی ہٹ کر تھی۔ عموماً بہنیں اپنے بھائیوں پر قربان ہو جاتی ہیں یہاں بہن بھی عجیب تھی اور بھائی کا بدلہ سمجھ سے بالاتر...... نظیر فاطمہ کا پچھتاوا دل میں دکھ بھر گیا۔ اپنے بڑوں کے خلاف جا کر صرف پچھتاوے ہی ملتے ہیں، کرنی کا پھل نے گویا آئینے کے سامنے لا کھڑا کیا۔ شیریں حیدر کا امرت امتحان کا پرچہ لگتا ہے۔ سب کردار گڈ مڈ ہو جاتے ہیں (اللہ آپ کو اس امتحان میں کامیاب کرے) عزہ خالد کی ماروی نے اپنا وقار برقرار رکھا۔ اے زندگی جواب دے۔ عقیلہ حق کی بہت ہی زبردست اور پُر تاثیر تحریر تھی۔ انسان جب تک تجربے کی بھٹی سے خود نہ گزرے اسے سمجھ نہیں آتی۔ میری طرف سے عقیلہ حق کو ڈھیروں مبارک باد...... شمارے کی سب سے شاندار تحریر گھوڑی چڑھیا تھی۔ جس نے ذہن کو ہلکا پھلکا کر کے ریلیکس کر دیا۔ اس طرح کی ایک دو تحریریں ہر ماہ ہونی چاہئیں۔ (جی ضرور) ت سے تکون افسر سلطانہ کی تحریر نے دل کو ہلا کر رکھ دیا۔ کیا ایسے لوگوں کے ضمیر ملامت بھی نہیں کرتے۔ یو آر گریٹ ماما...... نے دل میں فرحت اور سکون بھر دیا۔ جاں سے گزر گئے نے ثابت کیا کہ عورت ہی عورت کی دشمن ہے۔ اپنی انا کو بلند رکھنے کے لیے اپنے خونی رشتوں کو داؤ پر لگا دینا کہاں کی انسانیت ہے۔ ہوش کے ناخن، طیبہ عنصر مغل کی بہت ہی سبق آموز تحریر رہی۔ مکمل ناول، خوب صورت موڑ، یقیناً انعام الرحمٰن کی بدولت خوب صورت موڑ پر اختتام پزیر ہوا۔ بصورتِ دیگر انعام الرحمٰن عام نوے فیصد مردوں جیسے ہوتے تو یہ موڑ عبرت ناک ہوتا۔ اختر شجاعت کا مضمون افادیت کے لحاظ سے بہت ہی جامع اور مفید تھا۔ غزالہ رشید سے ملاقات پیپی، پیپی کر گئی۔ شائستہ زریں کا سروے دلوں میں جہاں پھول کھلاتا گیا وہاں ایک آدھ جگہ کانٹے کی چبھن بھی نظر آئی۔ اپنی موسٹ فیورٹ بہنوں کی محفل میں پہنچ کر دلی سکون اور راحت پہنچی ہے، سب بہنوں کے نرم گرم حالات سے آگاہی ہوئی۔ نزہت آپ کی کپتانی میں ہمارا پاکیزہ ماشاء اللہ سے بہت ہی ٹاپ پر جا رہا ہے۔“ (آپ لوگوں کا تعاون جو حاصل ہے۔)

یثرب گل عفان، پشاور سے۔ ”میں پچھلے پانچ سال سے پاکیزہ کی خاموش قاری ہوں۔ اور پہلی بار مجھے خط لکھنے پر مجبور کیا جس تحریر نے وہ حیا بخاری کا خوب صورت ناول محبت لفظ ہے لیکن...... میرا تعلق پشاور کے ایک کلی یعنی گاؤں سے ہے اور یقین کریں مجھے ایسا لگتا ہے کہ ہم خواتین کے لیے بھی کسی نے آواز اٹھائی ہے جو زمینوں پر قربان ہو کے بیوی اور ماں کے رتبے تک نہیں جا سکیں۔ مجھے تو یہ سچی کہانی لگتی ہے۔ (رائٹرز اسی معاشرے سے ہی کہانیاں لیتی ہیں) اتنا پُر اثر لکھنے کے لیے حیا بخاری کو میرا اسلام... باقی سارا پاکیزہ اب بہت اچھا ہو گیا ہے۔ معیار بے حد بلند ہوا ہے...... اور کیا میں پاکیزہ کے لیے خط یا نظم وغیرہ لکھوں تو شائع کرتے ہیں یا صرف پرانے قارئین کے ہوتے ہیں۔ ضرور جواب دیجیے گا۔“ (یثرب بی بی ہمارے لیے قاری نئے پرانے نہیں ہوتے بس عزیز ہوتے ہیں، ویسے سینئرز کی تو قدر ہر جگہ ہوتی ہے ناں...... آپ جو بھیجنا چاہیں ضرور بھیجیں۔ قابلِ اشاعت ہوا تو ضرور چھپے گا۔ حیا بخاری کو آپ کا پیغام پہنچا دیا گیا ہے۔ دیگر تحریروں پر بھی تبصرہ کریں)

فرخندہ جعفری، گجرات سے۔ ”پاکیزہ رسالہ 3 مارچ کو خوب صورت سرورق سے سجا ملا۔ پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ اتنی اچھی، معیاری اور دل پر اثر کرنے والی تحریریں پاکیزہ کے علاوہ کہاں ملیں گی۔ پھر بہنوں کی محفل آپ جس طرح سجاتی ہیں۔ اس کی کوئی مثال ہی نہیں۔ اس ماہ بھی کہانیاں پہلے کی طرح عمدہ طریقے سے سنواری گئی ہیں۔ وعدہ رہا، عطیہ ہدایت اللہ...... کہانی بہت سبق آموز اور حقیقت کو چھوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اکثر ملازم پیشہ خواتین کے ساتھ اسی طرح ہو رہا ہے۔ جس گھر میں عورت کما رہی ہے وہاں کے اکثر مرد بے پروا ہوتے جا رہے ہیں کیونکہ وہ ساری ذمے داری عورت پر چھوڑ کر خود عیش کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ (جی یہ تو ہے) دل بے خبر دانیہ آفرین...... جب والدین سر پر نہ رہیں تو رشتے دار اسی طرح لالچی بن جاتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی لاٹھی بے آواز ہے۔ کہانی کا اینڈ اچھا ہوا ہے۔ پچھتاوا، نظیر فاطمہ نے بہت سبق آموز کہانی لکھی ہے۔ ماں، باپ اور خاندان کی عزت کو روندنے والی لڑکیوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔ کرنی کا پھل، ام ایمان بہت عمدہ کہانی ہے، بعض ٹیچرز اسی طرح اپنے کام سے غفلت رکھتے ہیں، ان کی بلا سے کوئی فیل ہو یا پاس...... بہت سبق آموز کہانی ہے۔ عزہ خالد، ماروی، گاؤں کی لڑکی کی کہانی ہے، شہر والے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو سادی، گنوار، پینڈو ہے مگر وہ غیرت مند کمہار کی بیٹی تھی اور اپنے والدین کا سر فخر سے اونچا کرنے آئی تھی۔ بہت خوب۔ اے زندگی جواب دے، عقیلہ حق، رائٹر نے معاشرے کی بدصورتی سے اتنی خوب صورتی سے پردہ اٹھایا ہے کہ جواب نہیں...... لوگ دوسروں کی بیٹیوں پر ظلم کرتے ہیں، نہیں سوچتے کہ ہمارے گھر میں بھی بیٹی ہے، اس نے کل کو کسی کے گھر جانا ہے۔ اللہ معاف کرے ہمارے اردگرد بہت سے ایسے کردار گھومتے پھرتے ہیں جنہوں نے اپنے گھناؤنے کردار سے کتنی بیٹیوں کو اجاڑا ہے۔ ادھوری عورت، ارجمند عقیل نے بڑی دکھیا کہانی لکھی ہے یہ بالکل سچ ہے ایک تو بیماری آتی ہے یہ اللہ تعالیٰ بندے سے امتحان لیتا ہے کہ بندہ کتنا صبر کر سکتا ہے۔ گھوڑی چڑھیا، اسما قادری، بہت مزاحیہ اور اچھی کہانی ہے، بہت دفعہ ایسا بھی دیکھا ہے کہ پوتے کی شادی ہو رہی ہے ساتھ ہی باپ یا دادا بھی گھوڑی چڑھنے کے خواب دیکھنے لگتے ہیں۔ اک ادھورا چاند، ثمر کاظمی، ت سے تکون، افسر سلطانہ آخری لمحے، انیلا حمید، بہت اچھی کہانیاں ہیں۔ ہوش کے ناخن، طیبہ عنصر نے حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے والدین کو اپنے بچوں پر کڑی نظر رکھنی چاہیے اور الٹے سیدھے رشتے داروں کا گھر میں داخلہ بند کرنا چاہیے آج کل تو خونی رشتوں پر بھروسا نہیں رہتا۔ قیامت کے آثار ہیں اللہ تعالیٰ بچوں کو ان بدکرداروں سے بچائے، آمین۔ تمام رائٹرز بہت محنت کر رہی ہیں ان کی اس محنت سے اگر معاشرے سے چوتھائی برائیاں بھی دور ہو جائیں تو یہ ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ آپ نے غزالہ رشید کا بہت اچھا انٹرویو کیا ہے اور بہت سی معلومات، دوسروں تک پہنچائی ہیں، اللہ کرے اس طرح ان کے قلم سے موتی جھڑتے الفاظ کی بارش ہوتی رہے۔ اختر شجاعت، طعام، نعمت الٰہی۔ کاش ہم سب اسی طرح طعام کی نعمتوں سے مالا مال ہوں۔ روزی کی قدر کریں جیسا کہ ہمیں حکم ہوا اور کھانے کے آداب اپنائیں۔“ (بہت پیارے تبصرے کا شکریہ)

فریدہ ہاشمی مخفی، کراچی سے۔ ”خواتین کے خاص دن پر کہانی خوب پُرعزم ہونی چاہیے تھی۔ مجھے ماروی کہانی پسند آئی۔ عقیلہ حق کی کہانی میں عورتوں کا استحصال ہے.... جس سے ڈپریشن بڑھتا ہے رائٹرز ایسی کہانیاں لکھیں جو عورتوں میں عزم، ارادہ اور شعور بیدار کریں اور ساتھ، ساتھ مردوں میں بھی

شعور آئے۔ عورت بیچاری کو نیچا نہ دکھائیں۔ ماروی، بہت خوب صورت کہانی لگی۔ ویسے پاکیزہ مجموعی طور پر بہت اچھا لگا۔" (تبصرے کا شکریہ)

• فریدہ لاکھانی فرح، سڈنی، آسٹریلیا سے۔ "بہت عرصہ ہوا آپ سے کوئی رابطہ نہیں ہو سکا۔ امید ہے سب خیریت ہوگی؟ آپ کو پہلے بھی کچھ تخلیقات بھیجی ہیں، یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آیا ان کا شائع ہونے کے مراحل میں کوئی دشواری تو نہیں پیش آئی۔ (آپ کی کہانی اور شاعری لگ چکی ہے آپ کی نظر سے شاید گزری نہیں۔ آسٹریلیا میں زرِ سالانہ کے ذریعے آپ پرچہ لگوا سکتی ہیں) نیو جرسی، امریکا میں ابھی مشاعرہ پڑھ کر آئی ہوں اور ساتھ بہن کی بیٹی ماتا لاکھانی کی رخصتی بھی اٹینڈ کر آئی ہوں جو آج کل پاکستان میں اپنا پروجیکٹ کرنے گورنمنٹ آف امریکا کی طرف سے 1million dollar جیتنے کے بعد پاکستان آئے ہوئے ہیں، تفصیل یہاں منسلک کر رہی ہوں۔ ان کی شادی ان ہی کے گروپ کے لڑکے حسن عثمانی سے ہوئی ہے۔ مختصر یہ کہ انہوں نے ایک solarproject بنایا ہے اور اسے عمل کراچی میں کریں گے۔ ممکن ہے آپ یہ سب کراچی کی نیوز میں بھی دیکھیں کہ پاکستانی بچوں نے کیا دھوم مچائی ہے۔ (ماشاء اللہ) ہم سب کے لیے بہت اعزاز کی بات ہے کہ دنیا بھر میں یہ پزیرائی انہوں نے حاصل کی۔" (بہت مبارک ہو بھانجی کی کامیابی......big achievement اور شادی بھی......آپ کو براہِ راست بھی خط بھیجا جا رہا ہے۔)

• سدرہ، رواٹ سے۔ "میں پاکیزہ 9th کلاس سے پڑھ رہی ہوں پہلے امی، خالہ، آنٹی بڑی بہنیں پڑھتی تھیں اب تو پڑھتے برسوں بیت گئے۔ بہت ہی اچھی کہانیاں ہوتی ہیں، اس مرتبہ عقیلہ حق کی کہانی نے قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ بہت ہی لاجواب تحریر، ہر عورت کی کہانی بہت ہی عمدہ لکھا عقیلہ حق نے......آپ کی افسانوں کی سلیکشن زبردست ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ تمام سلسلے بھی اچھے ہیں اگر اتفاق سے کوئی کمی رہ بھی جائے تو سمجھیں رسالے کا صدقہ خیرات نکل جاتا ہے۔" (واہ کیا بات کی ہے آپ نے، رسالے کی پسندیدگی کا شکریہ، عقیلہ حق تک آپ کی رائے پہنچائی جا رہی ہے۔ آئندہ باقاعدگی سے تبصرہ لکھیے گا)

• نیلوفر خان، بہارہ کہو سے۔ "باجی پاکیزہ کے سالگرہ نمبر پر میری طرف سے پیشگی مبارک باد لے لیں۔ ہم سب بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ آپ نے کہا تھا نایاب جیلانی کی کہانی لگائیں گی، ہمیں انتظار ہے۔ (جی ضرور لگائیں گے) عمیرہ احمد کب دے رہی ہیں اس دفعہ آپ نے غزالہ رشید سے بہت اچھی ملاقات کروائی۔ سادہ سی خاتون لگیں باتیں بھی کم کیں......" (جی غزالہ بہت پیاری باصلاحیت مصنفہ ہیں اب اپنی تحریر کے ذریعے بات کریں گی، انشاء اللہ)

• ہما علی، اسلام آباد سے۔ "انجم انصار کی الوداعی پارٹی کا حال بہت دلچسپ تھا کہ میں تو خود کو وہیں محسوس کر رہی تھی۔ ان کی تعریف کرنا تو سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ مصنفہ نگہت غفار کی جواں سال بیٹی کی موت کا انتہائی دکھ ہوا۔ اپنی جوان بہن جگنو یاد آ گئی (اوہ اچھا) غزالہ رشید سے ملاقات بہت اچھی رہی، اللہ سلامت رکھے انہیں۔ محترمہ اختر شجاعت کا طعام نعمت الٰہی بہت معلوماتی تھا۔ اللہ ہم سب کو ہدایت عطا کرے کہ عمل کریں۔ افسانوں میں طیبہ عنصر مغل کا ہوش کے ناخن اچھا تھا۔ جاں سے گزر گئے' ام ارفع نے اچھا نکتہ اٹھایا مگر جن مردوں کے لیے یہ نصیحت ہوتی ہے وہ تو خواتین کے رسالے پڑھتے ہی نہیں ہیں، اگر مرد چاہیں تو توازن رکھ سکتے ہیں۔ ماں اور اپنے بیوی بچوں کے ساتھ مگر کیا کریں؟ جورو کے غلام کا ٹیگ نہ لگ جائے ڈرتے ہیں۔ افسر سلطانہ کاٹ سے تلون بہت اچھا تھا۔ روحانی مشورے بہت خوب تھے۔ ابھی بس اتنا ہی مطالعہ کر سکی ہوں۔ آخر میں یہ کہوں گی کہ مارچ کا ٹائٹل پتا نہیں کیوں مجھے زیادہ نہیں بھایا، یہ اور بھی روشن ہو سکتا تھا۔" (انشاء اللہ آئندہ آپ کی پسند کا خیال رکھیں گے ٹائٹل میں۔ مختصر سے تبصرے کا شکریہ)

• نگینہ ضیا بنگش، کراچی سے۔ "مارچ کے پاکیزہ کی ہر سطر، ہر لفظ زبردست ہے سب سے پہلے



تو دل کی گہرائیوں سے آپ کو عذرا باجی، انجم باجی اور پاکیزہ بہنوں کو بلکہ پاکیزہ کے پورے اسٹاف کو اور پاکیزہ سے جڑے ہر فرد کو پاکیزہ کی سالگرہ بہت، بہت مبارک ہو۔ اللہ پاک پاکیزہ کو بلکہ جاسوسی، سسپنس، سرگزشت چاروں کو بے حد کامیابی عطا فرمائے اور ان سب کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے، آمین۔" (شکریہ)

• سعدیہ، بنوں سے۔ "رسالے میں اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ سلمٰی غزل کا تبصرہ مجھے بہت اچھا لگا۔ عشق صوفیانہ کے بارے میں اچھا تبصرہ کیا۔ نظیر فاطمہ کا پچھتاوا افسانہ بھی بہت اچھا لگا۔" (شکریہ)

• شاہینہ مبارک، ہالہ سندھ سے۔ "پاکیزہ بہت اچھا لگتا ہے، اس میں سب رائٹرز ہی بہت اچھا لکھ رہی ہیں، قسط وار ناول بھی بہت اچھے جا رہے ہیں اور اسلامی مضمون کے تو کیا ہی کہنے......ذکیہ بلگرامی آپا اور اختر شجاعت کو اللہ تعالیٰ صحت والی عمر دے، ہمارے لیے بہت اچھے، اچھے کام کر رہی ہیں۔ عذرا آپی اور معراج صاحب کو سلام اور ہاں پاکیزہ کی سالگرہ کی ڈھیروں مبارک باد......" (شاہینہ مختصر سے تبصرے کا شکریہ)

✉ حنا بشریٰ، لاہور۔ آپ لکھنے کی مشق جاری رکھیں۔ مختلف مصنفین کو پڑھتی رہیں اور پاکیزہ پر اپنی رائے بھی دیں۔

✉ سحرش فاطمہ، کراچی۔ جی آپ کی ایک کہانی ہمارے پاس ہے وہ بھی جلد لگے گی' آپ شادی کے بعد لکھنا چھوڑ نہیں دینا سحرش۔

• نادیہ، راول پنڈی سے۔ "باجی میں نے اپنی کزن اور بچوں کے ساتھ مل کر معراج رسول صاحب کی صحت کے لیے سورہ یٰسین کا ختم کرایا ہے۔ (جزاک اللہ) ہم اپنی دعاؤں میں سب کو یاد رکھتے ہیں اور اپنے وطن کے لیے بھی خوب دعائیں کیں۔ پاکیزہ بہت اچھا ہوتا جا رہا ہے، ویسے امرت ناول کی کہانی سستی سے آگے بڑھ رہی ہے، مارچ کی کہانیاں خاص طور پر بہت اچھی تھیں۔" (اللہ تعالیٰ آپ کی بھی پریشانیاں دور کرے بیٹی...... بے شک دعائیں تو کرتے رہنا چاہیے، اس دفعہ تو امرت نے کافی تیزی پکڑی ہے، ناول کی جزیات نگاری ہی اس کی خوبی ہوتی ہے)

• مہر جان، گلستان جوہر کراچی سے۔ "آپی ہمیں پاکیزہ میں روحانی مشورے بہت عمدہ لگتے ہیں، آپ لوگ تفصیل سے بتاتے ہیں۔ اچھا ان دعاؤں کو سب لوگ پڑھ سکتے ہیں ناں......؟" (جی بالکل......قرآنی آیات سب کے لیے یکساں فائدہ مند ہیں، بشرطیکہ آپ احکامِ الٰہی اور شریعت کی پابندی کرتے ہوں)

• ثمرین، کراچی سے۔ "باجی ویسے تو پاکیزہ کے تمام سلسلے ہی اچھے ہیں مگر قسط وار ناول بہت زبردست جا رہے ہیں، رفعت سراج کا اندازِ بیاں اور امرت میں شیریں حیدر کی کردار نگاری، واقعات نگاری سب ہی بے حد عمدہ ہے۔" (یہ تو بہت اچھا ہے کہ آپ کو پسند آ رہا ہے شکریہ)

• حمیرا تبسم، بہاول پور سے۔ "باجی مجھے آپ کے ادارے کے تمام رسالے اچھے لگتے ہیں، میں نے جاسوسی ڈائجسٹ کے لیے بھی کہانی بھیجی ہے۔ مجھے پاکیزہ بہت اچھا لگتا ہے۔" (رسالوں کی پسندیدگی کا شکریہ......کہانی کا فیصلہ پڑھنے کے بعد کیا جائے گا)

✉ مزمل سلیم، فیصل آباد۔ آپ کی کہانی بہت جلد لگے گی۔ رسالے پر تبصرہ بھی بھیجیں۔

• افتخار شوق، میاں چنوں سے۔ "نزہت ڈیئر اور تمام اراکینِ پاکیزہ کو سالگرہ کی مبارک باد میں تبصرہ پھر کروں گی اس مرتبہ تو اپنے پیارے رسالے کی سالگرہ پر ڈھیروں مبارک باد اور خوشیوں کے پیغام ہیں۔" (شکریہ)

✉ سلمٰی غزل، کراچی سے۔ ''مارچ کا پاکیزہ سامنے ہے اور حیران ہوں کہ کہاں سے شروع کروں، کیا کہوں اور کیا لکھوں اس مرتبہ ہر افسانہ جامع مختصر لیکن سبق آموز، نصیحت آموز اور دل کو چھو لینے والا' مجھے ہمیشہ کہانی وہی اچھی لگتی ہے جس میں کوئی پیغام ہو۔ ذکیہ بلگرامی صاحبہ نے تو مختلف سورتوں کو اس خوب صورتی سے واضح کیا ہے کہ لگتا ہے کہ دریا کو کوزے میں بند کر دیا۔ اور طعام سے متعلق اختر شجاعت نے بھی دل خوش کیا ہے۔ اب ذرا ذکر ہو جائے ان افسانوں کا جو دل میں اتر گئے خاص طور پر عقیلہ حق جنہوں نے ایک پرانے موضوع پر (جس پر کئی مرتبہ لکھا جا چکا ہے) اس خوب صورتی سے لکھا ہے کہ مزہ آگیا۔ میرے خیال میں یہ ہر گھر کی کہانی اور ہر بیوی کا مسئلہ ہے کم و بیش ہر عورت اس طرح کے مسئلے سے دوچار ہوتی ہے انہوں نے end جو کیا عموماً ایسا ہوتا نہیں مرد کی سرشت میں شاید شرمندہ ہونا اور اپنی غلطی تسلیم کرنا ہے ہی نہیں لیکن pesitive اختتام کسی شوہر کی آنکھیں کھول دے شاید خوب صورت موڑ بھی ڈرامائی انداز کی کہانی ہے مگر آصف ضیا نے لکھنے کا حق ادا کر دیا۔ غزالہ رشید کا انٹرویو بھی لاجواب تھا۔ روحانی مشورے میرا پسندیدہ صفحہ ہے جو بہنوں کی محفل کے بعد میں سب سے پہلے پڑھتی ہوں اور ڈائری میں نوٹ بھی کر لیتی ہوں، ہما بیگ نے بچہ گود لینے پر جو مسئلے بیان کیے ہیں اس سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا۔ لیکن انشاء اللہ اس مرتبہ طوالت کی وجہ سے میں لکھ نہیں رہی اگلی مرتبہ بتاؤں گی کہ کس طرح بچہ یا بچی گود لی جا سکتی ہے اور اسے محرم بنایا جا سکتا ہے یہ افسانہ یا من گھڑت نہیں بلکہ حقیقت ہے زندہ حقیقت...... اصل میں تبصرہ کرتے وقت مجھے ہمیشہ یہ فکر رہتی ہے کہ میرے علاوہ دوسری بہنیں بھی تبصرہ کرتی ہیں اس لیے زیادہ طویل نہ ہو۔'' (بہت شکریہ سلمٰی یہ خیال رکھنے کے لیے)

✉ ثمینہ کوکب، ضلع جہلم سے۔ ''تمام بہنوں اور آپ سب کو پاکیزہ کی سالگرہ بہت مبارک ہو۔ میری دعا ہے کہ پاکیزہ یونہی ہمیشہ جگمگاتا رہے... تم سلامت رہو ہزار برس...... ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار...... آمین، یا رب العالمین...... بہار کے پھولوں کی طرح مسکراتا ٹائٹل بہت خوب صورت لگا۔ سب سے پہلے تو نزہت اصغر صاحبہ کا مجھے کچھ کہنا ہے، اپنے موضوع کی مناسبت سے بہت اچھا اور دل کو چھو لینے والا تھا۔ دین کی باتیں، آنحضرت کے اسم گرامی، ذکیہ بلگرامی صاحبہ کا اللہ کا نور اور اختر شجاعت صاحبہ کا معلوماتی مضمون طعام نعمت الٰہی بہت عمدہ اور معلوماتی دلوں کو چھو لینے والے مضامین تھے۔ وہ آئے بزم میں، غزالہ رشید صاحبہ کی دلکش باتیں بہت اچھی لگیں، مارچ کے شمارے میں شامل اپنی تحریر دیکھ کر دل خوشی سے جھوم گیا۔ آپ کا بہت، بہت شکریہ کہ ہماری حوصلہ افزائی کرتے ہیں، معراج صاحب، تمام پیار بہنوں اور ذکیہ بلگرامی صاحبہ کے لیے پروردگار عالم سے صحت عاجلہ و کاملہ کی دعا ہے، آمین۔ تمام ناولز اور افسانے پاکیزہ کے تمام سلسلے حسب معمول بہترین تھے۔'' (تبصرے کا شکریہ ثمینہ، آپ کو بھی سالگرہ مبارک)

✉ غزالہ عمران، مرید کے سے۔ ''پیارا پاکیزہ ہاتھوں میں آیا تو جی خوش ہو گیا۔ مجھے کچھ کہنا ہے میں آپ کی باتیں بہت پُراثر لگیں۔ اس کے بعد رفعت سراج کا دلکش انداز تحریر لاجواب رہا۔ باقی اس بار تو پاکیزہ خوب صورت کہانیوں سے سجا بہت پسند آیا۔ ہر کہانی بلاشبہ شاندار تھی۔ ہر رائٹر کا اپنا انداز بیاں، اپنی سوچ بہت خوب رہی..... ع عورت پہ بیاری..... فرحین اظفر کی خوب صورت تحریر تھی۔ پاکیزہ کے دیگر سلسلے بھی پسند آئے۔ اور بہنوں کی محفل اس کا جواب نہیں۔ عذرا آپا کی مثبت باتیں پڑھ کر بہت خوشی ہوتی ہے۔ انتہائی سادہ اور آسان زبان میں کی گئیں باتیں جیسے ہمیں سامنے بٹھا کر کر رہی ہیں۔ (یہی تو خوبی ہے ان میں) اللہ انہیں سلامت رکھے۔ اپنا نام بہنوں کی محفل میں دیکھ کر از حد خوشی ہوئی۔ میں بھی پاکیزہ بہنوں میں شامل ہو کے اترائی، اترائی پھر رہی ہوں، اس دن زیادہ خوشی ہو گی



جب نزہت جی کہیں گی کہ آپ کی کہانی قابلِ اشاعت ہے۔'' (جی وہ دن بھی آجائے گا بی بی، آپ کوشش جاری رکھیں)

✉ نگہت غفار، کراچی سے۔ ''سب سے پہلے تو ماہنامہ پاکیزہ کی سالگرہ آپ سب کو مبارک ہو۔ اس کے ساتھ میں شکریہ بھی ادا کروں گی ان تمام بہنوں کا کہ جنہوں نے میری بیٹی کی وفات پر تعزیت کی اور دعائے مغفرت بھی کی...... بس بیٹی کے غم میں اور اس کے بچوں کی مصروفیت میں سالگرہ نمبر کے لیے بطورِ خاص کچھ نہ بھیج پائی۔ میری دعائیں پاکیزہ سے وابستہ تمام افراد کے ساتھ ہیں۔'' (شکریہ نگہت آپا...... آپ کی مخلصانہ دعائیں بہت ہمت دیتی ہیں، اللہ آپ کو بھی ہمت و حوصلہ دے۔)

✉ زریں فاطمہ، کراچی۔ آپ اور کہانیاں لکھیں اس طرح مشق ہو گی اور آپ کی حوصلہ افزائی ضرور کی جائے گی۔

✉ صفیہ بیگم، لالہ موسیٰ سے۔ ''آپی پچھلے دنوں میں کافی بیمار ہو گئی تھی اس لیے تبصرہ نہیں کر سکی۔ پاکیزہ میں سب سے مل کر سب کے بارے میں پڑھ کر بہت اچھا لگتا ہے۔ عذرا آپی کی باتیں بہت اچھی لگتی ہیں، دونوں قسط وار ناول بھی بہترین ہیں۔ حیا بخاری کا ناولٹ بھی بہت اچھا ہے۔ ابھی آہستہ، آہستہ اور کہانی کھلے گی۔ ہاجرہ ریحان، طیبہ عنصر، عقیلہ حق سب نے ہی بہت اچھا لکھا سب کو میرا اسلام اور اس دفعہ تو سالگرہ کی مبارک باد بھی۔'' (جی ضرور آپ کو بھی مبارک ہو، اپنی صحت کا بھی خیال رکھیں صفیہ آپا)

✉ ہمشیرہ عبدالحفیظ قصوری، ڈیرا اسماعیل خان سے۔ ''ناہید سلطانہ اختر کی کہانیاں بہت اچھی ہوتی ہیں۔ مجھے ان کے ناول کتابی شکل میں چاہئیں، ان سے ناول ضرور لکھوائیں۔'' (عنقریب ناہید آپی پاکیزہ کے لیے ناول دیں گی، انشاء اللہ)

✉ حمیرا بیگ، واہ کینٹ سے۔ ''مجھے تو پاکیزہ بہت پسند ہے، اس میں شامل افسانے، ناول سب بہترین ہوتے ہیں، اس کے علاوہ مستقل سلسلے بھی آپ لوگوں نے بہت اچھے رکھے ہیں، میں بھی شامل ہونا چاہتی ہوں۔'' (جی حمیرا تبصرے کے ذریعے آپ شامل ہیں آپ بھی مراسلات بھیجیں)

✉ ہنزہ، خیر پور سے۔ ''مجھے پاکیزہ بہت اچھا لگتا ہے میں بھی اس میں کہانی بھیجنا چاہتی ہوں۔'' (جی ضرور بھیجیں)

✉ بیگم شمشاد شفیق، لاہور۔ پاکیزہ کی پسندیدگی کا شکریہ۔ آپ اپنی کہانیاں بھیجیں قابلِ اشاعت ہوئیں تو ضرور شائع ہوں گی۔ تبصرہ بھی لکھیں۔

✉ نہی فردوس، گوجرانوالہ۔ انشاء اللہ آپ کا انتظار ختم ہونے والا ہے۔ رسالے کی پسندیدگی کا شکریہ۔

✉ حمیرا فاروق، جہلم۔ آپ لوگ مطالعہ بھی کیا کریں اور سینئر جونیئر تمام مصنفات کو پڑھیں۔

✉ عصمت، اوکاڑہ سے۔ ''پاکیزہ کی سالگرہ آپ سب کو بہت مبارک ہو۔ نزہت صاحبہ میری شادی 1978ء میں ہوئی تھی اور آپ یقین کریں میں اس سے پہلے کی پاکیزہ پڑھنے والی ہوں، یعنی پہلے شمارے سے پڑھ رہی ہوں، (واہ بھئی ماشاء اللہ) بلکہ ہمارے پورے خاندان میں پڑھا جاتا ہے۔ یہاں بھی اور لندن اور امریکا میں بھی۔ اس کی تحریروں سے ہم نے بہت کچھ سیکھا ہے۔'' (تبصرے کا شکریہ)

✉ زاہدہ عارف، سابق پرنسپل گورنمنٹ کالج شاہراہ لیاقت، کراچی سے۔ ''ماہنامہ

پاکیزہ پڑھتے ایک عرصہ گزر گیا ہے۔ میری ساتھی پروفیسرز بھی پڑھتی ہیں، ہماری ایک کولیگ رضیہ قاضی آج کل امریکا میں ہیں، وہاں انہوں نے پاکیزہ میں ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کا مضمون دیکھ۔ اب وہ ان سے رابطہ کرنا چاہ رہی ہیں، (جی ضرور ادارے میں خط بھیج سکتی ہیں تاکہ ہم ذکیہ آپا کو بھجوا دیں گے) ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کی تو ایجوکیشن میں اور اب قرآن شریف کی تحقیق کے سلسلے میں بہت خدمات ہیں۔ (بہت شکریہ، زاہدہ صاحبہ، آپ تو معلّمہ ہیں، ہماری بھی رہنمائی کریں۔ آپ سے بات کر کے ہمیں بھی اچھا لگا)

زاہد خان، اسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ ڈگری کالج مالاکنڈ سے۔ ''شمیم فضل خالق بہت اچھی رائٹر ہیں، ان کی تحریریں ہلکی پھلکی اور سبق آموز ہوتی ہیں۔ ہم ان سے رابطہ کرنا چاہتے ہیں، پاکیزہ بہت اچھا رسالہ ہے، اس میں شامل سلسلے نوجوانوں کے لیے ہدایت ہیں۔'' (آپ پاکیزہ کے ذریعے رابطہ کرسکتے ہیں)

عائشہ خان، لاہور سے۔ ''خرابیِ صحت کی بنا پر نہ انجم آپی کو الوداع کہہ سکی نہ آپ کو ویلکم لیکن صحت کے کچھ بہتر ہوتے ہی پاکیزہ میں حاضر ہوں۔ (اللہ آپ کو صحت سے رکھے) اچھے لوگ قسمت سے ملتے ہیں اور پاکیزہ اس معاملے میں ہمیشہ سے لکی رہا ہے کہ اسے اچھے لوگوں کا ساتھ نصیب ہوتا رہا ہے۔ نئے آنے والے لوگ کسی بھی مقام پر ہوں کچھ تبدیلیاں لاتے ہیں، ان ہی تبدیلیوں کی وجہ سے ان کی قابلیت اور صلاحیت کا پتا چلتا ہے۔ پاکیزہ میں آنے والی تبدیلیاں بلاشبہ قابلِ تحسین ہیں، خاص طور پر غزلیات اور افسانوں کا انتخاب لاجواب ہے۔ آخرت والے دن ہر قابلیت، ہر صلاحیت اور ہر اختیار کی جواب دہی ہوگی، میری دعا ہے کہ آپ ان کا بہترین استعمال کریں۔'' (بس آپ سب کا تعاون اور دعائیں چاہئیں)

طیبہ عنصر مغل، کراچی سے۔ ''انجم آپی کو اتنے دن بعد پاکیزہ میں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، آنکھوں میں آنسو آ گئے لیکن عذرا آپا نے جس محبت سے ان کے اعزاز میں تقریب کی وہ قابلِ تحسین ہے، یہ خوبی پاکیزہ کی ہی ہے کہ وہ اپنے ادارے سے وابستہ افراد کو اعزاز بخشتے ہیں۔ ایک بہن نے کچھ اعتراضات اٹھائے جو عقیلہ اور دوسری بہن کے خط پہ تھے جو بالکل بھی معنی نہیں رکھتے اگر انجم آپی کو گولڈ میڈل ملنے کا ذکر ہوا تو وہ اس قابل ہیں اور پاکیزہ اور عذرا آپی کے خلوص کا ذکر انجم آپی کو ہرگز گراں نہیں گزرا ہوگا۔ انجم باجی کے لیے باعثِ فخر ہے کہ ادارہ ان سے محبت کرتا ہے اور اس ادارے کے لیے جہاں آپی نے دن رات ایک کیے وہیں اس ادارے نے بھی ان کی عزت و تکریم میں ہرگز کمی نہیں آنے دی۔ بلاشبہ وہ قدر کے قابل ہیں اور ان کی خوش بختی کی بھی یہ مثال ہے کہ ان کو ایک انتہائی قدر دان ادارہ بھی ملا، قاری بہنیں ان کی مداح ہیں لوگ بھولنے میں دیر نہیں لگاتے لیکن عذرا آپی اور ہم سب انجم آپی کے اب بھی اتنے ہی مشتاق ہیں، ساتھی مصنفین ان سے محبت کرتی ہیں۔ پاکیزہ کو آپی نے سنوارا تو ادارے نے بھی ان کو نام اور عزت بخشی، اسی پلیٹ فارم پہ آپی نے ہم سے ناتا جوڑا شکریہ، پاکیزہ اور میں تو ان کے ہاتھ سے لگا پودا ہوں، مجھے پاکیزہ کے توسط سے انجم آپی سے کہنا تھا کہ وہ تو میرے رونے پر مجھے یہ کہہ کر رخصت ہوئی تھیں کہ میرے ساتھ فون پر رابطے میں رہیں گی لیکن آپی مہینوں ہوگئے آپ کی پیاری آواز سنے میں تو آپ کی بیٹی تھی بھلا بیٹی سے اتنا گریز کیوں؟ عقیلہ حق، ہما بیگ جی کی تحاریر مسلسل پڑھنے سے ہماری ایک طرح تربیت ہو رہی ہے بہت بہترین انداز تحریر میں اپنی ان سب بہنوں کی شکر گزار ہوں جنہوں نے میری تحریر ربا تو محرم راز میرا کو پذیرائی بخشی۔ میری بہت ہی محترم ہستی ڈاکٹر ممتاز ضیا صاحبہ کو مایوسی ہوئی میری تحریر سے اس کے لیے معذرت، دراصل میں ٹی وی بہت کم دیکھتی ہوں اس لیے اگر وہ اس ڈرامے کا نام بھی لکھ دیتیں تو مجھے آسانی ہوتی کہ میری تحریر کے موضوع پر کون سی ڈراما سیریل چل چکی ہے

مجھے خود بہت سرچ کرنے پر بھی ڈراما نہیں مل سکا تو ایک دوست نے بتایا کہ اس ایشو پر کوئی ڈراما تھا لیکن تھوڑی سی موضوع کی مماثلت تھی لیکن اس میں ہیپی اینڈ تھا اور میری تحریر اس تحریر سے یکسر مختلف تھی، اس میں تو بہن، بھائی لالچی ہوتے ہیں، اپنے بچوں سے شادی کروانا چاہتے ہیں تو پیاری ممتاز جی بہت ہی ادب سے گزارش ہے کہ میں نے وہ ڈراما سیریل نہیں دیکھی اور میری یہ تحریر پاکیزہ کے لیے انجم آپی نے سلیکٹ کی تھی۔ میری کرنٹ ایشو پہ تحریر ہوش کے ناخن کو شائع کرنے پر بہت شکریہ...... پاکیزہ میرا گھر ہے اور ہمیشہ رہے گا، انشاء اللہ! مجھے قدم، قدم چلنا اسی ادارے نے سکھایا اور مجھے رائٹرز کی صف میں کھڑا کر دیا، سب مصنفین کی تحاریر یقیناً بہترین ہوں گی کیونکہ پاکیزہ معیار پہ سمجھوتا نہیں کرتا ہے۔'' (بہت شکریہ طیبہ بیٹی کا رشتہ مبارک ہو)

عدیلہ، بھیرہ سے۔ ''میں عرصہ بیس سال سے پاکیزہ پڑھ رہی ہوں مگر رائے کبھی نہیں دی بس آپس میں ہی ہم سہیلیاں یا جاننے والے تو ڈسکس کر لیتے تھے۔ اب آپ کا فون نمبر اس پر دیکھا تو دل چاہا کہ آپ سے بات کروں، آپ کا رسالہ بہت اچھا ہے۔ اس پر تمام رائٹرز ہی اچھا لکھ رہی ہیں، اس کے علاوہ آپ جو سراسلے یا کارنرز، مضمون وغیرہ لگاتی ہیں وہ بھی بہت اچھے لگتے ہیں، انشاء اللہ اب باقاعدگی سے آؤں گی۔'' (بہت شکریہ رسالے کی پسندیدگی کا آپ اپنی رائے، تنقید، مشورے سے بھی ضرور آگاہ کریں)

انیلا طالب، گوجرانوالہ سے۔ ''آج ہی فروری کا پاکیزہ پڑھا ماشاء اللہ بہت ہی بیسٹ ہے اور خاص طور پر آپ کی نئی رائٹرز سے برتی جانے والی شفقت سراہے جانے کے قابل ہے اسی طرح تو حوصلہ بڑھتا ہے۔ سب ہی موضوعات بہت اچھے ہیں، پاکیزہ بہت اچھا جا رہا ہے۔ آپ فون پر فوری ریپلائی کرتی ہیں، اس کے لیے شکریہ......'' (پاکیزہ سے آپ سب کی بھی محبت اور اپنائیت سراہے جانے کے قابل ہے اور آپ بھی تو وقت نکال کر فون کرتی ہیں اس لیے قدر تو کرنی ہی چاہیے ناں)

ناہید، آزاد کشمیر سے۔ ''پاکیزہ تو کافی عرصے سے پڑھ رہی ہوں مگر خط نہیں لکھ پاتی۔ بہنوں کی محفل میں درود پاک اور آیتِ کریمہ پڑھنے کا جو لکھا ہوتا ہے تو اس سے ظاہر آپ سب کو نیکیاں ملتی ہیں، یہی تو پاکیزہ کی خوبی ہے۔ فروری کے شمارے میں انجم انصار کے اعزاز میں تقریب کا احوال پڑھا اور تصویریں بھی دیکھیں، بہت خوشی ہوئی۔ وہ اتنا عرصہ پاکیزہ کے ساتھ رہی ہیں تو پارٹی تو ہونا ہی تھی۔ (جی بالکل) یہاں ضلع باغ میں کافی لوگ پاکیزہ پڑھتے ہیں، یہ مری سے دو گھنٹے دوری پر ہے کبھی اِدھر آنا ہو تو ضرور بتایئے گا۔'' (بہت شکریہ دعوت نامے کا...... تفصیلی تبصرہ بھی ضرور لکھیے گا)

اس مرتبہ صفحات زیادہ ہونے کے باوجود کم پڑ گئے خیر سالگرہ نمبر 2 میں مزید باتیں ہوں گی جن بہنوں کے خطوط رہ گئے وہ آئندہ شامل کر لیے جائیں گے، اب اجازت۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر آن ہر گھڑی اپنی حفاظت میں رکھے۔ ہم سب کو رزق حلال نصیب فرمائے اپنے فضل و کرم سے ہمارا دامن سیراب کر دے۔ اے رب کریم اپنے حبیب پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے سے ہمارے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دے...... بے شک تو بڑا بخشنے والا غفور والرحیم ہے!

آپ کی خیریت کی طالب
نزہت اصغر

پاکیزہ ڈائری



عظمیٰ آفاق سعید

حمد باری تعالیٰ

خاکیو جب مانگنا بس خدا سے مانگنا
نعمتیں دنیا کی سب حاجت روا سے مانگنا
کام بگڑے بن نہ پائیں ذاتِ ربی کے سوا
مانگنا جب بھی مدد مشکل کشا سے مانگنا
کم سے کم تر چیز کی جب بھی ضرورت ہو تمہیں
سر جھکا کر مالکِ ارض و سما سے مانگنا
رزق دیتا ہے وہی ہر آدمی کو بے بہا
مفلسوں، کاسہ گروں تم دستِ عطا سے مانگنا
عزت و ذلت ہیں دونوں اس خدا کے ہاتھ میں
شان و شوکت بس اسی ذاتِ بقا سے مانگنا
ڈوبے جب کشتی بھنور میں اس گھڑی رب یاد کر
آسرا پھر اے بشر ربُ العلیٰ سے مانگنا
جب کوئی بشر پڑا ہو بستر بیمار پر
پھر دعائے صحت کامل کبریا سے مانگنا
حق تعالیٰ ہی نوازے بندے کو اولاد سے
بیٹی، بیٹے جیسی دولت بھی خدا سے مانگنا
رو کبھی نہ ہو دعا ساگر تمہاری عمر بھر
ربِ کائنات سے تم اس ادا سے مانگنا

کلام: محمد ایوب ساگر

انتخاب: عابدہ شاہین، فوجیوں والا، رینالہ خورد

نعت رسول مقبولﷺ

دل پکارے صلِ علیٰ محمدؐ
نبی ہمارے صلِ علیٰ محمدؐ
نام محمدؐ روشنی، روشنی
فلک کے ستارے صلِ اللہ محمدؐ
مددگار ہیں وہ سب کے
سبھی کے سہارے صلِ علیٰ محمدؐ
کلام ان کا مثلِ قرآن مجید
خدا کے دلارے صلِ علیٰ محمد
وہ چاند ہیں عرب کا
نور کے ستارے صلِ علیٰ محمدؐ
قربان ان پہ ہم ہیں
جان سے پیارے صلِ اللہ محمدؐ
جنت ہی جنت ہے مدینہ
نورانی نظارے صلِ اللہ محمدؐ

کلام: فصیحہ آصف خان، ملتان

دعا بحضور سرور کونین حضرت محمد مصطفیٰﷺ

نظارے سبز گنبد کے مرے خوابوں میں آتے ہیں
کھلی آنکھوں یہی منظر یونہی تعبیر ہو جائے
مرے جذبوں کے آگے کوئی جذبہ ہو نہیں سکتا
گھڑی وہ وصل کی عمر بھر زنجیر ہو جائے
وہی منظر، وہی گنبد، وہی جلوے، وہی سجدے
الٰہی مرے خوابوں کی یہی تفسیر ہو جائے
مرے بے چین لمحوں کو قرار آ جائے اس لمحے
نبی کا سنگِ در ہو میرا سر ہو منظر یہی تصویر ہو جائے

کلام: فریدہ افتخار، اسلام آباد

سحر ہونے کو ہے

جاگ اٹھے سارے پرندے اب سحر ہونے کو ہے
روشن ہوئے ہر سو نظارے اب سحر ہونے کو ہے
ٹھنڈی، ٹھنڈی مست ہوائیں دے رہی ہیں یہ خبر

پربتوں کی چوٹیوں پر اب سحر ہونے کو ہے
اوڑھ لی ہے نیلی چادر پھر سے آکاش نے
چھٹ گئے ظلمت کے سائے اب سحر ہونے کو ہے
شمس نے چپکے سے جھانکا پورب کے دروازے سے یوں
کہہ رہی ہیں اس کی کرنیں اب سحر ہونے کو ہے

کلام: عالیہ ضیا، کراچی

دعا

قسمت میں میری چین سے جینا لکھ دے
ڈوبے نہ کبھی مرا سفینہ لکھ دے
جنت بھی گوارا ہے مگر میرے لیے
اے کاتبِ تقدیر مدینہ لکھ دے
(الٰہی آمین)

از: فرخندہ جعفری، گجرات

پاکیزہ

دنیا کا خوب صورت ترین لفظ......اللہ
دنیا کا میٹھا ترین نام......محمد
دنیا کی مکمل ترین کتاب......قرآن
دنیا کی مکمل ترین ورزش......نماز
دنیا کا خوب صورت ترین پیغام......اذان

دوستی

دوستی بہت قیمتی رشتہ ہے جس کی امید کم ظرف لوگوں سے نہیں لگائی جاسکتی، وقت آنے پر بہت سے چہروں کے نقاب اتر جاتے ہیں۔

خسارہ

اللہ ناراض ہو کر روٹی نہیں چھینتا سجدے کی توفیق چھین لیتا ہے اور یقین مانو یہی سب سے بڑا خسارہ ہے۔

مرسلہ: نرگس نسیم، چکوال

حضرت لقمان کی اپنے بیٹے سے پیاری، پیاری باتیں

☆ بیٹا دنیا ایک گہرا سمندر ہے جس میں بہت سے لوگ غرق ہو چکے ہیں، تجھے چاہیے کہ تو دنیا کے اس سمندر میں اپنی کشتی تقویٰ کو بنالے، جس کا بھراؤ ایمان ہو، جس کا بادبان توکل علی اللہ ہو، ممکن ہے اس صورت میں تو اس سے بچ جائے۔ ورنہ نجات نہیں ہوسکتی۔

☆ جس کا نفس ہی خود اس کا واعظ ہو اس کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت ہوتی ہے، جو خود اپنے بارے میں لوگوں سے انصاف کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی وجہ سے وقتی ذلیل ہو جانا انسان کو اللہ کے قریب کر دیتا ہے بہ نسبت اللہ کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے دنیاوی عزت حاصل ہونے پر کہ وہ اللہ سے دور کر دیتی ہے۔

☆ والد کا اپنے بچے کو (اس کی تربیت کے لیے) مارنا ایسے ہی ہے جیسے کھیتی میں کھاد ڈالنا۔

☆ بیٹا قرضہ لینے سے بچ کیونکہ قرضہ دن کی ذلت اور رات کی فکر کا باعث ہے۔

از: شازیہ میواتی، کھڈیاں خاص، ضلع قصور

اے میرے پاکیزہ تمہاری سالگرہ پر

یہ چاند اور یہ ابر رواں گزرتا رہے
جمال شام تہ آسمان گزرتا رہے
بھرا رہے تری خوشبو سے تیرا صحن چمن
بس ایک موسم عنبر فشاں گزرتا رہے
سماعتیں ترے لہجے سے پھول چنتی رہیں
دلوں کے ساز پہ تو نغمہ خواں گزرتا رہے
خدا کرے تری آنکھیں ہمیشہ ہنستی رہیں
دیارِ وقت سے تو شادماں گزرتا رہے
میں تجھ کو دیکھ نہ پاؤں تو کچھ ملال نہیں
کہیں بھی ہوں، ستارہ نشاں گزرتا رہے
میں مانگتی ہوں تری زندگی قیامت تک
ہوا کی طرح سے تو جاوداں گزرتا رہے
مرا ستارہ کہیں ٹوٹ کر بکھر جائے
فلک سے تیرا خطِ کہکشاں گزرتا رہے

میں تجھ کو دیکھ سکوں آخری بصارت تک
نظر کے سامنے بس اک ساں گزرتا رہے
مرسلہ: نفیسہ آرا، راس الخیمہ

میرے پیارے پاکیزہ

تیرے اس جنم دن پر
سوچ کا ہر ایک منظر
ہے بہت ہی جاں پرور
کتنی اچھی لگتی ہیں
ساعتیں جنم دن کی
سب کے ساتھ خوش رہنا
چھوٹی، چھوٹی باتوں پر
کھلکھلا کے ہنس دینا
ان حسین لمحوں میں
آرزو ہے یہ میری
یوں نہ چپ رہا جائے
پاس جا کے دھیرے سے
سر کو رکھ کے کاندھے پہ
کیوں نہ یہ کہا جائے
خوشیاں سب مبارک ہوں
آپ کو اس جنم دن کی
آپ کے لیے یہ حسین دن
بے شمار خوشیاں لائے
اور آپ کی زندگی میں
کوئی بھی دکھ نہ آئے
سالگرہ مبارک، تمام اہل پاکیزہ کو

ازطرف: عرشیہ جنید، کراچی

بزرگ نے زندگی کیسے گزاری

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا۔ ''حضور آپ نے ساری عمر کس طرح بسر کی؟''

انہوں نے کہا۔'' چار باتوں میں۔

(الف) میں نے یقین کے ساتھ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کی نظر سے میں ایک لمحہ بھی غائب نہیں رہ سکتا۔ اس یقین کے بعد مجھے اپنے رب کے سامنے اس کی نافرمانی کرنے سے شرم محسوس ہونے لگی۔

(ب) میں نے یقین کے ساتھ جان لیا کہ میری قسمت میں جو رزق ہے، اس کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لے لیا ہے۔ یعنی میرا رزق مجھے ہر حال میں ملے گا۔ یوں میں اپنے رزق کی طرف سے بے فکر ہوگیا۔

(ج) میں نے یقین کے ساتھ جان لیا کہ جو فرائض میرے ذمے لگائے گئے ہیں، وہ میرے علاوہ کوئی اور نہیں کرسکتا۔ اس طرح میں اپنے فرائض کی ادائیگی میں مشغول ہوگیا۔

(د) میں نے یقین کے ساتھ جان لیا کہ ایک روز مجھے ضرور مرنا ہے۔ اور دوسری دنیا میں بہر حال جانا ہے۔ پس میں دوسری دنیا کو اپنے لیے اچھا بنانے کی کوشش میں لگ گیا۔''

مرسلہ: نیلوفر خان، بہارہ کہو

الفاظ بالمقابلہ لہجہ

جادو الفاظ میں نہیں لہجے میں ہوتا ہے۔ الفاظ سے بات سمجھ میں آتی ہے، لہجے سے دل میں اتر جاتی ہے۔ الف لیلوی خزانوں کا دروازہ ہر ایرے غیرے کے لیے ''کھل جا سم سم'' کہنے سے نہیں کھلتا۔ وہ اللہ دین کا لہجہ مانگتا ہے۔

دلوں کے قفل کی کلید بھی لفظ میں نہیں لہجے میں ہوا کرتی ہے کبھی کہنے والے کہہ کر اپنے الفاظ ضائع کردیتے ہیں تو کبھی کچھ نہ کہہ کر چپ رہنے والے بہت کچھ کہہ دیا کرتے ہیں۔

از: سعیدہ بانو، مری

سالگرہ کے پُر مسرت موقع پر

دعا کی صورت میں اس کی خاطر
جو میرے ہونٹوں سے لفظ نکلے
جو میری آنکھوں سے اشک نکلے
انہی کے بدلے میں اے خدایا
جب بھی اس کا نصیب لکھنا

عروج لکھنا کمال لکھنا
کبھی نہ حرف زوال لکھنا
الٰہی آمین......

ازطرف: ممتاز خانم، کراچی

دوست کے لیے

زندگی کے کسی بھی موڑ پر اگر مجھ میں کوئی برائی پاؤ تو دنیا کو بتانے سے پہلے اک بار مجھے ضرور بتا دینا کیونکہ وہ برائی مجھے خود ختم کرنی ہے دنیا نے نہیں۔

ازطرف: وزیہ ظفر، چکوال

دوست

لفظ دوست زبان سے ادا کرنا کس قدر سہل ہے مگر اس کے مفہوم کو سمجھنا ہر کسی کے لیے آسان نہیں، دراصل یہ چار صفات کا مجموعہ ہے۔

د سے دیانت داری......

و سے وفاداری......

س سے سچائی......اور

ت سے تابعداری...... اگر ان چار صفات کا وجود دوستوں کے درمیان قائم رہتا ہے تو دوستی کا یہ رشتہ کبھی نہیں ٹوٹتا۔ دوستی ایک ہمہ گیر رشتہ ہے۔ وہ باتیں، وہ خیالات، وہ مسائل جو ہم ماں، باپ سے یا بہن، بھائیوں سے شیئر نہیں کرسکتے وہ ہم اس دوست سے بخوبی کرلیتے ہیں۔ اور دوست بھی اگر ''ماہنامہ پاکیزہ'' ہو تو بے شک بہت بڑا سہارا لگتا ہے ان مشکلوں میں کہ جو حل طلب ہوتی ہیں۔

اے پیارے دوست تمہارے بنانے والے سنوارنے والے سدا سلامت رہیں اور خوش آباد رہیں، آمین۔

ازطرف: نگینہ ضیا بنگش، کراچی

غزل

تیری میری درد کہانی
دریا جیسی ایک روانی
شاید میں تو بھول گئی
رکھ کر تیری ایک نشانی
آخر اس کو کون سنبھالے
یہ تیری تصویر پرانی
ان آنکھوں میں خواب تمہارے
یہ میری بھرپور جوانی
یاد رہے گا وصل تمہارا
یاد کروں گی شام سہانی
تیرے شہر سے اک دن میں بھی
کر جاؤں گی نقل مکانی
رقص میں فری آجائے گا
میری آنکھ کا بہتا پانی

کلام: فریدہ جاوید فری، لاہور

تیرے نام کرتی ہوں

اپنا خلوص
اپنا یقین
اپنا اعتبار
اپنی وفا
فقط تیرے نام کرتی ہوں۔
اس رشتے کا
ہر موڑ
ہر پل
ہر قدم
ہر خوشی
تیرے نام کرتی ہوں
وہ تمام دعائیں
وہ تمام حرف
وہ تمام لفظ
جو میرے اپنے ہیں
ہاں تیرے نام کرتی ہوں
تجھ پہ نثار کرتی ہوں
ہاں میرے پاکیزہ تجھ سے ہی ملی آگہی
تجھ سے ہی ملی ہے روشنی

از: سدرہ کلثوم، ضلع لکی مروت



☆شبنم میر......سیالکوٹ

یہ خواب یہ خوشیوں بھرے ہنستے ہوئے یہ خواب
یہ خواب مرے دل پہ اثر کیوں نہیں کرتے
یہ لوگ مسلسل ہیں جو اک خوف کے قیدی
اس خوف کی دیوار میں در کیوں نہیں کرتے

☆نرگس نسیم......صابہ موہڑہ

بھوک نگر کے سارے پنچھی اک دانے پر ٹوٹ پڑے
صیادوں نے تیر چلا کر ان کی کر دی مشکل حل

☆شہناز وسیم......کراچی

یادیں ہیں اس کی جس نے کیا ہے لہولہو
راحت عجیب سی مرے خونِ جگر میں ہے
میری فغاں نے رنگ ہی اس کا بدل دیا
پھر یہ کھلا کہ وہ بھی غمِ چارہ گر میں ہے

☆نرمین سرہیو......حیدرآباد، سندھ

پانی میں آ گئے ہیں لیے آتشِ جنوں
بجھتی نہیں ہے آگ خطا ہے یہ آپ کی
آنکھوں سے بھی چھوا نہیں اس حسن کو خیال
کیسے لکھے گا کوئی کہانی جناب کی

☆حمیرا وحید......واہ کینٹ

شاید میرے بغیر نہ آئے گا پھر کبھی
اس بے خودی کے ساتھ یہ موسم بہار کا

☆شہلا نواز......لاہور

موتیا، بیلا پھول اور کلیاں
دیکھو سب ہی شاد ہیں ناں
آج تمہاری سالگرہ ہے
دیکھو ہم کو یاد ہے ناں

☆جبیں نیاز......ملتان

کھڑے ہوئے ہیں وہ کب سے نظر جھکائے ہوئے
خمار ہوش میں آ تو یہ بے خودی کیا ہے

☆تسنیم کوثر......کراچی

اب اس قدر نہ ستاؤ کہ سانس اکھڑ جائے
بساط سے کہیں بڑھ کر ہوا ہوں رسوا میں

☆فصیحہ آصف......ملتان

پھر یوں ہوا کہ اس نے کیا ملنے سے انکار
پھر یوں ہوا کہ ہم بھی مصروف ہو گئے

☆شازیہ ہاشم......ضلع قصور

ماضی کے چار دنوں نے چھین لی میری ہنسی
اب حال میں میرا حال فی الحال نہ پوچھو

☆انیس جبار......آزاد کشمیر

محبت زندگی کے فیصلوں سے لڑ نہیں سکتی
کسی کو کھونا پڑتا ہے، کسی کا ہونا پڑتا ہے

☆ارم کمال......فیصل آباد

دل نہ چاہے تو اک ساتھ بسر کیسے ہو
لیکن اس بات کی اب اس کو خبر کیسے ہو
ساتھ رہنے کی اذیت در و دیوار سے پوچھ
دل نہ ملتے ہوں مکینوں کے تو گھر کیسے ہو

☆صبا ارشاد......منڈی بہاؤالدین

محبت ہار کے جینا بہت دشوار ہوتا ہے
اسے بس اتنا کہہ دینا بھرم توڑا نہیں کرتے

☆کرن......کراچی

تصورات کی دولت نصیب ہوتی ہے
شبِ فراق بھی کتنی عجیب ہوتی ہے
مزہ تو تب ہو کہ غربت میں ساتھ دے کوئی
خوشی میں تو ہر اک شے قریب ہوتی ہے

☆حسینہ ممتاز......اسلام آباد

محبت کرنی ہے تو اپنے رب سے کر حسینہ
مٹی کے پتلے کبھی وفا نہیں کرتے

☆نسیم منظر......حیدرآباد

خلوص پیار بھری دوستی مبارک ہو
تمہیں یہ سالگرہ کی خوشی مبارک ہو

☆زرینہ خان......بہارہ کہو

اس دل میں اتنے زخم ہیں کہ اس کا کوئی اندازہ نہیں
تجھے کھول کر دکھاؤں کیسے کہ اس کا کوئی دروازہ نہیں

☆ذیشان سلطان......لاہور

بعد اس کے میری خواہش ہو جائے گی یوں ختم
بس دیکھ کر مجھے تم' اک بار مسکرا دو

☆سیدہ حیا عباس، تلہ گنگ

بچپن کے سارے ساتھی بھی چپ چاپ اڑا لے جاتی ہے
جب چاہت آزماتی ہے، دل خون کے آنسو روتا ہے
دن بھر تو جھیلوں میں اکثر ہم الجھے، الجھے رہتے ہیں
جب شب پر پھیلاتی ہے دل خون کے آنسو روتا ہے

☆صباحت ضیا بخش......کراچی

مدت سے ہے آوارۂ افلاک مری فکر
کر دے اسے اب چاند کے غاروں میں نظر بند
فطرت نے مجھے بخشے ہیں جوہر ملکوتی
خاکی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند

☆صبا نور......لیہ

ایک ذرا سی بات کا مطلب ایک ذرا سی بات نہیں
ایک ذرا سے دھاگے سے بُنتے ہیں تانے بانے لوگ
چہروں کے بہروپ میں منظر کون کسی کو جان سکا
سب انجانے چہرے ہیں، انجام تم، انجانے لوگ

☆ثمر کاظمی......ڈی آئی خان

اب وہ کسی اور سے یہ کہتا ہوگا
تم سے بچھڑوں گا تو مر جاؤں گا

☆سعدیہ......بنوں شہر

شوخی سے ٹھہرتی نہیں قاتل کی نظر آج
یہ برق بھلا دیکھیے گرتی ہے کدھر آج

☆جبیں نیاز......ملتان

کبھی ان کا نام لینا، کبھی ان کی بات کرنا
میرا عشق ان کی چاہت، میرا شوق ان پہ مرنا

☆فرح طاہر......ملتان

بڑھ گیا ہے اس قدر اب سرخ رو ہونے کا شوق
لوگ اپنے خون سے جسموں کو تر کرنے لگے

☆رابعہ شاہد......یو اے ای

تجھ سے کوئی فی الحال طلب ہے نہ تمنا
اس شہر میں جیسے تیرا ہونا ہی بہت ہے

☆نازنین آفریدی......پشاور

خط کے آخر میں سبھی یوں ہی لکھا کرتے ہیں
اس نے رسماً ہی لکھا ہوگا تمہارا اپنا

☆پروین افضل شاہین، بہاولنگر

بہت گہری تھی رات لیکن ہم تھے کہ سوئے نہیں
درد بھی بہت تھا دل میں مگر ہم روئے نہیں
کوئی نہیں ہے ہمارا جو پوچھے ہم سے بھی
جاگ رہے ہو کس کے لیے اور کس کے لیے سوئے نہیں

☆نوشین اقبال......سرگودھا

اے ابرِ نو بہار ذرا اس طرف بھی دیکھ
وادی میں کچھ درخت ہیں تنہا کھڑے ہوئے

☆ثمرینہ قیصر......کمالیہ

دکھ جھیلنا ہے خوشی کے لیے شعور
کانٹے بغیر پھول کھلاتی نہیں بہار
ہوتی ہے روشنی بھی مگر تیرگی کے بعد
پہلے خزاں نہ آئے تو آتی نہیں بہار

☆شاہینہ مسعود، کمالیہ

مجھے یہ دھن کہ سمٹ آئے میری بانہوں میں
وہ خواب، خواب سا منظر بکھر، بکھر جائے
تیرے چمن میں کبھی دیر تک خزاں نہ رہے
بہار جاتے ہوئے بھی ٹھہر، ٹھہر جائے

☆ساجدہ ظفر، ٹوبہ ٹیک سنگھ

تم اس سے کہہ رہے ہو بہاروں کی داستاں
جس کی نظر میں گلشنِ ہستی فریب ہے



بُھنی چانپ

اشیا: چانپیں، ایک کلو۔ لہسن کا پیسٹ، دو کھانے کے چمچ۔ ادرک کا پیسٹ، دو چائے کے چمچ۔ سرکہ، آدھا کپ۔ دہی، ایک چوتھائی کپ۔ لیموں، (رس نکال لیں) ایک عدد۔ تیل، حسب ضرورت۔ سرخ مرچ پاؤڈر، دو چائے کے چمچ۔ نمک، حسب ذائقہ۔

ترکیب: چانپوں کو نمک ملے پانی میں پندرہ سے بیس منٹ تک اُبال کر پلیٹ میں نکال لیں پھر خشک ہوجائیں تو اس میں لیموں کا رس، لہسن پیسٹ، ادرک پیسٹ، لال مرچ پاؤڈر، سرکہ، نمک اور دہی ملا کر چھ سے سات گھنٹے تک میرینیٹ ہونے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ ایک بڑے سوس پین میں تیل گرم کریں اس میں میرینیٹ کی ہوئی چانپیں علیٰحدہ، علیٰحدہ ڈال کر درمیانی آنچ پر گولڈن ہونے تک فرائی کریں۔ سرونگ ڈش میں نکال کر ٹماٹو کیچپ یا ہری چٹنی کے ساتھ سرو کریں۔

مرسلہ: سنبل ملک، شاہدرہ

سبزی بھرا مرغ

اشیا: مرغ، (سالم) ایک عدد (ڈیڑھ کلو کے قریب)۔ مٹر کے دانے، ایک کپ۔ آلو، ایک کپ۔ گاجر، آدھا کپ۔ ٹماٹر، ایک عدد (باریک چوپ کرلیں)۔ شلجم، ایک عدد۔ پیاز، (سلائس کاٹ لیں) ایک عدد۔ لال مرچ پاؤڈر، حسب ذائقہ۔ نمک، حسب ذائقہ۔ گرم مسالا پاؤڈر، ایک چوتھائی چائے کا چمچ۔ لیموں، دو عدد۔ دہی، ایک کپ۔ کوکنگ آئل، حسب ضرورت۔

ترکیب: مٹر کے دانے تھوڑا اُبال کر کوکنگ آئل میں تل لیجیے۔ شلجم اور آلو کے بڑے چوکور ٹکڑے کرکے بھی... آئل میں تل لیں۔ گاجر کدوکش کرلیں۔ پیاز بھی کوکنگ آئل میں براؤن کرکے چورا کرلیں۔ لیموں کا رس بھی نکال لیں۔ ٹماٹر، مٹر کے دانے، آلو، گاجر، شلجم، پیاز، گرم مسالا پاؤڈر اور نمک ملا کر مرکب تیار کرلیں۔ یہ مرکب مرغ کے پیٹ میں بھر کر موٹے دھاگے سے باندھ دیں تاکہ فلنگ باہر نہ نکلے۔

مرغ میں دہی، نمک، لال مرچ پاؤڈر لگا کر چوبیس گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ ایک پتیلی میں کوکنگ آئل گرم کرکے یہ مرغ پتیلی میں ڈال کر ہلکی آنچ پر بھونیں اور براؤن کریں۔ الٹ پلٹ کریں تاکہ چاروں طرف سے سرخ ہوجائے۔ چاہیں تو اس کو 300 ڈگری سینٹی گریڈ پر گرم اوون میں بیک کرکے براؤن کریں۔ جب براؤن ہوجائے تو اوپر کوکنگ آئل لگائیں، ترکاری بھرا مرغ مسلم تیار ہے۔

مرسلہ: رابعہ شاہد، دبئی

باربی کیو رائس

اشیا: بریانی کے چاول، آدھا کلو۔ چکن بریسٹ (ایک انچ کی چوکور بوٹی کرلیں)، آدھا کلو۔ کچا پپیتا (پیس لیں) ایک کھانے کا چمچ۔ باربی کیو سوس، دو کھانے کے چمچ۔ ادرک، لہسن پیسٹ، ایک کھانے کا چمچ۔ سرخ مرچ پاؤڈر، ایک کھانے کا چمچ۔ نمک، حسب ذائقہ۔ بیسن، ایک کھانے کا چمچ۔ زردے کا رنگ، ایک چٹکی۔ سفید زیرہ، ایک چائے کا چمچ۔ مرغی کی یخنی، ایک کلو۔ پیاز، (سلائس کاٹ لیں) دو عدد۔ ٹماٹر، (گول سلائس کاٹ لیں) ایک عدد۔ ہری مرچ، (باریک کاٹ لیں) دس عدد۔ لیموں، (رس نکال لیں) ایک عدد۔ دہی، آدھا کپ۔ تیل، ایک کپ۔ (چار کھانے کے چمچے علیٰحدہ نکال لیں)

ترکیب: چکن بوٹی میں کچا پپیتا، باربی کیو سوس،

ادرک لہسن پیسٹ، سرخ مرچ پاؤڈر، نمک، بیسن، لیموں کا رس، زردے کا رنگ اور چار کھانے کے چمچ تیل ڈال کر تین گھنٹے میرینیٹ ہونے کے لیے رکھ دیں۔ سیخوں میں بوٹی لگا کر کوئلوں پر پکالیں، جب بوٹی گل جائے اور خوب بھن جائے تو اتارلیں اس طرح تمام بوٹی تیار کرلیں۔

چاول آدھے گھنٹے کے لیے بھگودیں، تیل گرم کرکے اس میں ایک عدد پیاز کے سلائس ڈال کر لائٹ براؤن کرکے اس میں سفید زیرہ اور ہری مرچ ڈال کر فرائی کریں۔ دہی ڈال کر ہلکا سا بھونیں، نمک اور مرغی کی یخنی ڈال کر اُبال لیں اب اس میں چاول ڈال کر تیز آنچ پر پکائیں۔ جب پانی خشک ہوجائے تو آنچ دھیمی کردیں۔ زردے کا رنگ پانی میں گھول کر ڈال دیں۔ چاول اور باربی کیو کی ہوئی چکن بوٹی، سلائس، پیاز، ٹماٹر ڈال کر اور گرم کوئلہ، روٹی کے ٹکڑے پر رکھ دیں اور ڈھکن اچھی طرح بند کردیں۔ دس منٹ کے لیے دم دیں۔ باربی کیو رائس تیار ہیں، مکس کرکے گرما گرم سرو کریں۔

مرسلہ: عنبرین سلیم، کراچی

بٹر کریم کیک

اشیا: میدہ، ایک تہائی کپ۔ بیکنگ پاؤڈر، تین چائے کے چمچ۔ نمک، آدھی چائے کا چمچ۔ مکھن، 225 گرام۔ چینی، (گرائنڈ کرلیں) ایک چوتھائی کپ۔ ونیلا ایسنس، آدھا چائے کا چمچ۔ انڈے، چار عدد۔ دودھ، آدھا کپ۔

آئسنگ کے لیے اجزا:

آئسنگ شوگر، دو کپ۔ مکھن، آدھا کپ۔ دودھ، دو کھانے کے چمچ۔ ونیلا ایسنس، ایک چائے کا چمچ۔ فوڈ کلر، حسب ضرورت۔

ترکیب: سب سے پہلے میدے اور بیکنگ پاؤڈر کو ایک ساتھ چھان لیں، دوسرے برتن میں مکھن اور چینی کو مکس کریں کہ چینی کا دانہ ختم ہوکر مکھن کریم کی طرح ہوجائے۔ اب ایک، ایک کرکے انڈے بھی ڈال کر مکس کریں۔ الیکٹرک مکسر سے مکس کریں لیکن بہت زیادہ مکس نہیں کرنا اور جب میدہ ڈالیں تو کانٹے سے مکس کریں بیٹر سے نہیں، اب میدہ اور دودھ ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور پہلے سے گرم کیے اوون میں چالیس منٹ تک 370 فارن ہائٹ پر بیک کریں۔

ایک باؤل میں مکھن اور چینی کو مکس کریں کہ چینی کا دانہ ختم ہوکر مکھن کریم کی طرح ہوجائے۔ اب اس میں ونیلا ایسنس اور دودھ ڈال کر مکس کرلیں۔ پھر حسب ضرورت فوڈ کلر ڈالیں اور مکس کرکے ٹھنڈا کرنے رکھ دیں۔ اب کیک کو اس سے ڈیکوریٹ کریں۔

کون کی شیپ میں بٹر پیپر کاٹ کر اس میں کریم ڈال کر سجاوٹ کریں یا آج کل سانچے بھی ملتے ہیں۔

مرسلہ: عروبہ ناز، کوٹلی

بادامی برفی

اشیا: کھویا، آدھا کلو گرام۔ چینی، ڈیڑھ کلو گرام۔ بادام کی گریاں، آدھا کلو گرام۔ پستہ، پچاس گرام۔ گھی، آٹھ سو گرام۔

ترکیب: بادام کی گریاں ایک برتن میں ڈالیں، اس میں پانی ڈال کر چولھے پر رکھیں اور اُبال کر نیچے اتارلیں۔ ٹھنڈی ہونے پر چھلکے اتاردیں اور سل پر باریک پیس لیں۔ پھر کسی کھلی ٹرے میں کھویا پھیلائیں، اس میں کچلے ہوئے بادام اور گھی ملا کر خوب اچھی طرح مکس کردیں۔ اب کڑاہی میں ڈال کر تینوں اجزا کو ہلکی آنچ پر بھونیں مگر ساتھ ہی کفگیر کے ساتھ کھوئے کو مسلتے جائیں، اس کے بعد چینی کا شیرہ تیار کریں اور اس میں ملا کر مکس کرکے آگ سے نیچے اتار لیں۔ ایک سانچے میں ڈال کر ٹھنڈی ہونے پر چاقو یا چھری سے کاٹ لیں۔ یہ خیال رہے ٹرے، تھالی یا کسی بھی سانچے میں ڈالنے سے پہلے برتن کے اندر ہر طرف ہلکا سا گھی مل دیں اور پستہ باریک، باریک کتر کے نیچے چھڑک دیں۔ پھر اس کے بعد آمیزہ ڈال دیں۔ باداموں والی یہ برفی سب کو بے حد پسند آئے گی۔

مرسلہ: نیلوفر خان، بہارہ کہو

☆☆☆

بزمِ پاکیزہ

پاکیزہ بہنیں



پہلا انعام یافتہ سوال

☆نسرین یاسین......لطیف آباد

سوال......نیکی کر دریا میں ڈال، بدی اگر ہو جائے تو اسے کہاں ڈالیں؟

جواب......اپنے گریبان میں۔

دوسرا انعام یافتہ سوال

☆نازنین آفریدی......پشاور

سوال......میں پیار لکھتی ہوں وہ پیاز پڑھتا ہے فقط ایک نقطے نے میری محبت کا سالن بنادیا اب کیا کروں آنٹی جی! آپ ہی سمجھائیں کچھ؟

جواب......یہ تو بتاؤ اب تک کتنے کلو پیاز جمع ہوگئی ہے۔

☆حمیرا وحید......واہ کینٹ

سوال......بہار آتے ہی آپ کے چہرے پر ہنسی کیوں پھیل جاتی ہے؟

جواب......وقت کے پھول جو لڑکیوں کو دینے کے لیے مل جاتے ہیں۔

☆فصیحہ آصف خان......ملتان

سوال......آنکھوں پر بندھا بند...کب ٹوٹتا ہے؟

جواب......سچا سہارا ملنے پر۔

☆ارم کمال......فیصل آباد

سوال......دنیا کی سب سے خطرناک پولیس کون سی ہے؟

جواب......جعلی پولیس۔

☆نیر فہیم خان......کراچی

سوال......عشق کی لوڈ شیڈنگ کا دورانیہ کتنا ہوتا ہے؟

جواب......یہ تو اپنے، اپنے روتوں پر منحصر ہے۔

☆ثمرینہ قیصر......ڈوگر کمالیہ

سوال......دولھا اگر اپنی شادی پر خود ناچنا شروع کردے تو؟

جواب......تو کیا ہے آج کل تو ناچتے ہی دولھا ہیں۔

☆ساجدہ ظفر......کمالیہ

سوال......میرے میاں تیزی سے گنجے ہو رہے ہیں، میں کیا کروں؟

جواب......اسکارف......مطلب ٹوپی اوڑھائے رکھو۔

☆پروین افضل شاہین......بہاول نگر

سوال......میری سالگرہ پر میرے میاں جانی ہر سال بیس روپے والے ٹھیلے سے ہر گفٹ خرید کر کیوں دیتے ہیں؟

جواب......اتنی زیادہ چیزیں لے کر بھی کوئی بیوی خوش نہ ہو تو میاں بیچارہ کیا کرے۔

☆نرمین سرھیو......حیدرآباد

سوال......امتحانوں میں کاپی چیکر کو یہ کیسے سمجھایا جائے کہ جن کے پاس سوچیں زیادہ ہوتی ہیں ان کی لکھائی خراب بھی زیادہ ہوتی ہے؟

جواب......کاپی لے کر خود ہی چیکر کے پاس چلی جاؤ۔



حسن نکھاریے

جبیں

جلد کی حفاظت کے لیے گھر میں ماسک بنائیے

اپنے چہرے کو بازاری مصنوعات کا عادی نہیں بنانا چاہیے۔ اس لیے ضروری ہے کہ آپ ایسی قدرتی چیزوں کو استعمال کریں جن سے کہ آپ کے چہرے پر تازگی اور چمک بڑھ جائے۔ اس کے لیے آپ کو چند گھریلو نسخے بتائے جا رہے ہیں جن سے آپ کے وقت اور پیسے دونوں میں بچت ہوگی۔ آپ اپنے چہرے، بال، ناخن اور ہاتھ پیروں کی خوب صورتی گھر بیٹھے ہی قائم رکھ سکتی ہیں اور بڑھا سکتی ہیں۔

خوب صورت بننے کے لیے نہ تو آپ کو چہرے پر میک اپ کی تہیں جمانی پڑیں گی اور نہ ہی لوشن درکار ہوں گے۔ اس کے برخلاف آپ تازہ سبزیوں اور پھلوں کے رس کے ذریعے اپنے لیے چند نسخے خود گھر پر ہی تیار کرلیں اور انہیں استعمال کریں تو آپ تمام کوفت سے بچ جائیں گی۔

ان نسخوں کے استعمال سے پہلے آپ اپنے چہرے کی جلد کی قسم طے کرلیں اور اسی کے حساب سے نسخہ تیار کریں۔

چہرے کی چھائیاں دور کریں

گلیسرین۔ ایک کھانے کا چمچہ۔ گلاب کا عرق، ایک کھانے کا چمچ شہد، چار کھانے کے چمچے۔ ایک انڈے کی سفیدی۔

ایک برتن میں گلیسرین لیں۔ اب اس میں شہد اور گلاب کا عرق ملا دیں اور اس کو اچھی طرح پھینٹ لیں اور یہ آمیزہ ایک بوتل میں رکھ لیں پھر اس سے اپنے چہرے کی رگڑائی کریں اور دس منٹ لگا رہنے دیں بعد میں اسی پر انڈے کی سفیدی مل لیں اور چند منٹ دھوڈالیں۔ چہرے کی چھائیاں دور ہو جائیں گی۔

کھردری اور خشک جلد

ناریل کا دودھ، آدھی پچ۔ چنے کا پاؤڈر، ایک کھانے کا چمچ۔ بادام کا تیل، ایک کھانے کا چمچ۔ ناریل کے تیل کو ہلکی آنچ پر گرم کرلیں پھر اس میں چنے کا پاؤڈر اور تیل ملا دیں۔ اسے کہنی، گھٹنوں اور ایڑیوں پر لگائیں۔ اور آہستہ، آہستہ مالش کریں۔ اور بیس سے پچیس منٹ تک لگا رہنے دیں۔ اس کے بعد ان حصوں کو نیم گرم پانی سے دھوڈالیں۔

سنگترے اور لیموں کے چھلکے کا پاؤڈر

سب سے پہلے سنگترے یا لیموں کے چھلکے کو دھوپ میں اچھی سے سکھالیں اور سوکھنے پر انہیں پیس کر باریک پاؤڈر بنالیں۔ اب اس میں نیم گرم پانی ڈال کر گاڑھا، گاڑھا لیپ بنالیں۔ اور چہرے کی اس لیپ سے خوب اچھی طرح رگڑائی کریں۔ اس عمل سے آپ کے چہرے کی جلد نرم اور چکنی ہو جائے گی۔

بادام کے تیل سے بنی ہوئی گھریلو کریم

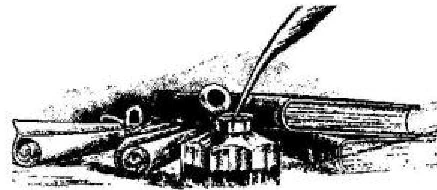
کوکو بٹر، دس گرام۔ شہد، ایک بڑا چمچ۔ گلاب کا عرق، ایک بڑا چمچ۔ ایک انڈے کی زردی۔ بادام کا تیل، ایک بڑا چمچ۔

مکھن کو پگھلا کر... تمام اشیا اس میں ملا دیں اور اچھی طرح پھینٹیں اور نہانے سے ایک گھنٹا قبل چہرے کی خوب اچھی طرح مالش کریں۔ چاہیں تو جسم کی بھی کرسکتی ہیں۔ اس سے روکھا پن ختم ہو جائے گا۔

☆☆☆

روحانی مشورے

ادارہ



فضیلت تلاوت قرآن پاک

ایک مسلمان کے اوپر لازم ہے کہ وہ قرآن پاک کی تلاوت کا شرف باقاعدگی سے حاصل کرلے۔ اگرچہ پنجگانہ نمازوں میں بھی مختلف سوروں کی تلاوت کی جاتی ہے لیکن دن کے کسی بھی حصے میں خصوصاً فجر وعشا کے بعد قرآن مجید کھول کر ضرور پڑھنا چاہیے چاہے ایک رکوع یا ایک صفحہ......

بے شک قرآن پاک مکمل ہدایت، شفا اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ یہاں آپ کی معلومات کے لیے مختلف سورتوں کے فضائل بتائے جارہے ہیں۔

آیات شفا......

یوں تو مکمل قرآن مجید فرقان حمید شفا ہے، علاج ہے، طریقۂ زندگی وبندگی ہے مگر کچھ آیات رسول اکرمؐ اور پھر صحابہ کرامؓ کے ذریعے ہمیں مخصوص بتائی گئی ہیں جن کا ورد مشکلات کے حل کے لیے مخصوص ہے جیسے...... پوری سورۂ فاتحہ......

سورۂ بقرہ (آیات ۱ تا ۵) سورۂ بقرہ میں ہی آیت الکرسی جس کی اہمیت وفضیلت کے بارے میں اوپر بتایا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ کی ہی آیات (۲۸۴ تا ۲۸۶) سورۂ الحراف کی آیات (۵۴ تا ۵۶) سورۂ بنی اسرائیل (آیت ۱۱۰، ۱۱۱) سورۂ صٰفٰت (آیات ۱ تا ۱۱) سورۂ رحمٰن آیات۔ (۳۳ تا ۳۵) سورۂ حشر کی آخری چار آیات، سورۂ حدید کی ابتدائی چار آیات سورۂ جن کی آیات ۱ تا ۴، سورۂ یٰسین ۹ (نہایت مشکل امر میں اس کا ورد کارآمد ہے۔) سورۂ رعد آیت ۱۱

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے پورا کلام الٰہی ہی شفا ہے مگر یہ خصوصی آیات نہایت مشکل وقت میں رنج والم میں نجات دلاتی ہیں۔ حاجت شرعی ہو اور اپنے کسی مسلمان بھائی کے نقصان کی خواہش نہ ہو۔

فضائل سورہ فاتحہ:

1۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سورۂ فاتحہ میں ہر بیماری کے لیے شفا ہے۔

2۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم سورۂ فاتحہ جیسی کوئی صورت نازل نہیں ہوئی نہ اس سے پہلے، نہ انجیل میں، نہ تورات میں، نہ زبور میں، نہ باقی قرآن میں۔

3۔ ایک ارشاد میں فرمایا یہ سورہ دوتہائی قرآن یعنی 20 پاروں کے برابر ہے۔

4۔ ایک ارشاد میں فرمایا عرش کے خاص خزانے میں سے مجھ کو چار چیزیں ملی ہیں جو اور کسی کو نہیں ملیں۔

1۔ سورۂ فاتحہ۔

2۔ آیت الکرسی۔

3۔ سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں۔

4۔ سورۂ کوثر۔

5۔ حضرت حسن بصریؒ نے حضور اقدس کی طرف سے نقل کیا ہے کہ جو آدمی نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے تو اس نے گویا تورات، انجیل، زبور اور قرآن کو پڑھا ہے۔

6۔ ایک مرتبہ حضور اکرمؐ ایک جگہ تشریف فرما تھے۔ ارشاد فرمایا کہ آسمان کا ایک دروازہ آج ہی کھلا ہے جو پہلے کبھی نہیں کھلا۔ پھر ایک فرشتے نے عرض کیا حضورؐ دو نوروں کی خوشخبری لیجیے جو آپ سے پہلے کسی کو نہ ملے، وہ دو نور یہ ہیں۔ ایک سورۂ فاتحہ، دوسرا نور سورۂ بقرہ کا آخری رکوع۔ ان کو نور اس لیے فرمایا کہ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے آگے، آگے چلیں گے۔ (مظاہر حق، فضائل قرآن ص 58 دارمی، بیہقی)

سورۂ فاتحہ کی تاثیر وبرکت...... مشائخ عظام نے فرمایا ہے کہ سورۂ فاتحہ کو یقین کے ساتھ پڑھنا ہر بیماری سے شفا ہے۔ بیماری روحانی ہو یا جسمانی ظاہری ہو یا باطنی، اس کا لکھ کر لٹکانا یا پانی پر دم کرکے پینا ہر مرض سے شفا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے سانپ بچھو والوں پر اس کا دم کیا ہے اسی طرح مرگی والوں اور دیوانوں پر بھی دم کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جائز رکھا ہے۔

حضرت شعبیؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اس کو درد گردہ تھا آپؐ نے فرمایا کہ تم اساس القرآن یعنی فاتحہ کو پڑھ کر درد کی جگہ دم کرو۔ (اس نے کیا تو فوراً فائدہ ہوا)

حضرات مشائخ کا معمول۔ مشائخ کے اعمال مجربہ میں لکھا ہے کہ سورۂ فاتحہ اسم اعظم ہے۔ ہر مطلب کے لیے پڑھی جاتی ہے اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ ہے کہ صبح کی سنت اور فرض کے درمیان 41 مرتبہ چالیس دن تک پڑھے۔ جو مطلب ہوگا انشاء اللہ پورا ہوگا۔ اگر کسی مریض یا سحر زدہ کے لیے پانی پر دم کرکے پلائیں تو شفا ہو۔ اس سورۂ کو چینی کے برتن میں گلاب اور مشک وزعفران سے لکھ کر دھو کر پلانا چالیس دن تک، پرانے مرضوں کو دور کرتا ہے۔ یہ مجرب ہے۔

دانت یا سر درد: نیز سر درد یا دانتوں کے درد کے لیے یا پیٹ کے درد کے لیے سات مرتبہ پڑھ کر دم کرنا مجرب ہے۔ (فضائل قرآن ص 85 مظاہر حق)

شیطان چار مرتبہ ذلیل ہوا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسم نے فرمایا ابلیس ملعون کو چار مرتبہ آہ وزاری کرنے اور سر پر خاک ڈالنے کی نوبت آئی۔ پہلی دفعہ جب وہ ملعون کیا گیا۔ دوسری مرتبہ جب آسمان سے زمین پر ڈالا گیا۔ تیسری دفعہ جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خلعتِ نبوت سے نوازا گیا، چوتھی مرتبہ جب سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔ (حلیہ ابو نعیم)

رات کا وظیفہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو آدمی رات کو سونے سے پہلے سورۂ فاتحہ اور قل ھو اللہ احد پڑھے وہ ہر آفت سے اس رات محفوظ ہوگیا۔ اگر وقت آگیا تو موت آئے گی ورنہ موت کے سوا سب آفتوں سے محفوظ رہے گا۔ (بزاز، مظاہر حق)

فضائل سورۂ بقرہ: رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر چیز کی ایک چوٹی ہوتی ہے، قرآن کی چوٹی سورۂ بقرہ ہے، اس کی ایک آیت یعنی آیت الکرسی ساری آیات قرآنی کی سردار ہے۔ (ترمذی) اس کی یہ تاثیر بھی بیان فرمائی جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے اس گھر میں شیطان نہیں آسکتا، وہ گھر شیطانی اثرات سے محفوظ رہتا ہے۔ (معارف الحدیث ج 5 ص ۹۳۹)

علاج اور تاثیر: اس سورہ کے مجرب خواص میں یہ ہے کہ جس موسم میں بچوں کو چیچک نکلتی ہے اور بچہ کے روبرو نہار منہ یہ ترتیل کے ساتھ پڑھی جائے اور ڈھائی پاؤ چاول کھانڈ اور دہی ڈال کر اس مجلس میں کسی غریب کو دے دیے جائیں تو انجام بخیر ہوگا، بچہ محفوظ رہے گا۔ (مظاہر حق) سورۂ بقرہ کسی کے جنازے پر پڑھی جائے تو مرنے والے کو فشارِ قبر سے آسانی ملے گی۔

آیت الکرسی اور سورۂ مومن کی پہلی آیت کی برکت: کیونکہ آیت الکرسی بھی سورۂ بقرہ کی آیت ہے اس لیے بہت پڑھی جاتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح کے وقت (سورۂ مومن 1) اور آیت الکرسی پڑھ لے گا وہ شام تک ظاہری وباطنی آفات وبلاؤں سے محفوظ رہے گا۔ (ترمذی، دارمی)

جس مال یا اولاد پر آیت الکرسی پڑھ کر دم کروگے اس کے پاس شیطان نہیں آئے گا۔ یا لکھ کر رکھو یا بچے کے گلے میں ڈال دیں۔ (حصن ص ۳۴۱)

سارے قرآن سے بڑی آیت: حضرت ابی بن کعبؓ سے آنحضورؐ نے دریافت فرمایا کہ قرآن کی سب سے بڑی آیت کون سی ہے۔ انہوں نے عرض کیا آیت الکرسی...... آپؐ نے تصدیق فرمائی اور دعا دی...... (مسند احمد) یہ جس گھر میں پڑھی جائے شیطان وہاں سے نکل جاتا ہے جو شخص ہر فرض نماز کے بعد یہ پڑھے گا تو اس کو جنت میں داخل ہونے سے بجز موت کے کوئی روکنے والی چیز نہیں یعنی موت کے بعد فوراً جنت میں داخل ہوجائے گا۔ (نسائی)

سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں: رسول پاکؐ نے فرمایا ہے کہ سورۂ بقرہ کی یہ آیتیں امن الرسول سے آخر تک یہ مجھے عرش کے خاص خزانے میں سے ملی ہیں۔ تم سیکھو اور اپنی عورتوں کو سکھاؤ، یہ آیات رحمتِ خداوندی کا ذریعہ ہیں اور قرب خداوندی کا بھی۔ (دارمی)

ہر شے سے محفوظ: رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ جو شخص یہ سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات جس رات پڑھ لے گا وہ اس کے لیے کافی ہوگی (بخاری ومسلم) مطلب یہ ہے کہ ہر شر سے محفوظ رہے گا یا جو شخص تہجد میں یہی پڑھے گا اس کے لیے اتنا ہی کافی ہوجائے گا۔ (معارف الحدیث ج ۷ ص ۱۱۰)

فضائل سورۂ آل عمران: رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن سورۂ آل عمران پڑھ لے گا تو اس کے لیے رات تک فرشتے دعا کرتے رہیں گے۔ (دارمی، مظاہر حق)

☆☆☆

شوابے ہومیو کلینک





اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، ڈاکٹر حامد جنرل ہومیو پرائیویٹ لمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی 74200۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔ (اپنے علاقے میں دوا نہ ملنے کی صورت میں ہم سے رجوع کریں)

ٹوکن

برائے شوابے ہومیو کلینک

مئی 2018ء

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: ____________

پتا: ____________

____

ہارمونز کی خرابی

مسز رابعہ......گوادر

یہ مسئلہ میری بیٹی کا ہے۔ 13 سال کی عمر میں ماہانہ ایام شروع ہوئے۔ کچھ عرصہ ٹھیک رہے۔ اب پچھلے 3 سال سے کبھی تین ماہ بعد آتے اور کبھی چار ماہ بعد۔ میں بہت پریشان ہوں۔ وزن 50 کلو تک ہوگیا ہے۔ احتیاط کرنے کے باوجود وزن کنٹرول نہیں ہوتا۔ چہرے پر بے تحاشا موٹے موٹے بال ہیں جس کی وجہ سے بچی احساسِ کمتری کا شکار ہوگئی ہے اور تعلیم بھی درمیان میں روک دی ہے۔ ایک اچھی گائنا کولوجسٹ ڈاکٹر سے دو سال تک علاج کروایا۔ جب تک علاج جاری رہا بچی کے پیریڈز آتے رہے۔ میڈیسن چھوڑ دی تو پہلی والی کیفیت پر پھر آگئی۔ اس کی طبیعت میں چڑچڑا پن اور غصے میں اضافہ ہوگیا ہے۔ مہربانی فرما کر آپ ہمارے خط کا جلدی جواب دیں اور کوئی اچھی سے دوائی تجویز کریں۔ آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔

جواب: آپ کی بیٹی کا مسئلہ ہارمونز کا ہے جس کے لیے اسے باقاعدہ علاج کی ضرورت پڑے گی۔ اللہ سے دعا کریں۔ صابر اور شاکر رہیں۔ اس طرح ذہنی طور پر مطمئن رہیں گی۔ کسی بھی بیماری کے علاج کے لیے ذہنی سکون ازبس ضروری ہے۔ جو صرف اور صرف اللہ کے ذکر سے ملتا ہے۔ مرغن غذاؤں سے پرہیز کریں۔ ورزش ضرور کیا کریں۔ چہل قدمی کریں، پانی کا استعمال بڑھائیں اور قدرتی چیزوں کا استعمال کریں۔ مصنوعی چیزوں سے پرہیز کریں۔ پہلے ایک خوراک Calc.carb-200 کی یعنی 5 قطرے ایک گھونٹ پانی میں لیں۔ ایک دن کے وقفے کے بعد Thyroidinum-30، Pulsatilla-30 کے 5-5 قطرے آدھے کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ اور Fucus ves-Ø کے 10 قطرے آدھے کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں۔ 3 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

ہارمونز کا مسئلہ

شرمین......ساہیوال

محترم ڈاکٹر صاحب! میں پاکیزہ بہت شوق سے پڑھتی ہوں اور خاص کر شوابے ہومیو کلینک شوق سے پڑھتی ہوں جس میں آپ ہر قسم کی بیماری کی تشخیص کرکے لوگوں کی رہنمائی اور مدد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کاوش میں کامیاب کرے۔ آمین۔ میرا مسئلہ بہت پیچیدہ ہے اور میں بہت زیادہ پریشان ہوں۔ کبھی تو دل کرتا ہے کہ خودکشی کرلوں۔ آپ سے گزارش ہے کہ مجھے اس مشکل سے نجات دلائیں۔ مجھ میں نسوانی حسن کی بہت کمی ہے اور مجھے پیریڈ بھی نہیں ہوتے۔ میرے لیے اچھا سا نسخہ تجویز کریں۔

جواب: اللہ سے استغفار کریں اور اس سے مدد مانگیں۔ سادہ لیکن متوازن غذا کا استعمال کریں۔ صبح و شام چہل قدمی کیا کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Iodium-30، Calc.carb-30، Pulsatilla-30 کے 5-5 قطرے آدھا گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔ 2 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

وزن، سفید بال اور لیکوریا

نازنین ناز......کراچی

مجھے لیکوریا کا پرابلم پانچ سال سے ہے۔ میں نے ہومیو پیتھک علاج کروایا۔ وقتی فائدہ ہوتا ہے جب تک دوا کھاؤ۔ دوا چھوڑنے کے بعد پھر دوبارہ سے لیکوریا کی شکایت ہو جاتی ہے۔ ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ میرے بال سفید ہو رہے ہیں اور چہرے پر بھورے تل بھی ہو رہے ہیں اور ویٹ بھی کافی ہوگیا۔ مجھے وزن کم کرنے کی دوا بھی تجویز کردیں۔

جواب: صبح سویرے کھلی ہوا میں پہلے چہل قدمی پھر جاگنگ شروع کریں۔ سادہ متوازن غذا لیں جس میں میٹھا اور چکنائی نہ ہو۔ تمام بازاری شیمپو استعمال نہ کریں، ہمارا شیمپو استعمال کریں۔ پانی میں کلورین کی زیادتی بھی بالوں کا رنگ خراب کردیتی ہے۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ ہر ہفتہ میں ایک دفعہ صبح صرف ایک خوراک Calc carb-200 کے 5 قطرے آدھے کپ پانی لیں۔ اس کے بعد Kreosotum-30، Natr.mur-30 کے 5-5 قطرے آدھے کپ پانی میں جبکہ اسی کمپنی کی Phytolaca- e- becsis-Ø کے 10 قطرے آدھا گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں۔ دو ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔ آکر مل لیں تو بہتر ہوگا۔

مرگی

انجم......سیالکوٹ

ڈاکٹر صاحب میرا بیٹا مرگی جیسے موذی مرض کا مریض ہے۔ ایلوپیتھی علاج چل رہا ہے۔ اگر درمیان میں دوا چھوڑ دے تو دورہ پڑ جاتا ہے۔ ویسے ماشاء اللہ بہت قابل ہے۔ صحت بھی ٹھیک ہے بس سر میں بہت زیادہ خشکی ہے۔ میں آپ سے جاننا چاہتی ہوں کہ کیا ہومیو پیتھی میں اس کا مکمل علاج ممکن ہے۔ اگر ہے تو میری رہنمائی فرمائیں بلکہ کسی شمارے میں اس کے بارے میں تفصیل سے دیں تاکہ بہت سے اور لوگ بھی اس سے مستفید ہوسکیں۔ میں اپنے بیٹے کو Apival



500gm صبح شام دیتی ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ اس کا علاج شادی بھی ہے۔ بچے کے والد کو شادی سے پہلے یہ مرض تھا مگر اب وہ اللہ کے کرم سے بالکل ٹھیک ہیں۔ میرے اس سوال کا جواب جلدی دیں بہت نوازش ہوگی۔

جواب: مرگی ایک اعصابی بیماری ہے جس میں مریض کا اعصابی نظام متاثر ہوتا ہے۔ اس کو اس طرح سے سمجھ لیجیے کہ جب بجلی کے تاروں میں وولٹیج زیادہ ہو جائے تو بلب/سیور وغیرہ تیز جلنے لگتے ہیں بالکل اسی طرح جب اعصاب میں حرارتی قوت بڑھتی ہے تو وہ مریض پر جھٹکوں کی صورت میں پیدا ہوتی ہے۔ مریض اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ یہ خاندانی پیدائشی یا کسی چوٹ کے لگنے، یا غلط کاری وغیرہ سے ہوسکتی ہے۔ ہومیوپیتھی میں اس کا بہترین علاج موجود ہے اور جب سبب جاننے کے بعد علاج کیا جائے تو پھر یہ مکمل علاج ثابت ہوتا ہے۔ امید ہے کہ آپ کو تسلی ہوگئی ہوگی۔ علاج کے لیے مکمل تفصیل ضرور بھیجیے گا۔ کسی بھی قسم کے مفروضوں پر عمل نہ کیجیے گا۔

ہاضمے کا مسئلہ

راضی......حویلیاں

میرا مسئلہ اور علامات درج ذیل ہیں۔ پیاس زیادہ لگتی ہے... نظام ہضم ٹھیک نہیں، تھوڑا سا کھانا کھاتے ہی بھوک ختم ہو جاتی ہے۔ ڈکار زیادہ آتے ہیں۔ ناف کے قریب کبھی کبھار درد محسوس ہوتا ہے۔ ہاتھ اور پاؤں کے ناخنوں کی رنگت سفید ہے اور یہ کمزور ہیں۔ منہ سے ناگوار بدبو آتی ہے۔ کچی بلغم ہلکی سفید رنگ کی مشکل سے خارج ہو جاتی ہے۔ ناک بھی رات کے وقت بند ہو جاتی ہے۔ گزارش ہے میرے لیے ہومیو ادویات تجویز کریں۔ آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔

جواب: راضی تم کرتے کیا ہو یہ تم نے نہیں لکھا۔ صبح سویرے اور رات کھانے کے بعد چہل قدمی ضرور کیا کرو۔ کھانے میں مرغن غذاؤں کا استعمال نہ کرو۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کرو۔ Nux ،Lycopodium-30 vomica-30، Merc.sol-30 کے 5-5 قطرے آدھے گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ پئیں۔ Bismutum Pentarkan Ptk 16 کی ایک گولی سادہ پانی کے ساتھ دن میں 3 مرتبہ لیں۔ ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

جسمانی کمزوری

نورین......میرپور

ڈاکٹر صاحب میں نے آپ کو پہلے بھی خط لکھا تھا اور اپنا مسئلہ بیان کیا تھا۔ لیکوریا، جسمانی کمزوری اور نسوانی کمزوری کا برائے مہربانی مجھے کوئی اچھا سا نسخہ لکھ دیں۔ جیسے آپ نے میری مدد پہلے فرمائی اسی طرح اب بھی میری رہنمائی فرمائیں۔

جواب: مریض کا صحیح معنوں میں علاج ڈاکٹر کے معائنے کے بعد ہوا کرتا ہے۔ بہت ساری باتیں مریض کو دیکھنے، سننے کے بعد اور بہت ساری باتیں مریض سے پوچھنے کے بعد اور کچھ رپورٹوں کے ذریعے سمجھی جاتی ہیں جس کے بعد ایک صحیح نسخہ تجویز کیا جاتا ہے۔ پھر دوبارہ معائنہ کچھ عرصے بعد تاکہ معلوم ہو کہ مریض دوا ہدایت کے مطابق لے رہا ہے یا نہیں، دوم مریض کو کن ادویات سے کتنا فائدہ ہو رہا ہے یا نہیں، سوم مریض کی کیفیت میں جو تبدیلی ہو رہی ہے اس کے مطابق نسخے میں کوئی تبدیلی یعنی کوئی اور دوا شامل کرنی یا نکالنی ہے اس لیے یہ اتنا آسان کام نہیں ہوتا جس طرح عموماً لوگ خیال کرتے ہیں اور خصوصاً جب بہت سارے مرض ایک ساتھ ہوں ان کی تشخیص کرنا اور ان کا علاج کرنا یقیناً وقت مانگتا ہے۔ ان خطوط میں بہت ساری تفصیلات معلوم نہیں ہو پاتیں۔ ورزش کو معمول میں شامل کریں۔ متوازن، سادہ غذا خصوصاً گندم کی روٹی کا استعمال کریں۔ دودھ دہی، بکرے/گائے

کا گوشت، ٹماٹر، سیب، گاجر، چقندر، ہرے پتوں والی سبزیوں کا استعمال کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات ایک ماہ استعمال کے بعد Hb% کی رپورٹ کے ساتھ حال بتائیں۔ Natr.mur-30، Calc Phos-30 ،Iodium-30، Ferr.Phos-30، کے 5،5 قطرے آدھے گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں۔

بھووں کے سفید بال

ریشم ارقم......پتوکی

میرے سر کے بال شادی سے پہلے 20 سال کی عمر میں سفید ہونا شروع ہو گئے تھے اور اب بھووں کے بال بھی سفید ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ میں جاب کرتی ہوں اس لیے بڑی پریشان ہوتی ہوں۔ پلیز میری رہنمائی کریں میری بھووں کے بال سفید ہونے سے رک جائیں۔ خوراک بھی اچھی لیتی ہوں۔

سر کے سفید بال

میری بیٹی کے سر کے بال دس سال کی عمر میں سفید ہونا شروع ہو گئے تھے اور اب آدھا سر سفید ہو چکا ہے جس کی وجہ سے میری بیٹی احساسِ کمتری میں مبتلا رہتی ہے۔ بڑی ٹینشن میں رہتی ہے۔ اس نے آگے پڑھنا بھی ہے۔ اس کی شادی بھی ہونی ہے۔ خوراک اچھی لیتی ہے۔ دودھ بھی پیتی ہے۔ برائے مہربانی ہمارے مسئلے پر توجہ دیں، کوئی اچھا نسخہ تجویز کریں۔ آپ کو دعائیں دوں گی۔

جواب: سر کے بال سفید ہونے کی کئی ایک وجوہات ہوتی ہیں۔ غم، فکر، غذا کی کمی، پانی میں کلورین کی زیادتی، شیمپو، سر کی جلد کی بیماری سر کے بالوں میں میلامن کی کمی۔ کچھ ادویات بھی بلاواسطہ اثر انداز ہوتی ہیں۔ کلر لگانے سے بھی نہ صرف سر کے بال سفید ہوتے ہیں بلکہ بھووں کے بال بھی سفید ہو جاتے ہیں۔ آپ لوگ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ آپ دونوں Acid Phos-3x، Jaborandi-Ø، Lycopodium-30 کے 5-5 قطرے آدھے کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔ ہفتہ میں دو مرتبہ ہمارے شیمپو سے بال دھوئیں اور تیل استعمال کریں۔ بالوں کی جڑوں میں مساج کریں۔ 2 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

بواسیر

وقار رضوی......مانسہرہ

میرے والد صاحب کو عرصہ 9 ماہ سے خونی بواسیر کی تکلیف ہے جو کہ اس وقت شدید صورت اختیار کر چکی ہے۔ انہوں نے مختلف دیسی دوائیاں استعمال کی ہیں لیکن افاقہ نہیں ہو رہا۔ دائمی قبض ہے، تین سے چار بار خون کے آنے سے مرض شدت اختیار کر چکا ہے اور "درد" بھی بہت شدید ہے جس کی وجہ سے چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا حتیٰ کہ چارپائی پر لیٹنا بھی دشوار ہو چکا ہے۔ آپ سے بہت عاجزی کے ساتھ درخواست ہے کہ اس موذی مرض کا مناسب علاج تحریر فرمائیں۔ BP کنٹرول کرنے والی گولیاں، خون پتلا کرنے والی دوا اور سانس کے لیے انہیلر (Inhalor) استعمال کر رہے ہیں۔

جواب: پانی کا استعمال بڑھائیں۔ لہسن، بادام، اخروٹ کھائیں۔ چہل قدمی کیا کریں۔ قبض نہ ہونے دیں۔ نرم اور زود ہضم غذا لیں۔ خون پتلا کرنے والی دوائی فوراً بند کریں اس کی جگہ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Arnica-200 ایک خوراک 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں 1 مرتبہ لیا کریں۔ Aesculus Pentarkn Ptk 3، کے 10 قطرے آدھے گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔

ہارمونز

نوشین......فیصل آباد

ایام شروع ہونے سے پہلے الٹیاں آتی ہیں۔ کچھ بھی

کھایا پیا ہو نکل جاتا ہے۔ پھر معدے کے منہ پر درد شروع ہو جاتا ہے۔ نہ پیٹ کم ہوا نہ کولہے، بال بھی گرتے ہیں میں نے آپ کو عینک کے متعلق بھی لکھا تھا۔ آنکھوں کی سیدھ میں سر میں درد ہوتا ہے۔ میرے چہرے پر کیل نکلتے ہیں اور ناک پر بلیک ہیڈز بہت زیادہ ہیں۔ اب میرا جسم پھول گیا ہے اور طاقت بالکل نہیں ہے۔ سیڑھیاں چڑھنے سے سانس پھولتا ہے۔ میرے منہ میں تالو والی جگہ پر خارش ہوتی ہے۔ اکثر منہ میں چھالے نکل آتے ہیں۔ تھوڑا سا کام کر کے تھک جاتی ہوں۔

جواب: بی بی آپ کا مسئلہ ہارمونز کی خرابی کا ہے۔ آپ کو باقاعدگی سے اس کا علاج کرنا ہوگا۔ خطوط کے ذریعے نمبر آنے پر... جواب دے دیا جاتا ہے۔ فون نمبر دینا بے کار ہے کہ ہر کیس یاد نہیں رکھا جاسکتا کہ کس کو کیا ہے؟ اور کیا دوائی دی؟ خط میں بھی پچھلی دوائیوں کا ذکر ضرور کیا کریں تاکہ معلوم ہو کہ پہلے کیا دیا تھا۔ اور اب کیا صورتِ حال ہے۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Calc.carb-200 کی ایک خوراک 5 قطرے ایک گھونٹ پانی میں ہر ہفتے لیں۔ اس کے ایک دن بعد Thyroidinum-30، Pulsatilla-30، Fucus ،Phytolcca- e-becsis-Ø ، Physostigma-30 ،ves-Ø ، Ruta-30 کے 7-7 قطرے ایک کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں۔ اور Magnesium phos Ptk 60 کی ایک گولی دن میں تین مرتبہ لیں۔ دو ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

چہرے پر دانے اور بالوں کا گرنا

زرمین...... بدین

میرا مسئلہ یہ ہے کہ .... ڈیڑھ سال پہلے میرے چہرے پر لال لال موٹے موٹے دانے نکلنے شروع ہوئے اور ساتھ ہی بالوں نے بھی گرنا شروع کر دیا۔ بال جو بالکل سیاہ کالے اور گھٹنے نیچے تک چٹیا لٹکتی تھی اب گر کر بالکل شانوں تک آ گئے ہیں۔ چہرہ بدنما لگتا ہے۔ چہرے کی خوبصورتی متاثر ہو رہی ہے۔ ہم نے بدین میں ہومیو پیتھک اور ایلو پیتھک دونوں ڈاکٹروں سے علاج کروایا ہے لیکن فرق نہیں ہوا۔ دانے چہرے پر لال لال اور اس میں پیپ بھی ہوتی ہے جو پہلے چھوٹا اور بعد میں بڑا ہو کر چہرے پر بدنما گڑھا چھوڑ دیتا ہے۔ ان دونوں مسئلوں کا علاج تجویز کریں۔ یقیناً آپ کا ہم پر احسان ہوگا۔

جواب: صبح سویرے سورج نکلتے ہوئے 15 منٹ کے لیے دھوپ میں بیٹھیں۔ اس طرح کہ جسم کا زیادہ سے زیادہ حصہ دھوپ کے اثر میں آئے۔ تازہ ہوا میں چہل قدمی کریں۔ اللہ سے دعا بھی کریں۔ مدد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور کوئی بھی کچھ نہیں کرسکتا۔ ایک دن چھوڑ کر بالوں کو ہمارے والے شیمپو سے دھوئیں اور ہمارے والے فیس واش سے منہ 5 مرتبہ دھوئیں۔ دانوں کو کھجائیں نہیں بلکہ کاٹن کے کپڑے سے ہلکے ہلکے سہلایا کریں۔ کھانے میں تیز مرچ مصالحوں، مرغن غذاؤں سے پرہیز کریں۔ شوربا چپاتی بہتر رہے گا۔ سبزیوں اور پھلوں کا زیادہ سے زیادہ استعمال کریں۔ مرغی بالکل بھی استعمال نہیں کرنی خصوصاً فارم کی۔ کوئی کولڈ ڈرنک اور کسی بھی قسم کا کوئی شربت استعمال نہ کریں۔ ستولسی اور تازہ پھلوں کا جوس لے سکتی ہیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات ایک ماہ استعمال کے بعد دوبارہ حال بتائیے۔ Calcsulp-30، Belladona-30 اور Graphites-30 کے 7-7 قطرے آدھے گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ پئیں۔